تاریخ احمدیت جموں و کشمیر

مصنفہ

محمد اسد اللہ قریشی

(مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ)

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No. 076970
★ MAILSI ★

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

Masood Faisal Jhandir Library

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ (صف)

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے

اگرچہ مشرک ناپسند ہی کریں

(صف)

تاریخِ احمدیت کشمیر

جس میں

بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک ریاست جموں و کشمیر میں حقیقی اسلام (احمدیت) پھیلنے کی تاریخ بیان کی گئی ہے

مرتبہ

محمد اسد اللہ قریشی

(مربی سلسلہ احمدیہ)

طابع و ناشر:- محمد اسد اللہ قریشی (مربی سلسلہ احمدیہ) مؤلف کتاب ہذا

(ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	فہرست مضامین	ب
۲	تعارف	ز
۳	عرض حال	ط
	باب اوّل	
۴	جغرافیائی تاریخی اور مذہبی پس منظر	۱
۵	حضرت آدمؑ و حوا۔ بنی اسرائیل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کشمیر میں آمد	۳
۶	دنیا کے بڑے بڑے مذاہب اور کشمیر کی اہمیت	۷
۷	کشمیر میں اشاعت اسلام	۸
	باب دوم	
	فصل اوّل	
۸	زمانۂ مسیح و مہدی کی اہمیت اشاعت احمدیت۔ مذہبی بیداری اور گوناگوں مصائب و مشکلات میں نئے دور کا آغاز	۱۳
۹	فہرست صحابہ کرام رضہ	
	فصل دوم	
۱۰	صحابہ مسیح موعود علیہ السلام اور دیگر مبائعین کے حالات۔	۱۶
۱۱	حضرت خلیفہ نورالدین رضہ	۱۹
۱۲	حضرت خلیفہ عبدالرحیم رضہ	۲۴
۱۳	حضرت راجہ حیدر خانؓ و حضرت راجہ عطا محمد خان رضہ	۲۷
۱۴	حضرت حاجی عمر ڈار رضہ	۳۰
۱۵	حضرت مولوی محمد ابراہیمؓ و حضرت محمد حسین جو رضہ حضرت مولوی غلام محمد و غلام احمدؓ	۳۶
۱۶	حضرت مولوی حبیب اللہ۔ انور جنتؓ۔	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	محمد میرؓ۔ جمال دینؓ۔ میر حبیب اللہ رضہ	۳۳
۱۷	حضرت خواجہ عبدالرحمن میر رضہ	۳۴
۱۸	حضرت جان محمد بٹ رضہ	۳۵
۱۹	مولوی عبداللہ صاحب وکیل	۳۵
۲۰	غلام رسول صاحب مانو و شعبان ریشی رضہ	۳۶
۲۱	ولی محمد۔ محمد رمضان۔ ملک عبدالعزیز میاں جیون بٹ رضہ	۳۷
۲۲	حضرت صابر جوؓ۔ فقیر محمد رضہ	۳۸
۲۳	عبدالقادر ڈار رضہ۔ میاں محمد صدیق	۳۹
۲۴	خواجہ جمال الدین گھانٹے۔	
۲۵	سید صادق شاہ	
۲۶	حضرت جمال الدینؓ۔ امام دینؓ اور خیر دینؓ حضرت مولانا جلال الدین شمس و قمرالدین۔	۴۰
۲۷	حکیم محمد اسمٰعیلؓ۔ خواجہ میراں بخش	۴۱
۲۸	خواجہ محمد شریف صاحب	۴۲
۲۹	عبداللہ و عبدالقادر و صوفی نبی بخش	۴۳
۳۰	شیخ کریم بخش۔ خواجہ کمال دین شمس الدین فتح دین۔ محمد دین۔ غلام شاہ۔ نظام شاہ	۴۴
۳۱	عبدالرحیم عرف پوا و سید فضل شاہ رضہ	۴۵
۳۲	خواجہ منشی نظام الدین رضہ	۴۶
۳۳	سید ناصر شاہ صاحبؓ و ماسٹر خلیل الرحمن رضہ	۴۷
۳۴	مفتی محمد دین صاحب و منشی کریم بخش و عمرا خان	۴۸
۳۵	خواجہ امداد علی و مستری یعقوب علی۔ فیض احمد	۴۹
۳۶	حضرت مولوی محبوب عالم رضہ	۵۰
۳۷	حضرت مولوی نظام الدین رضہ	۵۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۸	حضرت مولوی سرور شاہ صاحبؓ	۵۳
۳۹	مولوی محمد حسین صاحبؓ و قاضی محمد اکبرؓ	۵۷
۴۰	مولوی عبدالواحد صاحبؓ	۶۱
۴۱	میاں غلام قادر صاحب و مولوی ثناء اللہؓ	۶۳
۴۲	مولوی عطاء اللہ صاحبؓ	۶۴
۴۳	حضرت مدد خان صاحبؓ	۶۵
۴۴	میاں سانولا صاحبؓ	۶۷
۴۵	سید سیف اللہ شاہ صاحبؓ	۶۹
۴۶	قاضی فیروز الدین صاحبؓ	۷۲
۴۷	خواجہ حفیظ الدین ۔ بہادر علی ۔ مولوی اللہ دتاؓ	۷۴
۴۸	چوہدری حیات بخش صاحب	۷۵
۴۹	میاں منگا	۷۶
۵۰	میاں صلاح محمدؓ	۷۷
	صوفی سلطان میر	۷۸
	باب سوم	
	حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور بزرگان سلسلہ کے سفر ہائے کشمیر۔	۸۰
۵۲	حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا پہلا سفر کشمیر	″
۵۳	″ ″ کا دوسرا ″	۸۱
۵۵	مسجد احمدیہ جموں اور خدائی تصرف کا ایک واقعہ	″
۵۶	حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا تیسرا سفر کشمیر	۸۴
۵۷	بہائیوں کا مقابلہ	″
	باب چہارم	
۵۸	تحریک شدھی کی ریاست پرورش اور جماعتہائے احمدیہ کا مقابلہ	۸۷
۵۹	انجمن اسلامیہ جموں	۸۸
۶۰	کشمیر، کشتواڑ اور پونچھ میں آریہ واعظوں کی تقاریر اور احمدیوں کا مقابلہ	۸۹
	باب پنجم	
۶۱	ریاستی احمدیوں کا مذہبی آزادی ۔ باہمی رواداری اصلاح اخلاق و مذہب اور معاشرہ کے لئے ہمہ گیر جہاد از ۱۹۳۲ء تا ۱۹۴۷ء	۹۲
۶۲	سری نگر میں لائبریری و دارالمطالعہ کا قیام اور مختلف جماعتوں میں جلسے اور تقاریر	۹۳
۶۳	جموں میں احرار پنجاب کی ناکامی	۹۴
۶۴	ہاری پاری گام میں حکم امتناعی کی منسوخی کے بعد سالانہ جلسہ	۹۵
۶۵	ایک پادری کا قبول اسلام	۹۷
۶۶	جنم اشٹمی سری نگر کے جلسہ میں احمدی مبلغین کی تقاریر۔	۹۹
۶۷	سری نگر میں سیرت النبیؐ کا جلسہ اور غیر مسلم مقررین کی تقاریر	۹۹
۶۸	رشی نگر و کوریل کے سالانہ جلسے	۱۰۰
۶۹	سری نگر میں مسجد احمدیہ کی بنیاد	۱۰۱
۷۰	عیسائیت کی اشاعت اور مسلمان	″
۷۱	آل انڈیا مسلم گوجر کانفرنس جموں میں احمدی مبلغ کی تقریر	۱۰۲
۷۲	کنہ پورہ میں پنڈتوں کو دعوت حق	″
۷۳	تبلیغی و تربیتی دورہ ۱۹۴۲ء اور علاقوں کے جلسے ۔	۱۰۲
۷۴	سری نگر میں مذاہب کانفرنس	۱۰۳
۷۵	یوم آزادی مذہب	۱۰۴
۷۶	مسلم ملازمین کے حقوق کے تحفظ کی کوشش	۱۰۵
۷۷	وزیر اعظم کشمیر سے احمدی وفد کی ملاقات	۱۰۵
۷۸	مرکزی مبلغین کا دورۂ کشمیر	۱۰۶
۷۹	خدام الاحمدیہ کے ذریعہ خدمت خلق	۱۰۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۰	بد رسوم کے خلاف جد و جہد	۱۰۷
۸۱	شاہی تحقیقاتی کمیشن میں عوامی بہبود کے لئے اہم تجاویز	״
۸۲	مولوی عبداللہ ناصر الدین کی اہم شہادت	۱۰۸
۸۳	مہاراجہ کشمیر کو دعوتِ حق کا پیغام	״
۸۴	صاحبزادہ مرزا منصور احمد کا دورہ کشمیر اور تقاریر	״
۸۵	ایک غیر از جماعت مؤرخ کشمیر کے تاثرات	۱۰۹
۸۶	مسجد احمدیہ رشی نگر پر ہندوؤں کی دست درازی	״
۸۷	محکمہ قضاء قادیان کی طرف سے کشمیر کیلئے قاضیوں کا تقرر	״
۸۸	رشی نگر میں جلسہ سالانہ	۱۱۰
۸۹	ڈاکٹر یوسف سلیمان جنوبی افریقہ کی سرینگر میں آمد اور قبر عیسیٰؑ کی زیارت	״
۹۰	جماعتہائے احمدیہ کشمیر کیلئے ایک ضروری فتویٰ	״
۹۱	حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں ایڈریس اور جوابی تقریر	۱۱۱
	فصل دوم	
۹۲	تقسیم ہند کے بعد باہمی امن و رواداری۔ اصلاح معاشرہ اور ملکی ترقی کی ریاست گیر جدوجہد۔	۱۱۱
۹۳	یوم پیشوایان مذاہب اور تقاریر	۱۱۲
۹۴	مسجد احمدیہ پونچھ کی واگذاری	۱۱۳
۹۵	جرمن نومسلم احمدی کی تقاریر	״
۹۶	مرکزی وفد کا دورہ ۱۹۶۱ء اور جلسے	״
۹۷	گوردوارہ سنگھ سبھا اور گورو نواس منڈل میں تقاریر	۱۱۴
۹۸	سالانہ احمدیہ کانفرنس کنہ پور ۱۹۶۳ء	۱۱۴
۹۹	پونچھ میں جلسہ پیشوایان مذاہب	۱۱۵
۱۰۰	سالانہ مرکزی وفود برائے کشمیر کا سلسلہ اور تبلیغی جلسے ۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۹ء	۱۱۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	باب ششم	
۱۰۱	مبلغین و مربیان سلسلہ احمدیہ ریاست جموں و کشمیر	۱۱۷
۱۰۲	مکرم مولوی محمد شاہ۔ مکرم مولوی عبدالواحد مکرم مولوی عبدالرحمٰن کشتی۔	۱۱۸
۱۰۳	مکرم شیخ حمید اللہ۔ مکرم مولوی محمد حسین	۱۱۹
۱۰۴	مکرم مولوی عبدالرحیم غلام احمد نسیم مولوی نظام الدین۔ محمد یوسف سلیم ایم اے	۱۲۰
۱۰۵	مکرم عبدالوہاب شاہد	۱۲۱
۱۰۶	مولوی گلزار احمد۔ مکرم کرم دین صاحب مولوی عبدالغفور مولوی غلام احمد شاہ	۱۲۲
۱۰۷	مکرم مولوی حمید اللہ صاحب	۱۲۳
۱۰۸	مکرم قریشی حنیف قمر علوی (سائیکل سیاح)	۱۲۴
۱۰۹	مکرم مولوی عبدالرحمٰن مرحوم مکرم مولوی عبدالحی صاحب	۱۲۶
۱۱۰	مکرم مولوی عبدالحلیم مرحوم۔ مکرم مولوی عبدالقادر۔ مکرم شیخ غلام نبی	۱۲۹
۱۱۱	مکرم عبداللطیف صاحب شاہد چودھری عبدالواحد صاحب	۱۳۰
۱۱۲	سید عبدالحی شاہ صاحب مکرم راجہ خورشید احمد منیر	۱۳۲
۱۱۳	مکرم بشیر احمد صاحب قمر۔ خاکسار راقم الحروف مؤلف کتاب ہذا مکرم عبدالمجید صاحب شاہد۔ مبارک احمد قمر	۱۳۳
	باب ہفتم	
۱۱۴	کوٹلی آزاد کشمیر اور اس کے ملحقات میں احمدیت	۱۳۹
۱۱۵	مسجد احمدیہ کوٹلی	۱۴۳
۱۱۶	سیرت النبی صلعم کا جلسہ اور مختلف مذاہب کے علماء کی تقاریر	۱۴۳
۱۰۷	نوائے کشمیر کوٹلی	۱۴۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰۸	جماعتہائے احمدیہ آزاد کشمیر کا پہلا سالانہ جلسہ ۱۹۶۳ء	۱۴۵
۱۰۹	دلیا چٹاں میں جلسہ	۱۴۶
۱۱۰	ذیلی تنظیمیں	۱۴۹
۱۱۱	ایک ہزار روپیہ نقد مع سامان کی چوری اور واپسی کا ایمان افروز واقعہ	۱۴۹
۱۱۲	حاجی امیر عالم کوٹلی مرحوم	۱۵۲
۱۱۳	کرم دین کھوکھر	۱۵۹
۱۱۴	سردار دوست محمد خان چغتائی	۱۶۰
۱۱۵	منشی فیروز دین والد دین مرحوم	۱۶۳
۱۱۶	منشی علم دین عرائض نویس	۱۶۴
۱۱۷	علم دین مغل۔ شاہ محمد۔ غازی محمد صدیق	۱۶۵
۱۱۸	ڈھنگروٹ	۱۶۶
۱۱۹	ڈاکٹر محمد بشیر	۱۶۷
۱۲۰	تتہ پانی۔ کھڈ گوجراں۔ دھندلی رام باڑی۔ بھابڑا	۱۶۸
۱۲۱	چرناڑی	۱۶۹
۱۲۲	چوکی منگ	
۱۲۳	سرسادہ۔ برموچ	۱۷۱
۱۲۴	گوئی میں احمدیت	۱۷۲
۱۲۵	مولوی امام دین صاحب	۱۷۴
۱۲۶	چوہدری گدی۔ میاں گاما صاحبان	۱۷۵
۱۲۷	شاکرہ بی بی	۱۷۶
۱۲۸	چوہدری سخی محمد دکیپٹن چوہدری جمال الدین صاحب	۱۷۸
۱۲۹	درہ شیر خان میں احمدیت	۱۷۹
۱۳۰	بھاگی اور رانی دو دلیر احمدی عورتیں۔	۱۸۳
	باب ہشتم	
۱۳۱	علاقہ میرپور بھمبر اور انکے ملحقات میں احمدیت	۱۸۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۳۲	کیپٹن ڈاکٹر محمد الدین مرحوم	۱۸۶
۱۳۳	قاضی محمد برکت اللہ صاحب	۱۸۷
۱۳۴	موضع کنڈور۔ براٹلہ	۱۸۸
۱۳۵	نگیال	۱۹۱
۱۳۶	ڈھوک ہرچیال	۱۹۲
۱۳۷	پنجیڑی اور اس کے ملحقات	۱۹۳
۱۳۸	بھمبر میں احمدیت	۱۹۷
۱۳۹	سماہنی میں احمدیت	۱۹۸
۱۴۰	تولین راجانی۔ بڑوہ	۱۹۹
۱۴۱	موضع کنجالاں	۲۰۰
	باب نہم	
۱۴۲	علاقہ مظفرآباد۔ گلگت دبلتستان اور ان کے نواحات میں احمدیت	۲۰۰
۱۴۳	پریس کانفرنس	۲۰۲
۱۴۴	محترم چوہدری محمد ظفراللہ خان کی تقریر اور ان کی خدمات کا اعتراف	۲۰۲
۱۴۵	آزاد کشمیر اور پاکستان کے مہمانوں۔ شیخ محمد عبداللہ اور ان کے رفقاء کی خدمت میں روحانی تحفہ کی پیشکش	۲۰۳
۱۴۶	پریم کوٹ	۲۰۵
۱۴۷	گلگت میں احمدیت	۲۰۸
۱۴۸	حضرت خان بہادر غلام محمد خان گلگتی رضی	۲۱۰
۱۴۹	مسجد احمدیہ گلگت	۲۱۴
۱۵۰	احمدیہ مشن کا قیام	۲۱۴
۱۵۱	داریل میں احمدیت	۲۱۶
۱۵۲	اسکردو	″
۱۵۳	دُم سُم میں احمدیت	۲۱۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۵۴	کشمیر کی راہ سے کاشغر (ترکستان) میں احمدیت۔	۲۱۸
	باب دہم	
۱۵۵	خط متارکہ جنگ کے پار سری نگر جموں اور ان کے ملحقات میں احمدیت	۲۲۲
۱۵۶	جموں - اکھنور	۲۲۳
۱۵۷	سری نگر	۲۲۴
۱۵۸	باڑی پورہ - وچھن پورہ	۲۲۸
۱۵۹	ناسنور - بالن	۲۲۹
۱۶۰	ہموسان	۲۳۰
۱۶۱	بیج بیاڑہ - شورت اور کنہ پورہ	۲۳۲
۱۶۲	رشی نگر - ہچہ مرگ - ہفرڈہ	۲۳۳
۱۶۲	علاقہ باندی پورہ	۲۳۴
۱۶۳	موضع ماندوجن - کانٹھ پورہ	۲۳۶/۲۳۷
۱۶۴	ہندواڑہ - شیگاہ (تنت ناگ)	۲۴۱
۱۶۵	اُدھم پورہ	۲۴۲
۱۶۶	ریاست کی غیر طبعی تقسیم کا اثر	۲۴۲
۱۶۷	ریاست کی احمدیہ جماعتیں	"
۱۶۸	احمدیوں کی نفری شماری	۲۴۳
	باب یازدہم	
۱۶۹	پونچھ - راجوری - ریاسی اور ان کے ملحقات میں احمدیت	۲۴۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۷۰	مصر سے وفات مسیحؑ کا فتویٰ	
۱۷۱	مسجد احمدیہ پونچھ	۲۴۹
۱۷۲	غازی کشمیر ڈاکٹر بشیر محمود	۲۵۱
۱۷۳	منشی دانشمند خان	۲۵۳
۱۷۴	چار کوٹ	۲۵۴
۱۷۵	کالابن کوٹلی - ٹائیں منکوٹ	۲۵۶
۱۷۶	موضع بڈھاؤں - موریاں	۲۵۷
۱۷۷	لوہارکہ - دھوڑیاں - کنوئیاں -	۲۵۸
۱۷۸	باغ (پونچھ)	۲۵۹
۱۷۹	محلہ کھکھاناں بن - ہنڈی کھٹانہ - پٹھانا تیر - ٹرانہ	۲۶۰
۱۸۰	تراڑکھل - میجر نور حسین	۲۶۱
۱۸۱	مہوڑہ (داوڑی)	۲۶۲
	باب دوازدہم متفرقات	
۱۸۲	خواجہ غلام نبی سابق ایڈیٹر الفضل	۲۶۴
۱۸۳	گیانی عباداللہ صاحب مینجر الفضل	۲۶۵
۱۸۴	میاں عبدالرحیم مرحوم	"
۱۸۵	محمد صدیق میر - قریشی محمد حنیف کے حالات کا تتمہ	۲۶۶
۱۸۶	صاحبزادہ مرزا طاہر احمد کا دورہ آزاد کشمیر	۲۶۹
۱۸۷	ریاست میں مساجد ہائے احمدیہ کی فہرست	"
۱۸۸	مدارس - موصیاں - درویشان اور پانچہزاری مجاہدین	۲۷۰
۱۸۹	معاونین کتاب کیلئے درخواست دعا	"
۱۹۰	جہلم کے چند اصحاب کا ذکر	۲۷۲

تمت ـــ بالخیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تعارف

(از حضرت قاضی محمد نذیر صاحب مدظلہٗ ناظر اشاعت لٹریچر و تصنیف صدر انجمن احمدیہ ربوہ (پاکستان)

مکرم و محترم قریشی محمد اسد اللہ صاحب مربی سلسلہ نے انتہائی محنت اور کاوش سے کشمیر میں احمدیت کی تاریخ کو مرتب فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کو سفر بھی کرنے پڑے اور سینکڑوں صفحات کی طویل خط و کتابت۔ سلسلہ کے ریکارڈ۔ اخبارات و رسائل کے نصف صدی سے زائد کے فائل کا مطالعہ کرنا پڑا۔

اس کتاب کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے امام مہدی علیہ السلام کا پیغام دُور دراز کے دشوار گذار پہاڑی علاقوں میں پھیلانے کا انتظام فرمایا اور بغیر کسی تلوار اور دنیاوی حکومت کے اسلام کی اشاعت پُرامن ذرائع سے ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کشمیر کی سرزمین میں ایسے فدائی متبعین عطا فرمائے جنہیں تبلیغ کا جنون تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان منکسر مزاج اور غریب طبیعت لوگوں کی نصرت و تائید میں بیسیوں نشانات ظاہر فرمائے۔

گو یہ ایک علاقہ کی تاریخ ہے لیکن عالمی اہمیت کا علاقہ ہونے کی وجہ سے مفید اور اہم ہے نیز اصولی لحاظ سے یہ اشاعت اسلام کے موضوع کا ایک حصہ ہے جس سے عیسائی دنیا پر بھی واضح ہو جائیگا کہ کس طرح اسلام مادی طاقت کے بغیر صرف اپنی صداقت کی بناء پر پھیلتا ہے۔

محترم قریشی صاحب نے اس علاقہ کی جماعتوں کی تاریخ محفوظ فرما کر آئندہ نسلوں کے لئے ایک مشعل راہ تیار کی ہے۔ کشمیر کے نوجوان احمدیوں کا خصوصیت سے یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بزرگوں اور اجداد کے خلوص، للہیت اور فدائیت کو اپنے اعمال و کردار سے مسلسل زندہ رکھیں اور اپنی جد و جہد کو اس وقت تک جاری رکھیں جب تک اسلام اسی طرح دنیا میں غالب نہیں آتا جسطرح قرون اولیٰ میں غالب آیا تھا۔ اس مقدس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ ہر احمدی خواہ مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا احمدیت کی تاریخ سے آگاہ رہے۔ اور اسے آئندہ نسلوں تک اولاد در اولاد پہنچاتا رہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(قاضی) محمد نذیر (ناظر اشاعت لٹریچر و تصنیف ربوہ)

فضل عمر فاؤنڈیشن کے منصف کی رائے

فضل عمر فاؤنڈیشن کے ابتدائی جائزہ لینے والے منصف نے (جنکے نام صیغہ راز میں رکھے جاتے ہیں) مقالہ کی افادیت کے متعلق رائے دیتے ہوئے لکھا:۔

"کشمیر کے احمدیوں کے حالات جو مصنف نے قلمبند کئے ہیں بہت قابل قدر ہیں اور اس سے ہماری تاریخ کا ایک باب بخوبی محفوظ ہو گیا ہے (باب اصحاب مسیح موعودؑ کے حالات) بہت ہی دلچسپ ہیں۔ اس مقالے سے جماعت کے ہاتھ میں ایک بہت مفید تصنیف آ جائیگی اور اب تک کوئی ایسی تصنیف موجود نہیں۔"

محترم مولانا ابوالعطاء صاحب ایڈیٹر "الفرقان" و ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد کی رائے

"محترم جناب مولوی اسد اللہ خان صاحب فاضل کاشمیری ایک اچھے لکھنے والے ہیں۔ انہیں خدمت دین سے لگن ہے۔ انہوں نے گذشتہ دنوں علاقہ کشمیر میں احمدیت کی تاریخ قلمبند کی ہے۔ یہ کوشش نہایت مفید اور بابرکت ہے۔ اس علاقہ میں احمدیت کی تاریخ ایک کاشمیری عالم دین کے ہاتھوں مرتب ہونا بہت مناسب ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ آمین

مَیں نے اس کتاب کے جستہ جستہ حصے دیکھے ہیں۔ میرے نزدیک یہ کتاب معلومات کے لحاظ سے نئی نسل کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی۔ احمدیت اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا نام ہے۔ ضروری ہے کہ احمدیت سارے ملکوں میں پھیلے اور اس کا چرچا ہر جگہ ہو۔ الٰہی نوشتوں کے مطابق ایسا ہو کر رہیگا۔ اسوقت لوگوں کو گذشتہ تاریخ کے جاننے کی اشد ضرورت ہوگی اور اسوقت صحیح اندازہ لگایا جاسکیگا کہ جن لوگوں نے پہلے وقتوں میں احمدیت کی تاریخ کو مدوّن کیا انہوں نے کتنا اچھا کام کیا ہے۔ میرے نزدیک تاریخ کی تدوین بہت بڑی ذمہ داری اور احتیاط کی متقاضی ہے۔ ہر قسم کی افراط تفریط سے بچنا بھی ضروری ہے۔ اگر محترم مصنّف اپنی اس تصنیف کے بارے میں پوری تحقیق و تدقیق کر سکیں جس کی ان سے بجا طور پر توقع ہے تو وہ ایک بہترین کارنامہ سرانجام دینگے۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہو اور انہیں ہر مرحلہ پر احقاق حق کی توفیق بخشے۔ آمین

خاکسار ابوالعطاء جالندھری ۷۳-۲-۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٭ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ٭ وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

عرضِ حال

تقسیم ہند ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے بعد ملک میں جو پراگندہ حالات رُونما ہوئے ان کے پیش نظر اس ضرورت کا احساس بہت بڑھ رہا تھا کہ وفات یافتہ اوّلین احمدی بزرگوں کے ایمان افروز حالات محفوظ ہوں جنہوں نے گوناگوں مشکلات و مصائب برداشت کر کے اشاعت احمدیت میں نمایاں کردار انجام دیا ہے اور بڑی جدوجہد کی ہے۔

خاکسار راقم الحروف نے اوّل محترم ملک صلاح الدین صاحب مؤلف "اصحاب احمد" قادیان اور مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب امیر جماعت احمدیہ قادیان (بھارت) سے زبانی و تحریری گذارشیں کی تھیں کہ چونکہ اکثر احمدی جماعتیں خطۂ متارکۂ جنگ کشمیر کے اس پار ہیں جس پر بھارت کا کنٹرول ہے وہ مرحوم بزرگوں کے حالات محفوظ کرنے کی طرف توجہ فرمائیں مگر مصروفیات کی وجہ سے وہ اس طرف توجہ نہ کر سکے۔ مَیں نے سوچا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے یہ خدمت مجھ سے لینا چاہتا ہے۔ چنانچہ میں نے نظارت اصلاح و ارشاد سے اجازت لیکر اس بارہ میں کام کرنا شروع کر دیا۔ نیا نیا احمدی ہونے کی وجہ سے کچھ مجھے اس کا شوق بھی تھا کہ کوئی ایسی خدمت کر جاؤں جو یادگار رہے اور بزرگوں کی دعائیں پہنچتی رہیں۔ اوّل نظر میں تو یہ کام آسان معلوم ہوتا تھا مگر جب قلم اٹھایا تو کئی مشکلات کا سامنا ہوا کیونکہ اس موضوع پر پہلے سے کوئی مطبوعہ کتاب یا مجموعہ مواد موجود نہ تھا۔ نیز مرحوم احمدی بزرگوں اور ریاستی صحابہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے دور دراز سفر اور صرفے کرنے پڑتے تھے۔ انہی مشکلات کی وجہ سے پہلے جس کسی نے اس موضوع پر قلم اٹھایا بھی تھا۔ اسے یہ موضوع چھوڑنا پڑا۔ بڑی مشکل یہ تھی کہ خطِ متارکۂ جنگ اور پاک بھارت کے کشیدہ سیاسی حالات کی وجہ سے اِدھر والوں کے لئے اُدھر والوں کے اور اُدھر والوں کیلئے اِدھر والوں کے حالات کا جاننا کوہ کنی کے مترادف تھا۔ مگر ان موانع و مشکلات کے باوجود میں نے ہمّت نہ ہاری اور دعاؤں کے ساتھ کوشش جاری رکھی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہی اور حالات میسّر آتے رہے۔ حدّ متارکہ کے پار سے بھی جس حد تک ممکن تھا بعض حالات موصول ہو گئے۔ چنانچہ مختلف ذرائع و وسائل سے لمبے عرصہ کی محنت، دماغ سوزی اور صرفہ سے جو حالات میسر ہوئے وہ میں افادۂ عام کی غرض سے کتاب ہٰذا کی صورت میں احباب کرام کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل ہو گیا۔

خاکسار نے اس مقصد کی غرض سے دور دراز پہاڑی علاقوں کے سفر بھی کئے۔ مرحوم بزرگوں اور ریاستی اصحاب کے لواحقین کے حلفیہ بیانات اور روایات قلم بند کیں۔ بعض بزرگوں کے مقبروں کے کتبہ جات سے

بھی حالات معلوم کئے۔ بعض لوگوں کے پاس جو تاریخی دستاویزات اور قلمی تحریرات تھیں اُن سے بھی استفادہ کیا۔ بعض لوگوں سے خطوط لکھ کر حالات مہیا کئے۔ آزاد کشمیر کے کئی لوگ امریکہ، انگلینڈ وغیرہ مقامات پر پھیلے ہوئے تھے جن سے اُن کے بزرگوں کے حالات مل سکتے تھے اُن سے بھی بذریعہ ڈاک حالات منگوا لئے۔ سلسلہ کے اخبارات و رسائل کی نصف صدی پرانی فائلوں کی ورق گردانی کر کے منتشر مواد کو بھی یکجا کیا۔ بعض اہم تصاویر بھی حاصل کر لیں۔ اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک کے بزرگوں اور ریاستی صحابہ کے حالات کا کثیر حصّہ محفوظ ہو گیا۔

اسوقت بھی وفات یافتہ بزرگوں کے حالات معلوم کرنے میں مشکلات اور دقتیں پیش آ رہی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر اب بھی یہ حالات محفوظ نہ کئے جاتے تو بعد میں کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔

تاریخ کا کام تو ختم نہیں ہو سکتا بقیہ کام بشرط زندگی میں خود یا کوئی اور انجام دیگا مگر ان حالات سے جو اس تاریخ میں محفوظ ہو گئے ہیں آئندہ کام کرنے والوں کے لئے ایک بنیاد قائم ہو گئی ہے اور سلسلہ احمدیہ کی تاریخ کا کثیر اور اہم حصّہ ضائع ہونے سے بچ گیا ہے۔ جو تبلیغ اور تربیت کے میدانوں میں عمدہ اور کارگر ذریعہ کا کام دے سکیگا۔ نیز اس سے غیر مذاہب والوں خصوصًا عیسائی دنیا کے لئے اس امر کا ایک نیا تجربہ اور نیا عملی ثبوت فراہم ہوگا کہ کس طرح اسلام اب بھی دنیا میں مادی طاقت اور ظاہری سامانوں کے بغیر محض اپنی صداقت کی وجہ سے پھیلنے کی صلاحیت و قوت رکھتا ہے۔ پہلے بھی اسی طرح پھیلا۔ اب بھی پھیل رہا ہے اور آئندہ بھی پھیلتا چلا جائے گا۔

ہم نے بعض صحابہ کے حالات مفصّل اور بعض کے مختصر درج کئے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جن کے حالات مفصل ہیں وہ مختصر حالات والوں سے افضل ہیں۔ بلکہ ممکن ہے جن کے حالات مختصر ہیں وہ مفصّل حالات والوں سے خدا تعالیٰ کے نزدیک افضل ہوں۔ دراصل جن کے حالات ہمیں مفصّل مل سکے اُن کا مفصل اور جن کے مختصر ملے اُن کے مختصر لکھے۔ نیز جن صحابہ کے حالات احمدیت کی دوسری تاریخوں میں شائع ہو چکے تھے کفایت کے پیش نظر ہم نے ان کا خلاصہ کیا اور نیچے انکا حوالہ دیدیا کہ مفصل حالات وہاں ملاحظہ ہوں۔ بعض صحابہؓ کے حالات ہمیں معلوم نہیں ہو سکے۔ اُن کا نام فہرست میں درج کر دیا ہے تاکہ آئندہ اُن کے حالات معلوم ہو سکیں۔

بعض اصحاب کی طرف سے طویل و عریض اور تحقیق طلب حالات موصول ہوئے مگر قلّتِ گنجائش کی وجہ سے اُن میں سے ضروری حصّوں کا انتخاب کرنا پڑا۔ تاریخوں میں کثیر حصّہ روایات پر

مبنی ہوتا ہے جس میں انسان سے سہو و خطا بھی ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ کہیں تاریخی حالات کے بیان میں سہو و خطا ہوا ہو جس سے اوّل ہم اللہ تعالیٰ سے معافی کے خواستگار ہیں دوسرے احباب سے گذارش کریں گے کہ وہ ہمیں ایسی بھول چوک سے مطلع فرمائیں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں تصحیح ہو سکے۔ چونکہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لئے اس خیال سے کہ میرے پاس تاریخ احمدیت کی جو جماعتی امانت ہے اُسے شائع کر کے اس سے سبکدوش ہو جاؤں خود زیر بار ہو کر اس تاریخ کو شائع کر رہا ہوں*۔ احباب کی طرف سے جو حالات بر وقت موصول نہ ہو سکے وہ انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں شامل ہو سکیں گے۔

اسجگہ ان احباب کا شکریہ ادا کرنا اور ان کے لئے دعا کی تحریک کرنا بھی ضروری ہے جنہوں نے اس کتاب میں قلمے، سخنے، ادامے، درمے اعانت کی ہے۔ قلمی معاونین میں حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب قادیان (بھارت) مکرم مولوی امام الدین صاحب چیئرمین گوئی تحصیل کوٹلی آزاد کشمیر۔ مکرم راجہ خورشید احمد صاحب منیر (مربی سلسلہ) محترم قریشی محمد حنیف صاحب (سائیکل سیاح) اور محترم محمد ابراہیم صاحب جونی ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر حال ربوہ مکرم عبد العزیز صاحب ڈار وغیرہ ہیں۔ مکرم سید عبد الحی شاہ صاحب اور مکرم عبد الغفار صاحب ڈار نے بھی اپنا کچھ وقت مسودہ دیکھنے میں صرف کیا ہے۔ جن احباب نے دامے درمے پیشگی مدد کی ہے انکی فہرست بغرض دعا کتاب کے آخر میں شامل ہے۔ تصحیح کتابت اور پروف بینی کے دوران خاکسار چند دن بوجہ مسلسل دماغی محنت کے علیل رہا اس دوران اس کام میں مکرم محمد یوسف سلیم شاہد اور مکرم قریشی محمد حنیف صاحب قمر نے مدد کی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان سب معاونین کو اپنے اپنے اخلاص کے مطابق بہتر سے بہتر جزا دے اور ان کے مال و اولاد میں برکت دے اور ہر رنگ میں ان کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین

احباب، قارئین اور بزرگوں سے درخواست ہے کہ جب وہ اس کتاب کو پڑھیں یا اس سے استفادہ کریں تو خاکسار راقم الحروف کے لئے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری اس خدمت کو قبول فرمائے اور اسے موجود و آنے والے لوگوں کے لئے نافع، موجب ہدایت اور خاکسار کے لئے باعثِ مغفرت و ترقی درجات بنائے۔ ہماری لغزشوں کو معاف فرمائے۔ نیز جب تک دم میں دم ہے زیادہ سے زیادہ خدمت دین کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے۔ آمین۔ یا رب العالمین

خاکسار

محمد اسد اللہ قریشی

مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ گلگت حال ربوہ

۱۷-۲-۷۳

* جبکہ ملکی حالات کی بناء پر کاغذ اور طباعت کی ہوشربا گرانی کی وجہ سے چھپائی کے لئے ہزاروں روپے کا صرفہ کر کے کتاب چھاپنا بہت مشکل تھا۔

شرائط بیعت سلسلہ عالیہ احمدیہ

(تحریر فرمودہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام)

کتاب ہذا میں جگہ جگہ اس امر کا ذکر آیا ہے کہ کس طرح لوگوں نے بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں شمولیت اختیار کی۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ اسجگہ ہم شرائط بیعت سلسلہ عالیہ احمدیہ بھی درج کر دیں تاکہ معلوم ہو کہ جن لوگوں نے بیعت کی انہوں نے کسی اقتدار۔ وجاہت۔ مال یا کسی اور دنیوی غرض یا لالچ سے بیعت نہیں کی بلکہ انہوں نے خدا ترسی کے پیش نظر اپنی عاقبت درست کرنے اور گناہوں سے توبہ کر کے پاک زندگی بسر کرنے کیلئے بیعت کی جیسے ہمیشہ پیغمبروں اور مجددین امت کے ہاتھوں پر بیعتیں ہوئیں۔ شرائط بیعت درج ذیل ہیں:۔

اوّل بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

دوم یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق و فجور اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہوگا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔

سوم یہ کہ بلاناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہیگا اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کریگا اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو اپنا ہر روزہ ورد بنالیگا۔

چہارم یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دیگا نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔

پنجم یہ کہ ہر حال رنج و راحت اور عسر اور یسر اور نعمت اور بلا میں خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کریگا اور بہر حالت راضی بقضا ہوگا اور ہر یک ذلت اور دکھ کے قبول کرنے کیلئے اسکی راہ میں تیار رہیگا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔

ششم یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آجائیگا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے سر پر قبول کریگا۔ اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنے ہریک راہ میں دستور العمل قرار دیگا۔

ہفتم یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دیگا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

ہشتم یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر یک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔

نہم یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔

دہم یہ کہ اس عاجز سے عقد اخوت محض للہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقت مرگ قائم رہیگا اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔ *

* اشتہار تکمیل تبلیغ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء۔

حضرت بانی سلسلۂ احمدیہ مسیح و مہدی موعود
علیہ السلام صفحہ ۱۲-۱۳ وغیرہ

حضرت مولانا حکیم نورالدین (خلیفۃ المسیح
اول رض) صفحہ ۱۴-۱۵ وغیرہ

حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد
(خلیفۃ المسیح ثانی) صفحہ ۸۰-۸۱ وغیرہ

حضرت مرزا ناصر احمد ایدہ اللہ بنصرہ العزیز
(موجودہ خلیفۂ ثالث)

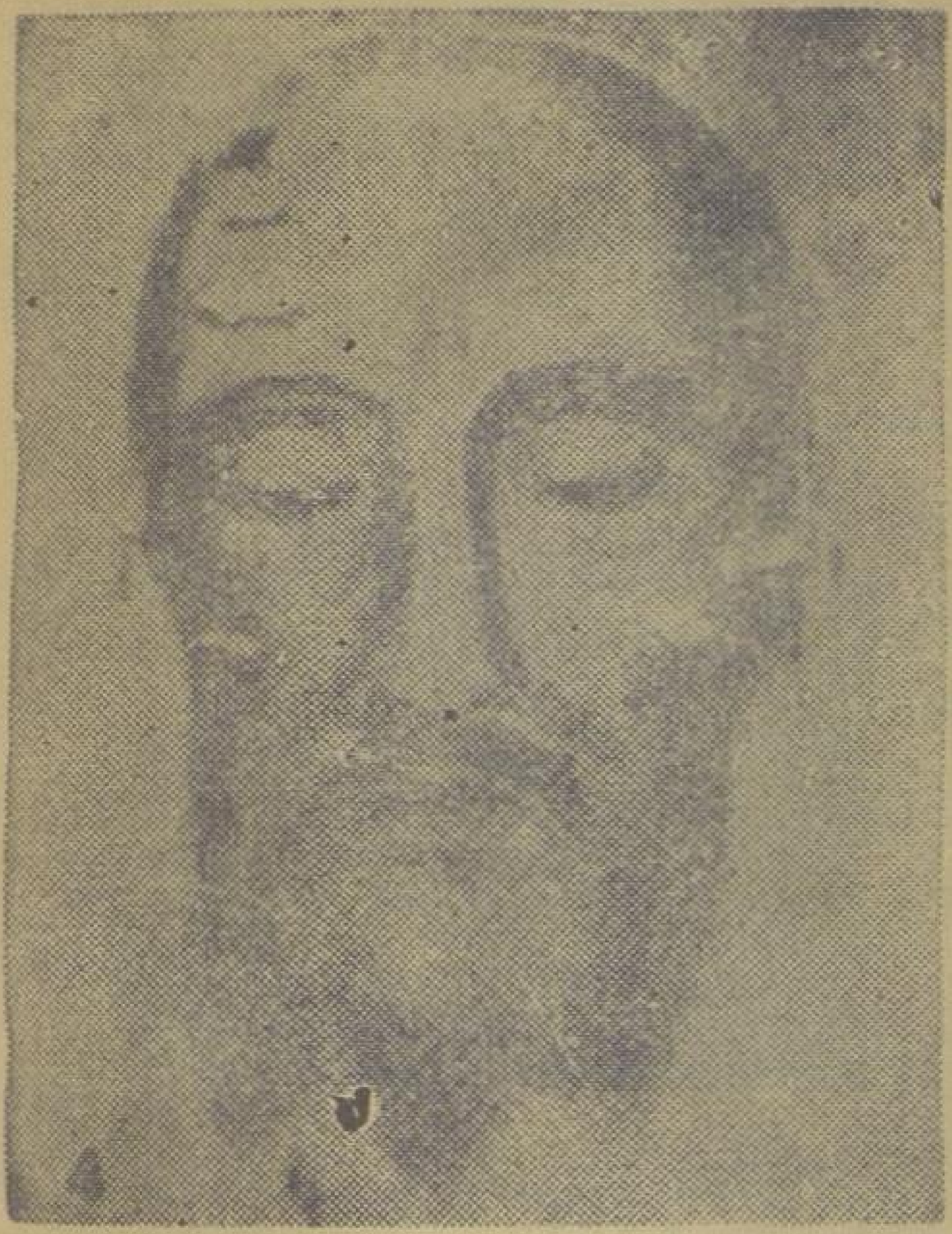

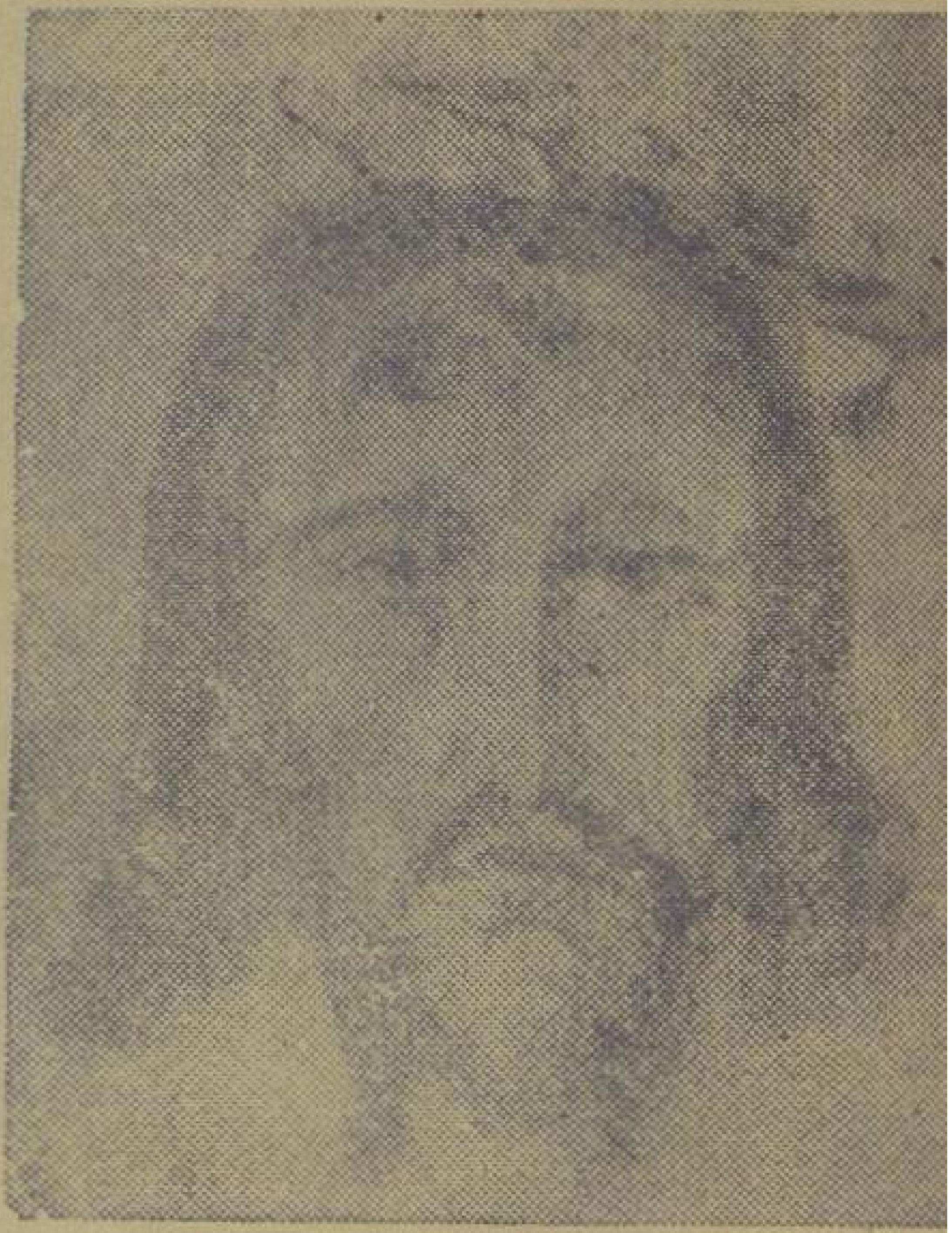

انسائیکلوپیڈیا برٹینکا جلد ۱۴ میں شائع شدہ
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جوانی اور بڑھاپے
کی دو تصاویر - جس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے
بڑھاپا زمین پر گذار کر وفات پائی -

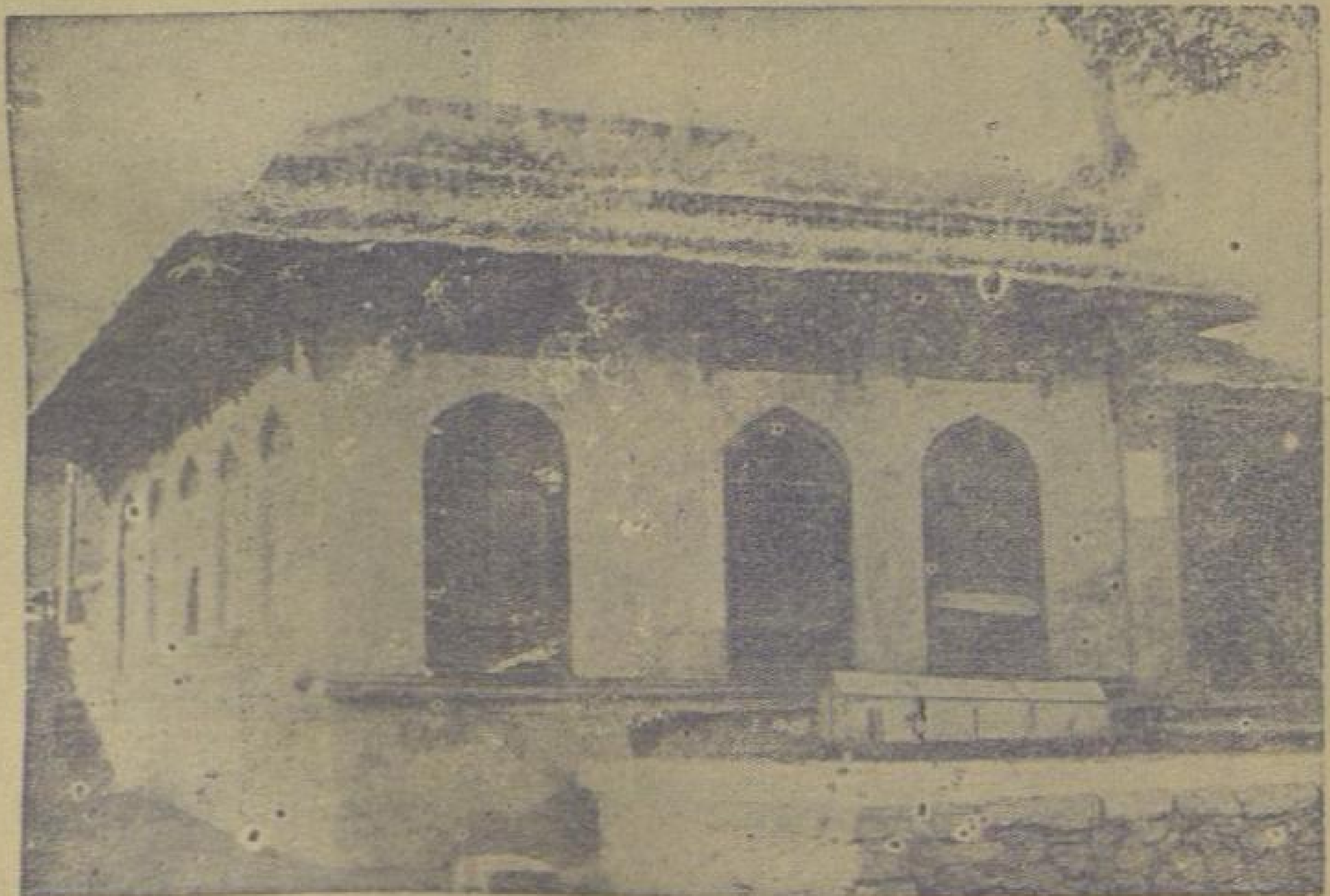

مقبرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام محلہ خانیار سرینگر - کشمیر بحوالہ صفحہ ۵

باب اوّل

جغرافیائی، تاریخی اور مذہبی پس منظر

کشمیر کا محل وقوع کشمیر دنیا کے چوتھے اقلیم کے وسط میں واقع ہے۔ اس کا عرض بلد ۳۳ درجہ اور چوّن دقیقہ اور خط استوا سے اس کا عرض ۳۵ درجہ ہے اور جزائر خالدات (مجزائر قبانوں) سے اس کا طول ایک سو پانچ ۱۰۵ درجہ ہے۔[1]

اس کے شمال میں روس، شمال مغرب میں چین، جنوب میں ہندوستان و پاکستان اور شمال مغرب میں افغانستان جیسے بڑے بڑے ممالک واقع ہیں۔ کوہ ہمالیہ کے عین دامن میں وسیع خطہ اور چاروں طرف سے لمبے اور اونچے پہاڑوں کے درمیان قدرتی طور پر محفوظ قلعہ کی مانند ہے۔ محل وقوع کے لحاظ سے اسے بڑی سیاسی و فوجی حیثیت و اہمیت حاصل ہے۔

رقبہ کشمیر کا رقبہ چوراسی ہزار چار سو اکہتر (۸۴۴۷۱) مربع میل سے زیادہ ہے اور ہندوستان کی باقی تمام ریاستوں سے بڑی ریاست ہے۔ بلکہ بیکانیر، میسور، گوالیار، بڑودہ کی ریاستوں کو ملاکر جو مجموعہ بنتا ہے اس سے بھی ریاست کا رقبہ زیادہ ہے۔

سطح سمندر سے اس کی بلندی چھ ہزار فٹ تک ہے اور اس کے ارد گرد کوہ ہمالیہ دنیا کے بلند ترین پہاڑوں میں سے ہے اور سلسلہ ہمالیہ کے بعض پہاڑوں کی بلندی ۲۹ ہزار سے ۳۰ ہزار فٹ تک چلی گئی ہے۔ کشمیر اور اس سے ملحقہ علاقے تبت اور نیپال وغیرہ اس قدر بلندی پر واقع ہیں کہ قدیم و جدید مؤرخین و محققین نے اس علاقہ کو "دنیا کی چھت" (Roof of the world) قرار دیا ہے۔

رقبہ کے لحاظ سے ریاست جموں و کشمیر دنیا کے بڑے بڑے ممالک کا مقابلہ کرتی ہے۔ یعنی اس کا رقبہ یورپین ممالک بلجیم، ہالینڈ، آسٹریا، البانیہ، ڈنمارک اور لکسمبرگ کے مجموعہ رقبہ کے لگ بھگ ہے۔

آبادی ریاست کی کل آبادی چالیس اور پچاس لاکھ کے درمیان ہے جن میں صوبہ کشمیر میں مسلمانوں کا تناسب چورانوے ۹۴ فیصد، جموں میں قریباً ۶۲ فیصد اور سرحدی علاقوں میں ۸۶ فیصد ہے۔

---

[1] تاریخ اعظمی (فارسی)، صـ۳۔

۱۹۴۸ء میں جنگِ آزادیٔ کشمیر رُک دینے کے بعد اقوامِ متحدہ نے ریاست کے مابین خطِ متارکہ جنگ کھینچ دیا ہے جس سے ریاست دو حصوں میں بٹ گئی ہے جیسا نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوگا۔

یہاں کی آب و ہوا نہایت معتدل ہے۔ دریا ندی نالے کثرت سے ہیں۔ قدرتی چشمے، سبزہ زار میدان، آبشاریں اور تفریح گاہیں اِس قدر خوش منظر ہیں کہ قدیم سے بیرونی ملکوں کے سیاح یہاں آتے رہتے ہیں اور اسے ایشیا کا سوئٹزرلینڈ کہتے ہیں۔

زمانہ حال کے جدید علماءِ ہیئت کی تحقیقات نے کشمیر کو اجرامِ فلکی کے معائنہ اور سورج سے تعلق کے لحاظ سے بے نظیر خاصیتوں کا حامل قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ سطح آفتاب کی ساخت اور کوائفِ سیارات کے معائنہ کے حق میں کشمیر کا محلِّ وقوع اور اس کی ہوا خاص طور پر موزون ہے۔ اور دنیا کا کوئی اور ملک اِس بارہ میں کشمیر سے لگاؤ نہیں کھاتا اور وہ یقیناً خطۂ بے نظیر ہے۔

تاریخ کے لحاظ سے بھی ریاست تہی دامن نہیں ہے۔ ابتداء ہی سے علماء و اولیاء کا مسکن رہنے کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے اِس کی تاریخ لکھی ہے۔ سنسکرت، فارسی، اردو اور انگریزی زبانوں میں اِسکی تاریخ موجود ہے۔ خطۂ جنّت نظیر ہونے اور بہترین مقامِ سیاحت کی وجہ سے بہت سے سیاحوں نے بھی اِس کے حالات لکھے ہیں۔ ہندوؤں کے قدیم عہد اور اسلامی عہد سے متعلق جو تاریخیں لکھی گئی ہیں اُن میں سے پنڈت کلہن کی راج ترنگنی (سنسکرت مترجم اُردو) اور تاریخ کشمیر از محمد دین فوق (اُردو) مشہور اور دستیاب ہیں۔ اوّل الذکر بارھویں صدی عیسوی میں لکھی گئی تھی اور ثانی الذکر زمانہ حال میں لکھی گئی ہے جس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ تاریخ دنیا کے قرونِ اولیٰ سے زمانہ حال تک کی تاریخ پر محیط ہے۔ اس عرصہ میں اکیس [21] ہندو خاندانوں نے حکومت کی۔ حال ہی میں ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی نے بھی انگریزی میں کشمیر کی ثقافتی اور تمدنی تاریخ دو ضخیم جلدوں میں لکھی ہے جو پنجاب یونیورسٹی لاہور نے شائع کی ہے۔ اِس سے بھی کشمیر کے حالات اور تاریخ معلوم ہو جاتی ہے۔ زمانہ حال کی ایک تاریخ "کشمیر سلاطین کے عہد میں" اردو ترجمہ "کشمیر انڈر سلطانز" از پروفیسر محب الحسن شائع ہوئی ہے۔ جسے ندوۃ المصنفین اعظم گڑھ نے ہندوستان سے شائع کیا ہے جو کشمیر کے مسلم سلاطین کے عہد کی مفید تاریخ ہے۔ الغرض کشمیر پر مؤرخوں، سیاحوں اور علماء نے جتنے سفرنامے اور جتنی تاریخیں لکھی ہیں شاید ہی کسی اور ریاست کی لکھی ہوں۔ اگر انکی فہرست مرتب کی جائے تو وہ بھی ایک کتاب بن جائیگی۔

محلِ وقوع کے لحاظ سے ریاست کی سیاسی اہمیت بھی ہمیشہ سے مسلّم چلی آرہی ہے۔ بسنہ ۱۹۴۸ء سے متنازعہ کشمیر اقوامِ متحدہ میں تصفیہ طلب چلے آنے کی وجہ سے ریاست عالمی توجہ کا مرکز بلکہ روس، امریکہ، برطانیہ چین وغیرہ بڑی عالمی طاقتوں کے سیاسی مفادات کی باہمی کشمکش کی آماجگاہ چلی آرہی ہے۔ یہ امر عیاں اور

محتاج بیان نہیں ہے۔

سیاسی اہمیت کے علاوہ ریاست کی مذہبی اہمیت بھی قدیم زمانہ ہی سے مسلّم چلی آرہی ہے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت آدم و حوّا علیہما السلام بھی کشمیر میں تشریف لائے تھے۔ اور شیثؑ کی اولاد نے یہاں گیارہ سو سال تک حکومت کی[1] مفسرین و محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت آدم و حوّا جنت سے جو عدن میں ایک باغ تھا ہجرت کر کے سرزمین لنکا (جنوبی ہندوستان) میں آئے تھے جہاں کوہِ آدم، قدمِ آدم اور کئی دیگر آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ وہ اطراف و اکناف میں تبلیغ دین کے لیے مامور تھے۔ اس لئے ضرور ہے کہ انہوں نے ریاست کشمیر میں بھی آکر تبلیغ دین کی ہو۔ اور قرینِ قیاس ہے کہ انہوں نے ہی اس سرزمین کو جنت نظیر قرار دیا ہو جبکہ انہوں نے کشمیر کے باغ کو باغِ عدن سے مشابہ پایا۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم سے عالمی مذاہب کے لٹریچر میں یہ خطہ کشمیر جنت نظیر مشہور چلا آرہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اُن کی اولاد میں رفتہ رفتہ خرابیاں پیدا ہو گئیں جن کی اصلاح کے لئے ہندوستان اور کشمیر میں مصلحین آتے رہے۔ کشمیر کی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ جب کشمیر تالاب کی شکل میں ہو گیا تھا تو کشف رشی نام ایک عابد نے اس کا پانی نکال کر پھر سے آبادی کے قابل بنایا اور اس سے قبل جو لوگ اس پر قابض چلے آرہے تھے انہیں اس سے بے دخل کر کے پھر یہاں نیک لوگوں اور علماء کو آس پاس سے بلا کر آباد کیا تاکہ اس خطّہ جنّت نظیر میں خداتعالیٰ کی تسبیح و تقدیس جاری رہے اور یہ خطّہ مقدسین ہی کا مرکز رہے۔ مگر رفتہ رفتہ اگلی نسلوں میں خدائے واحد کی تسبیح و تقدیس کی جگہ آباء پرستی اور رسومات نے لے لی۔ جن کی اصلاح کے لئے مصلحین آتے رہے۔

پانچسو قبل مسیح اصلاحِ حالات کے لئے مہاتما گوتم بدھ پیدا ہوا۔ انہوں نے سابق ہندومت میں اصلاح کی۔ ریاست کشمیر نے بدھ مت کی اشاعت میں سرگرم حصہ لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں صدیوں تک بدھ مذہب کی حکومت رہی اور یہاں سے بدھ مذہب کے مبلّغین دوسرے ممالک میں بھی گئے۔ مشہور راجہ اشوک اور کنشک کے عہد میں بدھ مذہب کی دو عظیم الشان کانفرنسیں کشمیر میں منعقد ہوئیں جن میں بدھ مذہب کے مطابق بہت سے اصولی اور فروعی فیصلے کئے گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی کشمیر میں آمد

قدیم کشمیر میں شام کے علاقوں سے بنی اسرائیل کی آمد ان کی آبادکاری اور اُن کی تبلیغ کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد بھی اِس زمانہ میں خاص اہمیت کی حامل اور ایک تاریخی واقعہ بن چکا ہے۔ اِس لحاظ سے کشمیر

---

[1] گلدستۂ کشمیر از پنڈت ہرگوپال کول خستہ جلد ۱ صفحہ ۸۵

کی تاریخ میں ایک ہزار قبل مسیح سے پہلی صدی مسیحی تک کا زمانہ خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس عرصہ میں از سرِ نو کشمیر کی وسیع اور منظم آبادی کا آغاز ہوا اور بنی اسرائیل کی آمد سے کشمیر کے تہذیب و تمدن اور سیاسی و مذہبی زندگی پر نمایاں اثرات مترتب ہوئے۔ تختِ سلیمان۔ قبر موسیٰ علیہ السلام۔ چاہِ بابل۔ اسرائیلی طرز کا لباس۔ تمدن اور اسرائیلی نام بتلاتے ہیں کہ ریاست میں اسرائیلیوں کی آمد سے کتنے گہرے اثرات مترتب ہوئے۔ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری نے اپنی کتاب "واقعات کشمیر" (فارسی) میں لکھا ہے کہ علاقہ بانڈی پورہ میں ایک قبر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے نام سے مشہور ہے۔[۱] بعض مؤرخین نے اس قبر کی تحقیقات کی ہے اور بتلایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وادیٔ مواب (شام) میں فوت ہوئے تھے۔ بعد میں جب آشوری حملہ آوروں نے اس علاقہ پر حملہ کیا تو اسرائیلی قبائل کو اس علاقہ سے دیگر علاقوں کی طرف ہجرت کرنی پڑی بعض قبائل کشمیر میں آئے انہوں نے اس خوف سے کہ دشمن اُن کے محبوب پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا نشان مٹا دینگے اور اُن کی نعش قبر سے اکھیڑ کر اس کی بے حرمتی کرینگے (کیونکہ اس زمانہ میں مفتوح قوم کا وقار گرانے کیلئے اُن کی متبرک یادگاروں کو بھی دشمن مٹا دیا کرتے تھے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے اُنکی مبارک ہڈیاں جو بھی وہاں سے ملیں نکال کر اپنے ہمراہ کشمیر لائیں اور اس مقام پر دفن کیں جہاں آجکل اُن کی قبر مشہور ہے اور مواب میں مقامِ قبر کو برابر کر کے بے نشان کر دیا۔ اِسی لئے بائیبل میں لکھا ہے کہ موسیٰؑ کی قبر آج تک کسی کو معلوم نہیں۔

نویں صدی عیسوی میں کشمیر کے ایک مؤرخ پنڈت رتناگر ہو گذرے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ اُڑن کھٹولے میں کشمیر میں بھی آئے تھے اور اُن کا ہوائی تخت کوہ شنکر اچاریہ پر آکر ٹھہرا تھا۔ اس لئے مسلمان اس پہاڑ کو کوہ سلیمان کہتے ہیں۔[۲] بعض کا خیال ہے کہ سلیمان حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حواری تھے جو یہاں دفن ہوئے تھے اُنہی کے نام سے پہاڑ موسوم ہے۔

پہلی صدی مسیحی میں حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی کشمیر کے ان بنی اسرائیل تک خدا کا پیغام پہنچانے کے لئے فلسطین سے مخفی طور پر ہجرت کر کے کشمیر میں تشریف لائے اور ان تک خدا کا پیغام پہنچایا۔ آپ یوز آسف کے نام سے بھی مشہور تھے۔ عرصہ تک تبلیغ دین کر کے آپ کشمیر میں وفات پا گئے۔ اور محلہ خانیار سرینگر (کشمیر) میں دفن ہوئے۔ جہاں آجتک اُن کی قبر محفوظ اور زیارت گاہِ خواص، و عوام ہے۔ عیسائی فرقہ کے لوگ بھی جو یہاں تورات و زبور اور اناجیل کا درس دیتے اور ان کے مطابق عمل کرتے تھے اسلام سے قبل موجود تھے۔ جب یہاں اسلام آیا تو وہ مسلمان ہو گئے۔ ان امور کی تفصیلات ہم نے اپنی کتاب "مسیح کشمیر میں"

[۱] تاریخ واقعات کشمیر (فارسی) صفحہ ۸۴ مطبع محمدی لاہور ۱۳۰۳ھ۔ [۲] مکمل تاریخ کشمیر از محمد دین فوق

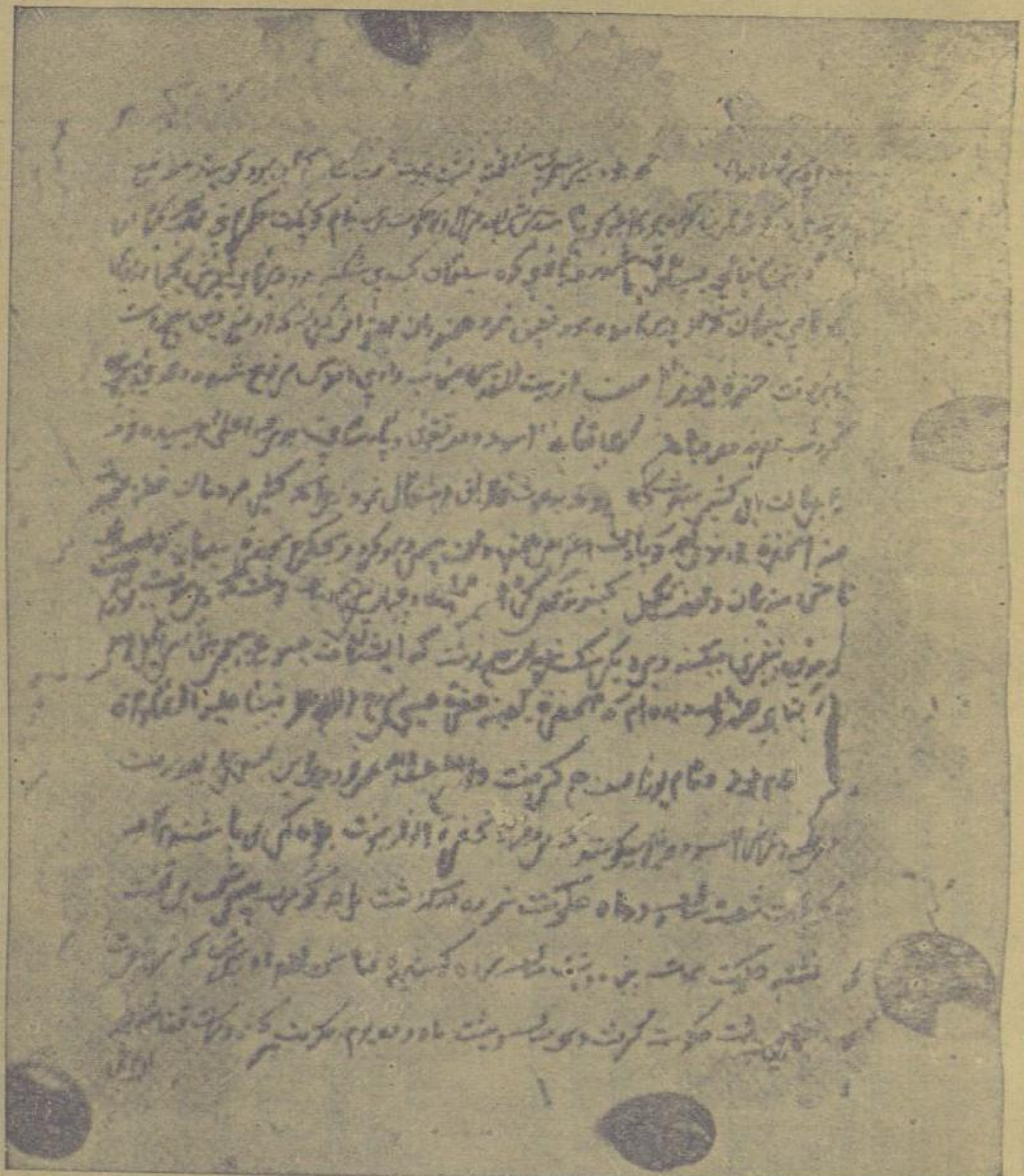

تاریخ کشمیر فارسی قلمی صفحہ ۶۹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کشمیر اور وفات
پانے کا ذکر (فارسی عبارت معہ ترجمہ، صفحہ ۵)

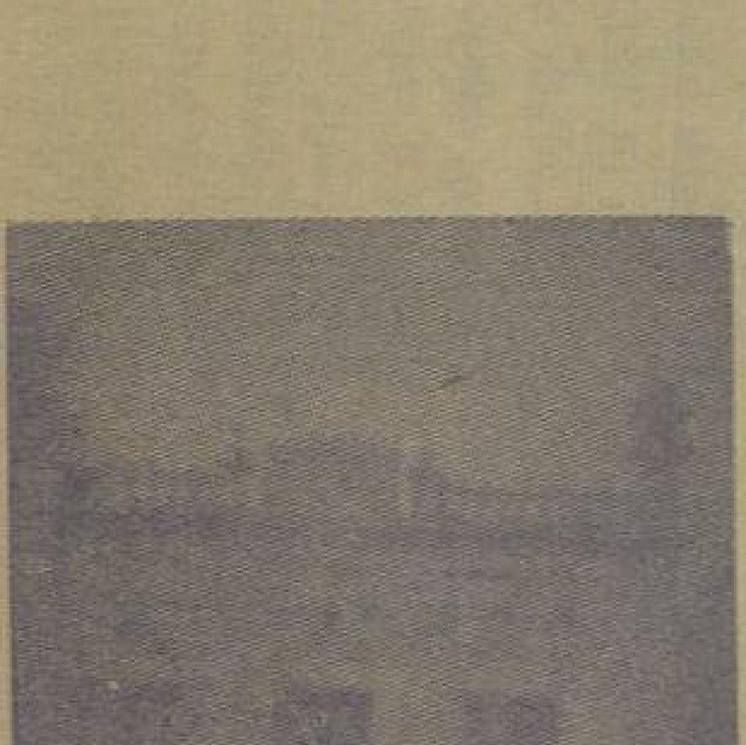

مسجد احمدیہ دتیال

مسجد احمدیہ نگیال

५०५०
॥३८२॥

मम धामांशो जनिष्यति गुरुर्मम ॥ ३३ ॥ इत्वाग्निवंशजान्भूपान्स्थापयिष्यामि वै कालम् ॥ इति श्रुत्वा शिवा देवस्त्रैवान्तरधीयत ॥ ३० ॥
इति श्रीभविष्ये महापुराणे प्रतिसर्गपर्वणि चतुर्युगखण्डापरपर्याये कलियुगीयेतिहाससमुच्चये विक्रमाख्यानकाले प्रथमोऽध्यायः ॥ १ ॥ ॐ ॥
॥ ॥ सूत उवाच ॥ ॥ प्रातः काले च संप्राप्ते पांडवाः पुत्रशोकिनः ॥ प्रेतकार्याणि ते कृत्वा भीष्मान्तिकमुपाययुः ॥ १ ॥ राजधर्मान्मोक्षधर्मा
न्दानधर्मान्विभागशः ॥ श्रुत्वायजन्नश्वमेधैस्त्रिभिरुत्तमकर्मभिः ॥२॥ षट्त्रिंशदब्दराज्यं हि कृत्वा स्वर्गपुरं ययुः ॥ जनिष्यन्ते तदंशा वै कलिधर्म
विवृद्धये ॥ ३ ॥ ॥ व्यास उवाच ॥ ॥ इत्युक्त्वा स मुनिः सर्वान्पुनः सूतो वदिष्यति ॥ गच्छध्वं मुनयः सर्वे योगनिद्रावशो ह्यहम ॥ चक्र
तीर्थे समाधिस्थो ध्यायेऽहं त्रिगुणात्परम् ॥ ४ ॥ इति श्रुत्वा तु मुनयो नैमिषारण्यवासिनः ॥ योगसिद्धिं समास्थाय गमिष्यन्त्यात्मनः [illegible]
॥ ५ ॥ द्वादशाब्दशते कालेऽतीते ते शौनकादयः ॥ ६ ॥ उत्थाय देवखाते च स्नानध्यादिकाः क्रियाः ॥ कृत्वा सूतान्तिकं गत्वा [illegible]
पुनर्वचः ॥ ७ ॥ ॥ ऋषय ऊचुः ॥ ॥ विक्रमाख्यानकालोऽयं द्वापरे च शिवाज्ञया ॥ विनीतान्भगवन्भूमौ तदा तान्नृपतीन्वद ॥ ८ ॥
॥ ॥ सूत उवाच ॥ ॥ स्वर्गते विक्रमादित्ये राजानो बहुधाऽभवन् ॥ तथाष्टादश राज्यानि तेषां नामानि मे शृणु ॥ ९ ॥ पश्चिमे सिन्धुन
द्यंते सेतुबन्धे हि दक्षिणे ॥ उत्तरे बदरीस्थाने पूर्वे च कपिलान्तिके ॥१०॥ अष्टादशैव राष्ट्राणि तेषां मध्ये बभूविरे ॥ इंद्रप्रस्थं च पांचालं कुरु
क्षेत्रं च कापिलम् ॥ ११ ॥ अन्तर्वेदी व्रजश्चैवाजमेरं मरुधन्व च ॥ गौर्जरं च महाराष्ट्रं द्राविडं च कलिंगकम् ॥ १२ ॥ आवंत्यं चोडुपं वंगं गौडं
मागधमेव च ॥ कौशल्यं च तथा ज्ञेयं तेषां राजा पृथक्पृथक् ॥ १३ ॥ नानाभाषाः स्थितास्तत्र बहुधर्मप्रवर्तकाः ॥ एवमब्दशतं जातं ततस्ते वै
शकादयः ॥१४॥ श्रुत्वा धर्मविनाशं च बहुवृंदैः समन्विताः ॥ केचित्तीर्त्वा सिंधुनदीमार्य्यदेशं समागताः ॥ १५ ॥ हिमपर्वतमार्गेण सिंधुमार्गेण
चागमन् ॥ जित्वार्य्याल्लुंठयित्वा तान्स्वदेशं पुनराययुः ॥ १६ ॥ गृहीता योषितस्तेषां परं हर्षमुपाययुः ॥ एतस्मिन्नन्तरे तत्र शालिवाहनभूपतिः
॥ १७ ॥ विक्रमादित्यपौत्रश्च पितृराज्यं गृहीतवान् ॥ जित्वा शकान्दुराधर्षांश्चीनतैत्तिरिदेशजान् ॥ १८ ॥ बाह्लीकान्कामरूपांश्च रोमजान्खुरजा
न्छठान् ॥ तेषां कोशान्गृहीत्वा च दंडयोग्यानकारयत ॥ १९ ॥ स्थापिता तेन मर्य्यादा म्लेच्छार्याणां पृथक्पृथक् ॥ सिंधुस्थानमिति ज्ञेयं राष्ट्र
मार्य्यस्य चोत्तमम् ॥२०॥ म्लेच्छस्थानं परं सिन्धोः कृतं तेन महात्मना ॥ एकदा तु शकाधीशो हिमतुंगं समाययौ ॥ २१ ॥ हूणदेशस्य मध्ये
वै गिरिस्थं पुरुषं शुभम ॥ ददर्श बलवान्राजा गौरांगं श्वेतवस्त्रकम् ॥ २२ ॥ को भवानिति तं प्राह स होवाच मुदान्वितः ॥ ईशपुत्रं च मां
॥२८

विद्धि कुमारीगर्भसंभवम् ॥ २३ ॥ म्लेच्छधर्मस्य वक्तारं सत्यव्रतपरायणम् ॥ इति श्रुत्वा नृपः प्राह धर्मः को भवतो मतः ॥ २४ ॥ श्रुत्वो
वाच महाराज प्राप्ते सत्यस्य संक्षये ॥ निर्मर्यादे म्लेच्छदेशे मसीहोऽहं समागतः ॥ २५ ॥ ईशामसी च दस्यूनां प्रादुर्भूता भयंकरी ॥ तामहं
म्लेच्छतः प्राप्य मसीहत्वमुपागतः ॥ २६ ॥ म्लेच्छेषु स्थापितो धर्मो मया तच्छृणु भूपते ॥ मानसं निर्मलं कृत्वा मलं देहे शुभाशुभम् ॥२७॥
नैगमं जपमास्थाय जपेत निर्मलं परम् ॥ न्यायेन सत्यवचसा मनसैक्येन मानवः ॥ २८ ॥ ध्यानेन पूजयेदीशं सूर्यमंडलसंस्थितम् ॥
अचलोऽयं प्रभुः साक्षात्तथा सूर्योऽचलः सदा ॥ २९ ॥ तत्त्वानां चलभूतानां कर्षणः स समंततः ॥ इति कृत्येन भूपाल मसीहा विलयं
गता ॥ ३० ॥ ईशमूर्तिर्हृदि प्राप्ता नित्यशुद्धा शिवंकरी ॥ ईशामसीह इति च मम नाम प्रतिष्ठितम् ॥ ३१ ॥ इति श्रुत्वा स भूपालो
नत्वा तं म्लेच्छपूजकम् ॥ स्थापयामास तं तत्र म्लेच्छस्थाने हि दारुणे ॥ ३२ ॥ स्वराज्यं प्राप्तवान्राजा हयमेधमचीकरत् ॥ राज्यं
कृत्वा स षष्ट्यब्दं स्वर्गलोकमुपाययौ ॥ ३३ ॥ स्वर्गते नृपतौ तस्मिन्यथा चासीत्तथा शृणु ॥ ३४ ॥ इति श्रीभविष्ये महापुराणे प्रति
सर्गपर्वणि चतुर्युगखण्डापरपर्याये कलियुगीयेतिहाससमुच्चये शालिवाहनकाले द्वितीयोऽध्यायः ॥ २ ॥ ॐ ॥ ॥ श्रीसूत उवाच ॥ ॥ शालिवा
हनवंशे च राजानो दश चाभवन् ॥ राज्यं पंचशताब्दं च कृत्वा लोकान्तरं ययुः ॥ १ ॥ मर्य्यादा क्रमतो लीना जाता भूमंडले तदा ॥ भूपति
र्दशमो यो वै भोजराज इति स्मृतः ॥ दृष्ट्वा प्रक्षीणमर्य्यादां बली दिग्विजयं ययौ ॥ २ ॥ सेनया दशसाहस्र्या कालिदासेन संयुतः ॥ तथान्यै
र्ब्राह्मणैः सार्द्धं सिंधुपारमुपाययौ ॥ ३ ॥ जित्वा गांधारजान्म्लेच्छान्काश्मीरान्नारवाञ्छठान् ॥ तेषां प्राप्य महाकोशं दंडयोग्यानकारयत ॥४॥
एतस्मिन्नन्तरे म्लेच्छ आचार्य्येण समन्वितः ॥ महामद इति ख्यातः शिष्यशाखासमन्वितः ॥ ५ ॥ नृपश्चैव महादेवं मरुस्थलनिवासिनम् ॥
गंगाजलैश्च संस्नाप्य पंचगव्यसमन्वितैः ॥ चंदनादिभिरभ्यर्च्य तुष्टाव मनसा हरम् ॥ ६ ॥ ॥ भोजराज उवाच ॥ ॥ नमस्ते गिरिजानाथ
मरुस्थलनिवासिने ॥ त्रिपुरासुरनाशाय बहुमायाप्रवर्त्तिने ॥ ७ ॥ म्लेच्छैर्गुप्ताय शुद्धाय सच्चिदानन्दरूपिणे ॥ त्वं मां हि किंकरं विद्धि शरणार्थ
मुपागतम् ॥ ८ ॥ ॥ सूत उवाच ॥ ॥ इति श्रुत्वा स्तवं देवः शब्दमाह नृपाय तम् ॥ गंतव्यं भोजराजेन महाकालेश्वरस्थले ॥ ९ ॥
म्लेच्छैस्सुदूषिता भूमिर्वाहीका नाम विश्रुता ॥ आर्य्यधर्मो हि नैवात्र वाहीके देशदारुणे ॥ १० ॥ बभूवात्र महामायी योऽसौ दग्धो मया पुरा ॥
त्रिपुरो बलिदैत्येन प्रेषितः पुनरागतः ॥ ११ ॥ अयोनिः स वरो मत्तः प्राप्तवान्दैत्यवर्द्धनः ॥ महामद इति ख्यातः पैशाचकृतितत्परः ॥ १२ ॥

بھوشیہ پران (سنسکرت) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کشمیر آنے کا ذکر (ترجمہ صفحہ ۲)

شائع کر دی ہیں۔ یہاں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں، تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کشمیر میں تشریف آوری کے بارے میں کشمیر کی قدیم تاریخ اور ہندوؤں کے بھوشیہ پران سے صرف دو حوالے یہاں درج کر دیئے جائیں۔ کشمیر کی تاریخ فارسی زبان میں آج سے قریباً پانچسو سال قبل کشمیر کے سلطان زین العابدین المعروف بڈشاہ کے عہد میں ایک مسلمان محقق نے قلمبند کی ہے۔ اس کا قلمی نسخہ تقسیم سے قبل غلام محی الدین صاحب وانچو (سری نگر) کے پاس موجود تھا جبکہ خواجہ نذیر احمد صاحب بیرسٹر ایٹ لاء لاہور نے زیرِ نظر عبارت کا فوٹو لیا تھا۔ اس تاریخ کے مصنّف کا نام کتاب کے بس و پیش سے شکستہ ہونے کی وجہ سے زیرِ تحقیق ہے۔ اور بعض محققین نے اسے مُلّا نادری کی تاریخ کشمیر قرار دیا ہے جس کا نام تو معلوم تھا مگر وجود نایاب و معدوم تھا۔ مصنّف راجہ گوپانند کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"راجہ گوپانند پسرش بعد از عزل او بر حکومت رسید در (عہد حکومت[۱]) او بتخانہائے بسیار (تعمیر شدند) بالائے کوہ سلیمان گنبد شکستہ بود و برائے تعمیرش یکے از وزرائے خود نامی سلیمان کہ از پارس آمدہ بود تعیین نمود۔ ہندوواں اعتراض کردند کہ او غیر دین است۔ درایں وقت حضرت یوز آسف از بیت المقدس بجانب وادیٔ اقدس مرفوع شدہ دعویٰ پیغمبری کرد۔ شب و روز عبادت بارتیجالئے کرد و در تقویٰ و پارسائی بدرجہ اعلیٰ رسیدہ۔ خود را برسالت اہل کشمیر مبعوث (گمارید) و بدعوت خلائق اشتغال نمود زیرا کہ کثیر مردمان خطہ عقیدتمند آنحضرت بودند۔ راجہ گوپانند اعتراض ہندوواں پیش او کرد، بحکم آنحضرت سلیمان کہ ہندوواں نامش سندیمان داوند تکمیل گنبد مذکور کرد (در سال پنجاہ و چہار) و نیز بر زدبان نوشت کہ درایں وقت یوز آسف دعویٰ پیغمبری میکند و بر دیگر سنگ زدبان ہم نوشت کہ ایشاں یسوع پیغمبر بنی اسرائیل است و در کتاب ہندوواں دیدہ ام کہ آنحضرت بعینہٖ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بود و یوز آسف نام ہم گرفت والعلم عند اللہ۔ عمر خود درایں بسر برد و بعد رحلت بمحلہ انزمرہ آسود و نیز میگویند کہ بر روضۂ آنحضرت انوار نبوت جلوہ گر می باشند و راجہ گوپادت شصت سال و دو ماہ حکومت نمودہ در گذشت۔" (تاریخ کشمیر قلمی ص ۶۹)

ترجمہ:۔ راجہ آکھ کے معزول ہونے کے بعد اس کا بیٹا راجہ گوپانند (گوپادت) حکمران ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں بہت سے مندر تعمیر ہوئے۔ کوہ سلیمان کی چوٹی پر ایک شکستہ گنبد تھا۔ راجہ نے اس کی تعمیر کے لئے اپنے وزیروں میں سے ایک شخص سلیمان نامی کو جو فارس سے آیا تھا مقرر کیا۔ ہندوؤں نے اعتراض کیا کہ

---

[۱] ( ) قوسین میں دیئے ہوئے الفاظ اصل نسخہ میں کرم خوردہ تھے جو بمشکل پڑھے گئے۔

یہ ملیچھ ہے۔ اُسوقت حضرت یوز آسف بیت المقدس سے وادیٔ اقدس (کشمیر) کی جانب مرفوع ہوئے۔ اور آپ نے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ شب و روز عبادتِ الٰہی میں مشغول رہے اور تقویٰ اور پارسائی میں اعلیٰ درجہ پر پہنچکر خود کو اہلِ کشمیر کی رسالت کے لئے مبعوث قرار دیا اور دعوت خلائق میں مشغول رہے۔ چونکہ خطۂ کشمیر کے اکثر لوگ آنحضرت (یوز آسف) کے عقیدت مند تھے راجہ گوپادت نے ہندوؤں کا اعتراض اُن کے سامنے پیش کیا اور آنحضرت کے حکم سے سلیمان نے جسے ہندوؤں نے سندیمان نام دیا گنبد مذکور کی تکمیل کی (۵۴ھ تھا) اُس نے گنبد کی سیڑھی پر لکھا کہ اِس وقت یوز آسف نے دعویٰ پیغمبری کیا ہے اور دوسری سیڑھی کے پتھر پر لکھا کہ آپ بنی اسرائیل کے پیغمبر یسوع ہیں (مصنّف کہتا ہے) کہ مَیں نے ہندوؤں کی کتاب میں دیکھا ہے کہ آنحضرت (یوز آسف) بعینہٖ حضرت عیسٰی رُوح اللہ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔ اور آپ نے یوز آسف کا نام بھی اختیار کر لیا تھا۔ والعلم عند اللہ۔ آپ نے اپنی عمر اسی جگہ بسر کی اور وفات کے بعد محلہ "انزمرہ" (سری نگر) میں دفن ہوئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت کے روضہ سے انوارِ نبوت جلوہ گر ہوتے ہیں۔ راجہ گوپادت نے ساٹھ سال دو ماہ حکومت کرنے کے بعد انتقال کیا۔

اِس حوالہ میں مصنّف نے ہندوؤں کی جس کتاب کے دیکھنے کا ذکر کیا ہے محقّقینِ جماعتِ احمدیہ نے اس کا بھی پتہ لگا لیا ہے۔ یہ ہندوؤں کا ایک مقدس پُران ہے جو اُن کے اٹھارہ پُرانوں میں سے ایک ہے۔ اُس کا نام "بھوشیہ پُران" ہے جو ۱۹۱۰ء میں شری پرتاب سنگھ مہاراجہ کشمیر کے حکم سے سنسکرت زبان میں بمبئی سے شائع ہُوا تھا۔ اُس میں لکھا ہے کہ راجہ سالباہن والیٔ شک دیش[1] کوہ ہمالیہ کے دامن (کشمیر) میں حضرت عیسٰی مسیح سے ملاقات کی۔ اس پُران کی اصل سنسکرت عبارت کا عکس خاکسار نے ۱۹۶۲ء میں ایک لمبے عرصہ کی کوششوں اور خط و کتابت کے بعد بمبئی (بھارت) سے منگوا لیا ہے جو شاملِ کتاب ہذا ہے[2]۔ اِس عبارت کا ترجمہ اُردو اور انگریزی میں کئی فاضل پنڈتوں نے کیا ہے۔ ہم یہاں پنڈت لکھشمن آریہ اپدیشک کا ترجمہ درج کرتے ہیں جو انہوں نے بھوشیہ پُران کی آلوچنا میں درج کیا ہے اور وہ یہ ہے :۔

"ایک بار شک دیش کا راجہ شالباہن ہمالہ کی چوٹی پر گیا تو اُس طاقتور راجہ نے ہُون دیش کے بیچ میں پہاڑ پر بیٹھے ہوئے ایک گورے رنگ والے سفید کپڑے پہنے ہوئے پاک انسان کو دیکھا۔ راجا نے اُس سے پوچھا آپ کون ہیں؟ وہ خوش ہو کر بولا۔ مَیں کماری کے گربھ (عورت کے بطن[3]) سے پیدا ہُوا۔ خدا کا بیٹا ہوں۔ مَیں ملیچھ دھرم کا اُپدیشک اور سَتیہ برت کا

[1] ( ) قوسین میں دیئے ہوئے الفاظ ہم نے سمجھانے کے لئے بڑھا دیئے ہیں۔ [2] ان کوششوں کی کامیابی کے لئے مَیں حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر دعوت و تبلیغ قادیان کا شکر گزار ہوں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

دھارن کرنے والا ہوں۔ یہ سُنکر راجا نے کہا آپ کونسے دھرم کو مانتے ہیں؟ وہ بولا مہاراج ملیچھ دیش میں ستیہ کے ناش ہونے (صداقت معدوم ہونے) اور مریادا کے ٹوٹ جانے سے (حدود شریعت قائم نہ رہنے سے) میں مسیح کے روپ میں پرگھٹ (ظاہر) ہُوا ہوں۔ ملیچھوں کے بیچ میں ایشا مسی (عیسیٰ مسیح) بھینگمہ پرگٹ ہوئی۔ مَیں اس کو ملیچھوں سے پراپت کر کے مسیح بھاد کو پراپت ہوگیا۔ ہے راجن! اس کرم سے مسیحا ناش کو پراپت ہوگئی۔ ایش مورتی ہردے میں پراپت ہونے کے کارن میرا عیسیٰ مسیح یہ نام مشہور ہے۔"[۱]

پنڈت للکشمن نے بھوشیہ پُران کی آلوچنا میں اس عبارت کے بعد لکھا ہے کہ "اس لیکھ میں بائبل کے بیان شدہ مریم کے پُتر عیسیٰ کا ذکر ہے اور عیسیٰ کے دھرم (مذہب) کو نیائے ستھا ستیہ سے یُکت اور ویدک سدھ کیا گیا ہے۔"[۲] ان دونوں حوالوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کشمیر میں آنا اور یہاں وفات پانا ثابت ہے۔

دنیا کے بڑے بڑے مذاہب اور کشمیر کی اہمیّت

دنیا میں اس وقت جتنے مذاہب ہیں سب کے ہاں کشمیر جنت نظیر کہلاتا اور مقدس ملک شمار ہوتا ہے۔ اور ہر مذہب کسی نہ کسی حیثیت سے کشمیر جنّت نظیر سے اپنا تعلّق جتاتا ہے۔ ہنود مذہب کا دعویٰ ہے کہ کشمیر مقدس مقام ہے اور ان کے سارے تیرتھوں کا منبع کشمیر جنّت نظیر میں ہے اور اس سے اُن کی مذہبی روایات وابستہ ہیں۔

بُدھ مذہب والوں کا دعویٰ ہے کہ اُن کی مذہبی روایات کشمیر جنّت نظیر سے وابستہ ہیں اور یہ مقدس ملک ہے جس سے بدھ مذہب کا تعلّق رہا ہے۔ بدھ مذہب کی تدوین و تجدید کی غرض سے دو اہم کانفرنسیں بھی کشمیر ہی میں منعقد ہوئیں جن کے دُور رس اثرات مرتّب ہوئے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بدھ مذہب کی بعض مذہبی ہدایات پر مشتمل تانبے کے کتبے کندہ کروا کر یہاں سری نگر کے آس پاس زیر زمین محفوظ کروائے گئے تھے جن کی دریافت کے لئے تاحال کوششیں جاری ہیں۔

اگرچہ عیسائی ابھی یہ تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کشمیر میں مدفون ہیں مگر یہ مانتے ہیں کہ یوز آسف جن کی قبر محلہ خانیار (سری نگر) میں ہے حضرت عیسیٰؑ کے خاص حواریوں میں سے تھے۔ اور یہ بھی جدید تحقیقات سے ثابت کرتے ہیں کہ سرزمین کشمیر سے قدیم صلیبیں اور عیسائی قبرستان برآمد ہوئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں یہاں نسطوری فرقہ کے عیسائی بستے تھے۔

---

۱ پرتی سرگ پرب کھنڈ ۳ ادھیائے ۲ شلوک ۲۱ تا ۳۱۔ ۲ بھوشیہ پُران کی آلوچنا ۹ تا ۱۱ مطبوعہ ہندوستان پرنٹنگ ورکس دہلی

اس طرح عیسائی بھی جنت نظیر کشمیر سے قرونِ اولیٰ کے عیسائیوں کی مذہبی روایات وابستہ کرتے ہوئے اسے مقدس مقام قرار دیتے ہیں۔

یہودی کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا ایک کثیر حصہ قدیم زمانہ میں کشمیر میں آکر بس گیا تھا اور تخت سلیمان اور اہلِ کشمیر کے اسرائیلی نام اور ان کے لباس، ان کے چہرے اور ان کا تمدن بنی اسرائیل سے شمار یا مشابہت رکھتا ہے اور بعض قبرستان یہاں یہودیوں کے طریق کے مطابق برآمد ہوئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسرائیلیوں کی ابتدائی پناہ گاہ کی حیثیت سے کشمیر کو خاص مقام حاصل ہے۔

مسلمان سب فرقوں سے یہاں زیادہ آباد ہیں اور یہاں مسلمانوں کی مساجد۔ معابد۔ خانقاہیں۔ قبرستان اور آثار بھی کثرت سے ہیں۔ اس لحاظ سے مسلمانوں کے لئے کشمیر کی حیثیت واہمیت اظہر من الشمس ہے

احمدیت کے نقطۂ نظر سے کشمیر بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ایک تو اس لحاظ سے کہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا تعلق کشمیر سے بھی ہے جیسا خلیفۃ المسیح اول اور ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی فرمایا تھا کیونکہ وفاتِ مسیح ناصریؑ میں حیاتِ اسلام ہے اور مسیح ناصریؑ کی وفات کشمیر میں ہوئی اور ان کا مقبرہ بھی یہاں ثابت ہو گیا ہے۔ پس جوں جوں دنیا میں ان کی وفات ثابت ہوتی جائے گی اسلام غالب ہوتا چلا جائیگا۔ دوسرا اس لحاظ سے کہ کشمیر میں قریباً اسّی ہزار (۸۰۰۰۰) احمدی موجود ہیں۔[۱]

کشمیر میں اشاعتِ اسلام

کشمیر میں جس طرح احمدیت کا آغاز ڈوگرہ خاندان کے عہد حکومت میں پُرامن طریق سے ہوا اسی طرح اسلام کی اشاعت کا آغاز بھی ہندو راجاؤں کے عہد حکومت میں پُرامن طریق سے ہوا۔ جس طرح احمدیت احمدی مبلّغوں اور بزرگوں کی تبلیغ اور نیک نمونہ کے ذریعہ ناموافق حالات میں پروان چڑھ رہی ہے اسی طرح اسلام بھی اسلامی مبلّغوں اور بزرگوں کی تبلیغ اور نیک نمونہ کے ذریعہ پروان چڑھا تھا جیسا قدیم تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ فتحنامہ سندھ (المعروف چچ نامہ) میں لکھا ہے کہ محمد بن قاسم کے فتح سندھ کے دوران پہلی صدی ہجری میں سندھ سے محمد حارث علافی اور جہم (جہیم۔ ہمیم) بن سامہ شامی وغیرہ کشمیر کے ہندو راجہ کے ہاں چلے آئے اور ان سے ملاقات کی۔ کشمیر کے راجہ نے ان کا بہت اعزاز واکرام کیا اور شاکلہار نامی ایک موضع ان کی جاگیر میں دیا اور اعزاز کے ساتھ انہیں وہاں ٹھہرایا جہاں ان مسلمانوں نے مقیم ہو کر مسجدیں بنائیں۔ شاہِ کشمیر اور لوگ ان کا بہت عزت احترام کرتے تھے۔[۲]

---

[۱] روزنامہ الفضل ۲۳ر فروری ۱۹۵۷ء ص۳ نیز ۶ر جون ۱۹۳۵ء ص۷۔

[۲] فتحنامہ سندھ (ترجمہ فارسی چچ نامہ) شائع کردہ مجلس مخطوطات فارسیہ حیدرآباد دکن ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء

تاریخ کشمیر کے مطابق فتح سندھ کا یہ زمانہ راجہ تاراپیڈ (عہد حکومت ۷۱۱ء تا ۷۱۵ء) اور راجہ للتادت (عہد حکومت ۷۱۵ء تا ۷۵۲ء) کی حکومتوں کے مطابق ہے۔ اور ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی نے اپنی انگریزی تاریخ کشمیر میں جہم بن سامہ شامی کے ورود کشمیر کا زمانہ ۹۳ھ ہجری مطابق ۷۱۳ء متعین کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ کشمیر میں بعض مسلمانوں کے ذریعہ پہلی صدی ہجری اور آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہی اسلام کی اشاعت کا آغاز ہوا تھا جبکہ یہاں مذکورہ ہندو راجاؤں میں سے کسی ہندو بادشاہ کا راج تھا جس کی بڑی فتوحات بیان کی گئی ہیں۔ اور جو عام طور پر مشہور ہے کہ اسلام کشمیر میں چودھویں صدی عیسوی میں آیا اور بادشاہوں اور ایرانی مبلغوں نے اسکا آغاز کیا یہ صحیح نہیں ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ اُس وقت حالات نے یکایک پلٹا کھایا اور راجہ رنچن کے مسلمان ہونے پر اسلام کا عام چرچا ہوا کیونکہ جیسا اوپر ہم لکھ آئے ہیں تاریخی روایات سے ظاہر ہے کہ کشمیر میں اسلام سندھ کے بعض مسلمانوں کے ذریعہ پہلی صدی ہجری اور آٹھویں صدی عیسوی میں ہی آچکا تھا۔ اور کشمیر میں بعض مساجد بھی بن گئی تھیں جن میں قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس سے ہندوؤں کا یہ الزام بھی غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ کشمیر میں مسلمان بادشاہوں نے اسلام کو جبراً پھیلایا کیونکہ مسلمان مبلغوں کی آمد کا زمانہ ہندوؤں کے دور زوال سے کسی ہندو راجا کا زمانہ تھا جس نے سندھ کے بعض مسلمانوں کو نہ صرف جاگیر دی بلکہ چچ نامہ (فتحنامہ سندھ) کے مطابق جسکا حوالہ اوپر گذر گیا۔ جب محمد حارث علافی دوبارہ اُس کے دربار میں گیا تو اس نے اُس کی ایسی ہی عزت کی جیسے بڑے بڑے بادشاہوں کی کیجاتی ہے۔ اس سے واضح ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو بُری نظر سے نہیں دیکھتا تھا بلکہ انتہائی عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ ریاست میں مسلمان آباد ہوں۔ اگر وہ ایسا نہ چاہتا تو مسلمانوں کو اپنے ملک میں نہ جاگیر دیتا نہ بادشاہوں کی طرح اُن کی عزت افزائی اور حوصلہ افزائی کرتا۔ نہ مسجدیں بنانے کی اجازت دیتا۔ تاریخ یعقوبی سے پتہ چلتا ہے کہ ۷۱۷ء اور ۷۲۰ء کے دوران حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے سلیط بن عبداللہ کو ایک تبتی وفد کی درخواست کے مطابق تبت اور کشمیر کے علاقہ میں اسلام سکھانے کے لئے بھیجا اور اُس نے وہاں جا کر لوگوں کو قرآن مجید اور توحید کی تعلیم دی۔[1]

مذکورہ تصریحات کی تائید پنڈت کلہن کی راج ترنگنی سے بھی ہوتی ہے۔ اس میں کشمیر کے راجہ ہرش کی بابت جسکا زمانہ گیارھویں صدی عیسوی کا ہے لکھا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اپنی فوج میں اعلیٰ عہدے دیتا تھا۔ اب اگر پہلے ہی سے کشمیر میں مسلمان موجود نہ تھے تو راجہ ہرش کیسے انکو فوجی عہدے دیتا۔

---

[1] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۶۲۔

پھر جب مارکوپولو چینی سیاح کشمیر میں بارھویں یا تیرھویں صدی کے آغاز میں آیا تو اُس نے لکھا کہ کشمیر میں مسلمان بھی موجود ہیں اور وہ جانوروں کی قربانی کرتے ہیں۔ اسی بارھویں صدی عیسوی میں شمالی علاقوں گلگت اور بلتستان کے دَرد قبائل بھی مسلمان ہو چکے تھے جیسا آرنلڈ نے پریچنگ آف اسلام میں لکھا ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ چودھویں صدی عیسوی میں کشمیر میں ایک بڑا انقلاب آیا۔ کشمیر کی حالت ابتر ہو چکی تھی۔ راجہ سہدیو ہندوؤں کا آخری راجہ عیش پرست تھا اور عوام کی حالت اخلاقی تمدنی اور مذہبی لحاظ سے بہت بگڑ چکی تھی اور خدا انقلاب حکومت چاہتا تھا۔ چنانچہ خدائی منشاء کے مطابق بدھ مذہب کے ایک شخص رنچن نامی نے کشمیر کی حکومت سنبھال لی۔ اُسے شاہ میر اور عبدالرحمٰن (مبلغ) نے تبلیغ کی۔ ۷۲۳ھ ہجری مطابق ۱۳۲۳ء راجہ رنچن نے اسلامی مبلغ سید عبدالرحمٰن (وفات ۷۲۷ھ / ۱۳۲۷ء) کے ہاتھ پر مع خاندان دین اسلام قبول کر لیا اور اپنا اسلامی نام سلطان صدرالدین رکھا۔ یہی راجہ ریاست میں پہلا مسلم سلطان کہلاتا ہے جو اپنے سابق بدھ مذہب سے مطمئن نہیں تھا اور تحقیقات کے بعد اسلام کی صداقت سے متاثر ہو کر برضاء و رغبت حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ راجہ کے مسلمان ہونے کے بعد ہر طرف اسلام کا چرچا ہُوا۔ سلطان نے دو سال ۷ ماہ حکومت کرنے کے بعد ۱۳۲۶ء میں وفات پائی۔ اور کچھ عرصہ کے لئے پھر سابق ہندو راجہ تخت نشین ہُوا مگر ۱۳۴۳ء میں ایک اور مسلمان شاہ میر عوام کی خواہشات کے مطابق تخت نشین ہوا جس نے سلطان شمس الدین اپنا لقب قرار دیا۔ اُس نے سابق بکرمی سنہ موقوف کر کے نیا اسلامی سنہ تمام کشمیر میں رائج کیا جس کی ابتداء سابق سلطان صدرالدین کی تخت نشینی کے زمانہ سے کی۔ یہ کشمیری سنہ شاہان مغلیہ کے کشمیر پر تصرف کے زمانہ تک رائج رہا۔ اس کے زمانہ میں اسلام کو استحکام مِلا اور دُور دُور تک اسلام کا پیغام پہنچا۔ شاہ میر کے خاندان سے یکے بعد دیگرے بہت سے بادشاہ ہوئے جن کے نام یہ ہیں:-

سلطان شمس الدین جمشید۔ علاؤالدین۔ شہاب الدین۔ قطب الدین۔ سکندر۔ علی شاہ۔

زین العابدین۔ حیدر شاہ۔ حسن شاہ۔ محمد شاہ۔ فتح شاہ۔ ابراہیم شاہ۔ نازک شاہ۔ اسمٰعیل شاہ حبیب شاہ

ان مسلم بادشاہوں نے ۱۳۳۹ء سے لیکر ۱۵۶۱ء تک شان و شوکت سے حکومت کی اور ریاست کو ہر شعبہ میں ترقی کے بامِ عروج پر پہنچا دیا۔ پھر خاندان چک کی حکومت کا آغاز ہوا جن میں یہ بادشاہ ہوئے غازی شاہ۔ علی شاہ۔ یوسف شاہ۔ یعقوب شاہ۔ حسین شاہ۔ یوسف شاہ۔ ان کی حکومت ۱۵۸۶ء تک رہی۔ اس کے بعد مغل اور افغان بادشاہوں کی حکومت قائم ہوئی۔ اس طرح ریاست جموں و کشمیر میں مسلمانوں کی حکومت قریباً پانچ سو سال تک جاری رہی۔

سلطان شہاب الدین کے عہد (۱۳۶۰ء تا ۱۳۷۸ء) سے کشمیر میں ایران سے سید علی ہمدانی، سید حسین سمنانی، عبدالرحمٰن، سید میر محمد ہمدانی مع دیگر کثیر بزرگوں کے تشریف لائے اور کشمیر کے اطراف و اکناف میں اسلام کا پیغام پہنچایا۔ ان بزرگوں کی تبلیغ اور ان کے نیک نمونہ سے بہت سے ہندوؤں نے برضا و رغبتِ اسلام قبول کر لیا۔ ان مبلّغین کے علاوہ بعض دیگر مبلّغین کے نام یہ ہیں:۔

سید جلال الدین۔ سید محمد قریشی۔ سید احمد قریشی۔ سید مراد۔ سید رکن الدین۔ سید فیروز۔ سید احمد اندرابی۔ شیخ نورالدین ولیؒ (وفات ۱۴۳۸ء)۔ شیخ حمزہ مخدومی۔ شاہ فریدالدین قادری (آمد ۱۵۱۵ء)۔ شیخ نصیرالدین۔ شیخ بہاؤالدین گنج بخش۔ مولانا محمد کمال (استاذ مجدد الف ثانیؒ) شیخ یعقوب صرفی (وفات ۱۵۹۴ء)۔ بابا داؤد خاکی وغیرہم۔

ان مبلّغوں نے جگہ جگہ مساجد بنائیں۔ لوگوں کی تعلیم و تربیت کی اور مبلّغ تیار کئے، لنگر جاری کئے۔ مدارس بنائے اور اسلام کو بہت ترقی ملی یہاں تک کہ مندروں کے پجاریوں نے برضا و رغبت مسلمان ہو کر مندروں کو مسجدوں میں تبدیل کر دیا اور شرک و بت پرستی کی جگہ خدائے واحد کی عبادت ہونے لگی۔[1]

قریباً پانچ سو سال تک ریاست جموں و کشمیر میں مسلمانوں کی حکومت رہی مگر اس دوران اور اس کے بعد رفتہ رفتہ پھر مسلمانوں میں کمزوریاں پیدا ہوتی گئیں یہاں تک کہ ہندوؤں سے میل ملاپ کے نتیجہ میں شرک و رطرح طرح کی رسوم و بدعات پھیل گئیں۔ ان حالات میں تقدیر الٰہی نے پھر انقلاب حکومت کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ۱۸۱۹ء سے کشمیر پر پنجاب کے سکھ حکمرانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ سکھ فرقہ اوائل میں توحید پر کاربند تھا۔ کیونکہ اس کی اصلاح بابا گورو نانکؒ کے ذریعہ ہوئی تھی جو ایک صاحب الہام ولی اللہ ہو گذرے ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد سکھوں میں بھی مذہبی و سیاسی بگاڑ پیدا ہوا اور انہوں نے عوام پر طرح طرح کے ظلم و ستم کرنے شروع کر دیئے تو اللہ تعالیٰ نے جو اس کائنات کا اصل بادشاہ ہے انگریزوں کو سمندر پار سے ہندوستان میں لایا جنہوں نے ہندوستان کی مغل حکومت پر قبضہ کر لیا۔ کشمیر کے ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ نے پنجاب پر قبضہ کرانے میں ان کی مدد کی تھی۔ اس مدد کے صلہ میں انگریزوں نے ۱۸۴۶ء میں ایک معاہدہ کے ذریعہ ریاست جموں و کشمیر کو گلاب سنگھ کی خودمختار تحویل میں دے دیا۔

---

[1] ان مبلغین کا ذکر بطور نمونہ مختصراً کیا گیا ہے تفصیل "واقعات کشمیر" از خواجہ محمد اعظم دیدہ مری اور "تاریخ بڈشاہی" از محمد دین فوق۔ اسی طرح مسلم سلاطین کشمیر کا ذکر "کشمیر سلاطین کے عہد میں" از محب الحسن مطبوعہ اعظم گڑھ اور "مکمل تاریخ کشمیر" از محمد دین فوق میں دیکھنی چاہیئے۔ یہاں اختصار پیش نظر ہے۔

اور اس کے عوض گلاب سنگھ سے ۷۵ لاکھ نانک شاہی روپیہ وصول کر لیا۔ اُس وقت سے ۱۹۴۷ء تک ریاست پر گلاب سنگھ ڈوگرہ کا خاندان برسرِ حکومت رہا۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے نتیجہ میں جب انگریز ہندوستان کو چھوڑ کر چلے گئے باشندگانِ ریاست نے آزادی کے لئے مسلّح جنگ شروع کر دی جو بالآخر اقوام متحدہ کی وساطت سے اس وعدہ پر روک دی گئی کہ ریاست میں رائے شماری کے ذریعہ معلوم کیا جائیگا کہ اہل کشمیر کیا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ریاست کے مابین خطِ متارکۂ جنگ کھینچ دیا گیا ہے۔ مگر تا حال رائے شماری کا وعدہ بھی پورا نہیں کیا گیا۔ ایک کثیر حصۂ ریاست پر بھارت کا کنٹرول ہے اور دوسرا حصہ آزاد کشمیر کہلاتا ہے اور آزادی کی جد و جہد جاری ہے۔

تیرھویں صدی ہجری اور انیسویں صدی عیسوی میں جب عالمگیر اخلاقی اور مذہبی بگاڑ ظہور میں آیا اور مسلمان ہر جگہ عیسائیوں کے عالمگیر سیاسی غلبہ کی وجہ سے انتہائی مظلوم ہو چکے تھے اللہ تعالےٰ نے اپنی قدیم سنّت اور وعدہ کے مطابق قادیان (بھارت) سے دنیا کی اصلاح کے لئے بانی سلسلہ احمدیہ حضرت میرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو ۱۸۹۰ء میں مسیح و مہدی موعود کی حیثیت سے مبعوث فرمایا۔ انہوں نے دوبارہ غلبۂ اسلام کے لئے خدا سے مامور ہو کر جو روحانی اور مذہبی تحریک جاری کی اُس سے رفتہ رفتہ دنیا میں جو انقلاب رونما ہو رہا ہے وہ خاص اہمیت رکھتا ہے اور کوئی مؤرخ اب اسے نظر انداز نہیں کر سکتا اور بلا شبہ اس سے ایک پُر اُمید دَور کا آغاز ہو چکا ہے۔ تاریک اور مایوس راتیں ڈھل رہی ہیں اور اسلام کی فجر وعدوں کے مطابق طلوع ہو چکی ہے۔ ہم اس مبارک دَور کا بدل و جان خیر مقدم کرتے ہیں۔ مبارک ہے وہ شخص جو اس دَور کو شناخت کرے اور انصارِ دین میں شامل ہو کر غلبۂ اسلام کی جد و جہد میں اپنا حصہ ادا کرے۔

ریاست جموں و کشمیر کے اِس پس منظر میں جس کا بیان اوپر ہوا، اِس نئے دَور کا آغاز کیسے ہوا اور کس طرح کن لوگوں نے گوناگوں مشکلات و مصائب کا مقابلہ کر کے اس شاندار دَور کی بنیاد رکھی اور اس کے کیا اثرات رونما ہوئے، اس کی تاریخ بہت اہم اور دلچسپ ہے جسکا جاننا ہمارے لئے بہت ضروری ہے کیونکہ اس کے ساتھ مسلمانوں کا شاندار مستقبل اور غلبۂ اسلام کی اُمیدیں وابستہ ہیں۔ اور اسی کی تاریخ لکھنا ہمارے پیش نظر ہے جو اگلے صفحات میں قارئین کرام کے ملاحظہ سے گذریگی تاکہ دنیا والوں پر اس کام کی نوعیت و اہمیت واضح ہو جائے اور انہیں اس ملّی مقصد میں تعاون کرنے کی تحریک و ترغیب ہو اور عیسائی دنیا پر پھر واضح ہو جائے کہ کس طرح اسلام ناموافق حالات میں صرف اپنی صداقت سے دنیا میں پھیلنے اور غالب آنے کی قوت و صلاحیت رکھتا ہے جیسا کہ وہ پہلے زمانہ میں صرف اپنی ذاتی خوبیوں اور صداقت سے غالب آیا تھا نہ جبر اور تلوار سے۔ واللہ الموفق وھو المستعان

باب دوئم

فصل اوّل

زمانۂ مسیح و مہدی کی اہمیت، اشاعت احمدیت

مذہبی بیداری اور گوناں گوں مصائب و مشکلات میں

نئے دَور کا آغاز

۱۹ انیسویں صدی عیسوی اور ۱۴ تیرھویں صدی ہجری کے آخر سے جس زمانہ سے کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح و مہدی علیہ السلام نے دعویٰ مسیحیت و مہدیت شائع فرمایا دنیائے اسلام کا نیا دَور شروع ہوتا ہے جسے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا دَور کہہ سکتے ہیں۔

احمدیت کے تیرہ سو سال قبل ریاست جموں و کشمیر میں اسلام کی اشاعت سے بھی ایک نیا دَور شروع ہوُا تھا جبکہ ریاست میں اسلام نے نامساعد اور تاریک حالات میں قدم رکھا تھا۔ مگر بعد میں رفتہ رفتہ غیر معمولی اور ہمہ گیر انقلاب کا باعث بنا تھا۔ اور صدیوں تک مسلمانوں کی حکومت بھی یہاں قائم رہی اور اسوقت ریاست میں ۸۵ فیصد سے زیادہ مسلم آبادی موجود ہے۔

روحانی اور مذہبی تحریکوں کی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ انتہائی مخالف اور عام حالات میں شروع ہوتی ہیں مگر رفتہ رفتہ اپنے اثرات وسیع کرتے ہوئے غیر معمولی انقلاب کی باعث بن جاتی ہیں۔ اسی طرح احمدیت بھی ریاست میں انتہائی ناسازگار اور مخالف حالات میں آئی اور انتہائی مخالفت و مشکلات کے باوجود رفتہ رفتہ پھیلتی اور مذہبی و علمی بیداری کا باعث بن گئی۔ ابھی احمدیت کو شروع ہوئے ایک صدی بھی نہیں گذری مگر وقت آرہا ہے کہ احمدیت ہمہ گیر انقلاب لائے گی۔ اور ریاست میں ترقی کے ایک عظیم الشان دَور کی اُسی طرح موجب بنے گی جس طرح اس سے قبل اسلام کی اشاعت ریاست میں ترقی کے عظیم الشان دَور کی موجب ہوئی تھی۔

احمدیت کا آغاز ریاست میں جن شدید اور مخالف حالات کے ساتھ ہوُا ان کے پیش نظر کوئی

نہیں کہہ سکتا تھا کہ احمدیت کا پودا کسی جگہ بھی جم سکیگا مگر دیکھتے دیکھتے احمدیت کا پودا نہ صرف ریاست میں جم گیا بلکہ جم کر اتنا وسیع اور ہمہ گیر درخت بن گیا کہ آج ریاست کے اطراف و اکناف میں قریباً ہر اہم مقام اور ہر قبیلہ میں اس کی شاخیں پھیلی ہوئی نظر آرہی ہیں۔ اور اہل بصیرت اور نیک فطرت لوگ اس درخت کے شیریں پھلوں سے اس طرح لطف اندوز ہو رہے ہیں جس طرح اس سے قبل اسلام کے درخت کے شیریں پھلوں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

ریاست جموں و کشمیر کو باقی تمام ریاستوں سے یہ خصوصیت و فضیلت حاصل ہے کہ اس وقت بھی ترقی یافتہ اسلام یعنی احمدیت پر ایمان رکھنے والے سب سے زیادہ اس میں آباد ہیں۔ اتنی کثرت سے اور کسی ریاست میں احمدی موجود نہیں جتنی کثرت سے ریاست جموں و کشمیر میں آباد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں حق و صداقت قبول کرنے کی صلاحیتیں رکھی ہوئی ہیں اس لئے خواہ کس قدر مخالفت ہو حق اثر کرتا اور پھیلتا چلا جاتا ہے۔ جب ہم ابتدائی احمدیوں کی قبول احمدیت، ان کے مصائب و مشکلات اور اس کے باوجود ان کی استقامت اور جذبۂ اشاعتِ حق کے حالات و واقعات دیکھتے ہیں تو ہمیں عرب کے قرونِ اولیٰ کے مسلمان یاد آجاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ان ایمان افروز حالات کا اعادہ ہر پیغمبر کے زمانہ میں ہوتا رہا ہے اور آغازِ اسلام میں بھی ہوا اسی طرح آج ہمارے زمانہ میں پھر ان روح پرور اور ایمان افروز حالات کا اعادہ ہو رہا ہے۔ خواہ کوئی مانے یا نہ مانے مگر ہمارا احساس یہی ہے کہ جو حالات آغازِ اسلام میں رونما ہوئے وہ اسلام کی موجودہ نشأۃ ثانیہ کے زمانہ میں بھی رونما ہو رہے ہیں۔ اور ان حالات کے اعادہ سے ہمارے ایمانوں کو جو خاص قوت ملتی اور ہماری روحیں جو انتہائی سرور حاصل کر رہی ہیں غیر لوگ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غلبۂ اسلام کے بہت سے معجزے جو صحابہ کرامؓ نے دیکھے تھے آج ہم دوبارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ جن سے اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی صداقت پر ہم میں تازہ ایمان پیدا ہوتا ہے اور نئی روحانی بصیرت حاصل ہوتی ہے تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام کا نیا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ایک عرصہ کے زوال کے بعد غلبۂ اسلام کے آثار نمایاں نظر آرہے ہیں۔ اس کا اندازہ وہ لوگ کہاں کر سکتے ہیں جنہوں نے تاحال اس مبارک زمانہ کو نہیں پہچانا۔ اس کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے اس مبارک زمانہ کو پہچان لیا اور جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح موجودہ زمانہ میں ہزاروں مصائب و مشکلات برداشت کرتے ہوئے دنیا میں دعوتِ اسلام کا جہاد کر رہے ہیں۔

ریاست میں اشاعتِ احمدیت کی تفصیل یہ ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے شاہی طبیب حکیم

مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ نے ۲۲ مارچ ۱۸۸۹ء میں بیعت کی۔ آپ پورے ہندوستان میں اوّل المبائعین تھے۔ گو آپ بھیرہ (پنجاب) کے متوطن تھے مگر احمدیت کا پیغام آپ کو ریاست ہی میں ملا اور یہیں مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی تحریک اور توفیق حاصل ہوئی۔ بیعت کے وقت آپ ریاست جموں و کشمیر کے مہاراجہ سر پرتاپ سنگھ کے ہاں شاہی طبیب تھے[1]۔ آپ کی بیعت کے بعد آپ کے ہمنام خلیفہ نورالدینؓ جموں نے اغلباً ۱۸۹۱ء و ۱۸۹۲ء میں بیعت کی۔ آپ کو خلیفہ کا نام مہاراجہ کشمیر نے اس لیے دیا تھا کہ آپ جموں میں حضرت خلیفۃ المسیح اوّل مولانا نورالدینؓ سے تعلیم حاصل کرتے اور مہاراجہ کے قیام گاہ کے متصل نماز پڑھتے تھے۔ ریاست میں اونچی اذان کہنا ممنوع تھا۔ ایک دفعہ آپ نے جب اونچی اذان دیدی تو مہاراجہ مولوی صاحب کے ادب کی وجہ سے منع تو نہ کر سکا مگر کہا کہ مولوی صاحب! آپ کا خلیفہ اونچی بانگیں دیتا ہے۔ اُس دن سے آپ "خلیفہ" نورالدین مشہور ہو گئے[2]۔

ان کے بعد راجہ حیدر خانؓ یاڑی پورہ اور راجہ عطا محمد خانؓ چک ایمرچھ (یاڑی پورہ) نے بیعت کی۔ راجہ عطا محمدؓ والی کرناہ راجہ شیر محمد خان کی اولاد میں سے تھے۔ انہوں نے بیعت کے بعد صحن خانقاہ یاڑی پورہ میں ۱۲ محرم الحرام بروز جمعہ ۱۸۹۸ء اشاعتِ دعویٔ مسیح موعودؑ کی غرض سے جلسہ منعقد کیا۔ اس سے قبل اس کیلئے اشتہار بھی دیا گیا تھا۔ جو لوگ اس جلسہ میں آئے وہ ابھی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کے دعوٰی سے ناآشنا تھے۔ اس جلسہ میں مولوی فضل حق امام مسجد اور محمد عبداللہ وغیرہم نے امام مہدی کے ظہور، وفاتِ مسیح اور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی صداقت پر تقاریر کیں۔ راجہ عطا محمد صاحبؓ نے ایک تحریری شہادت مرتب کی تھی جس میں لکھا گیا تھا کہ کس طرح خواب کے ذریعہ اُن پر مرزا صاحب کی صداقت منکشف ہوئی۔ یہ شہادت حاضرین کے سامنے پڑھی گئی۔ شرائط بیعت بھی سُنائے گئے۔

راجہ عطاء محمد خان صاحبؓ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیعت لینے کی اجازت دیدی تھی چنانچہ اس جلسہ پر لوگوں نے جب امام مہدی کے ظہور کی بشارت سُنی تو بہت متاثر اور خوش ہوئے چنانچہ شام تک اس جلسہ کے بعد اسّی آدمی بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے[3]۔

راجہ عطا محمد خانؓ کے ساتھ ہی مولوی عبدالرحمٰن (المعروف عبدالرحیم) جو ڈاکٹر نذیر الاسلام پی۔ ایچ۔ ڈی سابق ڈائریکٹر تعلیم حکومت آزاد کشمیر کے والد تھے، نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی اور کافی عرصہ تک سلسلہ کی خدمات انجام دیتے رہے۔ راجوری میں بھی تبلیغ کر کے بیداری پیدا کی اور اُنکے ذریعہ

---

[1] آپ کی زندگی کے مفصل حالات شائع ہو چکے ہیں۔ دیکھو "مرقاۃ الیقین فی حیات نورالدینؓ" اور "تاریخ احمدیت" جلد چہارم و پنجم۔ [2] آپ کے اور دیگر صحابہؓ کے حالات زندگی آگے درج ہونگے۔ [3] الحکم قادیان جون ۱۸۹۸ء

بیرونِ کشمیر ہندوستان میں بھی کئی جماعتیں قائم ہوئیں ۔ راجہ عطا محمدؓ اور مولوی عبدالرحمٰنؓ کی وجہ سے چک ایمرچھ یاڑی پورہ نونہ متی ۔ برازل ۔ بونس ۔ بوگام وغیرہ میں رفتہ رفتہ احمدیت پھیل گئی ۔

خواجہ عمر ڈار رضی اللہ عنہ آسنور (علاقہ ناڑواؤ) میں پھلوں کے تاجر اور اپنے گاؤں کے بڑے رئیس تھے ۔ مولوی عبداللہ صاحبؓ وکیل جو گاگرن نزد شوپیاں کے رہنے والے تھے خواجہ صاحب کے پاس ملازم تھے ۔ خواجہ صاحب حج کیلئے سیالکوٹ آئے ۔ اس سال طاعون کی وجہ سے حج پر جانے کی اجازت نہ ملی ۔ یہاں آپ نے مسیح و مہدیؑ کا شہرہ سنا اور مولوی عبدالکریمؓ (سیالکوٹی) کے ذریعہ انہیں بعض کتب ملیں اپنی تحقیق میں انہوں نے گھر جاکر مولوی عبداللہ صاحبؓ وکیل کو بھی شامل کر لیا ۔ بعد ازاں ہر دو اصحاب نے اغلباً ۱۸۹۴ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کی تصدیق کر کے قادیان جاکر بیعت کر لی ۔ اس کے بعد خواجہ صاحب کو حج کی بھی توفیق مل گئی ۔ اُن کے اخلاقِ فاضلہ کے باعث تقریباً سارا آسنور احمدی ہو گیا ۔ رشی نگر ۔ کوریل وغیرہ میں اکثریت نے آپ کی تبلیغ سے احمدیت قبول کی ۔

مولوی محبوب عالمؓ علاقہ کوٹلی نے ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ اور بیعت کے بعد پُر جوش مبلغ بن گئے ۔ آپ اصل میں گجرات سے کشمیر میں آئے تھے اور درس و تدریس کا مشغلہ رکھتے تھے ۔ ان کے احمدی ہونے کے بعد اُن کے بہت سے شاگرد احمدی ہو گئے ۔ گوئی ، منکوٹ ، چار کوٹ سلواہ ۔ درہ شیر خاں ۔ بھابڑا وغیرہ میں انہوں نے وعظ کئے اور لوگوں کو امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کی خوشخبری سُنائی ۔ ان کی تبلیغ سے اِن دیہات میں بھی احمدیت آئی اور مذہبی بیداری پیدا ہوئی ۔ آجکل یہاں ان علاقوں میں جماعتیں قائم ہیں ۔

فصل دوئم

صحابہ کرامؓ [1] کے ایمان افروز حالات

ریاست جموں وکشمیر میں احمدیت یعنی حقیقی اسلام قبول کرنے اور گوناگوں مصائب و مشکلات کے طوفانوں سے گذرتے ہوئے اِسے پھیلانے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے سب سے پہلے بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح و مہدی موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُنکی زیارت کی ، اُن کی مجلس میں بیٹھے ۔ اُن کے کلماتِ طیبات سُنے ۔ انہیں ہم مسیح موعودؑ کے اصحاب کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں ۔ ان میں کچھ اصحاب تین سو تیرہ (۳۱۳) کہلاتے ہیں جن کے نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اپنی قلم سے ضمیمہ انجام آتھم

عہ [1] اصحابِ مسیح موعود

میں درج فرمائے ہیں[1]۔ ان کے بعد وہ لوگ تھے جنہوں نے مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی ہی میں تحریری بیعتیں کیں مگر انہیں حضورؑ کی زیارت کا موقعہ نہیں مل سکا۔ اور ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے حضورؑ کی وفات کے بعد آپ کے خلفاء کے زمانوں میں شرفِ بیعت حاصل کیا۔ جس کا سلسلہ آجتک جاری ہے اور جاری رہے گا۔ ایسے لوگ جہاں جہاں بھی تھے یا ہیں انہی کے ذریعہ احمدیت کی بنیاد پڑی۔ ان کے حالات و واقعات سبق آموز اور ایمان افروز ہیں اور تاریخ احمدیت میں خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ ہم ان مجاہدوں اور بزرگوں کا تذکرہ اصحابِ مسیح موعود علیہ السلام کے تذکرہ سے شروع کرتے ہیں جن کی فہرست درج ذیل ہے:۔

(۱) حضرت خلیفہ نور الدین جمونی رضی اللہ عنہ ساکن جموں۔
(۲) حضرت میاں اللہ دتہ صاحبؓ جموں
(۳) حضرت خواجہ جمال الدین رضی اللہ عنہ بی اے جموں
(۴) حضرت سید ناصر شاہؓ اوورسیر اوڑی کشمیر
(۵) حضرت مولوی حافظ محمد رضی اللہ عنہ
(۶) حضرت میاں محمد دینؓ جموں
(۷) حضرت میاں محمد صدیق کشمیریؓ سیکھوانی
(۸) حضرت میاں جمال الدینؓ سیکھوانی
(۹) حضرت میاں امام الدینؓ
(۱۰) حضرت میاں خیر الدینؓ
(۱۱) حضرت میاں عبد السبحانؓ
(۱۲) خواجہ کمال الدین صاحبؓ
(۱۳) خواجہ جمال الدین صاحبؓ
(۱۴) حضرت صوفی نبی بخش صاحبؓ
(۱۵) حضرت سید غلام شاہ صاحبؓ کھاریاں
(۱۶) حضرت سید سیف اللہ شاہ صاحبؓ ساکن ریچ بیاڑہ تحصیل و ضلع اسلام آباد کشمیر۔
(۱۷) خلیل الرحمٰن ساکن پنجیڑی و چھپرا تحصیل بھمبر ریاست جموں۔
(۱۸) حضرت مولانا محمد سرور شاہ صاحبؓ موضع سلطان سیداں عرف گھنڈی بیراں ضلع مظفر آباد آزاد کشمیر۔
(۱۹) حضرت عبد الرحیمؓ عرف پولا
(۲۰) حضرت میاں عطاء اللہؓ ساکن بڈھانون تحصیل راجوری ریاست جموں و کشمیر
(۲۱) حضرت بھائی عبد خالقؓ ولد فتح محمد خان ساکن یاڑی پورہ کشمیر ساکن قادیان سنہ بیعت ۱۸۹۶ء سنہ زیارت ۱۹۰۳ء
(۲۲) حضرت خواجہ نظام الدینؓ ساکن قادیان (۲۳) حضرت محمد شریفؓ خواجو کشمیری ولد میاں میراں بخش قطریاں سنہ زیارت ۱۹۰۶ء
(۲۴) حضرت خواجہ عبد الرحمٰن کشمیریؓ ولد شادی کشمیری حال قادیان سنہ زیارت ۱۹۰۰ء۔
(۲۵) حضرت فضل دین کشمیریؓ عرف فجا ولد نظام دین حال قادیان بیعت سنہ ۱۹۰۴ء زیارت سنہ ۱۸۹۰ء۔
(۲۶) خواجہ میراں بخشؓ ولد نظام دین ساکن قادیان۔
(۲۷) حضرت میاں خیر دین کشمیریؓ ولد میاں نظام دین تھہ غلام نبی ضلع گورداسپور حال قادیان زیارت ۱۹۰۴ء ۱۹۰۵ء تخمیناً۔

[1] یہ احادیث نبویہ کی اس پیشگوئی کے مطابق ہے جس میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح و مہدی علیہ السلام کے تین سو تیرہ ۳۱۳ اصحاب ہوں گے جن کے نام کتاب میں چھپے ہونگے (جواہر الاسرار مطبوعہ ۸۴۰ھ از شیخ علی حمزہ بن علی ملک الطوسی)

(۲۸) حضرت راجہ عطا محمدؓ چک امیر چند پاڑی پورہ کشمیر
(۲۹) حضرت راجہ غلام حیدر خان پاڑی پورہ
(۳۰) حضرت حاجی عمر ڈارؓ آسنور کشمیر بیعت ۱۸۹۴ء
(۳۱) حضرت مولوی محمد ابراہیمؓ آسنور کشمیر
(۳۲) حضرت محمد حسنؓ جو آسنور کشمیر
(۳۳) حضرت انور ملکؓ آسنور کشمیر
(۳۴) حضرت مولوی غلام احمد لونؓ آسنور کشمیر
(۳۵) حضرت مولوی حبیب اللہؓ آسنور کشمیر
(۳۶) حضرت محمد میر گاگرنؓ شوپیاں کشمیر
(۳۷) حضرت جمال الدینؓ شوپیاں کشمیر
(۳۸) حضرت خواجہ عبد الرحمٰنؓ رینجر آسنور کشمیر
(۳۹) حضرت ولی محمدؓ واعظ رشی نگر کشمیر
(۴۰) حضرت محمد رمضانؓ پڈر کشمیر
(۴۱) حضرت عبد العزیز پڈرؓ ساکن رشی نگر کشمیر
(۴۲) حضرت غلام رسول صاحبؓ شیخ مانو شوپیاں کشمیر
(۴۳) حضرت صابر جوؓ ساکن لدودن کشمیر
(۴۴) حضرت مولوی عبد الرحمٰنؓ چک اندورہ کشمیر
(۴۵) حضرت محمد شعبان ریشی آسنور کشمیر
(۴۶) حضرت امیر ریشیؓ آسنور کشمیر
(۴۷) حضرت غلام رسول ڈارؓ آسنور کشمیر
(۴۸) حضرت خواجہ عبد القادر ڈارؓ آسنور کشمیر
(۴۹) حضرت خواجہ عبد الرحمٰن ڈارؓ آسنور کشمیر
(۵۰) حضرت فقیر محمد صاحب بھٹیؓ آسنور کشمیر
(۵۱) حضرت خواجہ حفیظ الدینؓ ولد بہادر ساکن بہادر حسین متصل قطبیان
(۵۲) حضرت میاں محمد دین صاحبؓ تاجر جموں
(۵۳) حضرت فیض احمدؓ جموں
(۵۴) حضرت مستری عبد الرحمٰنؓ جموں
(۵۵) حضرت مستری عمرا خانؓ جموں
(۵۶) " " شہاب الدینؓ جموں (غیر مبائع)
(۵۷) حضرت مفتی فضل احمدؓ جموں مدفون ربوہ
(۵۸) حضرت منشی نواب خانؓ جموں (کشمیری لیڈر چوہدری غلام عباس خان صاحب مرحوم کے والد)
(۵۹) حضرت سید شاہ محمدؓ جموں
(۶۰) حضرت عبد اللہ ولد نور جمال گورسیؓ ساکن نندی مرگ کشمیر
(۶۱) حضرت راجہ یار محمد خانؓ ساکن علاقہ کرناہ کشمیر
(۶۲) مستری یعقوب صاحب ٹھیکیدار جموں (غیر مبائع)
(۶۳) حضرت میاں سانولاؓ ساکن پٹھانا تیر پونچھ کشمیر
(۶۴) حضرت عبد الواحدؓ ساکن چارکوٹ راجوری کشمیر
(۶۵) حضرت قاضی محمد اکبر ساکن بڈھانوں راجوری کشمیر
(۶۶) دیوان علیؓ چارکوٹ تحصیل راجوری کشمیر
(۶۷) مولوی صفدر علیؓ چارکوٹ راجوری کشمیر
(۶۸) میاں غلام قادر چارکوٹ راجوری کشمیر
(۶۹) مولوی محبوب عالمؓ ولد شرف دین علاقہ کوٹلی تحصیل جموں کشمیر
(۷۰) حضرت قاضی فیروز الدینؓ ساکن گوئی تحصیل کوٹلی جموں کشمیر
(۷۱) حضرت قاضی بہادر علیؓ " " " " " " " "

ف خواجہ عبد العزیز ڈار کا بیان ہے، کہ عبد الرحمٰن ڈار بیان کرتے تھے کہ عبد اللہ صاحبؓ بٹالہ سے قادیان جا کر حضرت مسیح موعودؑ کے دستی بیعت کی۔

(۷۲) حضرت سید فضل شاہ صاحب لاہوریؓ ساکن ریاست جموں ؎۱ (۷۳) حضرت منشی کرم الٰہی صاحبؓ ساکن ریاست جموں ؎۱
(۷۴) حضرت حکیم غلام احمد انجنیئرؓ ریاست جموں ؎۱ (۷۵) حضرت شیخ فتح محمد صاحبؓ جموں ڈپٹی انسپکٹر کشتواڑ (ادھم پور) ؎۱
(۷۶) حضرت مستری کریم بخش صاحبؓ ٹھیکیدار جموں (۷۷) حضرت خواجہ امداد علی صاحبؓ جموں
(۷۸) حضرت سید محمد حسن شاہؓ گھنڈی مظفر آباد آزاد کشمیر (۷۹) حضرت محبوب عالمؓ نگیالی ضلع میرپور ریاست جموں
(۸۰) حضرت عباس علیؓ نگیال ضلع میرپور ریاست جموں (۸۱) حضرت فتح محمدؓ 〃 〃 〃 〃
(۸۲) حضرت محمد فاضلؓ 〃 〃 〃 〃 (۸۳) حضرت علی محمدؓ 〃 〃 〃 〃
(۸۴) حضرت حسن محمدؓ 〃 〃 〃 〃 (۸۵) حضرت محمد عبد اللہؓ 〃 〃 〃 〃
(۸۶) حضرت صدر دینؓ 〃 〃 〃 〃 (۸۷) حضرت عطاء محمدؓ ہرچیال 〃 〃 ؎۲

اب ہم اُن صحابہؓ کے حالات زندگی درج کرتے ہیں جن کے حالات ہمیں مل گئے ہیں۔

حضرت خلیفہ نور الدین رضی اللہ عنہ

جموں میں خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے پہلے آپ نے بیعت کی۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تین سو تیرہ (۳۱۳) اصحاب میں سے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ جب ابھی قادیان میں نہیں آئے تھے اور بھیرہ میں رہتے تھے اُسوقت آپ اُن کے شاگرد تھے۔ آپ اصلاً جلال پور جٹاں کے رہنے والے تھے بعد میں جموں میں جاکر رہائش اختیار کی جہاں عرصہ دراز تک تجارتی کاروبار کرتے رہے آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ سے حدیث اور طبابت کے علوم سبقاً سبقاً حاصل کئے اور درس و تدریس کا شغل بھی رکھتے تھے۔ جب تک جماعت احمدیہ کی مسجد تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ خلیفہ صاحب کا مکان ہی مسجد اور درس گاہ تھا۔ اور یہی مہمان خانہ بھی ہوا کرتا تھا۔ آپ کی نیکی اور تقوٰی کے لحاظ سے علماء و امراء آپکی عزت کرتے تھے۔ آپ جماعتِ احمدیہ کے پیش امام اور خطیب تھے۔

~~۱۸۹۳ء~~ ۱۸۹۲ء سے آپ نے باقاعدگی سے قادیان آنا شروع کیا۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بڑے بڑے نذرانے پیش کئے اور پھر خدا تعالےٰ نے آپ کو کاروبار میں بھی ترقی دی۔ دعوٰی سے قبل حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی عیادت کے لئے جموں تشریف لے گئے تو خلیفہ نور الدین (خلیفہ کی وجہ تسمیہ گذر چکی ہے) کے مکان پر ٹھہرے تھے۔

؎۱ سید فضل شاہؓ۔ منشی کرم الٰہیؓ۔ حکیم غلام احمدؓ اور شیخ فتح محمدؓ ان چاروں کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام جلد ۲ صفحہ ۳۲۴ و ۳۴۳ پر فرمایا ہے۔ ؎۲ یہ فہرست آخری نہیں ہے۔ آگے جن صحابہؓ کے حالات بیان کئے گئے ہیں ان میں بعض اور اصحاب کے نام بھی شامل ہیں جو سابق وقتوں میں کشمیر سے نکل کر پنجاب وغیرہ میں آباد ہو گئے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کشمیر میں قبرِ مسیحؑ کی تحقیقات آپ کے ذریعہ ہی کروائی۔ حضورؑ کی کتب کی نگرانی، طباعت اور پروف ریڈنگ میں بہت حصہ لیا کرتے تھے۔ دُرِّثمین کو سب سے پہلے خلیفہ صاحب نے ہی شائع کرانے کی سعادت حاصل کی تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خلیفہ صاحب کا ذکر اپنی کتب "آئینہ کمالاتِ اسلام" صفحہ ۶۳۴/۲۶۷ - "تحفۃ الاسلام" صفحہ ۵ مطبوعہ ۸ مئی ۱۸۹۳ء۔ آریہ دھرم صفحہ ۱۲ - ضمیمہ انجام آتھم "صفحہ ۴۳" - کتاب البریہ صفحہ ۲۹ - اشتہار ستمبر ۱۸۹۴ء مشمولہ تبلیغ رسالت جلد دوم صفحہ ۱۱۹ - تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۵۱ - نزول المسیح صفحہ ۱۲۲ و ۲۳۸ - اور اشتہار ۴ اکتوبر ۱۸۹۹ء مشمولہ تبلیغ رسالت جلد ہشتم میں فرمایا ہے۔ اور آپکی نہایت تعریف فرمائی ہے۔

خلیفہ صاحبؓ اپنے خود نوشت حالات میں لکھتے ہیں:-

میرا بیعت کرنا مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی سے مناظرہ کے بعد جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام دہلی سے واپس قادیان آئے تو حضورؑ نے اپنے دوستوں کو قادیان بُلایا۔ مَیں اُن دنوں ایک کام کیلئے لاہور آیا ہُوا تھا اور لاہور سے واپس جموں جا رہا تھا کہ سیالکوٹ میں حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ ایک سرائے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مَیں نے حضرت مولوی صاحب سے عرض کی کہ مَیں نے سُنا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے تمام دوستوں کو قادیان بُلایا ہے۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا۔ مَیں بھی اسی لئے قادیان جا رہا ہوں۔ مولوی صاحب نے مجھے بھی ساتھ لیا اور ہم سب قادیان چلے گئے۔ قادیان پہنچکر مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر لی۔ مجھ سے پہلے جموں میں حضرت خلیفہ اوّلؓ کے سوا کسی نے بیعت نہیں کی تھی۔ بعد میں میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت سے احمدی ہوئے۔ میرے ساتھ شیخ جان محمد صاحب، وزیر آبادی اور ایک مولوی صاحب (جو تحریر کا عکس ہو بہو بنا لیتے تھے) نے بیعت کی۔ احمدیت کا چرچا شروع ہونے پر جموں میں ہماری کافی مخالفت ہوئی۔ تو حضرت مولانا نور الدین صاحبؓ کے رُعب کے باعث باقی جگہوں سے مخالفت کم ہوئی۔

ملازمت کرنا مَیں ایک دفعہ جموں سے پیدل براستہ گجرات کشمیر گیا۔ راستہ میں مَیں نے گجرات کے قریب ایک جنگل میں نماز پڑھ کر اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ والی دُعا نہایت زاری سے پڑھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میری روزی کا سامان کچھ ایسا کر دیا کہ مجھے کبھی تنگی نہیں ہوئی اور باوجود کوئی خاص کاروبار نہ کرنے کے غیب سے ہزار ہا روپے میرے پاس آئے۔

مَیں نے ابتداء میں سرکاری ملازمت بھی کی ہے۔ میرے ایک عزیز دوست نے حضرت مولانا نور الدینؓ سے کہا کہ آپ کے ماتحت اتنے محکمے ہیں۔ اُن دنوں حضرت مولوی صاحبؓ کے ماتحت کئی محکمے تھے۔ آپ

حضرت سید سیف‌الله شاه رض صفحه ۹۶

حضرت مولوی نظام‌الدین صفحه ۵۲

حضرت مولوی محمد حسین رض صفحه ۵۷

حضرت نواب خان چوغطه صفحه ۲۴۴

سید محمد شاہ سیفی صفحہ ۷۲

حضرت عبدالرحیم پولا رض ۳۵

حضرت میاں غلام حسین رض صفحہ ۲۶۵

حضرت خواجہ محمد شریف رض صفحہ ۳۲

مکرم قاضی محمد نذیر صاحب
صفحہ ۲۲۶ - ۱۳۵ وغیرہ

حضرت مولوی غلام محمد بدو ملہوی (خلیفہ نورالدین جموں کی
میت کو غسل دینے کی سعادت حاصل کی)

اِن میں سے کسی پر خلیفہ نورالدین صاحب کو بھی لگا دیں۔ پھر مجھے مولوی صاحب نے عربی فارسی کا ترجمان مقرر فرمایا۔ اُن دنوں کشمیر میں ایک سال سخت قحط اور اس کے بعد ہیضہ پڑا۔ قحط کے باعث غلّہ اِس قدر کم ہو گیا کہ کشمیر میں ایک روپے کے ایک سیر چاول ملتے تھے۔ مہاراجہ پرتاب سنگھ صاحب نے پنجاب سے غلّہ منگوا کر ایک روپے کا سولہ سیر عوام کی بہبودی کے لئے سرکاری خرچ پر بکوایا۔ حضرت مولوی صاحب نے اُن دنوں میرے سپرد یہ ڈیوٹی کی کہ شہر سری نگر میں پھر کر اموات اور مریضوں کی رپورٹ کرتا رہوں اور لوگوں کو صفائی کی ہدایت کروں۔ میں ہر محلہ میں جاتا اور رپورٹ تیار کرتا۔ چونکہ مجھے ممنوعہ علاقہ میں جانا ہوتا تھا اسلئے مہاراجہ صاحب کا حکم تھا کہ میں محلاتِ شاہی واقعہ لال منڈی میں نہ جاؤں۔ اِدھر اُدھر کے راستہ حضرت مولوی صاحب کے ہاں پہنچ جاتا تھا اور مہاراجہ صاحب جب اُدھر جاتے مجھے دیکھ لیتے تو حضرت مولوی صاحب سے کہتے کہ دیکھئے مولوی صاحب وہ آپ کا خلیفہ مجھ سے چوری چوری چھپ کر جا رہا ہے۔ جب سری نگر میں وبا وغیرہ سے آرام ہو گیا تو میں پھر بطور ترجمان کام کرنے لگا۔ میری یہ ملازمت حضرت مولوی صاحب کے ریاست سے واپس چلے جانے تک رہی اور حضور کے جاتے ہی ختم ہو گئی۔

بعد میں اللہ تعالےٰ نے میرے لئے روزی کے اور غیبی سامان مہیا کر دیئے۔ مولوی صاحب نے مجھے بتلا دیا تھا کہ بچپن میں خواب میں کنوئیں میں گرنے سے آپ کی مشابہت حضرت یوسف علیہ السلام سے ہے اس لئے آپ کی روزی کے سامان غیب سے ہونگے۔ (یاد رہے کہ خلیفہ نورالدین صاحب نے بچپن میں خواب دیکھا تھا کہ وہ کنوئیں میں گر گئے ہیں اور پھر انہیں جلدی ہی نکال دیا گیا ہے۔ ناقل) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس ملازمت کے بعد مجھے سرکاری دفاتر کی ضروریات سٹیشنری وغیرہ کے مہیا کرنے کے ٹھیکے مل جاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کاروبار میں اتنی برکت دی کہ میں نے ہزاروں روپیہ کمایا۔ اور ہزاروں روپیہ لوگوں نے مجھ سے قرض لیا۔ تقریباً دس ہزار کے قریب جو بعد میں انہوں نے واپس ادا نہیں کیا اور میں قادیان جاتا رہا کیونکہ کاروبار میرے بہنوئی شریک کار مولوی اللہ دتہ صاحب کے ہاتھ ہی میں اکثر ہوا کرتا تھا اور میں آزاد ہی ہوتا تھا۔

حضرت مسیح ناصریؑ کی قبر کشمیر کی دریافت جب دنوں میں شہر سری نگر کی گشت کی ڈیوٹی پر تھا تو میں جہاں جاتا قبور کے متعلق وہاں کے لوگوں اور مجاوروں سے سوال کرتا اور حالات معلوم کرتا۔ اور بعض اوقات اُن کا ذکر حضرت مولانا نورالدینؓ سے کرتا۔ ایک دفعہ میں محلّہ خانیار (سری نگر) سے گذر رہا تھا۔ ایک قبر پر میں نے ایک بوڑھے اور بڑھیا کو بیٹھے دیکھا۔ میں نے اُن سے پوچھا یہ

لہ الحکم قادیان ۷/۱۴ ۱۹۳۹ء

کس کی قبر ہے تو انہوں نے بتلایا کہ "نبی صاحب" کی ہے اور یہ قبر یوز آسف شہزادہ نبی اور پیغمبر صاحب کی قبر مشہور تھی۔ میں نے کہا۔ یہاں نبی کہاں سے آگیا۔ تو انہوں نے کہا۔ یہ نبی دُور سے آیا تھا۔ اور کئی سو سال قبل آیا تھا۔ نیز انہوں نے بتایا کہ اصل قبر نیچے ہے۔ اُس میں ایک سوراخ تھا جس سے خوشبو آیا کرتی تھی۔ لیکن ایک سیلاب کا پانی آنے کے بعد یہ خوشبو آنی بند ہو گئی۔ میں نے یہ تذکرہ بھی مولوی صاحبؓ سے کیا۔ اس واقعہ کو ایک عرصہ گذر گیا اور جب مولوی صاحب ملازمت چھوڑ کر ریاست سے قادیان چلے گئے تو ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں جس میں حضرت مولوی صاحبؓ بھی موجود تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے وَاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ (مومنون) سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد حضرت عیسےٰ علیہ السلام کسی ایسے مقام کی طرف گئے جیسے کہ کشمیر ہے۔ اِس پر حضرت خلیفہ اوّلؓ نے خانیار کی قبر والے واقعہ کے متعلق میری روایت بیان کی۔ حضورؑ نے مجھے بُلایا اور اس کے متعلق مجھے تحقیقات کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں نے مزید تحقیق کر کے اور کشمیر میں پھر کر ۵۶۰ علماء سے اِس قبر کے متعلق دستخط کروا کر حضورؑ کی خدمت میں پیش کئے جسے حضورؑ نے بہت پسند فرمایا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ریاست میں تشریف آوری

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ سے قبل کا ذکر ہے کہ ایکدفعہ حضرت مولوی صاحبؓ بیمار ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپؓ کی عیادت کے لئے جموں تشریف لائے۔ حضورؑ کے ہمراہ صرف حضورؑ کے ایک خادم حامد علی تھے حضور علیہ السلام نے میرے کمرے میں قیام فرمایا۔

جنگ مقدس کے مناظرہ میں حضورؑ کے پرچوں کی کتابت

جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پادری عبداللہ آتھم سے امرتسر میں جنگ مقدس والا مناظرہ ہوا تو میں حضرت صاحب کی طرف سے اُن پرچوں کا کاتب ہوتا تھا جو مجلس میں پڑھے جاتے تھے۔ ان دنوں خواجہ کمال الدین صاحب عیسائی ہونے کے لئے تیار تھے۔ انہیں ان کے خُسر خلیفہ رجب دین صاحب اس مناظرہ میں اپنے ساتھ لائے۔ خواجہ کمال الدین صاحب پر حضورؑ کے دلائل و کلام کا ایسا اثر ہُوا کہ وہ اس مناظرہ میں پکے مسلمان یعنی احمدی ہو گئے۔

حضورؑ کی اقتداء و امامت صلوٰۃ

ایک دفعہ جب گورداسپور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لے گئے تو میں نے ایک بار حضورؑ کے حکم سے نماز پڑھائی اور حضورؑ نے میری اقتداء میں نماز پڑھی اور ایکدفعہ میں نے بھی گورداسپور میں حضورؑ کی اقتداء میں نماز پڑھی تھی۔ حضورؑ شاذونادر ہی خود جماعت کرایا کرتے تھے۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے ساتھ ایک واقعہ

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی احمدیت سے پہلے کے میرے دوست تھے۔ ایک دفعہ وہ چینیاں والی مسجد لاہور میں نماز پڑھا رہے تھے کہ میں مسجد میں داخل ہوا اور اپنی علیحدہ نماز ادا کی۔ مولوی صاحب نماز سے فارغ ہو کر مجھے نماز پڑھتے دیکھ کر سمجھے کہ شاید میں نے اُن کے پیچھے نماز ادا کی ہے اور بہت خوش ہوئے۔ میں نے کہا۔ مولوی صاحب! آپ سمجھتے ہیں کہ جو بھی مغرب کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھے وہ آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھے، غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنا تو الگ رہا مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ کوئی غیر احمدی میرے پیچھے نماز پڑھے۔ مولوی صاحب یہ سُنکر بڑے متعجب ہوئے اور کہنے لگے کہ دوسرے احمدیوں کا تو یہ عقیدہ نہیں وہ تو اپنے پیچھے کسی غیر احمدی کو نماز پڑھنے سے نہیں روکتے۔ میں نے کہا۔ مولوی صاحب! خدا تعالیٰ فرماتا ہے مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى الخ کہ نبی اور مومنوں کو چاہیئے کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت نہ طلب کیا کریں اگرچہ وہ اُن کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ کیا آپ کے عقائد مشرکانہ نہیں؟ (گو مولوی محمد حسین بٹالوی اہلحدیث اور توحید کے مدعی تھے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کے ساتھ دو ہزار سال سے زندہ ماننا اور انہیں عالم الغیب، خالق الطیور اور جسمانی مُردوں کو زندہ کرنے والا ماننا شرک ہے خلیفہ صاحب کا اشارہ اسی طرف تھا۔ ناقل) اور یوں بھی بہ حیثیت امام اپنے غیر احمدی مقتدی کے لئے کیا دُعا کروں گا کہ یا اللہ مجھے بخش اور اس کو بھی بخش جو تیرے مسیح کا منکر ہے اور اسے گالیاں دیتا ہے"۔ میں نے اس واقعہ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ذکر کیا تو حضورؑ ہنس پڑے۔

کشمیر کے میر واعظ سے وفاتِ مسیحؑ پر گفتگو اور اُن کا دل سے قائل ہو کر مخفیہ رکھنا

ایک دفعہ کشمیر کے میر واعظ رسُل شاہ صاحب سے وفاتِ مسیحؑ پر میری گفتگو ہوئی۔ میر واعظ صاحب نے لوگوں سے ڈر کر مجھے ہدایت کر رکھی تھی کہ میں دن کے وقت اُن کے پاس نہ آیا کروں اور اس مسئلہ پر گفتگو رات کو ہوا کرے۔ چنانچہ میں تین دن متواتر رات کو اُن کے گھر جاتا رہا۔ آخر تیسرے روز میرے تمام دلائل سُنکر میر واعظ نے کہا کہ واقعی عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہے مگر ایک طرف آپ اکیلے ہیں اور ایک طرف سارا شہر ہے۔ اگر میں بھی آپ کے ساتھ شامل ہو جاؤں تو لوگ ایک دیا سلائی لگا کر سارا شہر جلا دیں گے۔[۵]

خلیفۃ المسیح الثانی اور جدوجہد آزادی کشمیر ۱۹۳۱ء کے تعلق میں ایک کشف

حضرت خلیفہ نور الدین رضی اللہ عنہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک کشفی نظارہ دیکھا تھا

[۵] الحکم قادیان ۱۴ ۱۹۳۹ء

جو الفضل میں شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے بیان کیا :-

"مجھے ۱۹۳۱ء میں کشفی حالت میں ایک بچہ دکھایا گیا جس سے سب لوگ بہت پیار کرتے ہیں۔ میں نے بھی اسے گود میں اٹھا لیا اور پیار کیا۔ اگرچہ وہ چھوٹا سا بچہ ہے مگر کہتے ہیں کہ اس کی عمر ۴۳ سال کی ہے۔ مجھے القاء ہوا کہ اس کشف میں جو بچہ مجھے دکھایا گیا ہے وہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ ہیں۔"

یہ عجیب توارد ہے کہ ۱۹۳۱ء میں جب آپ نے جدوجہد آزادی کشمیر کا آغاز فرمایا تو اس وقت آپ کی عمر ۴۳ سال کی تھی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر ہے ؎

بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا   جو ہوگا ایک دن محبوب میرا

اس میں لفظ "ایک" میں بھی ۱۹۳۱ء کی طرف اشارہ ہے کیونکہ بحساب ابجد "ایک" کے عدد ۳۱ ہیں۔[۱]

حضرت خلیفہ عبدالرحیم صاحب رضی اللہ عنہ

آپ ۱۲ دسمبر ۱۸۹۳ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔ خلیفہ نور الدین رضؓ کے ہاں نرینہ اولاد نہ تھی۔ اُن کی بیوی نے اصرار کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح اول حکیم نور الدین رضؓ سے درخواست کی کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں دعا کے لئے لکھیں۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں اُن کے نرینہ اولاد کے لئے دعا کی درخواست بھیجی۔ حضورؑ نے دعا فرمائی اُس دعا کے نتیجہ میں عبدالرحیم پیدا ہوئے۔

خلیفہ عبدالرحیم صاحب نے اپنے باپ کے زیر سایہ تربیت پائی اور تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں تعلیم حاصل کی۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد لاہور سے کمرشل کلاس پاس کی۔ جس کے بعد پہلے مہاراجہ ہری سنگھ کے ذاتی دفتر میں اور پھر ریاست کے مختلف دفاتر اور محکموں میں ترقی کرتے کرتے ریاست کی سیکرٹری شپ تک پہنچے۔

اسلامی شعائر کی پابندی کا ایک سبق آموز واقعہ

اُن دنوں ریاست کے مسلم نوجوانوں کو ولایت جانے کے بہت کم مواقع میسر آتے تھے۔ مہاراجہ ولایت جانے لگے تو خلیفہ صاحب کو بھی ہمراہ لے جانا چاہتے تھے۔ آپ نے سنت نبویؐ کے مطابق ڈاڑھی رکھی ہوئی تھی خود مہاراجہ ہری سنگھ کی بھی ڈاڑھی مُنڈھی ہوئی تھی۔ حالانکہ مہاراجہ کے دادا پڑدادا وغیرہ پرتاپ سنگھ، رنبیر سنگھ اور گلاب سنگھ سب نے ڈاڑھیاں رکھی ہوئی تھیں۔ مہاراجہ نے کہا کہ اگر خلیفہ صاحب بھی ڈاڑھی منڈوا دیں تو انہیں بھی ولایت ہمراہ لے جائیں گے۔ آپ چاہتے تو ولایت جانے کے اس زریں موقعہ سے فائدہ اُٹھانے کی خاطر ڈاڑھی

۱۔ الفضل ۳۱ جنوری ۱۹۳۹ء۔

منڈوانا منظور کر لیتے اور مہاراجہ کے منظورِ نظر ہو جاتے۔ مگر انہیں شعارِ اسلامی کا اتنا پاس تھا کہ انہوں نے باوجود اس کے کہ ریاستی حالات کے تحت برعکس نتائج نکلنے کا بھی اندیشہ تھا۔ ڈاڑھی منڈوانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مَیں ولایت جانے کی خاطر ڈاڑھی نہیں منڈوا سکتا۔

مہاراجہ کشمیر کا آپ کی وفاداری کی تعریف کرنا

آپ کے استغناء اور وفاداری کا یہ واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے زمانہ میں بدانتظامی اور ظلم کی بناء پر انگریزوں نے ریاست میں ایک کونسل بنا دی تھی۔ جس زمانہ میں خلیفہ عبدالرحیم مرحوم راجہ ہری سنگھ کے پرسنل سٹاف میں شامل ہوئے اس زمانہ میں راجہ صاحب سینئر کونسل کے علاوہ ولی عہد ریاست بھی تھے۔ راجہ ہری سنگھ کی بعض بدعنوانیوں کی بناء پر اُن کی سخت بدنامی ہوئی اور محل کے اندر اور باہر تحریک شروع ہوئی کہ ہری سنگھ کو ولی عہدی سے الگ کر کے راجہ پونچھ کے ایک لڑکے کو جو مہاراجہ گلاب سنگھ کے چھوٹے بھائی دھیان سنگھ کی نسل سے تھا ولی عہد بنایا جائے۔ اِس میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی سینئر مہارانی پیش پیش تھی۔ چنانچہ دونوں جانب سے تگ و دو شروع ہوئی اور گورنمنٹ آف انڈیا کے پاس میمورنڈم جانے لگے۔ راجہ ہری سنگھ ہوشیار آدمی تھا وہ پتہ لگا لیتا کہ اس کے خلاف محل میں کیا سازش ہو رہی ہے اور اُس کے توڑ کے لئے کوشش کرتا۔

اُس زمانہ میں راجہ جو خطوط وائسرائے ہند یا دیگر اعلیٰ افسروں کو بھیجتا وہ سب خلیفہ عبدالرحیم صاحب مرحوم ٹائپ کیا کرتے تھے۔ راجہ ہری سنگھ کے مخالفوں نے سینئر مہارانی کی طرف سے خلیفہ صاحب کو ہزاروں روپے کا لالچ دیا کہ وہ اُن خطوط کی نقل انہیں دے دیں۔ مگر خلیفہ صاحب نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا حالانکہ مہارانی نے یہ لالچ بھی دلایا کہ اگر خلیفہ صاحب کو ڈر ہو کہ ہری سنگھ حکمران ہونے کے بعد انہیں تنگ کریگا تو وہ ریاست سے باہر اُن کے لئے اتنی جائداد خریدنے کا انتظام کرا دیگی جس سے ساری عمر اُن کا بافراغت گذارہ ہو سکے۔ ایسے مواقع پر اتنی لالچ میں عموماً انسان آ ہی جایا کرتے ہیں مگر خلیفہ صاحب نے اتنی لالچ کے باوجود ایسا کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ حکمران سے عدم وفاداری ہے جو اسلام کے نزدیک جائز نہیں۔ یہ خلیفہ صاحب کی وفاداری، استغناء، خلوص اور اخلاق کی اعلیٰ مثال ہے۔ جو آپ نے پیش کی۔ چنانچہ تحریکِ حریّتِ کشمیر سے قبل مہاراجہ ہری سنگھ نے کئی بار اپنے بیرونی مہمان راجاؤں کے سامنے فخر سے ذکر کیا کہ خلیفہ عبدالرحیم میرا نہایت وفادار ملازم ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کو بھی آپ پر اعتماد تھا۔

احمدیہ مساجد سرینگر و جموں میں حصّہ

سری نگر و جموں کی احمدیہ مساجد کی بنیاد اور تعمیر میں خلیفہ عبدالرحیمؓ کا

بڑا حصہ تھا۔ سری نگر میں مسجد احمدیہ کے لئے مسجد احمدیہ کے لئے زمین دینے کا حکم مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے دیا تھا۔ مگر ہمارے احباب نے جب کبھی اور جہاں کہیں زمین تجویز کی اس کی منظوری نہ ہو سکی۔ یہ حالات امام جماعت احمدیہ تک پہنچائے گئے۔ حضور نے ہدایت فرمائی۔ جہاں زمین ملتی ہے لے لو اور مسجد بنالو۔ حضور نے چوہدری اسد اللہ خان صاحب ایڈووکیٹ لاہور کی زیر سرکردگی ایک وفد وزیر اعظم ریاست جموں و کشمیر کے پاس بمقام جموں بھیجا۔ کیونکہ سردیوں کے باعث دربار اور دفاتر جموں آئے ہوئے تھے وزیر اعظم نے چوہدری صاحب کی گفتگو سے محسوس کیا کہ یہ بڑا ظلم ہے کہ احمدیہ مسجد سری نگر کے لئے اتنے عرصہ سے زمین نہیں دی گئی۔ چنانچہ اس نے گورنر صاحب کو حکم دیا کہ زمین تجویز کر کے فوراً قبضہ دے دیا جائے۔ یہ حکم ملنے پر گورنر صاحب کشمیر محترم خلیفہ صاحب مرحومؓ کے مکان پر خود گئے اور خلیفہ صاحب کو ساتھ لے کر چار ایک موزوں مقامات دکھائے۔ اس کے بعد خلیفہ صاحب نے چوہدری عبد الواحد (ایڈیٹر اخبار اصلاح) خواجہ غلام نبی گلکار اور دیگر احباب سے مشورہ کے بعد سری نگر کی تحصیل سے ملحق رقبہ کے لئے درخواست کی جس کا چند دنوں میں قبضہ مل گیا۔ خلیفہ صاحب کی توجہ و کوشش سے چار دیواری اور دو کمرے مکمل ہو سکے تھے کہ تقسیم ملک عمل میں آ گئی۔

ایسا ہی جموں میں مسجد احمدیہ کے لئے ایک صاحب نے زمین وقف کر دی اور خلیفہ صاحب کی کوششوں سے باموقعہ مسجد تعمیر ہو گئی۔[۵]

حضرت خلیفہ نور الدین جمونیؓ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کی نگرانی، طباعت اور پروف ریڈنگ میں حصہ لیا کرتے تھے اس لئے حضور علیہ السلام کی بعض تالیفات کے مسودات اور تبرکات اب تک ان کے فرزند خلیفہ عبد الرحمٰن (الحاج) کے پاس موجود ہیں جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دو خط اور کشتی نوح اور نزول المسیح کے قیمتی مسودات شامل ہیں جو حضورؑ کے قلم مبارک سے لکھے ہوئے ہیں بعض مسودات اور تبرکات فسادات ۱۹۴۷ء کے دوران جموں میں ضائع ہو گئے تھے۔

الحاج خلیفہ عبد الرحمٰن صاحب حضرت خلیفہ نور الدین جمونیؓ کے دوسرے بیٹے ہیں۔ ۵ر مارچ ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ قریباً تین سال تک جماعت احمدیہ سری نگر کے صدر رہے۔ مہمان نواز اور تبلیغ کے شوقین ہیں۔ آجکل کوئٹہ (پاکستان) میں مقیم ہیں۔

ان کے علاوہ خلیفہ نور الدینؓ کی دو لڑکیاں غلام فاطمہ زوجہ ماسٹر عبد الرحمٰن نومسلمؓ اور امۃ اللہ بیگم زوجہ حضرت شیخ احمد رضی اللہ عنہ (جموں) ہیں۔

---

[۵] الفضل ۸ر دسمبر ۱۹۶۲ء

حضرت راجہ حیدر خان رضی اللہ عنہ (یاڑی پورہ)

آپ حضرت راجہ عطا محمد خان رضی اللہ عنہ یاڑی پورہ کے چھوٹے بھائی تھے اور بڑے نیک اور متقی تھے۔ حضرت راجہ عطا محمد خان رضی اللہ عنہ نے بیعت سے قبل دریافت حالات کے لیے آپ کو قادیان بھیجا تھا۔ آپ کے ساتھ چند خدام بھی تھے۔ قادیان میں بڑے متاثر ہوئے چنانچہ اکیس دن قادیان میں رہ کر مع خدام بیعت کر آئے اور آکر حضرت راجہ عطا محمد خان رضی اللہ عنہ کو سب حالات سنائے جس پر راجہ عطا محمد خان رضی اللہ عنہ پر رقت طاری ہوئی اور آپ نے بھی جلد بیعت کا شرف حاصل کیا۔ راجہ حیدر خان رضی اللہ عنہ بڑے پارسا، تہجد گزار، حلیم الطبع، تبلیغ کے شوقین، مہمان نواز اور مجسمہ اخلاق حسنہ تھے۔ آپ نے سلسلہ احمدیہ کی بڑی خدمت کی۔ ۱۹۴۷ء بکری میں خلافت ثانیہ کے زمانہ میں وفات پائی۔ آپ موصی تھے۔ آپ کا کتبہ بھی بہشتی مقبرہ قادیان میں نصب ہے[1] مگر خود یاڑی پورہ میں اپنے آبائی قبرستان ہی میں دفن ہیں۔ آپ کے دو لڑکے ہیں (۱) راجہ فضل الرحمن خان (۲) راجہ عبدالرحمن خان۔ موخر الذکر فوت ہو چکے ہیں۔ راجہ عبدالرحمن خان خوش الحان، تہجد گزار، مخلص اور مہمان نواز تھے سلسلہ سے بہت محبت تھی۔ بہت ہی نیک تھے۔ راجہ فضل الرحمن زندہ موجود ہیں۔ مہمان نواز، سلسلہ سے محبت رکھنے والے اور تبلیغ کے شوقین ہیں۔

حضرت راجہ عطا محمد خان رضی اللہ عنہ (یاڑی پورہ)

راجہ عطا محمد خان مرحوم رضی اللہ عنہ جاگیردار علاقہ کشمیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اولین صحابہ میں سے تھے۔

آپ نے حضور کے اوائل دعویٰ ہی میں قادیان آکر حضور کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ آپ کے اجداد علاقہ کرناہ (درادہ) پر حکمران تھے مگر سکھوں کے اخیر زمانہ میں جب ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ کی حکومت کشمیر پر قائم ہوئی تو اس علاقہ پر بھی اُس کا قبضہ ہو گیا بعد میں اُن کو یاڑی پورہ وغیرہ گاؤں کشمیر میں بطور جاگیر دیئے گئے جو اب تک اُن کے پاس ہیں۔ راجہ عطا محمد خان سلطان شیر احمد خان صاحب سابق والی کرناہ دراوہ کے جنگ ۱۸۶۹ء میں یاڑی پورہ وغیرہ کی جاگیر ملی تھی فرزند تھے۔ قبول احمدیت سے پہلے آپ پکے اہلحدیث تھے۔ حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسیح اوّل جب مہاراجہ رنبیر سنگھ والئ ریاست جموں و کشمیر کے پاس شاہی طبیب تھے تو اُسوقت راجہ صاحب کے آپ کے ساتھ گہرے دوستانہ تعلقات تھے اور وہی تعلق بالآخر آپ کے احمدی ہونے کا ذریعہ بنا۔ جب راجہ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کا اشتہار پڑھا تو آپ بڑے متاثر ہوئے۔ آنکھوں میں موتیا بند

---

[1] الحکم ۷ ستمبر ۱۹۳۴ء

ہونے کی وجہ سے خود تو قادیان جانے سے معذور تھے اِس لئے اپنے چھوٹے بھائی راجہ محمد حیدر خان مرحوم کو جنکا ذکر اوپر گذر گیا قادیان بھیجا کہ حضورؑ کو میرا اسلام پہنچائیں اور مزید معلومات لے کر آئیں۔ اُن دنوں راستے بڑے دشوار گذار تھے۔ راجہ حیدر خان پا پیادہ پیر پنجال اور پہاڑیوں کے اوپر سے گذر کر براہ جموں و سیالکوٹ قادیان پہنچے اور اکیس دن قادیان رہ کر حضورؑ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ اپنے علاقہ میں پہلے احمدی تھے۔ جلد گھر پہنچے اور تمام حالات راجہ عطا محمد خان کو پہنچائے۔ راجہ صاحب اِن حالات کو سُنکر زار و زار رونے لگے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے کہ انہوں نے مسیح و مہدی علیہ السلام کا زمانہ پایا اور انہیں ماننے کی توفیق مل گئی۔ بیمار ہونے اور راستہ کی گوناگوں مشکلات کے باوجود چند مخلص ملازموں اور محبوں کے ساتھ اپنے بڑے بیٹے راجہ یار محمد خان مرحوم کو جن کی عمر اُسوقت بیس سال کے قریب تھی ہمراہ لے کر قادیان پہنچے۔ قادیان کے قریب بعض لوگوں نے بہکایا کہ مرزا تو ٹھگ ہے واپس جاؤ مگر آپ نے کہا کہ ملے بغیر نہیں جائیں گے۔ جب قادیان پہنچکر حضرت مرزا صاحبؑ سے ملے اور معانقہ کیا تو فرطِ جذبات میں زمین پر گر پڑے۔ حضورؑ نے اپنے ہاتھ سے آپ کو اٹھایا اور شربت منگوا کر پلایا اور تسلی و تشفی دی۔ اِس کے بعد راجہ صاحب نے معہ رفقاء کے حضورؑ کے ہاتھ پر بیعت کی اور کچھ مدت قادیان میں رہے۔ آپ نے آنکھوں کے علاج کا ذکر کیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ آنکھوں کے علاج کے لئے لاہور چلے جائیں انشاء اللہ آپ کی آنکھیں اچھی ہو جائیں گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو ایک پاکیزہ اور نیک رُوح دیکھ کر اجازت دے دی کہ وہ لوگوں سے میری بیعت لے لیا کریں۔

راجہ صاحب آنکھوں کے علاج کے لئے لاہور چلے گئے اور علاج کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کی برکت سے آپ کی آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ آپ لاہور سے پھر قادیان آکر کچھ عرصہ اور یہاں ٹھہرے اور مزید رُوحانی فیوض لے کر براستہ ایبٹ آباد و مظفر آباد واپس کشمیر گئے۔ کشمیر پہنچکر سلسلہ تبلیغ شروع کیا۔ چونکہ آپ کی نیکی اور راستبازی مسلّم تھی اس لئے آپ کے بہت سے اقرباء و ملازمین احباب نے راجہ صاحب کے ہاتھ مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی۔ آپ نے ایک جلسہ بھی کیا جس میں آپ نے سارے حالات سُنائے۔ اس جلسہ کے بعد شام تک ساٹھ سے بھی زائد آدمیوں نے بیعت کی۔ آپ نے احمدی ہونے کے بعد تبلیغ کی اور تبلیغ کا بڑا شوق تھا۔ آپ علم طب سے بھی واقف تھے اور مفت لوگوں کا علاج بھی کیا کرتے تھے۔

راجہ صاحب موصوف پہلے ریاست میں تحصیلدار تھے۔ پھر ڈپٹی کمشنر ہو کر گلگت بھی گئے۔ اِسی علاقہ میں آخری عمر گذاری اور سلسلہ احمدیہ کی تبلیغ کرتے رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی ہی میں

آپ کی وفات ہوگئی۔ آپ صاحب کشف و رؤیا تھے بعض احباب کو اپنے مرنے کی خبر بھی دی تھی آپ کی وفات کے بعد راجہ محمد حیدر خان نے سلسلہ کی خوب خدمت کی اور خلافت ثانیہ کے زمانہ میں وفات پائی۔

راجہ صاحب موصوف کا یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ جب راجہ صاحب قادیان سے واپس ہو کر گڑھی حبیب اللہ خان پہنچے تو وہاں سے اپنے رفقاء سفر کو باڑی پورہ کی طرف روانہ کر دیا۔ اور خود معہ فرزند راجہ یار محمد خان و فقیر محمد خان ملازم گڑھی کے رئیس خان محمد حسین خان کے ہاں مقیم ہوئے اُن دنوں گڑھی میں ملاؤں نے احمدیوں کو واجب القتل قرار دیا تھا۔ جب ملاؤں کو راجہ صاحب موصوف کے محمد حسین کے ہاں قیام کا پتہ چلا تو محمد حسین خان کے پاس آکر اور انہیں ساتھ ملا کر راجہ عطا محمد خان احمدی کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اور محمد حسین کو کہا کہ آپ کا اِس احمدی کو قتل کرنا بڑا ہی ثواب ہوگا محمد حسین خان اپنی سادگی کی وجہ سے ملاؤں کے کہنے میں آکر تیار ہو گئے اور اپنے آدمیوں کو مقرر کر دیا کہ رات کو اِن تینوں احمدی بھائیوں کو قتل کر دیں۔ راجہ عطا محمد صاحب کو ان حالات کی کچھ خبر نہ تھی۔ وہ رات کو آرام سے سو گئے۔ تھوڑی رات گذری تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُن کو خواب میں نظر آئے اور فرمایا کہ راجہ صاحب آپ کے قتل کا منصوبہ کیا گیا ہے۔ آپ اسی وقت اُٹھ کر یہاں سے چلے جائیں چنانچہ آپ اُٹھے اور اپنے ساتھیوں کو جگایا اور چُپ چاپ وہاں سے نکل کر رات کے وقت ہی سفر پر روانہ ہو گئے۔ سفر میں نماز ادا کی تو کیا دیکھا کہ گڑھی کے رئیس کا وزیر گھوڑا دوڑائے پیچھے آرہا ہے۔ اور کچھ کھانا بھی ساتھ لایا ہے۔ اُس نے دُور ہی سے راجہ صاحب کو جان کی سلامتی کی مبارکباد دی۔ اور ملاؤں کی شرارت کا سارا قصہ سُنا دیا۔ اور تعجب سے پوچھا کہ آپ کو اِس منصوبے کا کیسے علم ہُوا؟ اور کس طرح رات کو وہاں سے چلے آنے کا خیال پیدا ہُوا۔ راجہ صاحب نے خواب کا سارا واقعہ سُنا دیا جس سے وزیر بڑا متاثر ہُوا۔ جب دوبارہ راجہ عطا محمد صاحب قادیان گئے تو پھر اسی خان کے پاس راستہ میں ٹھہرے اور خان نے اپنے پہلے فعل پر اظہار ندامت کیا اور اپنی غلطی کا اعتراف کر کے راجہ صاحب سے معافی مانگی اور راجہ صاحب کی عزت و مدارات کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔

راجہ صاحب رضؓ کی وفات ستر سال کے قریب عمر میں ۲ جیٹھ سنہ ۱۹۶۰ بکرمی سوموار کی رات مطابق ۱۴ اپریل سنہ ۱۹۰۴ء و ۲۸ ذوالحجہ سنہ ۱۳۲۱ ہجری کو ہوئی۔ آپ کی قبر چک ایمرچ میں قریب باڑی پورہ علاقہ کشمیر میں ہے۔[۱]

---

[۱] الحکم قادیان ۷ دسمبر سنہ ۱۹۳۴ء۔ نیز بدر ۵ مئی سنہ ۱۹۰۴ء۔

حاجی عمر ڈار رضی اللہ عنہ

آپ نے ۱۸۹۴ء میں بیعت کی ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی میں آپ کا اور عبد الرحمٰن ڈار صاحب کا ذکر فرمایا ہے۔

آپ کی قبولِ احمدیت اور بیعت کی کیفیت یہ ہے کہ آپ اولیاء اللہ اور علمائے دین سے تعلقات اور مجلس رکھتے تھے۔ آپ کے اوائل عمر میں وادیٔ کشمیر میں احمد نام سے سات مشہور اولیاء اللہ تھے۔

(۱) احمد صاحب تزالی (۲) احمد صاحب تیلی (۳) احمد صاحب ترابلی - (۴) احمد صاحب کایہ ہامی - (۵) احمد صاحب ڈرگ مولی (۶) احمد صاحب سری نگری - (۷) احمد صاحب بابہ ہومی -

حضرت خواجہ عمر ڈار صاحبؓ کے تعلقات اِن سب حضرات کے ساتھ تھے۔ انہی ایام میں مولوی محمد حسین صاحب (اہلحدیث) دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر سری نگر آئے اور زال ڈرگڑ میں انہوں نے موحدانہ تقریر کی۔ یہاں عمر ڈار صاحبؓ کاروباری سلسلہ میں مقیم تھے۔ عمر ڈار صاحبؓ نے اُن کے موحدانہ وعظ کا بڑا اثر لیا اور صبح کی نماز کے بعد حضرت مولوی احمد اللہ صاحب میر واعظ سری نگر کے پاس پہنچے۔ اور اس وعظ کا ذکر کیا۔ میر واعظ صاحب کے آنسو آگئے اور حالت رقت میں فرمایا کہ مولوی حسین شاہ صاحب کو اپنے گھر لے جاؤ اور اس کی پرورش کرو۔ حق وہی ہے جو اس نے بیان کیا ہے مگر یہاں ہم کھل کر بات نہیں کر سکتے۔ کافی مذہبی تعصب پھیلا ہوا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ انہیں گاؤں لے جا کر ان سے دینی استفادہ کرو۔ چنانچہ عمر ڈار صاحبؓ نے حضرت میر واعظ کے ارشاد کے مطابق مولوی صاحب کو اپنے گھر میں لائے اور انہیں تعلیم و تربیت کے لئے مقرر کر دیا۔ مولوی صاحب موصوف ناسنور کے متصل چھانہ پورہ (شوپیاں) کے اصل رہنے والے تھے جہاں رشتہ داروں میں ملک خاندان میں ان کی شادی کا انتظام کر دیا گیا۔

مولوی صاحب موصوف کے ساتھ ہی ان کے چھوٹے بھائی حسن شاہ صاحب بھی ناسنور میں آکر رہنے لگے۔ اُن کی شادی حضرت محمد ابراہیم صاحبؓ (صحابی) کی بیٹی فرزندیدہ سے ہوئی۔ مولوی صاحب کی وجہ سے اس علاقہ میں اہلحدیث عقائد کی بنیاد پڑی اور خواجہ عمر ڈار صاحب بھی توحید پرست بن گئے قبر پرستی اور بدعات کو بکلی ترک کر دیا۔ مولوی صاحب کے وعظ کے اثر سے راجہ عطا محمد خان یاڑی پورہ اور اُن کے متعلقین بھی موحد اہلحدیث ہو گئے۔ رشی نگر، گاگرن، شوپیاں، شورت، کنہ پورہ اور بوگام میں بھی اہلحدیث عقائد یعنی توحید پھیل گئی۔

خواجہ عمر ڈار صاحبؓ کی تجارت سیالکوٹ میں بھی تھی۔ اور اپنے ہم زلف رمضان بٹ محلہ کشمیریاں سے اُن کی آمد و رفت و روابط تھے۔ اس محلہ میں حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رضی اللہ عنہ رہتے تھے جبکہ وہ نیچری خیالات رکھتے تھے۔ بعد میں آپ احمدی ہو گئے۔ حاجی محمد عمر ڈار صاحبؓ حج کعبہ

کی نیت سے گھر سے چلے۔ بمبئی پہنچے تو معلوم ہوا کہ راستہ بند ہے۔ آپ واپس پھر سیالکوٹ آ گئے اور مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی تحریک پر اُن کے ساتھ قادیان چلے گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور آپ کے درس میں شامل ہوئے۔ درس میں حضورؑ نے فرمایا۔ بعض لوگ حج بھی کرتے ہیں۔ نماز بھی پڑھتے ہیں۔ روزہ بھی رکھتے ہیں مگر رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں رکھتے۔ خواجہ صاحب کو اپنے بھائی کے ساتھ زمین کا جھگڑا تھا۔ آپ اس درس سے بڑے متاثر ہوئے اور وہیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اپنے بھائیوں کے ساتھ زمین کا جھگڑا ختم کر دیا۔

احمدیت قبول کرنے کے بعد خواجہ عمر ڈار صاحب رضی اللہ عنہ کی روحانیت میں بڑا انقلاب آیا۔ آپ نے ۱۹۰۷ء میں قرآن مجید قادیان ہی میں پڑھا۔ ریاست میں تعلیمی پسماندگی تھی اسلئے آپ گو ان پڑھ تھے مگر احمدیت کے بعد ہر لحاظ سے ترقی کی۔ تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ آپ علاقہ کے رؤساء میں شمار ہوتے تھے اس لئے آپ کی تبلیغ سے سارا گاؤں احمدی ہو گیا۔ احمدیت قبول کرنے کے بعد آپ کو حج کرنے کی توفیق بھی مل گئی۔ احمدیت سے قبل آپ حج نہ کر سکے تھے بمبئی پہنچکر راستہ بند ہونے کی وجہ سے واپس آ گئے تھے احمدیت کے بعد حج بھی کر آئے۔ حضرت مفتی صاحب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حاجی عمر ڈار صاحبؓ نے مجھے دوران حج کا یہ واقعہ سنایا تھا کہ مجھے سردرد کا شدید دورہ ہوا کرتا تھا۔ جو مجھے بیہوش کر دیتا تھا۔ اس حالت میں حج کو چلا گیا۔ مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے ایک شب میں اپنے خیمہ سے باہر حاجت کے واسطے گیا تو کسی نے اچانک ایک لکڑی ماری جس سے میں بیہوش ہو کر گر گیا۔ وہ میری کمر سے اشرفیوں کی تھیلی کھول کر لے گیا۔ میرے ساتھیوں کو جب شبہ ہوا کہ مجھے دیر کیوں لگی تو وہ مجھے بیہوشی کی حالت میں اٹھا کر خیمہ میں لے آئے۔ سر کی چوٹ سے خون بہ رہا تھا۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ اشرفیاں سب گم ہیں۔ مگر میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مقدس سرزمین میں تھا اس خیال سے دل میں رنج نہ کیا۔ اشرفیاں تو گئیں مگر اس کے بعد دردِ سر کا وہ شدید دورہ پھر کبھی نہ ہوا۔ اس زخم نے کسی ایسی جگہ فصد کھولی کہ مرض کا علاج ہو گیا۔[1]

حاجی صاحب کی تبلیغ سے احمدیت سارے ناسنور میں پھیل گئی اور ملحقات میں بھی بہت پھیلی۔ آپ موصی بھی تھے۔ اور ان کا کتبہ بھی مقبرہ بہشتی قادیان میں نصب ہے۔[2] آپکی اولاد مکرم حبیب اللہ ڈار، حضرت عبدالقادر ڈارؓ، حضرت عبدالرحمٰن ڈارؓ اور مکرم عبدالعزیز صاحب ڈار ہیں۔ علاوہ لڑکی زیبا بیگم صاحبہ ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن صاحب ڈارؓ کے ایک لڑکے میجر مبارک احمد صاحب ڈار حال اسلام آباد

[1] الحکم ۷ ستمبر ۱۹۳۴ء - [2] مطابق الحکم قادیان ۱۹۰۱ء

(پاکستان) ہیں۔ مکرم عبدالعزیز صاحب ڈار حال ربوہ (پاکستان) کی تین بیٹیاں ہیں اور ایک مقبوضہ کشمیر میں زیبا بیگم صاحبہ کا نکاح عبدالخالق دانی صاحب سے ہوا۔ ان سے خواجہ عبدالکریم صاحب حال راولپنڈی ہیں۔

حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب رضی اللہ عنہ

خواجہ عمر ڈار صاحب رضی اللہ عنہ کے بعد ۱۹۰۱ء میں انہوں نے بیعت کی۔[1] ان کا خاندان علمی خاندان تھا اکرڈہ نامی گاؤں متصل اسلام آباد سے آکر ناسنور میں تعلیم و تربیت کے لیے جبکہ ابھی احمدی بھی نہیں ہوئے تھے لائے گئے تھے۔ آپ اہلحدیث تھے جب احمدی ہوئے تو بدستور تعلیم و تربیت کا کام جاری رکھا تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ زہد و تقوٰی میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ جماعت کی تربیت میں ان کا کافی حصہ ہے۔ ابتداء سے مسجد میں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ قرآن مجید اور احکام شریعت کی پابندی میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی اولاد (۱) محمد حسن جو رضی (۲) غلام محمد جو (۳) غلام احمد جو اور ایک لڑکی غرنانہ تھی۔

حضرت محمد حسن جو رضی اللہ عنہ

آپ ۱۹۰۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دستی بیعت سے مشرف ہوئے۔ درس و تدریس آپکا مشغلہ تھا۔ تہجد گذار نہایت حلیم اور شفیق بزرگ تھے۔ رشی نگر۔ کوریل اور ہانجی خود میں بیسیوں افراد نے آپ سے قرآن مجید کا علم حاصل کیا۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خطبہ الہامیہ ارشاد فرمایا تو ایسے خود سُنا اُسوقت قادیان میں موجود تھے۔ آپ کی اولاد میں سے مولوی عبدالجبار مرحوم جو موضع رشی نگر میں معلم رہے اور ماسٹر عبدالرحمٰن، مولوی عبدالرزاق، اور مولوی عبدالواحد ہیں۔ موخر الذکر کشمیر میں مرکزی مبلغ اور امیر صوبائی بھی رہے ہیں۔ منجملہ ایک لڑکی فاطمہ ہے۔ مکرم عبدالرزاق صاحب کی اولاد یہ ہے۔ مبارک احمد۔ برکات احمد۔ ناصر احمد۔ متقدم الذکر دونو اسوقت وادی گلگت میں ہیں اور ناصر احمد مقبوضہ کشمیر میں ہے۔ برکات احمد نے اب ربوہ میں مکان اور زمین خرید لئے ہیں اور مالی قربانیاں کرتے رہتے ہیں۔[2]

حضرت مولوی غلام محمد صاحب رضی

آپ نے ۱۹۰۸ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دستی بیعت کی۔ حضرت چوہدری فتح محمد سیال رضی کے خاص دوست تھے۔ محنتی، جفاکش تھے۔ گورنمنٹ ملازمت اور درزیوں کا کام کر کے کنبہ کی پرورش کی۔ آپ کی اولاد میں سے ماسٹر نور احمد فاضل اور ایک لڑکی مریم بیگم ہے۔

حضرت مولوی غلام احمد صاحب رضی لون

آپ نے بھی خطبہ الہامیہ خود سُنا اس موقعہ پر قادیان میں موجود تھے۔ متقی اور پرہیزگار تھے۔

---

[1] مطابق الحکم قادیان ۱۹۰۱ء۔ [2] میر غلام احمد کشفی راولپنڈی کی دو بیٹیاں متقدم الذکر دونوں بھائیوں سے بیاہی ہوئی ہیں

جماعت کی امامت بھی کرایا کرتے تھے۔ صادق القول تھے۔ آپ کے دو بیٹے ہیں (۱) عبد العزیز جن کا لڑکا غلام نبی قادیان سے ہجرت کر کے سرگودہا آکر آباد ہوا ہے (۲) دوسرا لڑکا غلام محمد ہے۔

حضرت مولوی حبیب اللہ صاحب رضؓ آپ مولوی غلام احمد کے چھوٹے بھائی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ دسمبر ۱۹۰۱ء میں بیعت کی تھی اور ساری عمر جماعت کی تربیت اور تعلیم میں بسر کی۔ مخلص، پرہیزگار، عابد اور صابر و شاکر انسان تھے۔ اُن کے فرزند مولوی محمد عبد اللہ (مولوی فاضل قادیان) جموں میں ۱۹۴۷ء کے فسادات میں شہید ہوئے۔ آپ کی ایک بیٹی تھی وہ بھی فوت ہو چکی ہے۔ حد درجہ محترم و معزز تھے۔ ۲۷ نومبر ۱۹۶۲ء مطابق ۱۳۴۴ ہجری موضع آسنور میں اسی سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ علاقہ میں آخری صحابی تھے۔

حضرت انور ملک صاحب رضؓ آپ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خطبہ الہامیہ سننے والوں میں سے تھے۔ ناسنور کی مسجد کے مؤذن رہے گو اَن پڑھ تھے مگر کُتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سُننے کا شوق رکھتے تھے۔ تہجد گذار تھے۔ خلافت اولیٰ میں فوت ہو گئے۔

حضرت محمد میر گاگرن رضؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ بہت نیک اور مخلص آدمی تھے۔ تجارت بھی کیا کرتے تھے۔ مہمان نواز تھے۔ مالی قربانیاں کرتے رہتے تھے۔ احمد میر۔ محمد میر عبد الرحمٰن ان کی اولاد سے تھے۔ اوّل الذکر دونو فوت ہو چکے ہیں۔

جمال دین صاحب رضؓ گاگرن کے رہنے والے تھے۔ بہت نیک، مخلص اور احمدیت کے عاشق تھے۔

حضرت میر حبیب اللہ صاحب رضؓ سنہ ۱۹۰۰ء سے پہلے بیعت کر چکے تھے۔ پہلے اہلحدیث تھے پھر بیعت کرنے کے بعد نیک، مخلص اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عاشق ہو گئے۔ اپنے دونوں لڑکوں خواجہ عبد الرحمٰن رینجر اور عبد القادر کو قادیان تعلیم کے لئے بھیجا۔ جبکہ ابھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام زندہ تھے، دونوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کی آپ نے اپنے رشتہ داروں کی مخالفت بڑے صبر سے برداشت کی۔ اور درزیوں کا کام کر کے اپنے کنبہ کی پرورش کرتے رہے۔ عبد القادر اور عبد الرحمٰن کے علاوہ آپ کی اولاد میں سے عبد العزیز محترمہ امۃ الحلیم اور امۃ اللہ صاحبہ تھیں۔

حضرت خواجہ عبدالرحمٰن میر رضی اللہ عنہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ قادیان کے تعلیم الاسلام ہائی سکول سے میٹرک کیا۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے بی۔اے کیا۔ نیک اور شریف تھے۔ ۱۹۰۱ء میں اپنے والد میر حبیب اللہ صاحب ساکن گاگرن کے ذریعہ سے قادیان پیدل پہنچکر بیعت کی۔ قادیان میں حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ سابق ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول کے زیر کفالت رہے۔ فراغت کے بعد تلاش معاش کے سلسلہ میں آپ اپنے وطن مالوف کشمیر روانہ ہوئے۔ مرحوم محکمہ جنگلات میں ملازم ہوئے اور رینج آفیسر کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ آپ نے زندگی کا سارا حصہ ایک متقی، پرہیزگار اور باخدا انسان کی حیثیت سے گذارا اور ملازمت کے دوران میں احمدیت کے ساتھ آپ کا شغف اور ریٹائرڈ ہونے کے بعد کلّی طور پر مرحوم کا جماعتی امور میں مصروف رہنا کشمیر کے احمدی احباب کے لئے ایک عملی نمونہ تھا۔ مرحوم نے اپنے بیٹوں کو بھی تعلیم و تربیت کے لئے قادیان بھیجا تھا۔ گذشتہ ۱۹۴۸ء و ۱۹۴۹ء میں کشمیر میں فسادات کے بعد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی نظر انتخاب آپ پر پڑی اور حضور نے خواجہ صاحب مرحوم کو کشمیر کی ساری جماعتوں کا امیر مقرر فرمایا۔ خواجہ صاحب مرحوم جماعتی کاموں کے سلسلہ میں مختلف جماعتوں کا دورہ کرنے کے بعد جب سری نگر پہنچے تو وہاں کے قیام کے دوران میں بیمار ہو گئے۔ اس کے بعد مرحوم کو موضع آسنور اپنے گھر لایا گیا اور ڈیڑھ ماہ بیمار رہنے کے بعد مرحوم ۸/۹ دسمبر ۱۹۵۰ء کی رات کو رحلت فرما گئے۔ ؎۱

آپ موصی بھی تھے قادیان کے مقبرہ بہشتی میں آپ کا کتبہ لگا ہوا موجود ہے۔ آپ کی اولاد یہ ہے (۱) میر عبدالمنان (۲) میر محمد عبداللہ (۳) میر عبدالسلام (۴) میر عبدالوہاب۔ امۃ الرحیم۔ امۃ الرحمٰن اور امۃ اللہ۔ آپ کی اولاد میں سے میر عبدالمنان صاحب، میر محمد عبداللہ صاحب اور دو لڑکیاں پاکستان میں ہیں۔ باقی بچے مقبوضہ کشمیر میں ہیں۔

خواجہ صاحب مرحوم صوم و صلوٰۃ کے اس قدر پابند تھے کہ ایک بار جب ریاست جموں و کشمیر کے کنزرویٹر ان فارسٹس پنڈت دیوی سرن ان کے علاقہ کا دورہ کر رہے تھے تو دوران کام میں نماز قضاء نہ ہونے دی اور خواجہ صاحب اپنی نماز میں محو ہو گئے۔ پنڈت کو ایک مسلمان ماتحت افسر کا یہ کام تعصب کی وجہ سے ناپسند ہوا اور معطل کر کے حکم دیا کہ خواجہ صاحب کو جا کر کسی مسجد کی امامت سنبھال لینی چاہیئے کہ وہ رینج افسری کے اہل نہیں ہیں۔ خواجہ صاحب مرحوم نے اپنا بستر بوریا باندھا اور اپنے

؎۱ الفضل ۲۶ر دسمبر ۱۹۵۰ء و ۳ر جنوری ۱۹۵۱ء

گاؤں موضع آسنور خاموشی سے چلے گئے۔ وہاں یہی سمجھا گیا کہ خواجہ صاحب رخصت پر معمول کے مطابق آئے ہونگے۔ پانچوقت مسجد میں باجماعت نمازوں کا التزام جاری رہا۔ اپنی دینی و دنیوی بہتری کے لئے اپنے مولیٰ کریم کے حضور گڑگڑانا ان کا شیوہ تھا ابھی چند ہی دن گذرے تھے کہ دیوی سرن کنسرویٹر نے خواجہ صاحب کی بحالی کے احکام صادر کئے حالانکہ خواجہ صاحب نے بحالی کی نہ کوئی درخواست کی اور نہ کوئی سفارش بھیجا۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ خواجہ صاحب کے ہم عمر تھے اور کلاس فیلو بھی۔ روایت ہے کہ سکول جاتے ہوئے بچپن میں حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کا بستہ خواجہ صاحب مرحوم اٹھایا کرتے تھے۔ اس تعلق کا خواجہ صاحب مرحوم فخریہ ہمیشہ اظہار کرتے اور حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کے نام خط لکھتے ہوئے لکھتے "حضور کا بستہ بردار" - حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ہمیشہ مرحوم کی وفات کے بعد مرحوم کی پاکستان میں مقیم اولاد کے ساتھ انکی بزرگی کی وجہ سے نہایت نیک اور اعلیٰ سلوک کیا۔ اور ہر رنگ میں اُن کا خاص خیال رکھتے۔ اُن کی روایات حضرت مرزا بشیر احمد رضی اللہ عنہ نے "سیرت المہدی" میں درج کی ہیں۔ ان کی شادی کشمیر کے مشہور بزرگ حاجی عمر ڈار رضؓ کے برادر خورد خواجہ غلام رسول ڈار مرحوم کی لڑکی سے ہوئی اور اس رشتہ کے تعلق سے ناسنور ہی مقیم ہوگئے اور وہیں وفات پا کر مدفون ہوئے۔

حضرت جان محمد بٹ رضی اللہ عنہ

آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تین سو تیرہ صحابیوں میں سے تھے متقی بزرگ تھے۔ آپ کے دو بیٹے رحمت اللہ بٹ اور خواجہ عبدالرحیم بٹ تھے۔ پہلے بھوپال میں انجنیئر رہے۔ ۳۰ اگست ۱۹۶۹ء کو کراچی میں وفات پا گئے۔ اولاد میں خدا نے برکت دی۔ ان کے نسات لڑکے ہیں۔ حبیب اللہ بٹ نصر اللہ بٹ۔ ظفر اللہ بٹ۔ عبداللہ بٹ۔ عبیداللہ علیم۔ قدرت اللہ بٹ۔ حشمت اللہ بٹ۔ علاوہ چھ لڑکیاں ہیں۔

دوسرے خواجہ عبدالرحیم بٹ کو بھی خدا تعالیٰ نے اولاد میں برکت بخشی۔ انکی اولاد یہ ہے۔ حفیظ احمد بٹ۔ مبارک احمد بٹ۔ منصور احمد بٹ۔ جمیل احمد بٹ۔ شکیل احمد بٹ۔ مبشر احمد بٹ۔ مظفر احمد بٹ۔ طارق احمد بٹ۔ بشارت احمد بٹ۔ علاوہ چار لڑکیاں ہیں۔ نیز پھیلے ہوئے بارو زگار ہیں۔ تا حال مزید حالات بہم نہیں آسکے۔

حضرت مولوی محمد عبداللہ صاحب وکیل رضؓ

آپ ابتدائی مبائعین میں سے تھے اور مولوی حسین شاہ صاحب سے تعلیم پائی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عاشق تھے

اور آپ کی تعریف میں فارسی اور کشمیری زبان میں اُن کی نعتیہ کلام الحکم میں شائع شدہ ہے۔ بڑی دینی اور سیاسی خدمات کیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کا ذکر اپنی کتب میں کئی جگہ کیا ہے۔

وفاتِ مسیح اور قبرِ مسیح سری نگر کے بارہ میں جو تحقیقات ہوئی اس میں بھی آپ نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ ریاست میں آپ کا بڑا اثر تھا۔ آپ نے تحریک آزادی کشمیر ۱۹۳۱ء میں بھی بڑی خدمات انجام دی ہیں بلکہ آپ تحریک آزادی کشمیر کے بانیوں میں سے ہیں۔ مہاراجہ کشمیر کے ولیعہد کرن سنگھ کی پیدائش پر "دورِ جدید" نامی کتابچہ لکھا۔ خواجہ غلام نبی گلکار، شیخ محمد عبداللہ اور اپنے بیٹے عبدالرحیم درد جج کشمیر کو کھڑا کر کے تحریک کی قیادت کرتے رہے اور انکی رہنمائی کر کے تحریک میں جان ڈال دی۔ مگر افسوس! آخر عمر میں جماعت سے علیحدہ ہو گئے تھے اور اُسی حال میں وفات پائی۔ اُن کی اولاد میں سے محمد ایوب صابر جماعت سے وابستہ ہیں جو ۱۹۳۸ء سے قبل "الحق" اخبار کے ذریعہ ملک کی خدمت کرتے رہے۔

حضرت غلام رسول مانلو رضی اللہ عنہ

ابتدائی صحابی اور پُرجوش مبلغ تھے۔ مولوی عبداللہ وکیل کے رشتہ دار تھے۔ اُن کے ساتھ ہی قادیان آکر بیعت کی تھی۔ مخلص، احمدیت کے عاشق اور مہمان نواز تھے۔ جب مولوی عبداللہ صاحب وکیل بیعت خلافتِ ثانیہ سے محروم رہے تو اُن سے خوب مباحثے اور مقابلے کرتے تھے۔ اُن کی اولاد یہ ہے۔

۱۔ محمد عبداللہ ۲۔ محمد امین ۳۔ نصیرالدین ۴۔ ماسٹر غلام محمد ۵۔ ماسٹر محمد یٰسین ۶۔ ماسٹر نذیر احمد علاوہ ایک لڑکی ہے۔ سب صاحبِ اولاد اور احمدیت کے خادم ہیں۔

حضرت محمد شعبان ریشی رضی اللہ عنہ

آسنور کے ریشی خاندان کے پہلے احمدی تھے۔ اِن کے تقویٰ و طہارت سے متاثر ہو کر باقی خاندان نے بھی بیعت کر لی۔ وجیہہ صورت و شکل کے بااخلاق انسان تھے۔ اِن کے بھائی امیر ریشی بھی ان کے نقش قدم پر چلتے اور دونوں مالی قربانیوں میں پیش پیش رہتے تھے۔

محمد شعبان ریشی نے ابتدائی زمانہ میں جبکہ آسنور میں احمدیت کا چرچا ہوا ایک خواب دیکھی جس میں دیکھا کہ ایک بہت بڑا مکان ہے جو چاروں طرف سے بند ہے اور اس کے دروازے پر دو پٹھانوں کا پہرہ ہے۔ اس کے اندر آگ لگی ہوئی ہے۔ شور مچا ہوا ہے اور مکان کے اندر سے سونے اور چاندی کی خوبصورت کلہاڑیاں باہر پھینکی جا رہی ہیں۔ کلہاڑی سونے کی ہے تو دستہ چاندی کا ہے اور کلہاڑی چاندی کی ہے تو دستہ سونے کا ہے۔ اُن سے پوچھا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ تو کہا گیا کہ یہ مرزا غلام احمد قادیانی کا مکان ہے۔ صبح بیدار ہوئے تو اِس خواب کی تعبیر انھوں نے

مولوی محمد حسین شاہ صاحب سے جاکر پوچھی جو احمدیت کے مخالف تھے۔ انہوں نے اس کی تعبیر میں کہا کہ آگ اور شور سے تو یہ مراد ہے کہ مرزا صاحب کی وجہ سے دنیا میں آگ لگی ہوئی ہے اور شور برپا ہے۔ اور مکان کے اندر سے خوبصورت کلہاڑیاں اُن کی وہ کتابیں اور رسالے ہیں جو مرزا صاحب لکھ لکھ کر شائع کر رہے ہیں۔ اِس رؤیا سے انہیں احمدیت کی صداقت کا یقین ہوگیا۔ اور قادیان جاکر سنہ ۱۹۰۱ء میں بیعت کرلی۔ اِس بیعت کے بعد اس کے بھائی امیرالدین رشی نے مولوی محمد حسین شاہ صاحب سے پوچھا کہ میرا بھائی بیعت کرکے آگیا ہے تو اب میرے دل میں بھی تحریک ہو رہی ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ابھی صبر کرو۔ مَیں خود قادیان جاکر دیکھ آؤنگا۔ امیرالدین بڑا حاضر جواب تھا۔ اُس نے جواب دیا کہ مولوی صاحب! آپ تو کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان سے آئیں گے اَب خود قادیان جاکر کیا دیکھیں گے۔ اس پر اسے بھی یقین ہوگیا کہ دراصل حضرت عیسیٰؑ فوت ہوچکے ہیں اور مرزا صاحب کا دعویٰ سچا ہے۔ اور اُس نے بھی سنہ ۱۹۰۱ء ہی میں بیعت کرلی۔

حضرت ولی محمد صاحب رضؓ

آپ بھی رشی نگر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے اچھے واعظ اور تبلیغ کے شوقین تھے۔ زمینداری پر گذارہ تھا آپ کی اولاد میں سے محمد ابراہیم، محمد عبداللہ اور عبدالسلام ہیں۔

حضرت محمد رمضان پڈر رضؓ

آپ بھی رشی نگر میں مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ تبلیغ احمدیت کا خاص جوش تھا۔ جفاکش نیک اور مخلص احمدی تھے۔ زمینداری پر گذارہ تھا۔

حضرت ملک عبدالعزیز پڈر رضؓ

آپ کثرت سے عبادت اور ذکرِ الٰہی کرنے والے بزرگ اور درویش صفت انسان تھے۔ رشی نگر کے رہنے والے تھے۔

حضرت خواجہ جمال الدین کھانڈے رضؓ

آپ گاگرن کے رہنے والے اور ابتدائی صحابیوں میں سے تھے۔ زمیندار اور تاجر بھی تھے۔ جوشیلے اور مخلص احمدی تھے۔

حضرت میاں جیون بٹ رضی اللہ عنہ

روایت کے مطابق انہوں نے سنہ ۱۸۹۵ء کے قریب بیعت کی۔ قلعہ بھنگیاں امرتسر کے رہنے والے تھے۔ جہاں کے مسلمان جرأت و بہادری اور شدتِ مخالفت میں مشہور تھے۔ ایسی جگہ پر احمدیت قبول کرنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا مگر آپ نے پروا نہیں کی۔ احمدیت قبول

کرنے کے بعد آپ کا تبلیغی جوش بہت بڑھا ہوا تھا۔ جتنی مخالفت ہوتی تھی اتنی ہی اُن کے عشق وارادت میں ترقی ہوتی تھی۔ آپ چندوں میں باقاعدہ تھے۔ بعض دفعہ اتنا بڑا چندہ دیتے کہ اپنے نفس پر تنگی وارد ہو جاتی۔ جب انہیں ایسا نہ کرنے کی نصیحت کی جاتی تو کہتے کہ کیا معلوم پھر چندہ دینے کا موقعہ ملیگا یا نہیں، زندگی کا کیا اعتبار ہے۔ یا اگر موقعہ ملے تو اُس وقت روپیہ پاس ہو یا نہ ہو۔ پس موقعہ کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ چندہ دیکر ایسا خوش ہوتے تھے کہ گویا اُن کی ساری مُرادیں پوری ہو گئیں۔ اُن کی کوششوں سے میاں سلطان احمد۔ میاں اللہ بخش صاحب اور میاں غلام رسول حجام نے بھی بیعت کر لی۔ میاں سلطان احمد مجسم تبلیغ اور سلسلہ کا شیدائی نوجوان تھا ایک طرف یہ غریب لوگ تھے اور دوسری طرف سارا قلعہ، مگر انہیں کوئی بھی پیچھے نہ ہٹا سکا۔

جیون بٹؓ کہا کرتے تھے کہ میں اپنی لڑکی کسی غریب احمدی کو دینا پسند کرونگا مگر کسی غیر احمدی دولتمند کو دینا مجھے گوارہ نہیں ہے۔ اگرچہ قلتِ احباب کی وجہ سے رشتہ ناطہ میں اُس دَور میں بڑی مشکلات تھیں تاہم انہوں نے کسی غیر احمدی کو رشتہ نہ دیا۔ بالآخر اُن کی لڑکی سلسلہ کے بزرگ حضرت مولانا سرور شاہ صاحبؓ کے نکاح میں آئی۔ غرض جماعت میں نمونہ کے احمدی تھے۔ نوّے سال سے زائد عمر میں ۱۹۳۰ء میں وفات پائی [1]

حضرت صابر جو رضی اللہ عنہ آپ بھی لدرون[2] کے رہنے والے تھے۔ صادق شاہ موصوف کے ساتھ ہی قادیان جاکر بیعت کی۔ خوب تبلیغ کرنے والے عابد اور مہمان نواز بزرگ تھے۔ آپ کی اولاد میں سے غلام محی الدین۔ نور الدین۔ محمد یوسف۔ اور شمس الدین صاحب تھے۔

حضرت فقیر محمد صاحب بھٹی رضی اللہ عنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ناسنور سے پیدل چل کر قادیان جایا کرتے تھے انہوں نے حضورؑ کی زیارت کی اور ایک لڑکی خدیجہ بیگم کو خدمت دین کے لئے وقف کیا جس کا نکاح مولوی محمد شاہ (مبلغ) سے ہوا جن کا ذکر آگے آئیگا۔

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۰ نومبر ۱۹۳۰ء۔ [2] آسنور۔ گاگرن۔ لدرون اور رشی نگر کے ان صحابہ کے حالات میں حضرت مولوی عبدالواحد سابق مبلغ کشمیر کے مرقومہ حالات بنام خاکسار ۴۸-۲-۱۰ نیز خواجہ عبدالعزیز صاحب ڈار آسنور حال ربوہ کی یادداشت اور روزنامہ الفضل میں شائع شدہ فہرست مبائعین اور وقتاً فوقتاً شائع شدہ مضامین سے استفادہ کیا گیا ہے۔

حضرت عبدالقادر صاحب ڈار رضی اللہ عنہ

حاجی عمر ڈار رضی اللہ عنہ کے دوسرے بیٹے تھے۔ پہلے بیٹے کا نام حبیب اللہ ڈار تھا جو صحابی تو نہ تھے مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ہی تحریری بیعت کی تھی جن کے ایک لڑکے خواجہ عبدالسلام ڈار نے حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے جنازے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی بیعت اولیٰ میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ عبدالغفار صاحب ڈار کا بیان ہے کہ:۔

عبدالقادر صاحب ڈار رضی اللہ عنہ کی بابت ایک دفعہ خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ انہیں مجھ سے بڑی محبت تھی۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ معہ اماں جان صاحبہ رضی اللہ عنہا کشمیر تشریف لائے تھے اور جھیل کونسرناگ کی سیر کو گئے تو ایک دشوار گذار پہاڑی راستہ سے گذارنے کے لیے جہاں سے اُن کی پالکی گذرنی بہت مشکل تھی، عبدالقادر صاحب ڈار رضی اللہ عنہ نے اجازت لے کر حضرت اماں جان صاحبہ کو کندھے پر اٹھا کر پار کروایا تھا۔

آپ کثرت سے قادیان جایا کرتے تھے۔ آپکی اذان دلکش ہوا کرتی تھی۔ خواجہ عبدالغفار صاحب ڈار سابق ایڈیٹر اصلاح سرینگر حال راولپنڈی آپکے بیٹے ہیں۔ جو ۱۹۴۷ء تک ملک کی بہترین صحافتی خدمات انجام دیتے رہے۔

حضرت میاں محمد صدیق صاحب رضی اللہ عنہ

محمد صدیق صاحب رضی اللہ عنہ سیکھوانی برادران کے والد تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تین سو تیرہ اصحاب میں شامل تھے آبائی وطن کشمیر موضع بھاج ہالن ضلع اسلام آباد تھا۔ اغلباً ڈوگرہ حکومت کے عہد میں جب کشمیر میں قحط پڑا تو وہاں سے پنجاب آکر پہلے راجہ سانسی ضلع امرتسر میں کچھ عرصہ قیام کیا پھر سیکھواں آکر رہائش اختیار کرلی جو قادیان سے چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ اُن کی شادی خواجہ محمد شریف صاحب ساکن قادیان حال گول بازار ربوہ کے دادا کی بہن شرف بی بی سے ہوئی وہ بھی صحابیہ تھیں۔ اُن سے سیکھوانی برادران میاں جمال دین صاحب۔ میاں امام دین صاحب اور میاں خیر دین صاحب پیدا ہوئے۔ علاوہ ایک لڑکی امیر بی بی عرف مائی کاکو تھی۔ جنہوں نے بیوہ ہونے کے بعد اپنی ساری زندگی حضرت اُم المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گذاری اور بعد وفات مقبرہ بہشتی ربوہ میں مدفون ہیں۔

محمد صدیق صاحب رضی اللہ عنہ کی وفات اپنے گاؤں سیکھواں میں ہوئی۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ کی زندگی اتنی صاف اور پاکیزہ زندگی تھی کہ سیکھواں کے بعض ہندو اور سکھ وغیرہ اپنے تنازعات کا اُن سے فیصلہ کراتے تھے کیونکہ سارے اُنکو بزرگ نیک اور مخلص سمجھتے تھے۔

حضرت میاں جمال الدین۔ امام دین اور خیر الدین رضی اللہ عنہم

محمد صدیق رضؓ کے تین بیٹے حضرت میاں امام الدین صاحب رضؓ حضرت میاں جمال الدین صاحب رضؓ اور حضرت میاں خیر الدین صاحب رضؓ بھی صحابی تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ضمیمہ انجام آتھم میں ۳۱۳ اصحاب کی فہرست میں تینوں کا نام ۳۰-۳۱-۳۲ نمبر پر ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے ان کے انتہائی اخلاص کی تعریف فرمائی ہے۔ اور لکھا ہے کہ باوجود غربت کے مالی قربانیوں میں استطاعت سے بڑھ کر جسقدر یہ حصہ لیتے ہیں میں اسپر تعجب کرتا ہوں اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مالی قربانیوں سے ان کی مالی قربانیوں کی تشبیہ دی ہے۔[۱]

بیعت ان تینوں اصحاب کی مع اہل بیت ۲۳ر نومبر ۱۸۸۹ء ہے۔ میاں امام الدین رضؓ صاحب نے مئی ۱۹۴۱ء میں وفات پائی۔

حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس و مولانا قمر الدین صاحب

حضرت میاں امام الدین رضؓ کے بیٹے خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین شمس تھے۔ جو لنڈن اور فلسطین (عرب) میں مبلغ رہے۔ کبابیر نامی بستی میں مسجد محمود کی بنیاد رکھی۔ سلسلہ احمدیہ کے جید عالم، مقرر، خطیب، مصنف اور بہت بڑے فاضل اور مناظر تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو خالد احمدیت کا خطاب دیا۔ آپ کے مفصل حالات "خالد احمدیت" نامی کتاب میں شائع ہو چکے ہیں۔[۲] آخری ایام میں ناظر اصلاح و ارشاد صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے عہدہ پر تھے کہ وفات پائی اور مقبرہ بہشتی ربوہ میں دفن ہوئے۔ تاریخ وفات ۱۳ر اکتوبر ۱۹۶۶ء ہے۔

میاں خیر الدین رضؓ سیکھوانی کی اولاد میں سے مولانا قمر الدین صاحب حال انسپکٹر اصلاح و ارشاد ربوہ ہیں۔ آپ مئی ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ سیکھواں میں مروجہ تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد مدرسہ احمدیہ قادیان داخل ہو کر مولوی فاضل کیا۔ کچھ عرصہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پرائیویٹ سیکرٹری رہے اور غالباً ۱۹۳۸ء میں خدام الاحمدیہ کے پہلے صدر مقرر ہوئے۔ اور انسپکٹر تعلیم و تربیت کی حیثیت سے بھی کام کیا۔

---

[۱] دیکھو ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۲۹ و ضمیمہ اشتہار الانصار ۴ر اکتوبر ۱۸۹۹ء مشمولہ تبلیغ رسالت جلد ۸ صفحہ ۶۶ و اشتہار یکم جولائی ۱۹۰۰ء مشمولہ تبلیغ رسالت جلد ۹ صفحہ ۹۳۔ [۲] از عبد الباری قیوم شاہد مطبوعہ ۱۹۶۷ء

حضرت حکیم محمد اسمٰعیل صاحبؓ

میاں جمال الدین صاحبؓ کی اولاد میں سے حکیم محمد اسمٰعیل سیکھوانی حال سٹلائٹ ٹاؤن سرگودہا ہیں جن کی عمر اسوقت ۹۰ سال کے قریب ہوگی۔ وہ بھی صحابی ہیں۔ مولانا قمرالدین صاحب کا بیان ہے کہ حکیم صاحب موصوف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ اُن کے والد صاحب میاں جمال الدین صاحبؓ کے پاس ایک مدقوق شخص آیا جس کی بیماری تیسرے درجے پہنچ چکی تھی۔ والد صاحب انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس لے گئے۔ حضورؑ نے حالات سُنکر نسخہ لکھ دیا۔ پھر فرمایا انشاء اللہ اس سے شفا ہو جائیگی نیز فرمایا :۔ تو کہ خواندی حکمتِ یونانیاں ؛ حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

یعنی دوا کے ساتھ ساتھ دُعا بھی کرتے رہیں۔ آخر مدقوق کو شفا ہوگئی۔ حکیم محمد اسمٰعیل صاحبؓ عموماً اسی نسخہ سے مدقوق مریضوں کا علاج کرتے رہے۔ حکیم موصوفؓ کا ایک لڑکا بشیر احمد ہے۔

حضرت خواجہ میراں بخش صاحبؓ

آپ کے بیٹے محمد شریف خواجہ حال ربوہ کا بیان ہے کہ ہمارے بزرگ کشمیر میں قحط کے دوران قادیان میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ میں نے بچپن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ۱۹۰۶ء یا ۱۹۰۷ء میں دیکھا۔ مجھ سے بابا گھسیٹا دھوبی نامی احمدی نے بیان کیا تھا کہ زمانہ مسیح موعود علیہ السلام میں مسجد اقصیٰ قادیان کے صحن کی توسیع ہو کر اس میں بھرتی پڑی تھی تو اُسوقت ڈپٹی شنکرداس برہمن کا وہ مکان مسجد اقصیٰ سے ملحق تھا جس میں آجکل ہمارے دفاتر موجود ہیں، شنکرداس نے جو کہ صاحب اثر اور صاحبِ رعب داب تھا تعصب کی وجہ سے صحنِ مسجد کی بھرتی روک دی اور مزدوروں اور کاریگروں کو مار پیٹ کر بھگا دیا۔ میرے والد صاحب میراں بخش اور مولوی شادی کشمیری جو کہ غیر احمدی تھا کو پتہ چلا تو وہ اپنے ساتھیوں کو لیکر جائے وقوعہ پر پہنچے اور ڈپٹی شنکرداس اور اس کی ہندو برادری کو مقابلہ پر بلایا۔ بہت سے ہندو مسلمان اکٹھے ہو گئے۔ جھگڑا بڑھنے لگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی آدمی کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ "کشمیریوں کو کہدو کہ لڑائی جھگڑا نہ کریں، اللہ تعالیٰ دے گا تو یہ زمین لے لیں گے۔" کشمیریوں نے جو اُسوقت دینی غیرت کی وجہ سے جوش میں تھے کہلا بھیجا کہ حضور! ہم مسجد کی بھرتی میں روکاوٹ برداشت نہیں کرینگے جب تک صحنِ مسجد کی توسیع مکمل نہیں ہوتی۔ جب میراں بخش صاحبؓ اور اُس کے ساتھی میدان میں ڈٹ گئے تو شنکرداس برہمن اور اس کے ساتھی سب جائے وقوعہ سے بھاگ گئے اور مسجد کی بھرتی مکمل ہوگئی۔

بعد میں اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان کر دیئے کہ شنکرداس برہمن کا خاندان اسقدر مفلوک الحال

۱؎ ابھی ۱۹۶۶ء میں وفات پاگئے۔

ہو گیا کہ اُس نے مسجد اقصیٰ سے اپنا یہ ملحقہ مکان ہنسراج کھتری کے ہاں رہن رکھدیا اور اُس نے قرض نہ ملنے پر اُسے قُرق کرالیا۔ ہنسراج فوت ہو گیا تو اس کے لڑکے سوہن لال نے یہ مکان صدر انجمن احمدیہ کے ہاں فروخت کر دیا۔ آجکل اسجگہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کے دفاتر موجود ہیں اسطرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وہ بات پوری ہو گئی کہ خدا دے گا تو یہ زمین سے لیں گے اور مسجد کی توسیع ہو گی۔"

مجید احمد صاحب جو حضرت میراں بخش ؓ موصوف کے پوتے ہیں کا بیان ہے کہ شنکرداس کے مکان کا یہ واقعہ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے بھی مجھ سے راجپورہ دریائے بیاس کے شکار کے موقعہ پر بیان فرمایا تھا۔

حضرت خواجہ محمد شریف صاحب ؓ

آپ کی پیدائش ۱۹۰۱ء کی ہے۔ خواجہ میراں بخش صاحب ؓ مذکور کے بیٹے ہیں۔ آپ کا بیان ہے کہ آپ کے دادا خواجہ نظام دین صاحب میاں خیرالدین ؓ، امام دین ؓ و جمال دین ؓ صاحب سیکھوانی کے ماموں تھے (جن کا ذکر گذر گیا) انہوں نے اور میرے والد میراں بخش صاحب ؓ اور آپ کے تایا زاد بھائی عبداللہ ولد گلاب ؓ سب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ حسب معمول کشمیر کے پیر ہمارے ہاں نذر و نیاز کے لئے آیا کرتے تھے۔ میں نے اپنے تایا گلاب صاحب ؓ سے پوچھا تھا کہ جب ہم احمدی ہو چکے ہیں تو یہ پیر کیوں ہمارے ہاں آیا کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ کیا ہم ان پیروں کو روک دیں؟ تو حضور ؑ نے فرمایا کہ نہیں۔ انہیں پیر نہ سمجھو اور مہمان کی حیثیت سے انکی پہلے سے زیادہ خدمت کرو۔ چنانچہ حضور کے ارشاد کے مطابق میں ان پیروں کو گھر میں ٹھہراتا اور اُن کی پہلے سے زیادہ خدمت کرتا۔ اور بزرگان سلسلہ و مدرسہ قادیان کے کشمیری طلباء کو بلوا کر انہیں تبلیغ کراتا۔

۱۹۴۷ء میں قادیان سے ہجرت کر کے علاقہ گجرانوالہ میں آباد ہوئے۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خواہش کے مطابق سرزمین ربوہ کو آباد کرنے کی غرض سے ربوہ میں آکر آباد ہو گئے۔ خواجہ صاحب موصی ہیں اور وصیت کے علاوہ مزید مالی قربانیوں اور جماعتی چندوں میں ابتداء سے ہی باقاعدگی کے ساتھ حصہ لے رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ سے آپ کو بڑی محبت ہے۔ مذکورہ واقعات لکھواتے وقت فرطِ عقیدت و جذبات سے کئی دفعہ آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ قادیان میں

ے آپ کا اور آپکی اہلیہ صاحبہ نواب بی بی مرحومہ کا نام پانچہزاری مجاہدین تحریک جدید کی کتاب میں بھی شامل ہے۔

ایک دفعہ شادی کے موقعہ پر آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ سے شمولیت کی درخواست کی۔ حضور کسی مصروفیت کی وجہ سے شامل نہ ہوسکے تو شدید افسوس ہُوا۔ کام چھوڑ کر چارپائی پر لیٹ گئے۔ جب حضور کو پتہ چلا تو دوسرے دن آنیکا وعدہ فرمایا۔ آپ نے مہمانوں کو روک لیا یہانتک کہ حضور رضی اللہ عنہ دوسرے دن تقریب میں شریک ہو گئے۔

آپ کی عمر اسوقت ۸۱ سال کی ہے۔ آپ کی اولاد لطیف احمد، حنیف احمد، مجید احمد جمیل احمد، ظفر احمد، سلیم احمد اور منور احمد۔ علاوہ تین لڑکیاں ہیں جنمیں سے ایک لڑکی تو بعد نکاح فوت ہو چکی ہے۔ اور اس کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے۔ چھوٹی لڑکی مولوی صفی الدین انسپکٹر اصلاح وارشاد سے بیاہی ہوئی ہے۔ دوسری لڑکی ذکاء اللہ بٹ صاحب حال راولپنڈی کے نکاح میں ہے۔

حضرت عبداللہؓ اور عبدالقادرؓ

دونوں باپ بیٹے صحابی تھے۔ حضرت عبداللہؓ ولد نور محمد سوہل ریلوے اسٹیشن تحصیل وضلع گورداسپور کے رہنے والے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں بیعت کی۔ اِن کے بیٹے حضرت عبدالقادر تھے جو ۱۹ راگست ۱۹۳۹ء بعمر ۹۰ سال فوت ہوگئے اور قادیان کے مقبرہ بہشتی میں دفن ہوئے۔ اِن کے بیٹے خواجہ جلال الدین صاحب جو نظارت تعلیم میں کارکن ہیں کا بیان ہے کہ پُرانے زمانہ میں کشمیر سے نکل کر ادھر آباد ہوئے تھے۔

صوفی نبی بخش صاحب رضی اللہ عنہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تین سو تیرہ صحابہ میں سے تھے۔ اِن کے پوتے راجہ عبدالوہاب کارکن لنگر خانہ ربوہ کا بیان ہے کہ آپ کے والدین راجپوتانہ سے میرپور شہر میں آباد ہوئے تھے یہاں ۱۸۶۳ء میں صوفی صاحب پیدا ہوئے۔ آپ نے راولپنڈی مشن ہائی سکول سے میٹرک پاس کر لیا اور ریلوے میں ہیڈ کلرک بھرتی ہو گئے۔ تاریخ احمدیت لاہورؔ میں ہے کہ آپ کو یہاں براہین احمدیہ اور لیکھرام پشاوری سے متعلق پیشگوئی کا اشتہار پڑھنے کا موقعہ ملا اور قادیان جانے کا شوق پیدا ہُوا۔ بالآخر ۱۸۹۱ء میں لدھیانہ جاکر بیعت کر لی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ راولپنڈی سے تبدیل ہو کر لاہور آئے۔ یہاں سے قادیان چلے گئے۔ پھر انہیں شملہ میں تبلیغ دین کا بھی موقعہ ملا۔ آپ پر تنگی کا زمانہ آیا مگر حضورؑ کی دُعا سے آپ کو ۱۵ روپے کی ملازمت کی بجائے افریقہ میں ۱۲۰ روپے کی ملازمت ملی اور تین سال وہاں کام کیا۔ آپ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مَیں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں

عرض کی کہ حضور فلاں شخص کے ہاں میری سفارش کر دیں کہ میری مدد کر دیں۔ حضورؑ نے فرمایا۔ "جب خدا ہے تو سفارش کی کیا ضرورت ہے۔" چنانچہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے میرا وہ کام بغیر سفارش کے ہو گیا۔ آپ موصی تھے۔ قادیان میں وفات پاکر بہشتی مقبرہ قادیان میں دفن ہوئے۔ اولاد یہ تھی۔ بابو تاج الدین مرحومؒ (موصی)۔ مہتاب بیگم مرحومہؓ۔ عبدالعزیز صاحب۔ محمودہ بیگم جان۔ عبدالمجید مرحومؒ۔ فاطمہ بیگم۔ عبدالسلام۔ حمیدہ بیگم۔ محمد شریف۔ آمنہ بیگم مرحومہؓ۔ عبدالقدیر۔ سکینہ بیگم [۵۱]

شیخ کریم بخش صاحب بٹؓ (بیعت ۱۹۰۱ء وفات ۱۹۰۶ء)

میاں عبدالسبحان رضی اللہ عنہ بھاٹی دروازہ لاہور کے کشمیری بزرگ تھے۔ ہجرت کر کے قادیان چلے گئے۔ بڑے مخلص تھے۔ ۳۱۳ اصحاب کی فہرست میں آپ کا نام ۲۷۸ نمبر پر ہے۔ مقبرہ بہشتی قادیان میں مدفون ہیں۔

خواجہ کمال الدین (ولادت ۱۸۷۰ء۔ بیعت ۱۸۹۴ء وفات ۲۷/۲۸ دسمبر ۱۹۳۲ء)

مشہور مبلغ اور عالم و فاضل تھے۔ ۳۱۳ اصحاب میں سے تھے۔ ان کے بھائی خواجہ جمال الدین تھے۔ ۳۱۳ اصحاب کی فہرست میں ان کا نام ۲۱۵ نمبر پر ہے۔

شمس الدین بٹؓ (بیعت ۱۹۰۲ء/۱۹۰۳ء ولادت ۱۸۹۰) شیخ کریم بخش بٹ کے بیٹے تھے۔

خواجہ فتح دین وائیںؓ (ولادت ۱۸۸۸ء بیعت مسیح موعودؑ کے شروع دعویٰ میں)

خواجہ محمد دین بٹؓ (ولادت ۱۸۸۳ء بیعت ۱۹۰۶ء وفات ۶ نومبر ۱۹۶۰ء عمر ۷۷ سال مدفن بہشتی مقبرہ ربوہ) اولاد خواجہ فیروز الدین۔ خواجہ عبدالغنی۔ خواجہ محمد شریف۔ خواجہ بشیر احمد خواجہ محمد شفیع۔ زبیدہ بیگم [۵۲]

ضلع گجرات تحصیل کھاریاں میں موضع نورنگ جو اب کھاریاں چھاؤنی میں تبدیل ہو چکا ہے اور اس کے ملحقہ مواضعات میں کئی صحابی اور احمدی بزرگ رہتے ہیں جن میں سے سید غلام شاہ صاحبؓ تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ۳۱۳ اصحاب میں سے۔ اسی طرح سید نور شاہؓ برادر سید غلام شاہ صاحبؓ۔ سید فاضل شاہؓ (بیعت ۱۹۰۴ء) سید نظام شاہ جہلمیؒ۔ سید تاج شاہؓ سابق صوبیدار میجر۔ یہ سب صحابیوں میں سے تھے اور علاقہ میں پھیلے ہوئے اعلیٰ درجہ کے متقی عبادت گذار بزرگ تھے۔ سید فاضل شاہؓ موصی تھے اور مقبرہ بہشتی ربوہ میں مدفون ہیں۔ سید سلیمان شاہ جو ربوہ میں کاروبار کر رہے ہیں انکا بیان ہے

---

[۵۱] و [۵۲] مذکورہ اصحاب کے مفصل حالات "تاریخ احمدیت لاہور" میں شائع ہو چکے ہیں وہاں سے ملاحظہ فرمائیں۔

کہ قادیاں کے یہ سارے بزرگ کشمیر سے آکر اس جگہ آباد ہوئے تھے۔

حضرت عبدالرحیم صاحب عرف پولا رضی اللہ عنہ

آپ نے ۱۸۹۳ء/۱۸۹۴ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی۔ قحط کے ایام میں میاں خیرالدین سیکھوانی وغیرہم کے ساتھ کشمیر سے نکل کر بھاگی ننگل میں مقیم ہو گئے جو قادیان سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ اپنے گاؤں میں جہاں سکھوں کی آبادی تھی مسجد تعمیر کی جبکہ سکھوں نے اسکی سخت مخالفت کی تھی۔ جب آپ نے ڈٹ کر مقابلہ کر کے مسجد بنا دی تو سکھوں نے کنوئیں سے پانی پینے کی ممانعت کر دی مگر آپ نے ہمت کر کے اپنا علیحدہ کنواں بنوا لیا۔ آپ کے ذریعہ اس گاؤں میں اور موضع بوہ چک میں احمدی جماعتیں قائم ہوئیں۔ ۱۹۳۹ء میں ہجرت کر کے قادیان چلے آئے۔ مرحوم رضہ مہمان نواز تھے۔ ۱۹۴۷ء میں ربوہ پاکستان چلے آئے جہاں ۲ر نومبر ۱۹۵۶ء بعمر ۹۳ سال وفات پا گئے۔ آپ کا ایک لڑکا خواجہ عبدالحی دوکاندار گولبازار ربوہ اور چار لڑکیاں ہیں۔ نیز ۳۰ پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں چھوڑ گئے[1]

خواجہ عبدالحی کی اولاد یہ ہے۔ (۱) خواجہ عبدالمومن صاحب جو عرصہ سے ربوہ میں خدام الاحمدیہ میں کام کر رہے ہیں اور اسوقت ناظم اطفال ہیں (۲) عبدالباسط صاحب (۳) عبدالجلیل صاحب علاوہ تین لڑکیاں ہیں۔ خواجہ عبدالحی صاحب کی ایک ہمشیرہ مولوی قمرالدین صاحب انسپکٹر اصلاح وارشاد کے گھر ہے اور دوسری خواجہ محمد امین صاحب امیر جماعتہائے ضلع سیالکوٹ کے گھر ہے۔

حضرت سید فضل شاہ صاحب رضہ

آپ کی ولادت ۱۸۶۰ء بیعت ۲ر جنوری ۱۸۹۱ء اور وفات کی تاریخ یکم فروری ۱۹۲۴ء ہے۔

آپ سید ناصر شاہ صاحب رضہ جنکا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "حقیقۃ الوحی" میں فرمایا ہے کے بڑے بھائی تھے۔ آبائی وطن کشمیر تھا، محلہ ستھاں لاہور میں رہتے تھے۔ ابتداء میں کچھ عرصہ ریاست جموں و کشمیر میں بھی ملازمت کی۔ بڑے عبادت گذار تھے۔ تین سو تیرہ اصحاب کی فہرست مندرجہ انجام آتھم میں ان کا نمبر ۲۳۹ ہے۔

ایک دفعہ دیوار کے مقدمہ کی نسبت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سلسلہ الہام شروع ہوا تو سید فضل شاہ صاحب کو حضور کے ارشاد کے مطابق لکھنے کا موقع ملا جسکو حضور "حقیقۃ الوحی" میں فرماتے ہیں :-

---

[1] الفضل ۱۹ر نومبر ۱۹۵۶ء۔

"مجھے یاد ہے کہ اُسوقت سید فضل شاہ صاحب لاہوری برادر سید ناصر شاہ صاحب اوورسیر متعین بارہ مولا کشمیر میرے پیر دبا رہا تھا اور دوپہر کا وقت تھا کہ یہ سلسلہ الہام دیوار کے مقدمہ کی نسبت شروع ہوا۔ میں نے سید صاحب کو کہا کہ یہ دیوار کے مقدمہ کی نسبت الہام ہے۔ آپ جیسا جیسا یہ الہام ہوتا جائے لکھتے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے قلم دوات اور کاغذ لے لیا۔ پس ایسا ہوا کہ ہر ایک دفعہ غنودگی کی حالت طاری ہوکر ایک ایک فقرہ وحی الٰہی کا جیسا سنت اللہ ہے زبان پر نازل ہوتا تھا پھر جب ایک فقرہ ختم ہو جاتا تھا اور لکھا جاتا تھا تو پھر غنودگی آتی تھی اور دوسرا فقرہ وحی الٰہی کا زبان پر جاری ہو جاتا تھا یہاں تک کہ کل وحی الٰہی نازل ہوکر سید فضل شاہ صاحب لاہوری کے قلم سے لکھی گئی۔"[1]

اس وحی کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں :- "اَلرَّحٰی تَدُوْرُ وَيَنْزِلُ الْقَضَاءُ اِنَّ فَضْلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ۔" لَاٰتٍ کے نیچے حاشیہ میں لکھا ہے۔ "عجیب بات ہے کہ اس الہام میں بشارت فضل کے لفظ سے شروع ہوتی ہے اور جس کے ہاتھ سے بروقت نزول یہ وحی قلمبند کرائی گئی اُس کا نام بھی فضل ہے۔" آپ کی اہلیہ سکینہ بی بی صاحبہؓ بھی صحابیہ تھیں جن کی ولادت ۱۸۷۹ء میں ہوئی۔ بیعت ۱۸۹۸ء میں کی اور وفات ۱۶ جنوری ۱۹۶۱ء۔ آپ کی اولاد سے محترم ڈاکٹر سید عنایت اللہ شاہ صاحب لاہور میں مقیم ہیں۔

حضرت خواجہ منشی نظام الدین صاحبؓ

آپ نے ۱۹۰۴ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر اُس وقت بیعت کی جب حضور سیالکوٹ تشریف لائے تھے۔ آپ دیہاتوں میں اِدھر اُدھر تبلیغ کرتے رہتے تھے اور عبادت گذار تھے۔ آپ کی اولاد یہ ہے۔ (۱) مکرم خواجہ عنایت اللہ صاحب حال راولپنڈی (۲) مکرم خواجہ رحمت اللہ صاحب (۳) محمد نصیر اللہ صاحب (۴) محمد حمید اللہ صاحب۔

خواجہ عنایت اللہ صاحب سلسلہ کے لٹریچر کے عالم ہیں اور غیر مبائعین سے خوب بحثیں کرتے رہتے ہیں۔ تبلیغ کا بھی بہت شوق رکھتے ہیں۔ حال ہی میں آپکی ایک لڑکی کا نکاح ڈاکٹر محمد افضل صاحب کشمیر حال راولپنڈی سے ہوا جنہوں نے اغلباً ۱۹۶۷ء ۱۹۶۸ء میں مشرقی پاکستان سے کشمیر پر انگریزی زبان میں ایک باتصویر رسالہ بھی شائع کیا تھا۔

---

[1] حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۶۰۔

حضرت سید ناصر شاہ صاحبؓ

آپ کی ولادت ۱۸۶۳ء۔ بیعت ۱۸۹۱ء اور وفات کی تاریخ یکم و ۲ جنوری ۱۹۳۶ء کی درمیانی رات۔ آبائی وطن کشمیر تھا۔ لاہور میں رہتے تھے۔ نہایت ہی وجیہہ۔ قدآور اور بزرگ انسان تھے۔ زیادہ عرصہ ریاست جموں و کشمیر میں ملازم رہے۔ خدمتِ دین کا اتنا جذبہ رکھتے تھے کہ ہر وقت موقعہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ خواب میں ایسا دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپکی ضرورت ہے۔ رخصت لے کر قادیان پہنچے۔ پتہ چلا کہ حضورؑ کو اپنی کتاب نزول المسیح کی طباعت کیلئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ آپ نے اُسی وقت ڈیڑھ ہزار روپیہ کی رقم جو حج بیت اللہ کے لئے جمع کر رکھی تھی حضورؑ کی خدمت میں پیش کر دی۔ نیز وعدہ کیا کہ طباعت کے بقیہ اخراجات کشمیر جا کر ارسال کر دیں گے۔ حضورؑ کو آپ سے بڑی محبت تھی۔ ایک دفعہ حضرت مولوی عبدالکریم سیالکوٹی رضی اللہ عنہ نے آپ کی گردن میں ہاتھ ڈال کر فرمایا۔ شاہ صاحب! حضرت صاحب جس طرح آپ سے محبت کرتے ہیں اسے دیکھ کر خدا کی قسم ہمیں تو رشک آتا ہے۔

ریٹائر ہونے کے بعد موجودہ قصرِ خلافت قادیان کے سامنے اپنے مکان میں رہتے تھے۔ جہاں آپ نے وفات پائی۔

ماسٹر خلیل الرحمٰن صاحبؓ

آپ موضع پنجیڑی ضلع میرپور (آزاد کشمیر) کے رہنے والے تھے۔ آپ کو احمدیت کا پیغام اپنے پھوپھا مرزا منشی جلال الدین بلانوی رضؓ کے ذریعہ ملا تھا جنکا نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تین سو تیرہ صحابہ کی فہرست میں اول نمبر پر ہے۔ اور جو ضلع گجرات موضع بلانی کے رہنے والے تھے۔ ماسٹر صاحب موصوف اُن کے شاگردوں میں سے تھے۔ ماسٹر صاحب موصوف ریاستی سکولوں میں مدرس رہے۔ آپ ہجرت کر کے قادیان چلے گئے تھے اور وہاں ہی محلہ دارالرحمت میں اپنا مکان بنوا کر رہائش اختیار کر لی تھی۔ آپ نواب محمد علی خان رضؓ آف مالیر کوٹلہ کے بچوں کے لئے بطور اتالیق رہے۔ قادیان اور مالیر کوٹلہ دونوں جگہ کام کرتے رہے۔ آپ فارسی بھی جانتے تھے۔ چنانچہ سیدہ مبارکہ بیگم صاحبہؓ نے بھی آپ سے فارسی سیکھی۔ کچھ عرصہ قادیان میں الفضل اخبار کے ایجنٹ بھی رہے اور انجمن کی ہوزری فیکٹری میں بھی کئی سال کام کیا۔ آپکی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ چار لڑکیاں تھیں جو زندہ موجود ہیں۔ آپ کو تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ اپنے والد مولوی نیک عالم کو بھی تبلیغ کی اور وہ بھی احمدی ہو گئے۔ علاوہ ازیں پنجیڑی میں آپ کے اور بھی شاگرد تھے جن میں سے کئی احمدی ہوئے۔ مثلاً راجہ غلام احمد خان۔ راجہ عنایت خان مرحوم۔ راجہ سلطان احمد خان

(متوفی ۱۹۶۸ء) اور کیپٹن عالی شان خاں مرحوم۔

قریشی محمد حنیف (سائیکل سیاح) اور انکے برادر خورد قریشی فضل حق درویش قادیان ساکن کنڈور ضلع میرپور بھی ماسٹر صاحب موصوف کے شاگردوں میں سے ہیں اور آپ کے ماموں زاد بھائی ہیں۔ ماسٹر صاحب کی والدہ مسماۃ فردوس بی بی صاحبہ بھی آپ کی تبلیغ کے ذریعہ احمدی ہوئیں اور اُن کے ساتھ ہجرت کر کے قادیان چلی گئیں اور وصیت کرنے کی بھی توفیق مل گئی بہشتی مقبرہ قادیان میں دفن ہیں۔ آپ بڑی نیک بی بی تھیں اور عمر بھر اہل پنجیبڑی کے صدہا بچوں کو قرآن مجید پڑھاتی رہیں۔

ماسٹر صاحب موصوف عرصہ بیس پچیس سال تک پنجیڑی کے ڈاکخانہ کے پوسٹ ماسٹر بھی رہے اور دیانت داری سے لوگوں کی خدمات انجام دیں۔ بڑے متقی اور پرہیز گار انسان تھے اسی وجہ سے پنجیبڑی کے غیر از جماعت لوگ باوجود یہ جاننے کے کہ یہ احمدی ہیں ان کے پیچھے عرصہ تک نمازیں پڑھتے رہے۔ علاقہ کے علماء سے متعدد مناظرے کئے جن میں سے ایک مشہور مناظرہ موضع لُدھر متصل میرپور کے مفتی سے ہوا جو مکہ معظمہ سے تعلیم حاصل کر کے آئے تھے۔

ماسٹر صاحب موصی تھے ۱۹۴۷ء میں قادیان میں وفات پائی اور مقبرہ بہشتی قادیان میں دفن ہوئے۔

حضرت منشی محمد دین صاحب رضؓ

جموں میں انسپکٹر پولیس کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ نہایت متقی۔ پرہیزگار اور مخلص بزرگ تھے۔ پولیس والوں کی طرف عام طور پر جو بُرائیاں منسوب کی جاتی ہیں وہ ان سب سے پاک تھے۔ رشوت سے کوسوں بھاگتے تھے۔ نہایت منصف مزاج اور عوام سے انصاف کرنے والے تھے۔ پولیس میں ان کا بہت بلند اخلاقی مقام تھا۔ اُن کی نیکی کا عام چرچا تھا اور سلسلہ احمدیہ سے بہت پیار تھا۔

حضرت مستری کریم بخش صاحب ٹھیکیدار رضؓ

یہ بھی جموں کے صحابہ میں سے تھے۔ نہایت جوشیلے اور مخلص احمدی تھے۔ حق اور انصاف کے علمبردار صاف گو۔ صاف دل اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے بے خوف ہو کر اظہار حق کرنیوالے اور سلسلہ کے مسائل سے پوری طرح آگاہ تھے۔ اپنے طبقہ میں خاصے مقبول اور با اثر تھے۔ باوجود اس کے کہ اُن کے اکثر رشتہ دار غیر مبائع اور بارسوخ تھے اُن کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے تھے۔

مستری عمرا خان صاحب رضؓ

جموں کے اصحاب میں سے مرنجان مرنج بزرگ تھے۔ دیندار، مخلص اور بزرگان سلسلہ کی قدر کرنے والے اور سلسلہ کے لئے غیرت رکھنے والے انسان تھے۔ اختلافی مسائل کو سمجھنے اور سمجھانے کے اہل تھے۔

حضرت خواجہ امداد علی صاحب رضؓ (خواجہ صاحب مکرم دادا صاحب کے لے پالک) بہت نیک۔ دیندار اور سرکاری دفاتر میں ملازم تھے لیکن جماعت کے نظام سے وابستہ رہتے تھے۔ عرصہ تک امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ قرآن کریم خوش الحانی سے پڑھتے اور مسائل وعقائدِ احمدیہ کو نہایت جوش اور عقیدت سے بیان کرتے تھے۔ متقی، نیک اور درویش طبع تھے۔ فسادات ۱۹۴۷ء کے ایام میں جموں میں درجہ شہادت پا گئے۔ حملہ آوروں نے چاہا کہ وہ اسلام سے منحرف ہو جائیں اور اسلام کو چھوڑ دیں۔ لیکن وہ اسلام پر قائم رہے اور شہادت کا بلند مرتبہ حاصل کیا۔[1]

حضرت مستری یعقوب علی صاحب جموں کے مذہبی و سیاسی لیڈروں میں سے تھے۔ تحریک آزادیٔ کشمیر کے دوران انہوں نے خدمات کی ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے بعد آزاد کشمیر مظفر آباد میں آکر مقیم رہے۔ جہاں آخری ایام میں خاکسار راقم الحروف نے بھی ان سے کئی مرتبہ ملاقات کی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ جن کے زیر نگرانی انہیں تحریک کشمیر ۱۹۳۱ء کے دوران کام کرنے کا موقعہ ملا، کی بہت تعریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مدبر، منتظم اور مستعدی سے کسی کو کام کرنے والا پایا تو حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ تھے۔ گو غیر مبائعین میں شامل رہے مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے محبت رکھتے تھے۔ اغلباً ۱۹۶۲ء/۱۹۶۴ء میں مظفر آباد میں لمبی عمر پا کر فوت ہوئے اور سیکرٹریٹ مظفر آباد کے پاس اپنے بیٹے شیخ عبد الحی صاحب کی قیامگاہ کے پاس دفن ہوئے۔

حضرت مستری فیض احمد رضی اللہ عنہ آپ ۱۸۶۷ء/۱۸۶۸ء کے قریب سیالکوٹ کے ایک دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ حضرت مولوی عبد الکریم رضی اللہ عنہ کی تحریک پر احمدیت کی طرف توجہ پیدا ہوئی اور ۱۸۹۷ء میں بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ابتداء میں اہلحدیثوں کی طرف سے مناظرہ میں شریک ہوا کرتے تھے۔ بعد میں احمدی ہو گئے۔ کاروبار کے سلسلہ میں جموں میں رہائش اختیار کی اور حضرت مولوی نور الدین خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کی جو ریاست جموں میں شاہی طبیب تھے معیت نصیب ہوئی اور ان سے خاص اُنس و محبت پیدا ہو گئی۔ بیعت کے بعد قادیان آنا جانا ہو گیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت سے فیض اٹھاتے رہے اور وفات تک یہی معمول رہا۔ باوجود کاروباری آدمی ہونے کے دین کو صحیح معنوں

---

[1] جموں کے مذکورہ چاروں اصحاب کے حالات محترم ماسٹر محمد ابراہیم صاحب سابق ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ کے مرقومہ حالات کے مطابق ہیں جو خاکسار کی خواہش پر انہوں نے لکھ بھیجے۔

میں دنیا پر مقدم رکھتے تھے۔ تبلیغ کا بڑا شوق تھا۔ گفتگو نہایت مؤثر و مدلّل ہوا کرتی تھی۔ انہوں نے بڑے بڑے غیر جماعت علماء اور آریوں سے کامیاب مقابلے کئے اور غیر مبائعین نے فیصلہ کیا تھا کہ ان سے گفتگو نہ کی جائے۔ ابتداء میں جموں کی جماعت کے قیام میں ان کا بڑا حصّہ ہے۔

کاروبار کے سلسلہ میں اکثر حکام سے واسطہ پڑتا تھا اس سے حکام اور عوام میں جماعت احمدیہ کا اثر و رسوخ اور وقار بھی ان کے ذریعہ خاصا تھا۔ احمدیوں کی خدمت کرتے تھے۔ کامیاب کاریگر تھے اور یہاں تک ہاتھ سے کام کرنے میں ترقی کی کہ جموں کی ریاست میں فرنیچر کا بہترین کارخانہ بنانے کا موجب ہوئے۔ اپنے کام میں اتنے ماہر تھے کہ خود مہاراجہ کشمیر جن کے ہاں وہ کاریگری کے نمونے بھیجتے رہتے تھے انکی کاریگری کے قائل تھے اور اپنی ذاتی استعمال کی اشیاء انہی کے کارخانے سے بنواتے۔ سرینگر کشمیر میں کارخانہ اور بلڈنگ بنانے کے بعد مقدمات سے بھی واسطہ پڑا مگر کامیابی سے مقابلہ کرتے رہے۔ صاحب کشف و رؤیا تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی خواب میں کر چکے تھے۔ ۲ اور ۳ ستمبر کی درمیانی رات کو ۷۵ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ آخری ایام میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس بہشت کا میوہ پڑا ہے اور کسی کو آم دیتے تھے اور کسی کو آڑو۔ ایک روز فرمایا کہ دیکھو بہشت کا دروازہ کھل چکا ہے اور میرا اور ایک اور پرانے صحابی کا نام لکھا گیا ہے۔ خدا کا کرنا بھی ایسا ہوا کہ آپ اور آپکے خسر حضرت خلیفہ نور الدین رضؓ صحابی نے ایک ہی روز وفات پائی۔ اور دونوں بزرگ پہلو بہ پہلو قطعۂ خاص میں مدفون ہوئے۔[۵۱]

حضرت مولوی محبوب عالم رضی اللہ عنہ | آپ گجرات کے علاقہ سے کشمیر میں آئے تھے۔ بیعت کرکے احمدیت کے پُرجوش مبلغ بن گئے۔ درس و تدریس کا مشغلہ رکھتے تھے۔ احمدیت قبول کرنے کے بعد آپ کے کئی شاگرد احمدی ہوئے اور علاقہ پونچھ میں آپ کی وعظ و تبلیغ سے بعض جماعتیں قائم ہوگئیں۔ وجیہہ، بارعب اور دلیر آدمی تھے۔

قبول احمدیت | آپ کہا کرتے تھے اب مصلح ربانی کی آمد کا وقت ہے۔ امام مہدی کو آ ہی جانا چاہیئے۔ اسی خیال میں مستغرق تھے کہ رؤیا میں دیکھا۔ مسیح موعود اور مہدیٔ معہود کا ظہور ہو چکا ہے۔ ازاں بعد تلاش و تحقیق کی غرض سے روانہ ہوئے اور اپنے استاد حضرت احمد دین صاحب رضؓ اور حضرت مولانا برہان الدین صاحب رضؓ جہلمی سے ملاقی ہوئے تو معلوم ہوا کہ ہر دو بزرگ

۵۱۔ الفضل ۱۱ ستمبر (دتبوک) ۱۹۴۳ء ص ۵ و ۶

داخلِ احمدیت ہو چکے ہیں۔ فرمایا، آپ نے عجلت سے کام لیا ہے، باہم مشورہ سے قرآن و حدیث کی علامات کے مطابق شناخت کر کے اکٹھے ہی قدم اٹھانا چاہیئے تھا۔ انہوں نے کہا ہم تو قبول کر چکے ہیں۔ آپ علامات کے مطابق پرکھ لیں۔ اُن دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ آپ لاہور روانہ ہوئے اور پھر دستی طور بیعت کر کے واپس لوٹے۔ موثق و معتبر روایات کے مطابق آپ کی دستی بیعت اوائل ۱۸۹۷ء کی ہے لیکن ۱۹۰۶ء کی فہرست بیعت کنندگان میں بھی آپکا نام درج ہے۔

آپکا صبر و استقلال قبولِ احمدیت کے بعد جب واپس لوٹے تو کفر کا فتویٰ لگ چکا تھا۔ چاروں طرف سے مخالفت کی آندھیاں اٹھیں۔ نہایت ہی خطرناک مشکلات اور مصائب کا سامنا ہوا مگر انہوں نے ان سب تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور حق کی منادی کرتے ہوئے آگے سے آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور پائے ثبات میں ذرہ بھر بھی لغزش نہ آئی۔ مخالفت اور بائیکاٹ کی وجہ سے ان ایام میں بعض دفعہ پن چکیوں سے آٹا پسوائے بغیر دانے ہی لیکر لوٹتے تھے۔ ہر طرح سے ستائے گئے، گندی سے گندی گالیاں بھی سنیں مگر ارشادِ مسیح موعود علیہ السلام ع گالیاں سُن کر دعا دو، پا کے دُکھ آرام دو" کے مطابق دعاؤں پر ہی زور دینا اپنا معمول رکھا۔

ایک دفعہ کوٹلی کی ایک مسجد میں نماز کے لئے تشریف لائے تو دھکے دیکر باہر نکال دیئے گئے اب یہاں نہ اُن کا کوئی مونس تھا اور نہ ہمدرد۔ دوستی کا دم بھرنے والے بھی بوجہ فتوئ کفر مجبور محض تھے۔ رات بھر ایک چبوترے پر سجدہ ریز رہے۔ کرم دین کھوکھر آپ کی تبلیغ سے متاثر ہوئے جو بعد میں احمدی ہو گئے۔

جس بستی میں آپ قیام فرما تھے وہاں انہیں سخت اذیتیں پہنچائی گئیں اور بالآخر وہاں سے نکال دیئے گئے اگلی بستی میں بھی ویسا ہی سلوک ہوا۔ غرض جہاں بھی جاتے نہایت ہی تکلیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا کہیں چشموں پر سے پانی لینے سے روک دیا جاتا، کہیں پتھراؤ کیا جاتا۔ آپ کی عبادت و ریاضت اور تعلق باللہ کی وجہ سے بعض لوگ آپ کو ولی اللہ بھی کہتے تھے۔

شوقِ تبلیغ آپ کو تبلیغ حق کا بہت شوق تھا۔ ہمیشہ یہ تڑپ رہتی تھی کہ جس حق و صداقت کو انہوں نے قبول کیا دوسرے اس سے محروم نہ رہیں۔ آپ کے ذریعہ سے ریاست کشمیر کے اضلاع پونچھ اور میرپور میں متعدد احمدی جماعتیں قائم ہوئیں۔ مناظر بھی تھے اور متعدد مناظرات کئے۔ آپ بڑے عالی حوصلہ اور دلیر انسان تھے کسی سے خائف اور مرعوب نہ ہوتے تھے کسی جابر سے جابر سخت گیر سے سخت گیر حاکم کے سامنے بھی حق بات کہنے میں ہچکچاہٹ اور باک محسوس نہ کرتے تھے

معیت الٰہی آپ اکثر رات کی تاریکیوں میں تبلیغ حق کے لئے سفر اختیار کرتے تھے اور قریہ قریہ گھوم پھر کے فریضۂ تبلیغ اسلام بجالاتے۔ ایک دفعہ ایک شاگرد نے کہا کہ آپ تنہا اس پُرخطر و مہیب جنگل میں رات کو سفر کرتے ہیں۔ آپ کا وجود بڑا قیمتی ہے۔ بغرض حفاظت آئندہ میں ساتھ رہا کرونگا۔ آپ نے فرمایا۔ میرے ساتھ میرا اللہ ہے وہ ہر آن میرا محافظ و ناصر ہے۔

وفات آپ کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات کی خبر بھی بہت پہلے دے دی تھی۔ چنانچہ آپ کو الہام ہوا "لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ" آپ نے یہ الہام بہت سے دوستوں کو سُنایا اور کہا کہ اب آسمانی آقا سے ملاقی ہونے کا وقت آگیا ہے ۱۹۲۳ء کے جلسہ سالانہ پر قادیان تشریف لے گئے اور جانے سے قبل گھر میں ایک رقعہ لکھکر چھوڑ گئے کہ خدا حافظ۔ اب دوبارہ ملاقات ممکن نہیں۔

جلسہ سالانہ میں شرکت کے بعد اپنے آبائی وطن چک پیرانہ ضلع گجرات میں تشریف لائے۔ اور معمولی سی علالت کے بعد ۴ جنوری ۱۹۲۴ء کو وفات پاگئے۔[۵]

حضرت حکیم مولوی نظام الدین صاحب رضی اللہ عنہ

آپ ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۲ء میں بذریعہ خط بیعت کی جبکہ آپ کے استاد نے بیعت کی تحریک کی۔ اُسی سال قادیان جاکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات کی۔ قادیان سے واپس آنے کے بعد پولیس میں ملازمت اختیار کرلی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب لاہور میں ۱۹۰۸ء میں وفات پاگئے اُسوقت آپ لاہور میں متعین تھے۔ آپ نے حضورؑ کے جنازہ میں شرکت کے لئے اپنے افسر اعلیٰ سے رخصت طلب کی۔ اس نے رخصت نہ دی۔ پھر رخصت طلب کی پھر اُس نے انکار کردیا جس پر آپ نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور قادیان جاکر حضورؑ کے جنازہ میں شرکت کی۔

پھر آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ قادیان سے لاہور آکر طبیہ کالج میں داخلہ لے لیا۔ کچھ عرصہ یہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مستقل طور پر قادیان میں رہائش اختیار کرلی اور حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ سے بھی طب کا کچھ علم حاصل کیا

۱۹۱۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی وفات کے بعد حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ حضور نے آپ کو لائل پور کے علاقہ میں تبلیغ کے لئے بھیجا۔ اور پھر دھرم کوٹ بگہ اور زیرہ میں تبلیغ کا موقعہ ملا۔ اس کے بعد آپ کو مستقل طور پر اعزازی مبلغ بنا کر

۵ حالات مرقومہ عبدالوہاب شاہد مربی سلسلہ بنام خاکسار مورخہ ۱۴/۴/۶۹

ریاست جموں و کشمیر میں بھیج دیا گیا۔ جہاں آپ نے ۱۴ سال کے طویل عرصہ تک تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیا۔ آپ نے ایک کتاب "المسیح الموعود والمہدی المسعود علیہ السلام" نامی بھی ۱۹۳۲ء میں لکھی جو چار ہزار کی تعداد میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد قادیان واپس آ گئے اور حکمت کی دوکان کرتے رہے۔ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے بیگم کوٹ شاہدرہ میں آ کر رہائش اختیار کر لی۔ ۱۹۶۶ء کے آخر میں ربوہ چلے آئے۔ یہاں پر ڈیڑھ سال قیام کرنے کے بعد ۷ر جنوری ۱۹۶۸ء بعمر ۸۳ سال انتقال کر گئے۔ آپ نے اپنے پیچھے دو لڑکے دو لڑکیاں چار پوتے چھ پوتیاں آٹھ نواسے دو نواسیاں چھوڑی ہیں[1]

حضرت مولوی محمد سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ

آپ موضع گھنڈی ضلع مظفر آباد (کشمیر) میں ۱۹۴۷ء سے بانوے (۹۲) سال قبل پیدا ہوئے۔ آپ کا شجرۂ نسب شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ اس خاندان کی شاخیں ریاست جموں و کشمیر، علاقہ ہزارہ اور پنجاب میں پھیلی ہوئی ہیں۔ آپ کے والد علم دوست آدمی تھے۔ ذرا بڑے ہوئے تو علم کے شوق میں پشاور، لاہور، سہارنپور اور دیوبند وغیرہ مقامات سے مختلف علوم کی تحصیل کی۔ آپ نے طالبعلمی کے زمانہ ہی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بابت سُنا تھا۔ جب حضور لاہور تشریف لائے تو وہاں ملاقات کی کافی جستجو کی مگر نہ مخالفین آپ کی قیام گاہ کا پتہ بتاتے تھے اور نہ احتیاط کی بنا پر احمدی۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل مولانا نور الدین رضی اللہ عنہ سے ملتے رہتے تھے اور دعا کرتے رہتے کہ اے اللہ! میری رہنمائی فرما کہ مرزا صاحب کا دعویٰ سچا ہے یا نہیں۔ چنانچہ آپ نے متعدد خواب دیکھے جن میں آپ پر حضورؑ کے دعویٰ کی سچائی کھل گئی اور آپ کو یقین ہو گیا کہ مسیح و مہدی آپ ہی ہیں۔ چنانچہ ایبٹ آباد میں آپ ایک دینی مدرسہ میں ملازم تھے تو وہیں بیعت کرنے کا ارادہ کر لیا اور ملازمت سے بیعت سے قبل استعفیٰ دینا چاہا۔ اس بارہ میں آپ نے قادیان خط لکھ کر معلوم کیا کہ میرا شرح صدر ہو چکا ہے اور مَیں بیعت سے قبل ملازمت سے استعفیٰ دینا چاہتا ہوں کیونکہ بیعت کے بعد مخالفین کی طرف سے برخاستگی مجھے ناپسند ہے۔ مگر قادیان سے جواب ملا کہ آپ ملازمت سے استعفیٰ نہ دیں اور فوری طور پر بیعت کا اعلان کر دیں۔ جب تک منتظمین مدرسہ خود آپ کو برخاست نہ کریں۔ آپ کام کرتے رہیں۔ جب آپکو یہ خط ملا تو آپ نماز ظہر پڑھ کر دعا مانگ رہے تھے۔ اسی وقت بیعت کا

---

[1] الفضل ۶ر (فتح) دسمبر ۱۹۶۸ء ربوہ ص۵

اعلان کر دیا اور شاگردوں اور مقتدیوں کو کہہ دیا کہ میری بیعت کی قبولیت کا خط قادیان سے آگیا ہے اور آج سے میں احمدی ہوں۔ چاہیں تو میرے پیچھے نماز پڑھیں اور چاہیں تو نہ پڑھیں۔ یہ ۱۹۰۱ء کے لگ بھگ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد سارے شہر میں شور پڑ گیا اور انجمن نے آپ کو مجبور ہو کر ملازمت سے برخواست کر دیا۔ ابھی آپ ایبٹ آباد سے جانے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ پشاور سے آپ کو ایک پادری صاحب کی طرف سے عربی پڑھانے کے لئے ملازمت کی پیشکش آئی۔ چنانچہ آپ یہیں سے پشاور پہنچے اور پادری صاحب کو قرآن مجید پڑھانا شروع کیا۔ پھر آپ کچھ عرصہ کے بعد قادیان آئے اور حضور علیہ السلام نے آپ کو قادیان ہی میں ٹھہرایا۔ اور آپ یہیں رہنے لگے اور سلسلہ کی گرانقدر خدمات بجا لاتے رہے۔

آپ کے قتل کی سازش اور خدائی انتقام | بیعت کر لینے کے بعد آپ کی زبردست مخالفت شروع ہوئی مگر نیک لوگوں کی مخالفت کا جو برا انجام ہوتا ہے وہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ علاقہ کھوڑی (مظفرآباد) کے ایک رئیس خواجہ رفیع جُو نامی نے اپنے علاقہ میں احمدیوں اور غیر احمدیوں میں مباحثہ کا انتظام کیا۔ وہ بڑا مالدار آدمی تھا اور علاقہ کے سلطان کو بھی اُس کا دست نگر رہنا پڑتا تھا۔ اُس نے حضرت مولوی سرور شاہ صاحب کے والد سید محمد حسن شاہ صاحب کو بھی اپنا ہمنوا بنا کر مباحثہ سے قبل مولوی صاحب موصوفؓ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ سید محمد حسن شاہ اپنے علاقہ کے قاضی تھے انہوں نے حامی بھر لی کیونکہ وہ بھی احمدیت کے سخت مخالف تھے اور کہا کہ میں اس کی تائید میں کھڑا نہ ہونگا چنانچہ فتح جُو نے اس سازش کو کامیاب بنانے کے لئے ایک بہت بڑی رقم مظفرآباد کی پولیس کو دینی ٹھہرائی تاکہ مولوی صاحبؓ کو قتل کر دیا جائے اور پولیس دخل انداز نہ ہو۔ وہ یہ رقم ادا کرنے کے لئے مظفرآباد جا کر اپنی لڑکی کے ہاں ٹھہرا۔ صبح رمضان المبارک کی یکم تاریخ تھی اور مباحثہ ہونا تھا خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ رات کو وہ جس کمرے میں سویا اُسی رات مر گیا اور صبح کمرے کا دروازہ کھولا گیا تو مرا ہوا پایا گیا۔ یہ مباحثہ صبح مولوی صاحبؓ کے والد استاد مولوی محمد حسین پسر عبدالستار ساکن گمٹی ضلع مظفرآباد سے قرار پایا تھا۔ اُدھر سلطان[1] صاحب کھوڑی اور فتح جُو کا بیٹا محمد جُو اور مولوی محمد حسین اور سامعین اور حضرت مولوی سرور شاہ صاحبؓ اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ فتح جو آئے اور مباحثہ شروع کیا جائے۔ اتنے میں خبر آئی کہ فتح جُو مر گیا۔ سب حیران و پریشان ہوئے۔ سلطان صاحب محمد جُو کو مجمع میں سے پکڑ کر ایک طرف لے گئے اور کہا کہ تمہارے باپ نے

---

[1] ابتداء میں مظفرآباد میں انہی کی حکومت تھی اس لئے انہیں اب تک سلطان ہی کہتے ہیں۔

ایک شخص کو مروانے کا منصوبہ بنایا تھا مگر اللہ تعالےٰ نے اس سے قبل ہی اُسے مار دیا۔ اور حضرت مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ سب شرارت اکرم خاں کی ہے جو سید محمد حسن شاہ کے رشتہ دار بھی تھے اس نے اکسایا تھا۔ محمد جو کو اس منصوبہ کا علم تھا سلطان صاحب کی بات سُن کر اُس کا رنگ فق ہو گیا اور کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اِسطرح اللہ تعالیٰ نے قاتل کو نہ صرف ناکام بنایا بلکہ خاص تصرف کے تحت اُسی کو مار ڈالا اور سازش کو خاک میں ملا دیا۔ اِس واقعہ سے علاقہ کے لوگوں پر احمدیت کی سچائی کا رُعب اور اثر چھا گیا۔

خود سید محمد حسن شاہ جو حضرت مولوی محمد سرور شاہ صاحبؓ کے والد اور مخالف اور اپنے بیٹے کے قتل کی سازش میں شریک تھے قادیان گئے اور وہاں بیعت کر کے احمدی ہو گئے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کر کے صحابہ میں شامل ہونے کی سعادت ملی۔

سلاطین کھوڑی میں سے سلطان رحمت اللہ خان نے احمدیت قبول کی۔ سید محمد حسن شاہ صاحب ۱۹۱۰ء میں اسی سال کی عمر میں وفات پا کر گھنڈی (مظفر آباد) میں دفن ہوئے۔ اُن کے پانچ بیٹے تھے (۱) سید حسن شاہ (۲) سید محمد صادق شاہ (۳) سید محمد سرور شاہ (۴) سید غلام حسین شاہ (۵) سید حبیب اللہ شاہ۔ اوّل الذکر کے سوا سب احمدی ہو گئے تھے۔ سید صادق شاہ لُدرون کشمیر کے رہنے والے تھے۔ مولوی محمد سرور شاہؓ کشمیر گئے اور انہیں تبلیغ کی تو وہ احمدی ہو گئے۔ اور خلافتِ ثانیہ کے عہد میں ایک دفعہ قادیان بھی آئے تھے۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کشمیر جاتے تو ملنے کے لئے آجاتے۔ ملک صلاح الدین مؤلف "اصحاب احمد" حضرت مولوی سرور شاہؓ کے بیان کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت نہ کر پائے تھے۔[۱] ۱۹۴۲ء تک ... میں لُدرون میں فوت ہوئے اور وہیں اُن کی قبر ہے۔

حضرت سید محمد سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ قادیان میں بعمر ۹۰ سال ۱۹۴۷ء میں فوت ہوئے اور وہیں بہشتی مقبرہ میں دفن ہیں۔ آپ کے دو بیٹے ہیں (۱) ناصر شاہ صاحب جو اپنے آبائی گاؤں گھنڈی پیراں (مظفر آباد) میں قیام پذیر ہیں۔ (۲) دوسرے بیٹے سید مبارک شاہ صاحب ہیں جو ربوہ میں صدر انجمن احمدیہ کے کارکن ہیں

سید غلام حسین شاہ کے ایک بیٹے سید محمد امین گیلانی تھے جو آزاد کشمیر حکومت میں وزیر بھی رہ چکے ہیں۔ اب چند سال ہوئے فوت ہو گئے۔ انکے دو بیٹے سجاد حسین شاہ اور ارشد ہیں۔

---

[۱] اصحاب احمدؓ جلد پنجم ص۲۱۔

سید حبیب اللہ شاہ صاحب نے قادیان جاکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بیعت کی تھی اور حضرت مولوی نور الدین رضی اللہ عنہ سے طب پڑھتے رہے۔ اُن کی اولاد ایک لڑکا سید عبد العزیز اور ایک لڑکی تھی۔ ۱۹۴۳ء کے قریب موضع گھنڈی میں فوت ہو گئے۔ افسوس ہے غیر مبائعین میں شامل ہو گئے تھے۔

آپ کا بلند مقام اور خدمات | حضرت مولوی محمد سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کا بلند مقام اس سے ظاہر ہے کہ (۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خداداد فراست سے آپ کے نیک فطرت ہونے کی گواہی دی اور آپ کو فیضان خداوندی کے قابل ہونے کی بشارت دی (۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نمائندہ کی حیثیت سے آپ نے ۱۹۰۲ء میں بمقام مُدّ مولوی ثناء اللہ امرتسری سے مباحثہ کیا جس کا حضور علیہ السلام نے اپنے اعجازی قصیدے مندرجہ "اعجاز احمدی" میں منظوم عربی میں ذکر فرمایا ہے۔ آپ اس مباحثہ میں بطل جلیل اور کامیاب مناظر ثابت ہوئے اور حضورؑ نے تحریر فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو رُوحِ امین سے قوت دی اور حضورؑ نے آپ کو غزانے والا شیر قرار دیا۔ (۳) آپ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ آپ کی اقتداء میں حضرت مسیح و مہدی موعود علیہ السلام نے نمازیں اور جمعے ادا فرمائے۔ (۴) حضرت اقدس علیہ السلام کے عہد مبارک ہی میں آپ کی تفسیر رسالہ "تعلیم الاسلام" اور پھر رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اردو) میں شائع ہونی شروع ہوئی اور پھر خلافت اولیٰ کے دوران میں بھی شائع ہوتی رہی۔ (۵) حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ بھی آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ (۶) حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سفر پر جاتے ہوئے بالعموم آپ کو امام الصلوٰۃ اور بعض دفعہ امیر جماعت بھی مقرر فرماتے تھے (۷) آپ کا بہترین کارنامہ یہ تھا کہ آپ عرصہ دراز تک بطور سیکرٹری بہشتی مقبرہ رہے اور وصایا کے صیغہ کا اہتمام و انتظام کیا (۸) آپ ایک عرصہ تک مدرسہ احمدیہ کے ہیڈ ماسٹر پھر جامعہ احمدیہ کے پرنسپل اور تادفات سلسلہ احمدیہ کے مفتی رہے (۹) حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ کے فرزند مرحوم میاں عبد الحی صاحب رضؓ آپ کے داماد تھے (۱۰) آپ کے نواسے سید داؤد مظفر (خلف حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب برادر نسبتی سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ) سیدنا حضرت ممدوح سے شرف دامادی رکھتے ہیں اور سیدنا حضرت ممدوح کے ایک اور برادر نسبتی محمد سعید آف جدّہ حضرت مولوی صاحبؓ سے دامادی کا تعلق رکھتے تھے ۔[1]

---

[1] بحوالہ "اصحاب احمد" جلد پنجم از ملک صلاح الدین مطبوعہ ۱۹۵۸ء۔ ملک صاحب نے "سیرت سرورؓ" کے نام سے حضور میں حضرت مولوی صاحب کی زندگی کے مفصل حالات لکھے ہیں۔ تفصیلات کے طالب ان کا مطالعہ فرمائیں۔

حضرت مولوی محمد حسین صاحب رضی اللہ عنہ

آپ فروری ۱۸۹۳ء میں بٹالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صحابی تھے۔ آپ نے بھی ۱۹۰۱ء/۱۹۰۲ء میں بیعت کر کے مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کی۔ اس کے بعد قادیان میں ہی رہے۔

۱۹۲۳ء میں آپ مبلغ کی حیثیت سے ملکانہ میں گئے اور چھ سال تبلیغ کرنے کے بعد واپس قادیان آئے۔ ۱۹۳۳ء کے آغاز میں آپ پونچھ (کشمیر) میں مبلغ مقرر ہوئے اور اس علاقہ میں آپ نے ۱۹۴۷ء تک کام کیا۔ کشمیر میں بھی آپ نے دورے کئے۔ مقامی مولویوں، پیروں اور پنجاب سے بلوائے گئے مولویوں سے بیسیوں مناظرے کئے۔ پنجاب کے مولویوں میں سے قابل ذکر مولوی ابراہیم سیالکوٹی۔ عبداللہ معمار۔ لال حسین اختر۔ احمد دین گکھڑوی، نور الحسن گرجاکھی، عبدالقادر واسمٰعیل روپڑی اور عنایت اللہ شاہ گجراتی وغیرہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہر جگہ کامیابی دی اور جماعتوں میں ترقی ہوتی گئی۔ متعدد جگہ نئی جماعتیں قائم ہوئیں۔ ۱۴ سال علاقہ میں کام کر کے ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں واپس قادیان آئے۔ بھدرواہ کشتواڑ۔ اسلام آباد۔ سرینگر۔ چناد۔ پونچھ۔ مہنڈر۔ سوران۔ راجوری وغیرہ کے تمام علاقوں میں آپ نے کام کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۶ سال ہے اور ربوہ میں مقیم ہیں۔ آپ کے پانچ لڑکے اور سات لڑکیاں ہیں۔

حضرت قاضی محمد اکبر صاحب رضی اللہ عنہ

حضرت قاضی صاحب رضی اللہ عنہ آٹھ بھائی تھے اور آپ کی ایک بہن روشن بی بی تھیں جو سب کے سب احمدیت کے نور سے منور ہوئے۔ آپ کے بھائیوں کے نام یہ ہیں۔ میاں محمد عبداللہ صاحب۔ میاں عبدالرحمٰن صاحب۔ مولوی عبدالواحد صاحب۔ میاں غضنفر علی صاحب۔ مولوی حیات علی صاحب۔ مولوی عطاء اللہ صاحب اور مولوی ثناء اللہ صاحب۔ سب بھائی اور بہن نیک پرہیزگار اور تقویٰ کی راہوں پر چلنے والے تھے۔ مولوی حیات علی کے سوا سب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی ہی میں بیعت کی سعادت حاصل کی۔ مولوی صاحب موصوف چونکہ دوسرے بھائیوں سے الگ پنجاب میں مولویوں کے زیر اثر رہے اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں بیعت کی سعادت سے محروم رہے۔ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانہ میں بیعت کر کے جماعت میں شامل ہوئے۔

حضرت قاضی صاحب رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش احمدیت ہونے سے قبل اہل حدیث تھے۔

حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمی رضؓ سے مراسم قائم تھے - اپنے علاقہ کے امام تھے - علاقہ کے لوگوں کی دینی تعلیم اور تدریس میں مشغول تھے کہ کسوف وخسوف کا نشان آسمان پر ظاہر ہوا - آپ اِس امر سے پہلے ہی آگاہ تھے کہ امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا زمانہ قریب ہے - کسوف وخسوف کے عظیم الشان نشان کے ظاہر ہونے پر اپنے طلباء اور حلقۂ احباب میں تذکرہ ہونے لگا - بشیر احمد صاحب ثاقب جو حضرت قاضی صاحبؓ کے پوتے ہیں ۱۹۶۵ء میں ہجرت کر کے پاکستان آئے ہیں اور آجکل مجلس خدام الاحمدیہ گوجرانوالہ کے ناظم وقار عمل ہیں ان کا بیان ہے کہ :- میں نے میاں منگا صاحبؓ سے سُنا ہے کہ ہم قاضی صاحبؓ سے پڑھتے تھے کہ سورج اور چاند گرہن کا نشان رمضان میں ظاہر ہوا تو قاضی صاحبؓ نے فرمایا کہ امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا اہم نشان تو ظاہر ہو گیا ہے - ہمیں اُن کی تلاش کرنی چاہیئے -

اُن ایام میں چار کوٹ کے لوگ سودا سلف خریدنے جہلم بھی آیا کرتے تھے - محترم قاضی صاحبؓ نے جہلم آنے والے احباب کے سپرد یہ کام بھی کیا کہ حضرت مولوی برہان الدین رضی اللہ عنہ سے ملاقات کریں اور اُن سے پُوچھ کر آئیں کہ کسوف وخسوف کا نشان تو پورا ہو گیا ہے آپ امام مہدی علیہ السلام کے بارہ میں ہماری راہنمائی فرمائیں - چنانچہ وہ لوگ حضرت مولوی صاحبؓ سے ملے - حضرت مولوی صاحبؓ نے چند کُتب اور ایک خط حضرت قاضی صاحبؓ کی طرف بھجوایا - خط اور کُتب کی وصولی سے قبل آپ نے رؤیا میں دیکھا کہ کسی نے آپ کو تین کتابیں پڑھنے کے لئے دی ہیں - اُن میں سے پہلی کتاب پڑھنے کے لئے آپ نے کھولی تو اُس کے اندر گند بھرا ہوا ہے اور بدبُو آ رہی ہے - اِس پر آپ نے وہ کتاب پھینک دی - پھر دو کتابوں کو دیکھا کہ اُن سے نُور کے شعلے نکل رہے ہیں - حضرت مولوی برہان الدین رضی اللہ عنہ کی بھجوائی ہوئی کُتب کی وصولی پر آپ کا رؤیا اسطرح پورا ہو گیا کہ حضرت مولوی صاحبؓ نے جو کُتب آپ کو بھجوائیں اُن میں ایک کتاب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی کی تردید کے متعلق تھی - آپ نے پہلے اُسی کو پڑھنا شروع کیا - جب اُس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق دلآزار الفاظ دیکھے تو اس کا پڑھنا ترک کر دیا - اس کے بعد دوسری دو کُتب اور خط پڑھے تو انہیں اپنی رؤیا کے عین مطابق پایا اور آپ کو تحقیقات کی مزید تحریک ہوئی - چنانچہ آپ نے تحقیق کے لئے تین افراد پر مشتمل وفد قادیان بھجوایا جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں - مولوی عبدالواحد رضی اللہ عنہ - میاں غلام قادر رضی اللہ عنہ اور میاں دیوان علی رضی اللہ عنہ - تینوں نے قادیان پہنچکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کی سعادت حاصل کی -

؎ ان کا ذکر آگے آئیگا -

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جب یہ وفد بٹالہ پہنچا تو مولوی محمد حسین بٹالوی نے انہیں روک لیا۔ کچھ خاطر و مدارات بھی کی اور کہا آپ لوگ خواہ مخواہ کئی دنوں کے پیدل سفر کی تکالیف برداشت کر کے قادیان جاتے ہیں۔ آپ چونکہ دُور دراز علاقوں کے رہنے والے ہیں اس لئے آپ کو صحیح علم نہیں ہے۔ مرزا صاحب کا سارا کاروبار جھوٹا ہے اسلئے آپ لوگ واپس چلے جائیں چنانچہ مولوی صاحب انہیں واپس کرنے کے لئے شہر سے باہر تک اُن کے ساتھ گئے۔ مگر اُن سے رخصت ہونے کے بعد یہ بزرگ واپس ہونے کی بجائے قادیان پہنچ گئے۔

یہ تینوں بزرگ بیعت کرنے کے بعد قادیان میں کچھ عرصہ قیام کر کے چارکوٹ واپس پہنچے اور تمام حالات بیان کئے اور کچھ لٹریچر بھی ساتھ لائے۔ اِس کے بعد حضرت قاضی صاحبؓ نے پہلے تحریری بیعت کی اور پھر جلدی قادیان پہنچکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ روایات کے مطابق اِن بزرگوں کے سنہ بیعت کا صحیح اندازہ لگانا تو مشکل ہے لیکن حضرت قاضی صاحبؓ کا علاماتِ ظہور مہدی سے باخبر ہونا کسوف و خسوف کے نشان پر تذکرہ اور تلاش کیلئے فکر مند ہونے سے ظاہر ہے کہ اِس نشان کے ظہور سے جلد ہی بعد آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ چونکہ کسوف و خسوف کا نشان اپریل ۱۸۹۴ء میں ظاہر ہوا اسلئے غالب خیال ہے کہ آپ نے سنہ ۱۸۹۴ء/۱۸۹۵ء یا اس سے متصل سالوں میں بیعت کی ہے۔ واللہ اعلم

کچھ عرصہ قادیان میں قیام کے بعد واپس چارکوٹ پہنچکر درس و تدریس اور اپنے علاقہ میں تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ شروع میں آپ کے اور دیگر ابتدائی احمدیوں کے خلاف مخالفت کا طوفان بدتمیزی اٹھا۔ احمدیوں کا بائیکاٹ کیا گیا۔ احمدیوں کو ستانے اور تکالیف پہنچانے کے مختلف حربے استعمال کئے گئے۔ علماء سے کفر کے فتوے منگوائے گئے۔ مناظرے ہوئے۔ بعض دوستوں کی روایت ہے کہ اِسی مخالفت کے زمانہ میں امان علی صاحب جو گاؤں میں دنیوی اثر و رسوخ رکھتے تھے احمدیوں کی تائید میں مخالفین کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور خود بھی بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گئے۔ آپ کی جماعت میں شمولیت کے بعد مخالفت میں کافی حد تک کمی ہو گئی حضرت قاضی صاحبؓ کے تقویٰ اور علم کا پہلے ہی علاقہ کے عوام پر اثر تھا۔ اس کے ساتھ احمدیوں کی باہمی محبت اور اتفاق و اتحاد کے باعث جلدی بائیکاٹ ختم ہو گیا۔ کفر کے فتوے ناکام ہوئے اور حضرت قاضی صاحبؓ کی قیادت میں نہ صرف چارکوٹ کی جماعت نے ترقی کی بلکہ آپ کے ذریعہ رہتال۔ بڈھانوں اور

کوٹلی کالابن کی جماعتیں بھی قائم ہوئیں اور اردگرد کے علاقہ میں احمدیت کی خوب تبلیغ ہوئی۔

حضرت قاضی صاحب رضی اللہ عنہ کئی بار قادیان تشریف لے جاتے رہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں رہ کر فیوض و برکات حاصل کیں۔ بہت سے اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔ اور تقوٰی کا اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔

سلام کا رواج علاقہ میں اسلامی تعلیم سے بے خبری کے باعث السلام علیکم کہنے کا طریق نہ تھا۔ آپ نے اپنے زیر اثر ہر گھر کے فرد کو السلام علیکم کہنے کا پابند بنایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اَفْشُوا السَّلَامَ کے مطابق آپ نے اپنے علاقہ میں اچھی طرح سلام کو رواج دیا۔

پردہ کی پابندی جہاں ترقی یافتہ علاقوں میں پردہ کی پرواہ نہیں کی جاتی وہاں پسماندہ علاقوں میں بھی لوگ پردہ کو چنداں اہمیت نہیں دیتے۔ حضرت قاضی صاحب رضی اللہ عنہ ہمیشہ پردہ کی پابندی کی تحریک و تلقین کرتے رہتے۔ گھر میں نامحرم رشتہ داروں کی بھی بلا روک ٹوک آنے کی سخت ممانعت تھی۔ اس کے متعلق کبھی کوئی خامی دیکھتے تو سختی سے منع کرتے اور ناراضگی کا اظہار فرماتے آپ کی بچیوں کا بعض لوگ رشتہ لینے کے لئے آئے مگر گھر میں پردہ کی پابندی دیکھ کر انہیں رشتہ مانگنے کی ہمت ہی نہ ہوئی کہ قاضی صاحب پردہ کی پابندی بہت کرواتے ہیں ہمارے لئے اسقدر پابند ہونا مشکل ہے۔ آپ کے سارے بھائی بھی پردہ کی بہت پابندی کرواتے تھے۔ آپکے ایک بھائی میاں عبدالرحمٰن صاحب کے متعلق تو مشہور ہے کہ اگر کوئی نامحرم عورت سامنے آجاتی تو فوراً اپنا چہرہ چھپا لیتے۔

بدرسومات کے خلاف جہاد علاقہ کے لوگوں سے بدرسومات کے چھڑانے میں ہمیشہ کوشاں رہے آپ کی ان مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں وہاں کی جماعتوں کے افراد تمام بدرسومات سے دُور تھے۔ اپنا یہ حال تھا کہ غیر از جماعت افراد کی بیاہ و شادی، خوشی و غمی اور دیگر تقریبات جن میں بدرسومات بھی شامل ہوں کبھی شرکت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ایسی جگہوں سے کبھی گذر بھی ہو تو کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے۔

گالی سے نفرت اپنے زیر تربیت افراد کو گالی گلوچ سے بھی روکا کرتے۔ دیہات میں عام طور پر لوگ گالی دینے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے۔ آپ نے اس کی بھی اصلاح فرمائی۔ آپکی تربیت کے نتیجہ میں اکثر افراد نے گالی دینے کی عادت ترک کر دی۔ عدم تربیت کے باعث دیہات میں جانوروں کو بھی گالی دینے کا عام دستور ہے۔ راجوری کے علاقہ میں عام طور پر غصہ میں آکر لوگ

مویشیوں کو سؤر کہہ دیتے ہیں۔ آپ نے اس کی بھی اصلاح فرمائی اور بڑی شدت سے جانوروں پر اس لفظ کے استعمال سے منع کیا۔ ایک بار آپ نے ایک شخص کو اپنے بیل کو سؤر کہتے ہوئے سُنا آپ نے اُسے منع کیا اور سمجھایا کہ جس کو خدا اور اُس کے رسولؐ نے حلال قرار دیا ہے تم اُسے کیوں ایک پلید جانور کا نام دیتے ہو جسے اللہ اور رسولؐ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ وہ آپکی شان میں نامناسب الفاظ کہہ کر چلا گیا۔ گھر جاکر سخت بیمار ہو گیا۔ آپ کو علم ہُوا اُس کی عیادت کو گئے اور اُس کی مدد بھی کی۔ اُسے بھی اپنی غلطی کا احساس ہُوا اور آپ سے معافی کا خواستگار ہُوا اور اپنی اصلاح کا وعدہ کیا۔ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جس جانور کے متعلق آپ کو علم ہوتا کہ اسے سؤر کہا گیا ہے اُس کا دودھ یا گوشت آپ کو کبھی بھجوایا جاتا تو واپس کر دیتے۔

حسنِ سلوک ہر ایک سے برتاؤ بہت عمدہ تھا۔ کسی کی خامی آپ کے حسنِ سلوک میں مانع نہ تھی۔ بڑوں کا احترام اور بچوں پر شفقت آپ کا معمول تھا۔ بچوں کو مارنا آپکو سخت ناگوار تھا ماسٹر بشیر احمد صاحب نے بتایا کہ حضرت قاضی صاحبؓ نے بیعت سے قبل کسی کی زمین سے گذرتے ہوئے مٹر کے چند دانے کھا لئے تھے۔ بیعت کے بعد آپ نے اُس شخص کو ایک پٹھ (پانچ سیر) مٹر کی دال واپس کی اور اُس سے معذرت چاہی۔ اسی طرح محترم ماسٹر صاحب نے یہ بھی بتایا کہ بیعت سے پہلے آپ کو کسی کے گھر کے پاس سے گذرتے ہوئے ایک روپیہ ملا۔ آپنے اُسے استعمال کر لیا۔ لیکن بیعت کے بعد اُس شخص کو باصرار ایک بھیڑ دے جا کر دی اور اُس سے معذرت خواہ ہوئے۔ ہمہ وقت تبلیغ و تربیت کے جہاد میں مصروف رہتے تھے۔ چارکوٹ میں ہی آپ نے وفات پائی۔ مسجد احمدیہ چارکوٹ (جو آپ نے ہی بنوائی تھی) کے صحن میں مدفون ہیں۔

حضرت مولوی عبدالواحد رضی اللہ عنہ آپ اُس وفد کے تین ممبران میں سے ہیں جو حضرت قاضی صاحب رضی اللہ عنہ نے کسوف وخسوف کا نشان ظاہر ہونے پر تحقیق کے لئے قادیان بھیجا تھا۔ آپ حضرت قاضی صاحبؓ کے بھائی بھی ہیں۔ نیکی اور تقویٰ کی راہوں پر قدم مارنے والے بزرگوں میں سے تھے۔

ماسٹر بشیر احمد صاحب حال گرمولا ورکاں ضلع گوجرانوالہ بیان کرتے ہیں کہ چند سال ہوئے کہ خاکسار اپنے کسی کام کے لئے لاہور گیا۔ دہلی دروازہ کی مسجد میں بعد نماز ایک معمر دوست سے ملاقات ہوئی اُنہوں نے دیکھ کر فرمایا کہ مولوی عطاء اللہ صاحب اور مولوی ثناء اللہ صاحب سے آپکا کیا تعلق ہے۔ مَیں نے جواب دیا کہ مولوی عطاء اللہ صاحب میرے والد ماجد تھے اور مولوی ثناء اللہ صاحب

میرے چچا تھے۔ انہوں نے کہا کہ میرے، اُن سے اچھے مراسم تھے۔ وہ دونوں نیک اور متقی انسان تھے اُن کے ایک بھائی مولوی عبد الواحدؒ تو ولی اللہ تھے۔ وہ ہمارے گاؤں میں ایک عرصہ تک مدت امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں۔ بڑی خوش الحانی سے قرآن کریم پڑھتے تھے۔ امامت کا انہوں نے کبھی معاوضہ نہیں لیا بلکہ مختلف چیزیں فروخت کر کے اپنا خرچ چلاتے تھے۔ ایک دفعہ کپڑے کی ایک پوٹلی سی ایلومنیم کے ایک چھوٹے سے برتن میں ڈال کر اور کپڑے میں لپیٹ کر ہمارے مویشی خانہ کی چھت میں رکھدی اور فرمایا کہ مَیں کچھ عرصہ کے لئے جا رہا ہوں۔ یہ میری امانت ہے لیکن مَیں اِسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ کچھ عرصہ بعد اُن کی وہ چیز مویشی خانہ کی صفائی کے دوران خاکروبہ کو نیچے پڑی ہوئی ملی۔ اُس نے پھر وہیں اٹھا کر رکھ دی۔ اور اس کی اطلاع ہمیں بھی دی۔ آخر مولوی صاحبؒ کافی مدت کے بعد واپس آئے اور امانت طلب کی۔ ہم نے کہا جہاں آپ رکھ گئے تھے وہاں دیکھ لیں۔ چنانچہ انہوں نے چھت میں سے وہ چیز لی اور اسے ہمارے سامنے کھولا تو اس میں ایک سو روپیہ کے قریب رقم تھی۔ ہم نے کہا۔ مولوی صاحب آپ نے یہ کیا کیا؟ آپ ہمیں بتا تو دیتے کہ اِس میں رقم ہے۔ اگر کسی طریق سے ضائع ہو جاتی تو نقصان ہو جاتا۔ انہوں نے فرمایا۔ مَیں نے تو آپ کو بطور اطلاع بتا دیا تھا کہ یہ میری امانت ہے۔ دراصل مَیں یہ رقم اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے گیا تھا۔

اِسی طرح اُسی دوست نے یہ بھی بتایا کہ ایک دفعہ مولوی صاحب موصوفؒ کو ہم نے دیکھا کہ اُن کا ہاتھ زخمی ہے اور پٹی بندھی ہوئی ہے۔ ہم نے بہت پوچھا کہ آپ کو یہ کیا ہوا ہے وہ بتاتے نہیں تھے۔ ہمیں کسی دوسرے ذریعہ سے علم ہو گیا کہ تبلیغ کے دوران آپ کو گاؤں کے ایک بااثر زمیندار نے مارا ہے جس کی وجہ سے آپ زخمی ہو گئے ہیں۔ چند دن بعد اُسی زمیندار کے کپاس کے ذخیرہ میں آگ لگنے سے ہزاروں روپیہ کی روئی جل گئی۔ ہم سمجھ گئے کہ مولوی صاحب کو تکلیف پہنچانے کے عوض اللہ تعالیٰ نے اُسے سزا دی ہے۔

اُسی دوست نے یہ بھی بتایا کہ ہم جلسہ سالانہ کے موقعہ پر قادیان گئے۔ مولوی صاحبؒ بھی ہمراہ تھے۔ جلسہ کے بعد واپسی کا پروگرام بنا تو مولوی صاحب سے بھی عرض کی کہ اب جلسہ ختم ہو گیا ہے۔ واپس چلنا چاہیئے۔ فرمانے لگے۔ آپ جائیں خدا حافظ! ہمارے ایک نوجوان کے متعلق فرمایا کہ اِسے میرے پاس چھوڑ جائیں۔ تین دن کے بعد آپ کے پاس پہنچ جائیگا۔ ہم آپ کا احترام کرتے تھے اِس لئے اس نوجوان کو ہم آپ کے پاس چھوڑ آئے جسکا آپنے نام لیا تھا

بعد میں ہمیں علم ہؤا کہ تیسرے دن آپ کی وفات ہوگئی۔ اور وہ نوجوان آپ کی تجہیز و تکفین کے بعد واپس گاؤں آگیا۔ آپ قادیان میں مدفون ہیں۔

حضرت میاں غلام قادر رضی اللہ عنہ

آپ اُس وفد کے ممبر تھے جو حضرت قاضی صاحب رضؓ نے قادیان بھجوایا تھا۔ نماز باجماعت اور تہجد کے پابند تھے۔ آواز بلند تھی۔ اذان شوق سے دیتے۔ رمضان المبارک میں قرب وجوار کے گاؤں کے لوگ آپ کی اذان پر سحری کھانا بند کرتے اور روزہ افطار کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالی وسعت بخشی تھی۔ بہت سے غریبوں اور یتیموں کی پرورش اور اُن کی شادی و بیاہ کا خرچ برداشت کیا۔ مہمان نوازی میں ممتاز تھے۔ قریباً روزانہ مہمانوں کی آمد و رفت رہتی۔ بعض اوقات پندرہ پندرہ بیس بیس مہمان ہوتے۔ بڑی بشاشت کے ساتھ اُن کی خدمت کرتے اور اُن کے آرام کا خیال رکھتے۔ راجوری شہر میں جماعت کے جلسوں کا اکثر خرچ برداشت کرتے۔ خلافت احمدیہ کے عاشقوں میں سے تھے۔ ایک دفعہ تجویز پیش ہوئی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کشمیر آئے ہیں انہیں راجوری آنے کی دعوت دی جائے تا ہمارا علاقہ بھی آپ کی برکات سے فیوض حاصل کرے۔ اخراجات کے سوال پر آپ نے دو بھینسیں پیش کیں کہ انہیں بیچ کر حضورؓ کے آنے کے اخراجات پورے کئے جائیں۔ ناموافق حالات کے باعث اس تجویز پر عمل نہ ہوسکا مگر اس واقعہ سے آپ کی خلافت سے وابستگی اور اس کے لئے قربانی کے جذبے کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ نومبر ۱۹۴۶ء میں مانسر کیمپ ضلع کیمبل پور بحالتِ ہجرت فوت ہوکر وہیں مدفون ہوئے۔

حضرت مولوی ثناء اللہ صاحب رضؓ

آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریری بیعت کرکے جماعت احمدیہ میں شامل ہوچکے تھے مگر ۱۹۰۸ء میں پہلی بار قادیان تشریف لے گئے۔ فرمایا کرتے تھے۔ جب بٹالہ صبح کے وقت پہنچا تو معلوم ہؤا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بٹالہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ قیام گاہ کا پتہ کرکے ملاقات و زیارت کی تمنا لے کر پہنچا تو معلوم ہؤا کہ حضورؑ لاہور جانے کے لئے سفر کی تیاری میں مصروف ہیں اسلئے اب ملاقات نہیں ہوسکتی۔ بعض دوستوں کے کہنے کے مطابق میں قادیان چلا گیا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اُسی سفر لاہور میں وصال ہوگیا۔ جب جسدِ مبارک قادیان لایا گیا تو آپؑ کا چہرہ مبارک دیکھا۔ جنازہ اور تدفین کے کام میں شریک ہؤا۔ اِس کے بعد حسرت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ زندگی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ملاقات و زیارت میری قسمت میں نہ تھی۔ کاش میں

لاہور چلا جاتا تو زندگی میں آپ کی ملاقات نصیب ہو جاتی۔

آپ نے دینی تعلیم قادیان میں حاصل کی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کی شاگردی اختیار کر کے طبّ میں مہارت حاصل کی۔ اپنے علاقہ میں کامیاب معالج تھے۔ دُور دراز سے لوگ آپ کے پاس علاج کے لئے آیا کرتے تھے۔ غرباء کا علاج مفت کرتے تھے۔ تبلیغ کا آپ کو ایک جنون تھا۔ ہر قوم اور طبقہ میں بے دھڑک تبلیغ کے لئے جاتے اور پیغام احمدیت پہنچاتے۔ آپکی کوشش سے کئی لوگ احمدیت میں داخل ہوئے۔ جماعت بڈھانوں کے عرصہ تک صدر رہے۔ جماعت کی تعلیم و تربیت اور نظام سلسلہ کی پابندی کرانے کی کوشش کرتے رہے۔ درس و تدریس کا سلسلہ باقاعدہ جاری رکھتے۔ خود بھی موصی تھے اور دوسروں کو بھی وصیت کرنے کی تحریک کرتے رہتے اور مالی قربانیاں بھی کرتے رہتے۔ صوفی منش اور مہمان نواز تھے۔ آپ کی اولاد نہیں تھی۔ جنوری ۱۹۵۹ء میں اپنے گاؤں بڈھانوں میں وفات پا گئے۔

حضرت مولوی عطاء اللہ صاحب رضی اللہ عنہ

آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ تبلیغ کے شیدائی اور بزرگانہ خوبیوں کے مالک تھے۔ قرآن مجید سے پیار تھا۔ دن رات تلاوت کرتے رہتے۔ چارکوٹ میں مدرسہ آپکی قربانیوں کا نتیجہ تھا۔ مساجد کی آبادی میں کوشاں رہتے۔ تہجد کے پابند تھے۔ بُری رسوم کے خلاف جدوجہد میں سرگرم رہتے تھے۔ مالی قربانیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے۔ قادیان سے بھی محبت تھی۔ جلسہ پر آتے تو کئی کئی ماہ قیام کر کے واپس جاتے اور قادیان کے بزرگوں سے استفادہ کرتے۔ آپ نے اپنی ہمشیرہ کے لڑکے بشیر احمد کو بھی دینی تعلیم کی غرض سے قادیان بھیجا۔ جہاں اس نے تعلیم حاصل کی اور چارکوٹ میں آ کر مدرس بن گئے۔ جہاں احمدیہ سکول قائم کیا گیا۔ بڈھانوں تحصیل راجوری ریاست جموں میں رہتے تھے جہاں ۲۳ر اپریل ۱۹۴۵ء کو وفات پا گئے۔ آپ کی اولاد یہ ہے (۱) ماسٹر بشیر احمد (۲) نذیر احمد (۳) رفیق احمد۔ مؤخر الذکر دونوں فوت ہو چکے ہیں۔ اوّل الذکر نے چارکوٹ کے مدرسہ تعلیم الاسلام سکول میں جانفشانی سے کام کیا[1]۔

---

[1] چارکوٹ تحصیل راجوری کے مذکورہ چاروں اصحاب کے حالات معلوم کرنے کے لئے خاکسار راقم الحروف کی درخواست کے مطابق مکرم راجہ خورشید احمد منیر صاحب مربی سلسلہ نے گوجرانوالہ جا کر ان کے رشتہ داروں اور متعلقین سے ملاقات کی جن میں محترمہ سائرہ بیگم بنت قاضی محمد اکبر صاحب رضی اللہ عنہ۔ میاں بشیر احمد ابن میاں سخی احمد اور ماسٹر بشیر احمد صاحب گرمولا ورکاں ضلع گوجرانوالہ قابل ذکر ہیں۔ اُن سے جو حالات آپ کو معلوم ہوئے آپ نے مجھے تحریر کر کے بھیجے جو مناسب ترمیم کے ساتھ درج کئے گئے ہیں۔

حضرت مدد خان رضی اللہ عنہ

آپ کے والد کا نام راجہ فتح محمد خان تھا۔ آپ کے آباء و اجداد اصل میں چکار علاقہ کرناہ ضلع مظفر آباد کے رہنے والے کھکھ راجپوت قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ راجہ شیر احمد خان والیٔ کرناہ کے خاندان سے تھے جن کی لڑائی مہاراجہ پرتاب سنگھ سے ہوئی تھی مگر یہ لڑائی کامیاب نہ ہوئی اور آخر نظر بند کر دیئے گئے۔ مہاراجہ نے سیاست سے کام لے کر امن قائم کرنے کے لئے ان کو جاگیریں دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس خاندان کو باڑی پورہ کشمیر میں گذارہ کے لئے جاگیریں دے دی گئیں جن پر اب تک قابض چلے آ رہے ہیں۔

راجہ شیر احمد خان کے بیٹے راجہ عطا محمد خان رضی اللہ عنہ باڑی پورہ میں پہلے مبائع تھے اور حضرت راجہ مدد خان رضؓ جو اُن کے خاندان سے تھے اُن کے اور غلام حیدر خانؓ کے زیر اثر نوجوانی ہی کے عالم میں بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ یہ ۱۸۹۶ء ۱۸۹۷ء کا ذکر ہے[۱]۔ انجام ۱۸۹۸ء کے مبایعین میں ان کا نام درج ہے۔ آپ قادیان آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ قادیان میں قیام کے دوران آپ پہلے نواب محمد علی خان صاحبؓ کی ملازمت میں رہے اور قادیان والے مکان نواب صاحب قریب مسجد مبارک کے ایک حصے میں رہتے تھے۔ پہلی دو بیویاں یکے بعد دیگرے فوت ہو گئیں۔ دوسری بیوی حافظ احمد اللہ صاحب مرحوم و مغفور کی دختر کلثوم صاحبہ تھیں۔ اسکے بعد آپ بیت المال قادیان میں انسپکٹر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۹۰۰ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کی۔ آپ کی زیارت اور قادیان میں قیام کی وجوہات بھی دلچسپ ہیں۔ آپ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مجھے اپنے وطن کشمیر میں رمضان المبارک کے مہینے میں خواہش پیدا ہوئی کہ ایک دفعہ میں قادیان جا کر روزے رکھوں اور عید کی نماز پڑھ کر پھر اپنی ملازمت پر جاؤں۔ اُن دنوں نیا نیا ہی میں فوج میں جمعدار بھرتی ہوا تھا۔ تمنا یہ تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت ہو جائے اور چہرہ دیکھنے کا شرف حاصل کروں اور دوبارہ دستی بیعت بھی کر لوں۔ ان تمناؤں کے ساتھ جونہی میں قادیان پہنچا اور قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چہرہ پر نظر پڑی تو ایک لخت دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر مجھ کو ساری ریاست کشمیر بھی مل جائے تو بھی قادیان چھوڑ کر باہر نہ جاؤں۔ یہ محض آپکی کشش تھی جو مجھے غیر شعوری طور پر کھینچ رہی تھی۔ آپ کو دیکھتے دیکھتے میں سب کچھ بھول گیا۔ یہاں تک

[۱] ریویو آف ریلیجنز جنوری ۱۹۳۵ء۔

کہ فیصلہ کر لیا کہ میں قادیان سے نہیں جاؤنگا بلکہ یہیں قیام کرونگا۔ اگرچہ مجھے ہزار روپیہ بھی تنخواہ مل جائے اور یہ خیال بھی کیا کہ نہ معلوم کب موت آجائیگی حضور میرا جنازہ پڑھیں تو بس میرے لئے کافی ہے۔ قادیان میں قیام کے دوران میں ہر روز دعا کا رقعہ لکھ کر حضورؑ کے گھر میں بھجواتا تھا۔ میں یہ بھی سوچتا تھا کہ کہیں حضورؑ اس سے ناراض ہی نہ ہو جائیں۔ مگر ایک دفعہ رقعہ پر لکھ کر بھیجا کہ آپ نے بہت اچھا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ تم دعا کے لئے لکھتے ہو تو میں بھی دعا کرتا رہتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کریگا۔ آپ نے اشارہ فرمایا کہ رشتہ بھی ہو جائیگا فکر نہ کریں۔ چنانچہ حضورؑ نے میرا خیال رکھا اور دو ماہ تک ہی میرا رشتہ بھی ہو گیا۔ مجھ پر جب بھی غم یا پریشانی وارد ہوتی تو آپ کے چہرہ پر نظر ڈالتے ہی سب غم اور پریشانیاں دور ہو جاتیں[1]۔ آپ اپنی وفات تک قادیان میں رہے اور حضورؑ کی خدمت کا موقعہ ملا۔ آپ تبلیغ بھی کرتے رہتے تھے۔ صابر و شاکر انسان تھے۔ اپنی کل جائیداد وقف کر دی تھی۔

۵ ر جنوری ۱۹۰۸ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک رؤیا دیکھا جو حضرت مدد خان صاحب رضی اللہ عنہ کے ذریعہ پورا ہوا۔ اور وہ رؤیا یوں ہے۔ حضورؑ نے فرمایا۔

"مرحوم امیر خان کی بیوہ جس دن اُس کا خاوند فوت ہوا میں نے دیکھا اُس کی بیوہ کی پیشانی پر ۵ یا ۶ یا ۷ کا عدد لکھا ہوا ہے۔ میں نے وہ مٹا دیا اور اُس کی جگہ اُس کی پیشانی پر ۶ کا عدد لکھ دیا ہے۔" (تذکرہ صفحہ ۷۴۹)

تذکرہ میں[2] اس رؤیا کی تشریح یوں کی گئی کہ امیر خان صاحب رضی اللہ عنہ مرحوم پیر منظور محمد صاحب موجد قاعدہ یسرنا القرآن کی بیوی کے رشتہ میں بھائی تھے جن کے ساتھ محمد اکبر خان صاحب مرحوم ساکن سنور (پٹیالہ) کی دختر اصغری بیگم بیاہی گئی تھی۔ اُن کی وفات کے بعد اصغری بیگم صاحبہ حضرت میاں مدد خان صاحب رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مذکورہ بشارت کے ماتحت اُن کے چھ بچے زندہ موجود ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) محمد عبد اللہ صاحب (۲) محمد یعقوب صاحب (۳) محمد داؤد صاحب۔
(۴) محمد الیاس صاحب (۵) زینب (۶) عائشہ۔

ان میں سے محمد یعقوب صاحب خلافت لائبریری ربوہ کے لائبریرین ہیں۔ آپکی وفات ۱۲ ر ستمبر ۱۹۴۴ء مطابق ۲۳ ر رمضان ۱۳۶۳ھ قادیان میں ہوئی اور قطعہ خاص صحابہ میں بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے۔

---

[1] رجسٹر روایات صحابہ (قلمی) جس میں آپکی بعض روایات درج ہیں۔ [2] تذکرہ صفحہ ۷۴۹

حضرت میاں سانولا صاحب رضؓ

میاں سانولا رضؓ پٹھانہ تیر تحصیل مینڈھر ضلع پونچھ کے رہنے والے تھے۔ آپ کی قبولِ احمدیت کا واقعہ یوں ہے کہ جہلم چھاؤنی میں ملازم تھے جبکہ شہرہ تھا کہ ایک شخص نے قادیان سے امام مہدی ہونیکا دعویٰ کیا ہے۔ علماء نے اُسپر کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ مگر وہ نیک اور عالم انسان ہے۔ انہوں نے سوچا کہ جب وہ نیک اور عالم ہے تو ضرور سچا ہو گا۔ اِسی فکر میں انہوں نے خواب دیکھی کہ آسمان سے میرے مُنہ کے آگے سورج گرا ہے۔ اُس کے چار ٹکڑے ہوئے ایک ٹکڑا مشرق دوسرا مغرب تیسرا جنوب اور چوتھا شمال کو گیا۔ وہ اِس خواب سے گھبرا کر اپنے استاد کے پاس چلے گئے جن سے قرآن مجید پڑھا کرتے تھے اور اپنی خواب بیان کی۔ اُستاد نے اس کی یہ تعبیر کی کہ آسمان سے ایک نبی آئیگا اور وہ دوبارہ قرآن اور اسلام کو زندہ کرے گا اور تمام روئے زمین پر اسلام پھیلائے گا۔ اے لڑکے تم خوش قسمت ہو۔ یہ نبی امام مہدی ہے جس نے آنا ہے اُن سے آپ کی ملاقات ہوگی۔ جب تیری اُن سے ملاقات ہو تو انہیں میرا اسلام کہنا۔ انہوں نے کہا استاد جی! جس نے قادیان سے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے ہو سکتا ہے کہ یہی سچے ہوں مگر استاد نے کہا۔ نہیں یہ جھوٹا ہے ابھی سچے امام مہدی نے اِس کے بعد آنا ہے۔ کچھ عرصہ بعد میاں سانولا صاحب بیمار ہو گئے اور جوڑوں میں درد ہو گیا۔ اتفاق سے کوئی احمدی ملا جس نے قادیان جا کر حکیم مولوی نورالدینؓ سے علاج کرانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ چار ماہ چھٹی لیکر قادیان میں رہے۔ جہاں علاج بھی کرایا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس بھی کرتے رہے۔ آپ نے دیکھا کہ جمعہ کے دن جب خطبہ دیتے ہیں تو ٹیوں پر ہاتھ مارتے اور زبان سے اڑ کر بولتے تھے۔ انہوں نے یہ امام مہدی کی علامت سُنی تھی۔ جب اُسے ہُو بہُو مرزا صاحب میں دیکھا تو آپ کی صداقت کا یقین آ گیا۔ مرزا صاحب جب مسجد مبارک میں رات کو نماز پڑھنے کے لئے آتے تو وہ بھی اُسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جاتے۔ انہوں نے دیکھا کہ آپ گھنٹے دو گھنٹے نماز میں کھڑے رہتے جب سجدہ میں جاتے تو دو گھنٹے سجدہ میں پڑے رہتے اور سجدہ کے وقت اُن سے ایسی آواز نکلتی جیسے اُبلتی ہوئی ہانڈی سے نکلتی ہے۔ سجدے کی جگہ روتے روتے تر ہو جاتی تھی۔ یہ دیکھ کر انہیں یقین آ گیا کہ یہ شخص سچا ہے۔ تب انہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دُعا کروا کر جب قادیان سے جہلم چھاؤنی میں ملازمت پر واپس آئے تو ظاہر کر دیا کہ امام مہدی علیہ السلام قادیان سے ظاہر ہو چکے ہیں۔ اتنی بات پر

سارے لوگ آپ کے مخالف ہو گئے اور آپ کو کافر کہنے لگے اور کہا اے پہاڑی تو مسلمان ہو جا ورنہ تمہیں سخت تکلیف ہو گی۔ آپ دعائیں کرنے کے لئے رات کو مسجد میں جاتے تو یہ مخالف اس پر یہ الزام دیتے کہ رات کو کسی بُرے کام کے لئے نکل جاتا ہے جس پر انہیں کوارٹر گارد میں رکھتے اور تکلیف دیتے۔ ایک دن صوبیدار میجر نے کہا کہ ابھی تو باز نہیں آیا۔ آج تو سمجھاتا ہوں کہ توبہ کر کل گولی مار دونگا۔ اس پر آپ ساری رات سجدہ میں رو رو کر دعائیں کرتے رہے کہ اے اللہ! میری دادرسی کر اگر میں مارا گیا تو بعد میں تیری مدد کس کام کی۔ دوسرے دن اللہ تعالیٰ نے کیا معجزہ دکھایا کہ اچانک دن کے بارہ بجے جب رائفلیں کوٹ میں جمع کی جا رہی تھیں کہ کسی سپاہی کی گولی اُس صوبیدار میجر کو لگی جس نے آپ کو گولی کا نشانہ بنانے کی دھمکی دی تھی اور اُس گولی سے ہی وہ مر گیا۔ جس پر آپ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے شر سے بچا لیا۔ پھر ایک اور صوبیدار میجر اُس کی جگہ آیا۔ اُس نے بھی انہیں دھمکی دی کہ توبہ کر ورنہ ملازمت سے نکال دونگا۔ انہوں نے پھر دعائیں کیں۔ چند دن میں صوبیدار میجر کو حکومت کا حکم ملا کہ دو گھنٹے کے اندر اندر بیوی بچوں سمیت بارہ میل سے باہر ہو جائے ورنہ معہ بال بچہ گولی کا نشانہ بنے گا۔ سو وہ بدنام ہو کر خود ملازمت سے نکل گیا۔

اُن کا اپنا بیان ہے کہ اس کے بعد مخالف میری عزت کرنے لگے اور مخالفت سے باز آگئے۔ وفات کا وقت آیا تو سب سے رخصت ہو کر قادیان گیا کہ میری وفات قریب ہے وہیں مروں گا۔ چنانچہ قادیان نور ہسپتال میں داخل ہوا اور وہاں ایک دن سجدہ کی حالت میں رُوح جسم سے پرواز کر گئی۔ اور قادیان ہی میں بہشتی مقبرہ کے سامنے دفن ہوئے[1]۔

مولوی محمد حسین صاحب مبلغ پونچھ کا بیان ہے کہ حضور کے زمانہ میں پٹھانہ تیر (پونچھ) سے میاں سانولا صاحبؓ پیدل چل کر قادیان پہنچے تھے۔ سردار دوست محمد صاحب (پٹھانہ تیر) حال کوٹلی آزاد کشمیر کا بیان ہے کہ آپ صوفی منش سادہ مزاج اور نیک انسان تھے۔ نمازوں کے اتنے پابند تھے کہ ہر وقت لوٹا اور مصلّیٰ (جائے نماز) اپنے ساتھ ساتھ رکھتے تھے اور قبلہ معلوم کرنے کے لئے قطب نما بھی پاس رکھا ہوا تھا۔ جہاں میدان یا جنگل میں نماز کا وقت ہو جاتا قطب نما سے قبلہ کا رُخ معلوم کر کے نماز ادا کرتے تھے۔

---

[1] یہ حالات میاں سانولا رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد ابراہیم صاحب نے پٹھانہ تیر (بھارت) سے خاکسار راقم الحروف کے نام لکھ کر بھیجے ہیں۔ جو اختصار سے درج کئے گئے (چٹھی مورخہ ۲۵ / اپریل ۱۹۶۹ء) ۔ مؤلف

بچے اور شریر لڑکے آپ کا بعض دفعہ تعاقب کرتے اور مرزائی کہہ کر پتھر مارتے۔ مگر آپ کوئی پرواہ نہ کرتے اور اپنے کام سے کام رکھتے۔ سردار صاحب موصوف کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ لڑکپن میں والدین سے پوچھا کہ میاں سانولا کو لوگ کیوں مارتے اور بُرا کہتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ قادیان میں مرزا نامی کوئی شخص ہے جس نے نبوت یا خدائی کا دعویٰ کر دیا ہے۔ میاں سانولا اُسی مرزا کو ماننے والا ہے اس لئے لوگ اُسے پیٹتے اور بُرا کہتے ہیں۔ یہ بات سُنکر میرے دل میں زبردست چوٹ لگی کہ لوگ کسقدر ظالم ہیں۔ مذہب کے معاملہ میں تو کسی پر جبر نہیں۔ خیال اپنا اپنا ضمیر اپنی اپنی۔ بیچارہ کسی کو کچھ نہیں کہتا۔ بے جا طور پر بے گناہ انکو لوگ مارتے اور بُرا کہتے ہیں۔ اُسی دن سے میں نے احمدیت کی تحقیقات شروع رکھی۔ یہانتک کہ لوگوں کے پروپیگنڈے سب بے جا اور غلط ثابت ہوئے حقیقت سے آگاہ ہو کر میں خود بھی بالآخر احمدی ہو گیا۔

حضرت سید سیف اللہ شاہ رضی اللہ عنہ

سید محمد شاہ سیفی نے اپنے والد ماجد حضرت سید سیف اللہ شاہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے خود نوشت حالات لکھ کر بھیجے ہیں جو درج ذیل ہیں :-

"(۱) میری پیدائش ۱۲۹۹ھ ہجری کے شروع میں ہوئی۔ بچپن سے ہی میری یہ آرزو تھی کہ مجھے کوئی ایسا کامل پیر ملے جو سب سے اعلیٰ پایہ کا ہو جس کے ذریعہ میں ہدایت پاؤں۔ بلکہ اِس آرزو کے پورا ہونے کے لئے میں بکثرت دُعائیں بھی کرتا تھا۔

(۲) غالباً ۱۲-۱۳ سال کی عمر تھی کہ خواب میں اپنے آپ کو یاڑی پورہ میں پایا (اُسوقت میں یاڑی پورہ سے ناآشنا تھا) خواب میں میں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ اور مجھ پر یہ ظاہر کیا گیا کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بروز اور خادم ہیں۔ (۳) میرے والد محترم سید اسد اللہ شاہ صاحب ہر سال پنجاب میں مریدوں کے پاس دورہ پر جایا کرتے تھے۔ واپسی پر پنجاب کے حالات بتاتے تھے۔ یہ بھی بیان کرتے تھے کہ پنجاب کے ایک قادیان نام گاؤں میں ایک شخص مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور آریوں اور عیسائیوں کو مناظروں میں لاجواب کرتے ہیں۔ کوئی شخص اُن کے ساتھ مناظرہ کرنے کی تاب نہیں لاتا۔ اور آپ مستجاب الدعوات بھی ہیں۔ اور پیشگوئیاں بھی بہت کرتے ہیں، جو پوری بھی ہوتی ہیں۔ پھر کہتے تھے کہ اگر ہم ان کو مسیح موعود نہ بھی مانیں لیکن وہ مجدد تو

ضرور ہیں۔ لوگوں نے کئی بار اُن سے پوچھا کہ اگر آپ کی رائے میں وہ مجدد ہیں تو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیوں کرتے ہیں مسیح تو آسمان سے نازل ہونگے۔ تو کہتے تھے شائد اس میں کوئی مصلحت ہوگی کیونکہ وہ ہر طرح سے اسلام کی تائید کرتے ہیں۔ اِن باتوں کا میرے دل پر اثر تھا۔ جب میری والدہ صاحبہ وفات پا گئیں تو مجھے والد صاحب اپنے ساتھ پنجاب لے گئے۔ وہاں مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متفرق ٹریکٹ ملے اور مَیں نے بغور ان کا مطالعہ کیا۔ اُن کے مطالعہ سے حضرت صاحب کے مسیح موعود اور مہدی مسعود ہونے کا مجھے پورا پورا یقین ہوگیا اور والد صاحب بھی مجھے کبھی کبھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابیں دیا کرتے تھے۔

(۵) باوجودیکہ میں ہر سال والد صاحب کے ساتھ پنجاب جایا کرتا تھا۔ لیکن بیعت کرنی میسر نہ ہوتی تھی۔ ہاں خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ کئی بار اپنے والد صاحب کو کہتا تھا کہ مجھے قادیان لے چلو میں بیعت کرونگا۔ لیکن وہ مجھے یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ ہمارا پیشہ پیری مریدی کا ہے۔ ہمارے لئے بڑی مصیبت ہوگی۔ پھر کبھی لے چلوں گا۔

(۶) میری والدہ صاحبہ کی وفات کے بعد میرے والد صاحب نے دوسری شادی کر لی۔ گھر میں ناچاقی ہوگئی تو میں سسرال کے ہاں جا رہا۔ اب مجھے والد صاحب کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہ رہی تو مَیں نے بیعت کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں خط روانہ کیا۔ غالباً یہ ۱۳۱۳ ہجری تھا۔

(۷) والد صاحب کی وفات کے بعد ماہ مئی ۱۹۰۸ء میں یہ خاکسار لاہور پہنچا۔ وہاں معلوم ہُوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان پر تشریف فرما ہیں تو مَیں وہاں گیا۔ وقت شائد دس بجے دن کا تھا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اندر تشریف فرما تھے۔ اُس وقت ایک انگریز مع بیوی اور چھوٹے لڑکے کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ملاقات کیلئے آیا تھا اور کہا کہ مَیں مرزا صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ حاضرین نے پوچھا کیا کام ہے۔ اُس نے کہا کہ مجھے وجود باری تعالیٰ کے متعلق کچھ سوالات ہیں مَیں نے یہاں ہندوستان کے مشہور ہندو مسلم عیسائی علماء سے یہ سوالات کئے ہیں مگر اب تک مجھے کسی جگہ تسلی نہیں ہوئی اور اب یہاں آیا ہوں۔ اُس کو کہا گیا کہ حضرت صاحب باہر تشریف لائیں گے۔ پھر مَیں دو بجے جو آیا تو معلوم ہُوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیٹھک کے مشرقی کمرے میں تشریف فرما ہیں اور اُسی انگریز کے ساتھ گفتگو فرما رہے ہیں۔ اُس کمرے کی کھڑکی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے

بالمقابل تھی ۔ ۔ ۔ ۔ اُس کھڑکی کا ایک شیشہ نہیں تھا۔جب میری نظر چہرہ مبارک پر پڑی تو مجھے یقین ہوگیا کہ حضور سچے ہیں۔

(۸) انگریز وجود باری تعالیٰ کے متعلق سوالات کرتا تھا اور خواجہ کمال الدین صاحب ان سوالات کا ترجمہ اردو میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سُناتے تھے اور حضرت مسیح موعودؑ جواب دیتے تھے اور خواجہ صاحب اُن جوابات کا انگریزی میں ترجمہ انگریز کو سُناتے تھے۔تقریباً ایک گھنٹہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کمرے میں ٹھہر کر باہر بیٹھک میں تشریف لائے۔

(۹) مَیں نے السلام علیکم عرض کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے السلام علیکم فرمایا تو مَیں نے عرض کیا کہ حضور! مَیں بیعت کرنی چاہتا ہوں۔حضور نے مجھے ذرا ٹھہرنے کا ارشاد فرمایا۔میں بیٹھ گیا۔اس وقت اس مجلس میں بہت سے اصحاب تھے۔چونکہ میں نووارد تھا اسلئے مَیں سب کے نام بتا نہیں سکتا۔لیکن جو یاد ہیں وہ یہ ہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ۔حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ۔قاضی اکمل صاحبؓ۔مفتی فضل الرحمٰن صاحب۔حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ۔عبدالحی عرب صاحبؓ۔حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ۔پھر مختلف باتوں پر بات چیت ہوتی رہی۔اُن دنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کتاب "پیغام صلح" تصنیف فرما رہے تھے۔ایک دوست نے عرض کیا۔اس کتاب کا کیا نام رکھا جائے تو فرمایا کہ مَیں نے نام رکھا ہُوا ہے "پیغامِ صلح"۔اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ بیعت کرنے والے آگے آجائیں تو میں اور دو آدمی بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ہم تینوں کے ہاتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دستِ مبارک میں لے کر بیعت لی اور دُعا فرمائی پھر عصر کی نماز ہوئی۔حضرت مولوی صاحب (خلیفۃ المسیح اوّلؓ) نے امامت کی۔پھر بعد نماز حضرت مسیح موعود علیہ السلام اندر تشریف لے گئے۔

(۱۰) دوسرے دن پھر وہی انگریز آیا اور بقیہ سوالات اُسی کمرے میں کئے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تمام سوالات کے جواب دیئے۔ہم نے بھی اس سے پوچھا تو اُس نے کہا کہ بس مجھے اطمینان ہوا۔آج تک کسی جگہ مَیں نے تسلّی نہ پائی تھی۔پھر جب جمعہ کا دن آیا نماز میں نے وہیں پڑھی۔حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے خطبہ پڑھا اور نماز پڑھائی۔اُن دنوں کئی بار مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ مصافحہ بھی کیا اور کچھ نذرانہ بھی حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔دوسرے دن وہاں سے رخصت ہو کر دو تین دن بعد ایک گاؤں

موضع پنڈی تتار متصل اسٹیشن کھاریاں ضلع گجرات پنجاب میں پہنچا تو وہاں معلوم ہوا حضرت مسیح موعود علیہ السلام وفات پا گئے جس سے میرے دل کو بہت صدمہ پہنچا لیکن مجبوری کی وجہ سے لاہور واپس نہ جا سکا۔"[1]

سید سیف اللہ شاہ صاحب ۲۶ جنوری ۱۹۵۷ء میں بعمر ۷۷ سال وفات پا گئے۔

آپکی اولاد میں سید یوسف شاہ[2]۔ سید محمد شاہ اور سید عبدالسلام ہیں[3]۔ علاوہ دو لڑکیاں بھی ہیں۔

حضرت قاضی فیروز الدین صاحب رضی اللہ عنہ ولد قاضی خیر الدین

آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر قادیان جا کر بیعت کی تھی۔ اور آپ نہایت مخلص احمدی ثابت ہوئے۔ آپ کا والد موضع گوئی کا امام دِہ تھا جس کی تمام اس علاقہ میں کافی عزت و منزلت تھی کیونکہ یہ اپنے آباؤ اجداد سے اس گاؤں کے امام چلے آتے تھے قاضی خیر الدین احمدیت کا شدید مخالف تھا اس لئے انہوں نے قاضی فیروز الدین کی بیعت کرنے پر سخت مخالفت کی۔ یہاں تک کہ آپ کو گھر سے نکال دیا اور تمام خاندان نے اُن سے بائیکاٹ کی اور جائیداد سے حصہ بھی نہ دیا۔ اور طرح طرح کی تکالیف دیں لیکن آپ نے اِن تمام مصائب و مشکلات کو صبر و استقامت سے برداشت کیا اور الگ گھر بنا کر رہائش اختیار کی۔ آپ پابند صوم و صلوٰۃ کے علاوہ تہجد گذار بھی تھے۔ عاشق قرآن تھے یہاں تک کہ آپ نے آخری عمر میں جبکہ آپ نے وفات پائی ایک ماہ میں دو دفعہ قرآن مجید ختم کیا۔ آپ خاندانِ مسیح موعودؑ اور علمائے سلسلہ سے گہری محبت رکھتے تھے۔ جب بھی کوئی مبلغ آتا تو اکثر اُن کو اپنے گھر بلاتے اور تبلیغ کرواتے تھے۔

قاضی فیروز الدینؓ دمہ کے شدید مریض تھے۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اپنی بیماری کا ذکر کر کے دُعا کی درخواست کی۔ حضورؑ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔ اِسکے بعد آپ کو شفا ہو گئی اور دمہ جاتا رہا۔ آپ اکثر اس واقعہ کا ذکر کرتے رہتے تھے کہ مسیح موعود علیہ السلام کی دُعا کی برکت سے میرا شدید دمہ جاتا رہا۔ آپ نے تقریبًا اسّی سال کی عمر میں وفات پائی اور گوئی میں اپنے خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے۔

مرنے سے قبل مولوی امام الدین صاحب کے پاس جا کر اپنے منذر خوابوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے کہ اب مجھے ان منذر خوابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جلد دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا اسلئے میرے لئے خیر کی دُعا کرتے رہیں۔ چنانچہ اس کے بعد وہ جلد ہی وفات پا گئے۔

---

[1] الفضل ربوہ ۱۲ اپریل ۱۹۵۹ء [2] آپ کشمیر میں دینی تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں اچھے شاعر بھی ہیں۔ آپ کی نظمیں سلسلہ کے اخبارات و رسائل میں شائع ہوتی رہتی ہیں [3] آپ صدر انجمن کے کارکن ہیں

آپ اپنے پیچھے دو لڑکے یادگار چھوڑ گئے۔ عبدالرحیم۔ عبدالعزیز۔ دونوں مخلص احمدی ہیں۔
عبدالرحیم کی اولاد یہ ہے۔ (۱) عبدالحکیم (۲) عبدالغنی (۳) عبدالحمید۔ ایک لڑکی بھی ہے۔
عبدالعزیز کے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ نظام الدین۔ محمد یعقوب۔ محمد امین۔ محمد یونس۔ محمد یوسف۔

حضرت خواجہ حفیظ الدین صاحب رضی اللہ عنہ

آپ کے والد کا نام بہادری تھا۔ موضع بہادر حسین نزد قادیان ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب) کے رہنے والے پرانے کشمیری تھے۔ ڈوگرہ عہد میں جب کشمیر میں قحط پڑا تو آپ کے والدین کشمیر سے پنجاب آئے۔ کشمیر کے پیر ہر سال اُن کے ہاں آیا کرتے تھے۔

آپ نے قادیان کے جلسہ سالانہ میں مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں دو دفعہ شرکت کی اور آپ کے ملفوظات سُنے۔ آپ بچپن ہی سے صوم و صلوٰۃ کے سخت پابند تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی خواجہ حبیب احمد کا کہنا ہے کہ جب سے مجھے ہوش ہے مَیں نے اپنے بھائی کو صوم و صلوٰۃ کا سخت پابند پایا ہے۔ ۱۹۴۷ء کی ہجرت کے ڈیڑھ سال قبل قادیان آ گئے تھے۔ ہجرت کے بعد باقی عمر ربوہ (پاکستان) میں بسر کی۔ باجماعت نماز کے اتنے پابند تھے کہ پانچوں وقت نماز میں شامل ہونے کے لئے مسجد جایا کرتے تھے۔ جب آخر عمر میں کمزور ہو گئے تو کہنے لگے کہ اب مجھ سے چلا نہیں جاتا اور مسجد جاتے جاتے سانس پھول جاتا ہے اس لئے میرا بستر مسجد ہی میں بھیج دیں تاکہ مَیں نماز باجماعت کے ثواب سے محروم نہ رہوں۔ آپ کے ارشاد کے مطابق ایسا ہی کیا گیا۔ اور خواجہ منظور احمد صاحب اُن کے پوتے جو آجکل نظارت اصلاح و ارشاد میں اکونٹینٹ ہیں ہر روز صبح و شام اُن کا کھانا لے کر مسجد جایا کرتے تھے۔ موصوف ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو ۸۸ سال کی عمر میں ربوہ میں فوت ہوئے اور بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے۔ خواجہ صاحب مرحوم کی اولاد صرف ایک لڑکا فقیر محمد تھا جو ۱۹۴۷ء میں فوت ہو گئے۔ اُن کی اولاد (۱) خواجہ نذیر احمد، خواجہ منظور احمد نذیراں بیگم اور حنیفہ بیگم ہیں۔

حضرت قاضی بہادر علی صاحب رضی اللہ عنہ

آپ بیعت کے بعد مخالفین میں گھرے رہے مگر احمدیت پر مضبوطی سے قائم رہے۔ آپ بہت حلیم الطبع اور شریف تھے اور مخالفین شدید معاند متعصب اور شریر تھے اسلئے استفادہ اور قبولِ احمدیت سے محروم رہے۔ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور احمدیت کے ذکر پر آپ پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ آپ کی نرینہ اولاد نہیں تھی

صرف دو لڑکیاں ہیں ایک خدیجہ قاضی عبدالرحیم ولد قاضی فیروز الدین رضی اللہ عنہ ساکن گوئی کے عقد میں ہے۔

مکرم مولوی اللہ دتہ صاحب

آپ نے مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ہی تحریری بیعت کی۔ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد خلافت اولیٰ کے عہد میں قادیان جاکر تجدید بیعت کی۔ آپ مولوی محبوب عالم رضی اللہ عنہ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ مخلص احمدی تھے۔ تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ خود بھی عالم اور اچھے مقرر تھے۔ اکثر جلسے کرواتے رہتے تھے اور دیہات میں پھر کر تقریریں کرتے اور کرواتے رہتے۔ مرکزی مبلغین کئی کئی ماہ تک اُن کے ہاں قیام کرتے تھے۔ مہمان نواز تھے۔ نہایت دلیر، بہادر اور غیور انسان تھے۔ اپنوں اور بیگانوں میں کافی عزت اور شہرت رکھتے تھے۔ علاقہ میں آپ کی قابلیت مسلّم تھی۔ آپ برادری کے مقدمات اور جماعتی تنازعوں کو نمٹاتے تھے۔ تہجد گزار تھے۔ مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ بلاناغہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہتے بڑے بڑے علماء کے ساتھ مناظرے کرتے اور کامیاب رہتے تھے۔ منکوٹ اور درہ شیر خان اور گوئی میں اکثر آپ کی تبلیغ سے احمدیت نے ترقی کی۔ خاندان مسیح موعود علیہ السلام اور ہر ایک احمدی سے محبت رکھتے تھے۔ غریب پرور اور ہمدردیٔ بنی نوع کا بہت خیال رکھتے تھے۔

۱۹۳۱ء میں آپ نے مسلمانوں کی بہتری کے لئے بہت کام کیا اور ہندوؤں کے جبر و استبداد سے مسلمانوں کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی جس کی بنا پر مخالفین نے حکومت کو اُن کے خلاف اُکسایا۔ اور شکایات کیں کہ آپ ہندوؤں کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ اِس پر بڈھ سنت رام سب جج پونچھ نے شرارت کر کے ڈوگرہ ملٹری کو آپ کی گرفتاری کے لئے متعین کیا۔ رات کے وقت ڈوگرہ ملٹری نے آپ کے گھر پر گرفتاری کی غرض سے چھاپہ مارا۔ آپ کو پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی اس لئے آپ معہ اہل و عیال نکل گئے تھے اور ملٹری آپ کو گرفتار نہ کر سکی۔ دوسری بار پھر چھاپہ مارا گیا مگر پھر بھی ملٹری ناکام رہی۔ پھر آپ دوسری جگہ گاؤں میں ایک اور گھر میں چلے گئے۔ اِس پر پولیس نے بہت سے آدمیوں کے ہمراہ رات کے وقت آپ کے گھر پر چھاپہ مارا اور آپ کو معہ سخی محمد جو آپ کا بھتیجا ہے گرفتار کر لیا اور کوٹلی لے جاکر حوالات میں بند کر دیا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے آپ کی تائید و نصرت کی۔ اور سب جج کوٹلی نے دوسرے ہی دن آپ کو اِس غرض سے ضمانت پر رہا کر دیا کہ آپ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد کرائیں اور اِس طرح آپ کا مقدمہ خود بخود ڈسمس ہو گیا۔

اُنہی دنوں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی ہدایات پر سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب مظلوم کشمیریوں کی اعانت کے لئے تشریف لائے۔ آپ کی آمد سے اور احمدی وکلاء

کی جدوجہد سے جو یہاں صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے بھجوائے تھے مظلوم کشمیریوں کی داد رسی ہوئی اور بہت سے قیدی رہا ہو گئے۔

مولوی اللہ دتہ صاحب مرحوم نے شاہ صاحب موصوف سے مل کر بڑو سنت رام کی شرارت کے سب واقعات سنائے۔ سب جج کوٹلی اور سب انسپکٹر پولیس تھانہ کو بلا کر شاہ صاحب نے سمجھایا کہ یہ ہمارے آدمی ہیں اور ان کے خلاف جھوٹے الزامات لگائے گئے ہیں اور یہ محض بڑو سنت رام کی بے جا شرارت ہے۔ شاہ صاحب راجہ پونچھ اور وزیر پونچھ سے کئی بار ملے اور انکو بڑو سنت رام کی شرارتوں سے مطلع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بڑو سنت رام کو ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ اور مولوی اللہ دتہ صاحب مرحوم کے مخالفین نے آپ کے گھر آ کر آپ سے معافیاں مانگیں۔ آپ نے فراخ دلی سے سب کو معاف کر دیا۔

چوّن ۵۴ برس کی عمر میں آپ بعارضہ درد جگر بیمار ہو گئے۔ جگر بڑھ گیا۔ آپ نے کافی علاج معالجہ کرایا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ بیماری بڑھتی چلی گئی۔ آپ بیماری کی حالت میں بھی نماز کے پابند تھے بیٹھے بیٹھے اور اشارے سے بھی نماز پڑھتے رہے۔ چونکہ آپ عاشق قرآن تھے اسلئے اپنے لڑکے امام الدین کو کہتے رہتے تھے کہ مجھے قرآن سناؤ اور قاضی فیروز الدین کو بلا کر بھی قرآن سنتے تھے آخر جس دن آپ فوت ہوئے وفات سے چند منٹ قبل کہا کہ وقت کیا ہے تاکہ نماز کا وقت چلا نہ جائے۔ وقت بتایا گیا۔ عصر کی نماز کا وقت تھا۔ آپ نے حالت نماز قائم کی اور غنودگی میں چلے گئے۔ منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ "آتے ہو تو آؤ" پوچھا گیا کون آتا ہے؟ تو انگلی کے اشارہ سے بتایا کہ "دو" یعنی دو آدمی آئے ہیں۔ معاً بعد جاں بحق ہو گئے۔

آپ نے وفات سے ایک دن قبل اپنے بیٹے امام الدین کو پاس بلا کر یہ وصیت کی کہ اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق قائم رکھنا اور آپس میں سب بھائی اتفاق و اتحاد سے زندگی بسر کرنا اور چھوٹے بھائی غلام رسول کی تعلیم کا بندوبست کرنا اور چھوٹی بچی کا خاص خیال رکھنا۔

آپ نے قریباً پچپن ۵۵ سال کی عمر میں وفات پائی اور اپنے خاندانی قبرستان بمقام سونا گلی مدفون ہیں۔ مرحوم کے پانچ بیٹے (۱) مولوی امام دین صاحب (۲) فیروز دین صاحب (۳) کیپٹن جمال دین صاحب (۴) صوبیدار غلام دین صاحب (۵) ماسٹر غلام رسول صاحب اور تین بیٹیاں۔ زینب۔ فاطمہ۔ رقیہ ہیں۔

مکرم چوہدری حیات بخش صاحب

آپ اپنے بیٹے مولوی اللہ دتہ صاحب کی تبلیغ سے احمدی ہوئے۔ مولوی اللہ دتہ مرحوم پہلے احمدی ہوئے تو

چوہدری حیات بخش احمدیت کی وجہ سے اپنے بیٹے کے سخت مخالف ہو گئے تھے۔ مولوی اللہ دتہ صاحب نے جب انہیں تبلیغ کی اور اپنے والد پر زور ڈالا کہ وہ احمدیت قبول کریں تو چوہدری صاحب نے جو حقہ پینے کے بہت عادی تھے کہا کہ اللہ تعالےٰ کے نبی اور ولی بڑی بڑی کرامتیں اور معجزے دکھاتے تھے۔ مرزا صاحب اگر سچے ہیں تو کوئی معجزہ دکھاؤ۔ مولوی اللہ دتہ صاحب نے کہا آپ کیا معجزہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ اگر آپ کے مرزا صاحب کی دُعا سے میرا حقہ چھوٹ جائے تو میں احمدی ہو جاؤنگا۔ اسپر مولوی اللہ دتہ صاحب نے کہا کہ یہ انبیاء کے پرکھنے کا کوئی معیار نہیں لیکن اُن کے والد نے زور دیا کہ میں یہی معجزہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ اسپر مولوی اللہ دتہ صاحب نے کہا کہ مسیح موعود علیہ السلام سچے ہیں اور یہی چیز آپ کے لئے معجزہ بن سکتی ہے۔ جس دن یہ باتیں ہوئیں اُسی روز چوہدری حیات بخش صاحب کو شدید بخار چڑھ گیا جو متواتر تین دن تک رہا اس کے بعد بخار اُترنے پر جب انہوں نے حقہ طلب کیا تو تمباکو ڈال کر حقہ پیش کیا جانے لگا جس پر انہوں نے شور مچانا شروع کیا کہ حقہ مجھ سے دُور کرو مجھے اس سے سخت تکلیف ہو رہی ہے میرا جگر باہر آنے لگا ہے۔ حقہ کی بدبُو مجھ سے اب برداشت نہیں ہو سکتی اس پر انہوں نے حقہ باہر نکال دیا لیکن پھر انہوں نے کہا کہ حقہ کو اس گھر سے ہی نکال دو مجھے بدستور بدبُو آرہی ہے۔ چنانچہ حقہ کو گھر سے نکال دیا گیا۔ اور ان کا حقہ چھوٹ گیا۔ اسی وقت چوہدری حیات بخش صاحب نے بیعت کر لی اور احمدیت میں داخل ہو گئے۔ آپ اکثر اپنی زندگی کا یہ واقعہ دوسروں کو سنایا کرتے۔

مکرم میاں منگا صاحب

آپ لوہار کہ متصل چار کوٹ کے رہنے والے تھے۔ احمدی ہونے سے قبل نیک اور تہجد گذار تھے۔ حضرت مولوی محمد حسین صاحب کا بیان ہے کہ میاں منگا صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ایک دن اپنی مسجد میں تہجد پڑھنے کے لئے آیا تو مجھ پر غنودگی طاری ہوئی جس میں میں نے غیب سے آواز سُنی "امام مہدی قادیان میں آئے ہیں" میں نے آس پاس اور اندر باہر دیکھا کہ یہ آواز کس نے دی۔ جب کوئی بھی نہ پایا تو یقین کر لیا کہ یہ آواز غیب سے آئی ہے۔ اس کے بعد مجھے قادیان جانے کا فکر ہوا۔ کیونکہ سُنتا تھا کہ قادیان میں مرزا غلام احمد قادیانی نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے قادیان میں پہنچا تو حضرت مرزا صاحب موصوف تو وفات پا چکے تھے مولانا حکیم نورالدین رض اُن کے جانشین تھے۔ چنانچہ میں نے پوری تسلی کر کے بالآخر بیعت کر لی۔ اور بیعت کر کے واپس گاؤں آیا جہاں میاں صلاح محمد صاحب نے اُن سے کہا کہ آپ نے مجھے کیوں اطلاع نہ دی میں بھی آپ کے ساتھ قادیان جاتا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے سوچا کہ دیر

نہ ہو جائے اسلئے میں اکیلا چلا گیا اور حضرت مرزا صاحب کو سچا پا کر بیعت کر لی ہے۔ آپ سوچ لیں۔

آپ بیعت کرنے کے بعد پہلے سے زیادہ متقی اور عبادت گذار بن گئے۔ سادہ اور حلیم الطبع انسان تھے۔ لوگوں میں اُن کے تقویٰ و طہارت کا اتنا چرچا ہو گیا کہ لوگ اکثر اُن سے دُعائیں کراتے تھے۔ غیر از جماعت لوگ بھی یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ وہ احمدی ہیں اُن سے دُعائیں کراتے رہتے تھے اور انکو مستجاب الدعوات سمجھتے۔ آپ نے لمبی عمر پائی اغلباً ایک سو بیس سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

مکرم میاں صلاح محمد صاحب دھوڑیاں

آپ کی پیدائش ۱۸۸۰ء یا ۱۸۸۱ء موضع سنگیوٹ تحصیل مہنڈر ضلع پونچھ میں ہوئی۔ آپ کا تعلق کشمیر کے مشہور خاندان "میر" سے ہے۔ آپ کے دادا بعض نامعلوم حالات کی بنا پر وادیٔ کشمیر سے ہجرت کر کے پونچھ میں آباد ہو گئے تھے۔ بچپن سے ہی آپ مذہب کی طرف راغب تھے۔ آپ کے والد نے آپ کو ایک معلّم کے سپرد کر دیا جس سے آپ نے قرآن کریم اور بعض مذہبی کتب پڑھیں اور دینی مسائل سے واقفیت حاصل کی۔ آپ کے بیٹے مکرم میر غلام احمد صاحب نسیمؔ کا بیان ہے کہ آپ قبول احمدیت کا واقعہ یوں بیان فرماتے تھے کہ بچپن میں ہم ایک کتاب "احوال الآخرت" پڑھا کرتے تھے۔ اُس میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کے چودھویں صدی میں ظہور کا ذکر تھا۔ نیز ظہور کے وقت کی علامات بھی مذکور تھیں۔ جب ۱۳۱۱ ہجری میں رمضان کے مہینہ میں سورج اور چاند گرہن کا نشان ظاہر ہوا تو ہمیں یقین ہو گیا کہ حضرت امام مہدی کا ظہور ہو چکا ہے۔ چنانچہ آپ اور آپکے ایک اور دوست مسمی میاں منگا صاحب لوہار کے والے نے تلاش و تحقیق شروع کر دی۔

مولوی محمد حسین رضؓ صاحب کا بیان ہے کہ میاں منگا صاحب کی بیعت کے بعد آپ نے بھی بیعت کر لی۔ تاحال سنہ بیعت حتمی طور پر معلوم نہیں ہو سکا۔ آپ کو خلافت ثانیہ کے عہد میں قادیان کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ مولوی محبوب عالم صاحبؓ جو ان سے قبل احمدی ہو چکے تھے اور اس علاقہ میں درس و تدریس اور تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا تھا آپ کا میل ملاپ اکثر اُن سے ہوتا جو آپ کی احمدیت میں پختگی اور تعلیم و تربیت میں ترقی کا موجب ہوا۔ جب آپ نے احمدیت قبول کی تو اپنے خاندان اور علاقہ میں مشہور ہو گیا کہ آپ نے نعوذ باللہ کوئی نیا مذہب اختیار کر لیا ہے۔ فتوے لئے گئے۔ اپنوں اور بے گانوں نے شدید مخالفت کرنی شروع کر دی۔ حتّٰی کہ آپ کے بھائیوں نے مجبور کر دیا کہ آپ اپنے گاؤں سے ہجرت کر جائیں۔ اِس عرصہ میں قاضی اکبر صاحب جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے کی تبلیغی مساعی سے اُن کی برادری کے اکثر لوگ احمدی

ہو چکے تھے اور چارکوٹ میں اچھی خاصی جماعت قائم ہو چکی تھی۔ آپ جھگڑے فساد سے تنگ آکر وہاں چلے گئے۔ اور قریباً سال بھر وہیں رہے۔ اِس سلسلہ میں آپ بیان کیا کرتے تھے کہ آپ کے بھائیوں نے فتویٰ حاصل کر لیا کہ نعوذ باللہ آپ دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں اور جو دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے اس کو وراثت میں حصّہ نہیں ملتا۔ بھائیوں نے اس سلسلہ میں کہا کہ نئے دین کو چھوڑ دو ورنہ ہم جدّی وراثت کا آپ کو حصّہ نہیں دیں گے۔ سلسلہ گفتگو بڑھتا گیا۔ انہوں نے اصرار کیا آپ نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ جس چیز کو مَیں نے حق اور خدا کی طرف سے سمجھ کر قبول کیا ہے اس سے کیسے دستبردار ہو سکتا ہوں۔ یہ مذہبی معاملہ ہے اس کا تعلق بلا واسطہ خدا سے ہے۔ اگر آپ جائیداد سے محروم کر دیں گے تو کوئی حرج نہیں میرا خدا زندہ ہے وہ کوئی اور صورت پیدا کر دیگا۔ اِس قسم کی باتیں سُنکر آپ کا ایک بھائی جوش میں آگیا اور آپکو دھکا دیا۔ آپ گر پڑے اور آپ کا سر دیوار کے ساتھ جا لگا۔ اتنی شدید چوٹ آئی کہ تین دن تک بے ہوش رہے۔ ہوش آنے پر آپکی والدہ نے مشورہ دیا کہ فی الحال گھر چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔ اِسی میں بہتری ہے۔ آپ نے اِس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے ہجرت کر لی۔ چونکہ آپ ذریعہ معاش سے محروم کر دیئے گئے تھے اس لئے آپ کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان ہی دنوں میں پونچھ کی حکومت کی طرف سے اعلان جاری ہوا کہ گورنمنٹ کچھ غیر آباد علاقوں کو آباد کرنے کے لئے مفت زمین مزارعین کو تقسیم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ آپ نے بھی درخواست دیدی۔ چنانچہ آپ کو ایک غیر آباد علاقہ میں کچھ زرعی زمین الاٹ ہو گئی۔ اب مشکل یہ تھی کہ آپ اُس کو بغیر ضروری سامان کے آباد نہیں کر سکتے تھے۔ علاقہ کے احمدی دوستوں نے ابتدائی ضروری سامان مہیا کر دیا جس کی مدد سے آپ اُس قطعہ زمین کو آباد کرنے کے قابل ہو گئے۔ اس طرح پر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے ذریعۂ معاش کا انتظام کر دیا اور آپ کے رشتہ داروں پر ثابت کر دیا کہ احمدیت کو قبول کرنیوالا شخص باوجود لوگوں کے ناروا سلوک کے ترقی ہی کرتا ہے۔

علاقہ پونچھ اور راجوری میں احمدیت کی تبلیغ اور اس کے خاطرخواہ نتائج میں آپ کی کوششوں کا خاصہ دخل ہے۔ ایک نڈر احمدی اور بغیر خوف کے حق کو ہر چھوٹے بڑے کے سامنے پیش کرنے کی وجہ سے علاقہ میں آپ کو خاص شہرت حاصل تھی۔ سلسلہ کی طرف سے جب بھی کوئی تحریک ہوتی سب سے پہلے اس میں حصہ لینے کی کوشش کرتے۔ تحریک جدید میں بھی حصہ لیا۔ خود موصی تھے دوسروں کو بھی وصیت کرنے کی ہمیشہ تلقین کیا کرتے تھے۔

خاندان میں اکیلے احمدی ہونے کی وجہ سے رشتہ ناطہ میں کبھی مشکلات پیش آئیں۔ مگر مشکلات کے باوجود غیر احمدیوں میں رشتہ نہیں کیا۔ نہ کسی کو رشتہ دیا۔ آپ علاقہ میں صادق القول مشہور تھے باوجود مذہبی مخالفت کے لوگ آپ کی سچائی کے قائل تھے یہاں تک کہ علاقہ کے حاکموں اور افسروں پر بھی آپ کی سچائی کا اثر تھا اور وہ کبھی آپ کے بیان پر فیصلہ سنا دیتے تھے اور مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔

آپ نے اپنے خاندان اور اولاد میں تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا اور اولاد کو حقّہ سگریٹ۔ گانے بجانے۔ تماشے۔ خانقاہوں پر چڑھاوے وغیرہ بدعات سے متنفر کر رکھا تھا۔ گھر کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد بھی بنائی تھی جس میں جمعہ اور نمازیں باجماعت ہوا کرتی تھیں۔ مرکز کی تحریک وقف جائیداد پر آپ نے اپنی جائیداد وقف کر دی۔ ۱۹۴۸ء میں کشمیر کے فسادات کے وقت معہ خاندان ہجرت کر کے پاکستان کی حدود میں آ گئے۔ موضع چک جمال ضلع جہلم میں آپ کی وفات ۴ر مارچ ۱۹۴۹ء ستر سال کی عمر میں ہوئی۔ آپ کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے برکت دی اور اپنے پیچھے اولاد در اولاد ۲۸ افراد یادگار چھوڑ گئے۔[۱]

صوفی سلطان میر

آپ کا نام سلطان میر اور تخلص میر سلطان تھا۔ قصبہ پانڈی پورہ کے قریب داچھیگام کے رہنے والے تھے۔ مولوی عبدالصمد صاحب بکھلی سے یہاں آئے جنہوں نے طبابت اختیار کی۔ اُن کے اثر سے مسیح موعود علیہ السلام کے آخری ایام میں انہوں نے بھی بذریعہ خط بیعت کر لی۔ بیعت کے بعد آپ میں تبدیلی آ گئی اور آپ نے معازف و سرود سے توبہ کر لی اور ماسوی اللہ سے مونہہ موڑ لیا۔ کبھی تو کھڈی کا اور کبھی سلائی کی مشین کا کام کرتے رہے۔ گاؤں کے بچوں کو قرآن کریم بھی پڑھاتے رہے۔ علاقہ کے ہندو اور مسلمان سب ہی آپ کی عزّت کرتے تھے۔ علاج معالجہ مفت کرتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ جب سرینگر آئے تو آپ ۳۸ میل پیدل چل کر وہاں پہنچے اور ملاقات کی۔ ۱۹۲۹ء میں رحلت فرمائی۔ میر غلام احمد کشفی آپ کے بیٹے ہیں جو کشمیر میں روزنامہ "خدمت" سرینگر کے چیف ایڈیٹر رہے۔ ۱۹۴۹ء میں پاکستان آ کر آزاد کشمیر ریڈیو میں کام کر رہے ہیں۔ "کشمیر ہمارا ہے"۔ "کشمیری زبان و ادب"۔ "حرم کے پاسبان" وغیرہ کتابیں آپ نے لکھی ہیں۔ قرآن مجید کے پندرہ پاروں کا اردو ترجمہ بھی شائع کر دیا ہے۔

---

[۱] اِن میں سے بعض واقفین زندگی ہیں جنکا ذکر مبلغین کے باب میں آئیگا۔

باب سوئم

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اور بزرگانِ سلسلہ کے سفر ہائے کشمیر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کا پہلا سفر کشمیر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اور آپکے ساتھ بزرگانِ سلسلہ کی ریاست کشمیر میں تشریف آوری بھی اشاعتِ احمدیت میں ممد ثابت ہوئی۔ آپ نے کشمیر کا پہلا سفر یکم جولائی ۱۹۰۹ء میں کیا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ اور حضرت مولوی سرور شاہ صاحبؓ اور حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ ۲۱ر اگست ۱۹۰۹ء تک کشمیر میں قیام پذیر رہے۔ آپ آسنور (تحصیل کولگام) بھی گئے۔ اور وہاں جلسہ سے خطاب کیا۔[۱] اور اہم نصائح فرمائیں اِس سفر میں پہلی دفعہ آپ نے مظلوم کشمیری مسلمانوں کا حال بچشمِ خود دیکھا اور اُسی دن سے ان حالات کو دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے تھے اور دل میں ارادہ کر لیا تھا کہ کشمیریوں کے حقوق کیلئے حتی المقدور کوشش کرنا ضروری ہے۔ آپ دعاؤں میں مصروف ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے وقت کے انتظار میں رہے۔ نیز قادیان واپس آتے ہی ان کشمیری طلباء کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دی جو مدرسہ احمدیہ قادیان میں زیرِ تعلیم تھے۔ جب آپ ۱۹۱۴ء میں مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو اُن طلباء کے لئے تعلیمی وظائف مقرر فرمائے اور کثیر تعداد میں کشمیری طلباء تعلیم حاصل کرنے لگے اور یہ سلسلہ ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ آپ کشمیر کے احمدیوں اور غیر از جماعت سرکردہ لوگوں کو بھی مشورہ دیتے رہے کہ مدرسہ احمدیہ قادیان میں طلباء کو بھجوائیں اُنکی تعلیم کی ذمہ داری ہم پر ہوگی۔

آسنور[۲] میں علاقہ کے رئیس خواجہ عمر ڈار نے آپ کی نصائح پر عمل کرتے ہوئے تعلیمی ترقی کی طرف توجہ کی۔ اُن کے بیٹے خواجہ عبدالرحمٰن نے بھی تعلیم بالغان کا سلسلہ جاری کیا اور علاقہ میں دورہ کرکے تعلیمی بیداری پیدا کی۔

---

[۱] الفضل ۵ ستمبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۱ و ۲۔ [۲] آسنور کا قدیم نام ناسنور ہے مگر خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اسکا نام آسنور رکھا ہے

کشمیر میں کسانوں کی حالت بڑی ابتر تھی۔ خواجہ عبدالرحمٰن ڈار نے زمینداروں کی بھی تنظیم کی اور کسانوں کے حقوق کے لئے بڑی جدوجہد کی۔ اِس سلسلہ میں وہ حکومت کے معتوب بھی ہوئے مگر پروا نہ کی اور کام جاری رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بہت سے نوجوانوں نے تعلیم حاصل کی اور آنے والے انقلاب میں سرگرم حصّہ لیا۔ انہی نوجوانوں میں مولوی محمد عبداللہ صاحب وکیل بھی تھے جو بعد میں آسنور سے سری نگر گئے اور وہاں وکالت شروع کی۔

درس القرآن کا اجراء سری نگر میں مولوی محمد عبداللہ صاحب سری نگر میں مشہور و مسلم وکیل تھے انہوں نے مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنے کے لئے سری نگر میں قرآن مجید کے درس کا سلسلہ شروع کر دیا جس میں کثرت سے لوگ شامل ہوتے تھے۔ اِن درسوں میں مولوی صاحب موصوف لوگوں تک ان امور کو پہنچاتے رہے جنہیں امام جماعت احمدیہ کشمیر میں سفروں کے دوران اپنی تقاریر میں دہراتے اور انہیں ریاست کی ترقی کے لئے بنیادی امور قرار دیتے رہے تھے یعنی اتحاد بین المسلمین، تعلیمی ترقی اور اقتصادی استحکام۔ درس میں لوگوں کا اتنا ہجوم ہونے لگا کہ حکومت تک بات پہنچ گئی۔ حکومت کو درس القران کا یہ سلسلہ ناگوار گذرا۔ اور پاس کی سڑک پر سامعین کے ٹریفک رُک جانے کے بہانہ سے درس القران کا یہ سلسلہ حکماً بند کرا دیا۔ شیخ محمد عبداللہ بھی اِن درسوں سے استفادہ کرنے والوں میں سے تھے اور اِسی طرح بہت سے نوجوان اِن درسوں سے ایمانی جذبہ اور ولولوں سے پُر ہو کر بیدار ہونے لگے جنہوں نے سیاسی حقوق کے حصول کے لئے جدوجہد کی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کا دوسرا سفرِ کشمیر جون ۱۹۲۱ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ مع خاندان وغیرہم دوسری دفعہ کشمیر تشریف لے گئے۔ یکم جولائی جمعہ کی نماز ایک احمدی بھائی محمد اسمٰعیل صاحب سوداگر (سری نگر) کے مکان پر پڑھی گئی۔ بعد از نماز پانچ اصحاب نے آپ کی بیعت کی۔ خطبہ و نماز حافظ روشن علی صاحب نے پڑھائے اور خلیفۃ المسیحؑ کی ہدایت کے مطابق حضرت حافظ صاحب درس قرآن بھی دیتے رہے۔

حضورؓ مشاغل تصنیف میں مصروف رہے اور بیرونی احباب سے ملاقاتیں کرتے رہے پارسی فرقہ کے ایک بہت بڑے لیڈر نے آکر آپ سے ملاقات کی۔ ۶ر جولائی ۱۹۲۱ء کو ناسنور کی جماعت نے آکر ملاقات کی۔ ۷ر جولائی کو آپ نے نشاط باغ کی سیر فرمائی۔ مولوی عبداللہ

دیکل بھی آکر آپ سے کئی دفعہ ملے اور بابی ازم اور بہائیت کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ اور حقیقت النبوۃ اور معیار نبوت پر بھی گفتگو ہوتی رہی۔ آس پاس کی جماعتیں ملاقات کے لئے آتی رہیں۔

کشمیر میں قیام سے حضور کی صحت روز بروز اچھی ہوتی گئی۔ ۱۹؍ جون کو آپ نے اپنا وزن کرایا تو صرف تین ہفتوں کے بعد آپ کا وزن چھ سیر بڑھ گیا تھا۔ حضور نے نشاط باغ (کشمیر) کے راستہ میں ایک نظم بھی لکھی ۔۔ جو الفضل یکم اگست ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی۔

۲۴؍ جولائی ۱۹۲۱ء کو حضور سے سید محمد صادق صاحب برادر مولوی محمد سرور شاہ صاحب، میاں محمد حسین صاحب خلف مستری محمد موسیٰ صاحب نے ملاقات کی۔ نیز غلام حسین صاحب نے گلگت سے آکر ملاقات کی۔ موضع بنڈہ پورہ سے ایک دوست غلام محمد صاحب بٹ نے آکر بیعت کی۔

قبر مسیحؑ کی زیارت یکم اگست ۱۹۲۱ء کو آپ سری نگر محلہ خانیار میں مسیح ناصری علیہ السلام کی قبر کی زیارت کو تشریف لے گئے۔ جہاں حضور نے بہت دیر تک دعا کی اور روضہ کے محافظ کو روضہ کی مرمت کے لئے عطیہ دیا۔ اور حضور نے فرمایا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ ہماری جماعت کے لوگ جب اس زیارت گاہ کی زیارت کریں تو اس کی مرمت و حفاظت کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور دیتے رہیں جس سے اس مقام کی عظمت بھی بڑھتی چلی جائیگی اور حفاظت بھی ہوتی رہے گی۔ اس کے بعد آپ شہر کی جامع مسجد دیکھنے گئے۔ یہ مسجد بہت وسیع مسجد ہے اور کعبہ کی طرز پر بنائی گئی ہے۔ چاروں طرف مسجد ہے اور وسط میں بیت اللہ کی جگہ پر ایک حجرہ بنا ہوا ہے۔ پھر آپ نے نسیم باغ اور حضرت بل کی سیر کی۔ حضور کے اہل بیت ساتھ تھے۔

موضع پنج بہاڑہ میں حضور کے پاس آکر چار افراد نے بیعت کی۔ پھر اچھابل کی سیر کو گئے۔ یہاں کی سیر کے بعد آپ ویری ناگ تشریف لے گئے۔ اسلام آباد میں ایک شخص نے بیعت کی جسے آپ نے بیعت کی حقیقت پر نصائح کیں پھر بعد نماز صبح ایک اور شخص نے بیعت کی۔ اسلام آباد سے آپ مع اہل بیت ٹانگوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر ناسنور روانہ ہوگئے کنج پورہ میں (جو راستہ میں آتا تھا) ٹھہر کر آپ نے تقریر بھی کی۔ آپ نے فرمایا کہ کشمیر کے لوگ قادیان آنے میں سستی کرتے ہیں اگر وہ سال کے بعد نہیں آسکتے تو دوسرے تیسرے سال ہی آنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ آسنور کے احباب نے قریباً ۸ میل آسنور سے آکر آپ کا استقبال کیا۔ بہت سے احباب مشعلیں جا بجا لے کر کھڑے تھے اور ہمہ تن حضور کی آمد کے

منتظر تھے۔ دو میل کے فاصلہ تک احمدی بچوں اور نوجوانوں کی دو رویہ قطار کھڑی تھی اور فرطِ محبت سے ہر ایک سلام و نیاز بجا لاتا تھا۔ حضور دُعائیں کرتے ہوئے آسنور کے خوشنما علاقہ میں داخل ہوگئے۔ اور داخل ہوتے وقت خشوع سے سب کے ساتھ مل کر دُعا مانگی جس سے احباب پر رقت طاری ہوگئی۔ ۱۲ بجے حضور نے آسنور پہنچکر مسجد احمدیہ میں نماز جمعہ پڑھائی۔ اور احباب کو نصائح فرمائیں۔ ۲۴ر جولائی یوم الحج تھا۔ حضور سال گذشتہ کی طرح دُعا مانگنے کے لئے ایک قریب کی پہاڑی پر خلوت کی جگہ تشریف لے گئے۔ ظہر کی نماز سے فارغ ہوکر تین بجے حضور نے نوافل پڑھ کر بہت دیر تک لمبی دعا فرمائی۔ دُعا کے بعد حضور نے درود شریف کی فضیلت و حکمت بیان فرمائی۔ دوسرے دن عید تھی عید کی نماز میں تین سو کے قریب احباب نے شرکت کی۔ حضور نے احباب کو مسائل عید و قربانی بیان فرما کر نصائح بھی کیں۔ حضور نے اعلان فرمایا کہ ۲۶ر اگست ۱۹۲۱ء کو بروز جمعہ یہاں عام جلسہ ہوگا سب احباب شامل ہونے کی کوشش کریں۔

| خطبہ جمعہ ناسنور |

۱۹ر اگست ۱۹۲۱ء کو حضور نے ناسنور میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے ہدایت کی کہ مسلمان بننے کے لئے اسلام کے ہر حکم پر عمل کرو۔ اور خلاف اسلام رسومات کو چھوڑ دو۔[۱]

| آسنور (کشمیر) میں جلسہ |

حضورؓ کے اعلان کے مطابق ۲۶-۲۷ر اگست ۱۹۲۱ء آسنور میں جلسہ ہوا۔ جس میں علاقہ کشمیر کے احمدی دُور دُور سے جمع ہوئے کل سامعین پانچ سو کے قریب تھے۔ ۲۶ر اگست کو حضورؓ کے دو لیکچر ساڑھے چار گھنٹہ تک ہوئے اور دوسرے دن دو گھنٹہ تک لیکچر ہوا۔ حضور نے خطۂ کشمیر کے لوگوں کی اصلاح کے لئے جن امور کے خلاف خاص توجہ دلائی اُن میں سے اِن لوگوں کی اِرباء جا و بیجا قسمیں کھانا۔ نشہ کی عادت اور لباس کی خرابی ہے اور فرمایا کہ الحمد للہ آپ لوگ یہ اور اس قسم کی دوسری سب عادات کو ترک کرنے لگ گئے ہیں۔ جلسہ کے بعد متعدد بیعتیں ہوئیں۔ آسنور کے احباب نے حق مہمان نوازی ادا کرتے ہوئے بڑے جوش اور اخلاص کا مظاہرہ کیا۔[۲]

حضور نے کشمیر میں احباب کو پھرن کی بجائے کرتہ اور پاجامہ پہننے کا بھی مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ کشمیر کو دیہات کے ذریعہ ترقی ملے گی۔ کسی ملک کو جب بھی ترقی ملی اور اصلاح ہوئی

---

[۱] الفضل خطبہ نمبر مورخہ یکم ستمبر ۱۹۲۱ء میں یہ خطبہ شائع شدہ ہے۔ [۲] الفضل ۱۷ر جنوری و ۱۹ر جولائی ۱۹۲۹ء

دیہات کے ذریعہ ملتی رہی ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں رہنے والے مغرور ہوتے ہیں اور دیہاتوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے شہری حق کو قبول کرنے سے محروم رہتے اور دیہاتی نوازے جاتے ہیں۔ اگر کشمیر احمدی ہو جائے تو ساتھ والے علاقے لداخ اور تبت وغیرہ بھی بفضلہ تعالیٰ جلد احمدی ہو جائیں گے۔

۲ ستمبر حضورؓ نے جمعہ پڑھایا اس موقعہ پر بہت سے احباب نے شرف بیعت حاصل کیا۔

۳ ستمبر اور ۴ ستمبر ۱۹۲۱ء حضور کنگن روانہ ہوئے اور وہاں رات قیام فرمایا۔ پھر کونسر ناگ تشریف لے گئے جو تیرہ ہزار فٹ کی بلندی پر ایک وسیع جھیل اور صاف و شفاف پانی ہے یہاں سے آپ واپس ہوئے۔ راستہ میں یاڑی پورہ کے احباب نے اُنکے گاؤں آنے کی دعوت دی۔ آپ نے منظور فرمایا۔ وہاں کے احباب دُور دُور سے استقبال کیلئے آئے ہوئے تھے۔ گاؤں میں داخلہ پر حضورؓ نے دیر تک دُعا کی اور پھر گاؤں میں داخل ہوئے حضور یہاں پونے دو گھنٹہ تقریر فرما کر سری نگر چلے آئے۔ جہاں سے ۲۹ ستمبر ۱۹۲۱ء کو قادیان واپس تشریف لے گئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا تیسرا سفر کشمیر

وسط ۱۹۲۹ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ معہ قافلہ تیسری دفعہ کشمیر تشریف لے گئے۔ ۵ جولائی ۱۹۲۹ء آپ نے جمعہ کا خطبہ سری نگر کشمیر میں "اپنی مدد آپ کرو" کے عنوان پر ارشاد فرمایا۔ آپ نے واضح فرمایا کہ مسلمانوں میں عملی لحاظ سے غفلت پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے اُن کی ترقی رُک گئی ہے۔ کشمیر کے مسلمانوں میں بھی عمل نہ کرنے کی وجہ سے پستی ہے جب تک مسلمان اپنی مدد آپ نہ کریں گے، دیانتداری سے کام نہ کرینگے، اپنے آپ کو مفید نہ بنائیں گے، مصیبت زدوں کی امداد نہ کرینگے تب تک ترقی نہ ہوگی [1]۔ دوسرا خطبہ جمعہ بھی آپ نے سری نگر میں ارشاد فرمایا جس میں آپ نے مخالفین کے مقابلہ میں صبر و استقامت کی تلقین کی [2]۔

سرینگر سے حضورؓ پہلگام تشریف لے گئے پھر واپس سرینگر آ گئے۔ ۱۲ جولائی ۲۹ء کو بمقام سرینگر آپ نے ایک اور خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں ہدایت کی کہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرو [3]۔

۸ اگست ۱۹۲۹ء حضور ناگ ارتھ کی سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ ۹ اگست ۱۹۲۹ء کو حضورؓ نے خطبہ جمعہ دل کی پاکیزگی اور ظاہری عبادت کی ضرورت اور اہمیت پر ارشاد فرمایا۔

---

[1] الفضل ۱۹ جولائی ۱۹۲۹ء۔ [2] الفضل ۲۳ جولائی ۱۹۲۹ء۔ [3] الفضل ۱۶ اگست ۱۹۲۹ء۔

دورانِ قیامِ کشمیر آپ ترجمۃ القرآن کی اصلاح - امورِ سلسلہ کے بارے میں اجرائے احکام فرماتے رہے اور خطوط کے جوابات بھی لکھتے اور لکھواتے رہے - ۱۹ر جولائی ۱۹۲۹ء کو آپ نے سورۃ فاتحہ کے حقائق و معارف پر مشتمل خطبہ جمعہ سری نگر میں ارشاد فرمایا[1] - اگست ۱۹۲۹ء میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دوسرے موعود بیٹے) سری نگر (کشمیر) تشریف لے گئے[2]

بہائیوں کا مقابلہ مولوی عبداللہ صاحب وکیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے احمدی تھے اور انہوں نے احمدیت پھیلانے میں بڑا کام کیا اُن کی وجہ سے کئی احمدی جماعتیں قائم ہوئیں اور انہوں نے مسلمانوں کی سیاسی تحریکوں میں بھی کام کیا مگر آخری عمر میں اُن پر بہائیت کا اثر ہو گیا تھا جن ایام میں محترم مولانا ابوالعطاء صاحب سری نگر میں قیام پذیر تھے اُن ایام میں یکم اکتوبر ۱۹۲۸ء کو مولوی محمد عبداللہ صاحب وکیل نے عبدالعزیز کوٹی کے واسطہ سے انہیں ایک تحریر بھیجی جس میں انہوں نے بہاء اللہ ایرانی کے دعویٰ الوہیت اور اُسے آیت "لَوْ تَقَوَّلَ" کے دائرہ سے خارج ثابت کرنے پر قادیانیوں کو پانچ سو روپیہ بطور تاوان دینے کا اقرار کیا تھا اور جماعتِ احمدیہ کو چیلنج کیا تھا - محترم مولانا ابوالعطاء صاحب نے اس چیلنج کو منظور کرتے ہوئے جواب لکھا کہ مَیں بہاء اللہ ایرانی کا دعویٰ الوہیت ثابت کرونگا اور یہ بھی ثابت کروں گا کہ بہاء اللہ ایرانی ۲۳ سالہ معیار (لو تقوّل) کے ماتحت نہیں آتا - مولانا موصوف نے نوٹس دیا کہ مولوی عبداللہ صاحب وکیل فوراً مبلغ پانچ سو روپیہ امپیریل بنک آف انڈیا میں جمع کرا کے اس کے مینجر کی طرف سے ایسی تحریر باقاعدہ فوراً بھجوا دیں کہ اگر ثالث جماعت احمدیہ کے حق میں فیصلہ دیں گے تو خاکسار کو مبلغ پانچ سو روپیہ ادا کر دیا جائیگا[3]

مولوی محمد عبداللہ صاحب وکیل کی طرف سے اِس کا متوقع جواب نہیں آیا بلکہ انہوں نے وکیلانہ ایچ پیچ کر کے جواب دیا کہ جو الفاظ مَیں نے بذریعہ عزیز کوٹی لکھے ہیں انکو ترک کر دیا گیا ہے لہٰذا میرا چیلنج منظور نہیں کیا گیا - مولانا ابوالعطاء صاحب موصوف نے جواب الجواب لکھا کہ آپ کی تحریر دور از کار ہے - "کجا آں شور اشوری اور کجا ایں بے نمکی" مَیں اِدھر اُدھر نہیں جانا چاہتا - آپ کا چیلنج منظور ہے - فوراً پانچ سو روپیہ جمع کرا کر میدانِ عمل میں آجائیں

---

[1] یہ خطبہ ۲۰ر اگست ۱۹۲۹ء کے الفضل قادیان میں شائع شدہ موجود ہے - [2] الفضل ۲۳ر اگست ۱۹۲۹ء
[3] الفضل قادیان مؤرخہ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۲۸ء -

مگر مولوی محمد عبداللہ صاحب وکیل کی طرف سے پھر کوئی جواب نہ ملا۔

باڑی پورہ (کشمیر) کے جلسہ میں ۶۴ افراد کی بیعت

۱۵ اگست ۱۹۲۹ء حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ معہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، مولوی قمر الدین صاحب، مولانا عبد الرحیم صاحب درد جماعت احمدیہ باڑی پورہ کے جلسہ پر تشریف لے گئے۔ جماعت نے شاندار استقبال کیا۔ جلسہ گاہ کو خوب سجایا گیا اور مختلف مقامات پر محراب بنائے گئے تھے حضور[رض] نے نبوت کے زمانہ کی برکات پر تقریر کی[۱] پھر مولوی قمر الدین صاحب کی تقریر ہوئی۔ اس دوران ۶۴ افراد مرد و زن نے بیعت کی۔ جلسہ کے بعد حضور سری نگر تشریف لائے اور مولوی قمر الدین صاحب کو باڑی پورہ ہی میں چند دن قیام کر کے تبلیغ کرنے کا ارشاد فرمایا۔

۶ اگست ۱۹۲۹ء کو حضور نے خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب تاجر کے مکان پر خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں بہائیت کی تردید کی جو موقعہ کے لحاظ سے نہایت مفصل تھا[۲] بعض غیر از جماعت احباب نے نماز کے بعد سوالات کئے جن کے جواب حضور[رض] نے دیئے۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور مولانا قمر الدین صاحب دو چار روز تک مولوی عبداللہ صاحب وکیل کے مکان پر گفتگو کے لئے جاتے رہے مگر انہوں نے اختلافی مسائل پر بات چیت نہ کی بلکہ آخر میں اپنے مکان کی نشستگاہ میں آنے سے منع کر دیا۔ مولوی عبداللہ صاحب وکیل کے مکان پر بعض غیر مبائعین بھی ڈیرے ڈالے ہوئے تھے جو اشتعال انگیزی کرتے اور غلط فہمیاں پھیلاتے رہتے تھے۔

اواخر ۱۹۲۹ء مولوی محمد عبداللہ صاحب وکیل نے ایک ٹریکٹ "قادیانی اور بابی" کے نام سے شائع کیا جس میں لکھا کہ بہاء اللہ ایرانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ "الفضل" قادیان ۶ ستمبر ۱۹۲۹ء میں اس ٹریکٹ کے جواب میں بہت سے حوالے بابی کتب سے پیش کئے گئے جن میں واضح کیا گیا تھا کہ نہ علی محمد باب نے اور نہ بہاء اللہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا بلکہ بہاء اللہ نے مظہر اللہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ بعد میں مولوی عبداللہ صاحب وکیل نے اپنے بعض مضامین میں جو پیغام صلح لاہور میں شائع کرائے یہ بھی لکھا کہ میں بابی نہیں ہوں بلکہ لاہوری غیر مبائعین سے ہوں۔

یکم اکتوبر ۱۹۲۹ء حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ معہ قافلہ کشمیر سے واپس روانہ ہوئے ۳ ستمبر ۱۹۲۹ء واپس قادیان جاتے ہوئے جموں میں کچھ دیر آپ نے قیام کیا اور جموں میں احباب کی خواہش پر آپ نے تقریر بھی فرمائی +

---

[۱] مفصل تقریر ۱۲ نومبر ۱۹۲۹ء کے الفضل میں شائع شدہ موجود ہے۔ [۲] یہ خطبہ ۳ ستمبر ۱۹۲۹ء کے الفضل میں شائع شدہ ہے۔

باب چہارم

ریاست میں تحریک شدھی کی یورش اور جماعت ہائے احمدیہ کا مقابلہ

۱۹۲۳ء سے ریاست جموں وکشمیر میں مذہبی مقابلہ کا ایک اور دور شروع ہوتا ہے گو ہندوؤں نے ریاست میں ۱۸۶۰-۱۸۶۱ء ہی سے شدھی کی تحریک چلانے کی سکیم بنائی تھی مگر حالات کی وجہ سے اس کے نفاذ کا زمانہ ۱۹۲۳ء ہی ہے۔

جب ہندوستان میں ملکانہ راجپوتوں کو ہندو بنانے کی سکیم ۱۹۲۳ء میں بنائی گئی تو مہاراجہ سر پرتاپ سنگھ صاحب والئ کشمیر نے اس کی پشت پناہی کی۔ چنانچہ ریاستی ہندوؤں نے بیرون ملک ہندوستان کے ہندوؤں کو ریاست جموں وکشمیر میں بھی شدھی کی تحریک چلانے اور مسلمانوں کو ہندو بنانے کی کھلی دعوت دی۔ مہاراجہ کشمیر پرتاپ سنگھ اور کشمیر کے پنڈتوں کے عزائم یہ تھے کہ کشمیر سے افغانستان تک ہندوستان کے ہندوؤں کے دوش بدوش ہندو راج قائم کیا جائے۔ یہ سکیم اوّل اوّل خفیہ رکھی گئی تھی مگر بعد میں کھل کر سامنے آگئی اور ہندوؤں کے اخبارات نے جوش میں آکر اپنا اندرونہ اُگل دیا اور لکھا کہ کشمیر سے راس کماری اور افغانستان تک ہندو سنگھٹن ہوگا۔ اور ہندو راج قائم کیا جائیگا۔[1]

اِس مقصد کے پیش نظر کشمیری ہندوؤں نے اکتوبر ۱۹۲۳ء میں چھ صفحات کا ایک انگریزی مضمون "صدائے کشمیر" یعنی "وتستا (جہلم) کا پیغام گنگا کے نام" شائع کیا جس میں انہوں نے ہندوستان کے ہندوؤں سے التجا کی کہ ہم آپ کی مدد کے بہت محتاج ہیں ہماری گری ہوئی حالت کو درست کریں۔ اور پانچ چھ تجویزیں پیش کیں جن میں سے اہم تجویز یہ تھی جس پر بہت زور دیا گیا تھا کہ ہندو مہا سبھا کو چاہیئے کہ وہ جلد سے جلد ہندو اُپدیشک (واعظ) کشمیر میں بھیج دے جو غیر قوموں کو ہندو ازم میں لائیں۔ اگر خدانخواستہ ہماری مدد نہ کی گئی تو ہم

---

[1] بحوالہ مسئلہ کشمیر اور ہندو مہا سبھائی ص ۲۱۲/۲۱۳ مطبوعہ ستمبر ۱۹۳۲ء از مہاشہ فضل حسین صاحب۔

بہت جلد نیست و نابود ہو جائیں گے اور ہندو مذہب کشمیر سے اُڑ جائے گا۔ لوگ ہندو ہونے کو تیار ہیں۔[1]

کشمیری ہندوؤں کی اس اپیل کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان سے آریہ سماجی اُپدیشک کشمیر میں آنے شروع ہو گئے۔ اور جگہ جگہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عام جلسوں میں اشتعال انگیز تقاریر اور اعتراضات کئے جانے لگے۔ نیز مسلمانوں کو دعوتِ مقابلہ دی جانے لگی۔ اُدھر ہندوستان میں ہندو مہاسبھا نے اپنے کلکتہ کے اجلاس منعقدہ ۱۹۲۵ء میں مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لئے جو تجاویز پاس کیں اُن میں اوّلیت ریاست جموں و کشمیر کو ہندو بنانے کو دی گئی۔ اِن حالات میں جماعت ہائے احمدیہ ہندوستان اور جماعتہائے احمدیہ کشمیر نے ہندوؤں کی یورش کا جو کامیاب مقابلہ کیا وہ تاریخ ہندوستان و کشمیر میں یادگار رہیگا۔

اکھنور میں آریہ واعظوں کی اشتعال انگیز تقاریر

۱۷-۱۸-۱۹ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو اکھنور علاقہ جموں میں آریہ سماج کا سہ روزہ جلسہ سالانہ ہوا۔ اکھنور کے سرکاری افسروں سے آریہ واعظوں نے وعدہ کیا تھا کہ ہم مسلمانوں کے خلاف دلآزار تقاریر نہیں کرینگے۔ لیکن ہندو اُپدیشک کہاں رہ سکتے تھے۔ انہوں نے عہد شکنی کرتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سخت زہر اُگلا اور اشتعال انگیز تقاریر کیں اور مسلمانوں کو چیلنج دئے کہ وہ اگر ہم سے مباحثہ کریں۔ جلسہ سے قبل مسلمانوں نے آریہ سماجیوں سے پوچھا تھا کہ جلسہ میں دیگر مذاہب کے نمائندوں سے مباحثہ کا وقت رکھا ہے یا نہیں؟ سیکرٹری نے کوئی جواب نہیں دیا اور ٹال دیا تھا۔ مگر بعد میں جب آریہ واعظوں نے چیلنج دیئے تو مولوی ظہور حسین احمدی (مولوی فاضل)، اور مہاشہ فضل حسین صاحب اتفاقاً جموں سے ۱۹ اکتوبر کو جلسہ کی آخری کارروائی کے دن اکھنور پہنچے۔ مولوی ظہور حسین صاحب جلسہ میں تشریف لے گئے جس سے آریہ سماجی واعظ برافروختہ ہو گئے اور انہوں نے خوب اسلام کے خلاف زہر اُگلا۔ جب آریہ سماجی واعظوں نے تین دفعہ مسلمانوں کو چیلنج دیا تو مولوی ظہور حسین صاحب نے تینوں چیلنجوں کو منظور کر لیا۔ مگر آریہ واعظوں نے اپنی تقریریں کر کے راہ فرار اختیار کی اور احمدی عالم سے کوئی مناظرہ نہیں کیا بلکہ بوریا بستر اُٹھا کر عازم ہندوستان ہو گئے۔ مولوی ظہور حسین اور مہاشہ فضل حسین صاحب نے تمام مسلمانوں کو اکھنور کی جامع مسجد میں جمع کیا اور آریوں کے تمام اعتراضات کے جوابات

---

[1] الفضل قادیان ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۳ء ص ۱۱

دیئے جس سے مسلمانوں کے دل مطمئن ہو گئے۔[1]

انجمن اسلامیہ جموں کے جلسہ میں احمدی مبلّغین کی پُراثر تقاریر

مارچ ۱۹۲۵ء میں انجمن اسلامیہ جموں نے اپنے سالانہ جلسہ کے لئے قادیان سے مبلّغ طلب کئے تو اعلائے کلمہ اسلام کے لئے قادیان سے حافظ روشن علی صاحبؓ اور مولوی عبدالرحیم صاحب نیّرؓ مبلّغ انگلستان وافریقہ جموں تشریف لے گئے۔ جلسہ کے پہلے دن ۲۱/مارچ ۱۹۲۵ء کی شام کو حافظ روشن علی صاحبؓ کی تقریر "حقیقت اسلام" کے موضوع پر ہوئی۔ اس لیکچر نے سامعین پر وجد کی کیفیت طاری کردی۔ نیّر صاحبؓ کی تقریر "کتاب مبین" کے موضوع پر ہوئی جس میں انہوں نے قرآن مجید کی عظمت و خوبی اور صداقت ثابت کرتے ہوئے آیت قرآنیہ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ پڑھ کر ربانی تائیدات کا نقشہ کھینچا اور خود اُن تائیدات سے جو حصہ پایا اُس کا بیان بہت ہی مؤثر اور دلچسپ تھا۔[2] لوگوں نے کثرت سے شرکت کی۔ انجمن اسلامیہ جموں کی رواداری اور وسعتِ حوصلگی کی وجہ سے ہر مکتبۂ فکر کے علماء اور مبلّغین سے عموماً فضیلت اسلام پر تقاریر کروائی جاتی تھیں اور ہندو آریہ وغیرہ واعظوں کے مقابل پر احمدی مبلّغین کی تقاریر کامیاب سمجھی جاتی تھیں جو اسوقت پورے ہندوستان میں غیر مسلم آریوں سناتن دھرمیوں اور عیسائیوں کا خاص طور پر کامیاب مقابلہ کرنے میں مشہور تھے۔ احمدی مبلّغین نے غیر مسلموں کے اسلام پر اعتراضات کے جو جوابات دیئے اُن سے مسلمانوں کو کافی اطمینان حاصل ہوا۔ خواجہ حسن نظامی دبیر نظام المشائخ دہلی اس اجلاس کی صدارت کر رہے تھے انہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں احمدی مبلّغین کی تقاریر کی خوب تعریف کی اور بڑی جرأت سے لوگوں سے ڈرے بغیر کہا کہ میں نے پہلی دفعہ احمدی مبلّغین کی تقاریر سُنیں۔ بڑی غلط فہمیاں دُور ہوئیں۔ ہم سمجھتے تھے کہ قادیانیوں کا مذہب اور قرآن اَور ہے مگر آج پتہ چلا کہ احمدی اسلام اور قرآن کے اصل عاشق، عالم اور مبلّغ ہیں۔ حافظ روشن علی صاحبؓ کے بارے میں فرمایا کہ جیسا اِن کا نام روشن ہے ویسا ہی اِن کا کام روشن ہے۔[3]

جموں، کشمیر، کشتواڑ اور پونچھ میں آریہ واعظوں کی تقاریر اور جوابی جلسے

ہندوستان سے ریاست میں آریہ واعظوں کی یورش جاری رہی چنانچہ ۲۱/اپریل ۱۹۲۵ء کو ۱۲ کس آریہ پرچارک جموں پہنچے اور اُن کی چار ٹولیاں تین تین کس

[1] الفضل ۲۰/نومبر ۱۹۲۳ء۔ [2] الحکم قادیان ۲۸/مارچ ۱۹۲۵ء۔ [3] الفضل ربوہ ۹/اگست ۱۹۵۵ء۔

پر مشتمل کشمیر، کشتواڑ اور پونچھ تک گئیں اور تین ماہ تک پرچار کرتی رہیں۔ حکومت کی طرف سے گھوڑے اور آدمی اُن کے ہمراہ کر دیئے گئے تھے۔ ان کے پاس دیسی اور انگریزی ادویات بھی بکثرت تھیں تا لوگوں میں تقسیم کر کے انہیں اپنی طرف مائل کریں۔

اِن حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے جماعت ہائے احمدیہ کے ریاست گیر جلسے ہوئے۔

۱۲-۱۳ ستمبر ۱۹۲۵ء جماعت احمدیہ جموں کا جلسہ ہوا۔ انجمن اسلامیہ جموں اور ینگ مینز ایسوسی ایشن جموں نے جماعت احمدیہ کے جلسہ کے انتظامات میں تعاون کیا۔ اسی طرح ۱۸-۱۹-۲۰ ستمبر ۱۹۲۶ء میں پھر جموں میں جلسہ ہوا جس میں مولوی عبدالغفور قادیان، مولوی علی محمد اجمیری۔ مولوی قمرالدین صاحب، مولوی عبدالکریم اور حافظ روشن علی صاحبؓ نے فضائلِ اسلام، سیرت النبیؐ۔ فضیلتِ قرآن پر تقاریر کیں۔ ۱۹۲۷ء اور ۱۹۲۹ء میں مولانا ابوالعطاء جالندھری، مہاشہ محمد عمر فاضل سنسکرت نے مخالف ماحول میں کوٹلی ضلع میرپور اور جموں میں تقاریر کیں۔ ۱۹۳۰ء میں جموں اور بھمبر میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی نے اور ۱۹۳۱ء میں مولوی عبدالغفور صاحب گیانی واحد حسین صاحب۔ ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم گجراتی اور مولوی عبدالاحد صاحب نے پونچھ میں تقاریر کیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ پورے ہندوستان اور کشمیر میں غیر اقوام کے مقررین اور اخبارات و رسائل پیغمبرِ اسلام حضرت نبئ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف بے تحاشہ گند بکتے اور زہر اُگلتے رہتے تھے۔ امام جماعت احمدیہ نے تمام مسلم ہندوستان اور ریاست کشمیر کو تحریک کی کہ جابجا سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسے منعقد کر کے غیر مسلموں کے اعتراضات کا جواب دیں۔ اِس تحریک کے مطابق ہر مقام پر جابجا جلسے ہوئے۔ احمدیوں کے علاوہ دوسرے فرقوں نے بھی ایسے ہی جلسے کئے اور بہت سے مقامات پر مسلمانوں نے احمدیوں کے ساتھ ہو کر مشترکہ جلسے کئے اور آریوں کے اسلام پر اعتراضات کے جواب دیئے جاتے رہے۔

۱۹۲۷ء میں ریاست کے بعض حصوں میں بعض ہندو اُپدیشک (واعظ) آئے جنہوں نے مالابار کے مصنوعی واقعات میجک لنٹرن کے ذریعہ دکھا دکھا کر ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا جس سے ہندوؤں میں بہت اشتعال پیدا ہوا۔ تاہم جماعتہائے احمدیہ اشتعال کو کم کرنے اور باہم رواداری سے زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتی رہیں۔ بعض جگہ ہندو اسلام قبول کرنے لگے جس پر ہندو آبادیاں انہیں پھر ہندو بنانے کے لئے تحریکیں اور فسادات کرنے لگیں مگر کامیاب نہ ہوئیں۔ ریاست کے بعض علاقوں

مثلاً پونچھ، کوٹلی ضلع میرپور وغیرہ میں سُود خوار ہندوؤں نے مسلم غرباء کو سُودی قرضے کے نیچے دبا رکھا تھا۔ جماعتہائے احمدیہ کی ان تقاریر کے نتیجہ میں مقروض لوگوں میں بیداری پیدا ہونے لگی اور سُود خوار ہندوؤں اور مہاجنوں کے سُودی قرض سے بچنے کی تدابیر کیں۔ اکتوبر ۱۹۳۰ء میں جموں میں آریوں کا سہ روزہ جلسہ ہوا۔ بڑے بڑے پنڈت بھارت اور اطراف ریاست سے بُلائے گئے تھے۔ مسلمانوں کو مباحثہ کا چیلنج دیتے رہے۔ مسلمانوں میں سے جماعت احمدیہ کے علماء مقابلہ پر آئے اور چیلنج منظور کر کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے مگر آریہ واعظوں نے انحراف کر کے پہلوتہی کی۔ احمدیوں نے علیحدہ جلسے کر کے اُن کے اعتراضات کے جوابات دیکر مسلمانوں کو مطمئن کر دیا۔ بعض مقامات پر ہندو بھی مسلمانوں کے جلسوں میں شامل ہوتے رہے اور انکی غلط فہمیاں دُور ہوتی رہیں۔

مصائب و مشکلات کا مقابلہ

جماعت کو ایک طرف سے تو ان غیر مسلم معترضین کے حملوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ دوسری طرف سے بعض متعصب مسلم علماء کے ظلم و ستم کا بھی مقابلہ کرنا پڑا جو جماعت احمدیہ کے افراد پر کفر کے فتوے دیتے رہتے تھے اور لوگوں کو اُنکے خلاف اُبھارتے اور اُن سے غیر مسلموں کا سا سلوک کرنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ خود تو یہ غیر از جماعت مولوی صاحبان آریہ اُپدیشکوں کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے اور جو مسلمان مقابلہ کرتے تھے انہیں کافر کہتے تھے۔ بانڈی پورہ کی جامع مسجد میں ایسے ہی متعصب مولویوں نے احمدیوں سے بائیکاٹ کا اعلان کیا اور تلقین کی کہ احمدیوں پر ہر قسم کا جبر و تشدد جائز بلکہ ثواب کا کام ہے۔ احمدی دوکانداروں کے اردگرد آدمی بٹھا دیئے کہ کوئی مسلمان ان سے سودا سلف نہ خریدے۔ قدرتی چشموں اور ندی نالوں پر وضو کرنے اور کھلے میدانوں میں نمازیں پڑھنے سے بھی احمدیوں کو روکا جاتا رہا۔ جن لوگوں نے احمدیوں کا قرض دینا تھا انہیں مولویوں نے کہا کہ احمدیوں کا مال کھانا جائز ہے انہیں ان کے قرضے ادا نہ کرو۔ علاوہ اِس کے کشمیر میں عیسائی پادری عیسائیت پھیلا رہے تھے۔ علاقہ گریز میں جو سرینگر سے نوّے میل کے فاصلہ پر ہے قریباً ۶۰ مرد و عورت ۱۹۲۷ء تک عیسائی ہو چکے تھے۔ مسیحی پادری ہر سال بہار کے موسم میں یہاں آتے اور وعظ کرتے۔ ایک گاؤں مرکوٹ نامی میں مشن سکول بھی قائم تھا اور کئی مسلم طلباء کو وظیفہ دیکر عیسائی پڑھاتے تھے۔ ماسٹر بھی مسلمان سے عیسائی شدہ تھا۔ مولوی صاحبان وہاں تو نہیں جاتے تھے کہ ان ان پڑھ زمینداروں کو پڑھائیں مگر عیسائی ہر سال جاتے اور تعلیم دیتے تھے اور ہزاروں روپیہ اِس سلسلہ میں خرچ کرتے تھے۔ صرف جماعت احمدیہ کے افراد تھے جو جابجا عیسائیت کے اثرات مٹاتے اور اسلام کی صداقت پھیلاتے تھے۔ یہ حال دیکھکر سنجیدہ طبقہ کے لوگ اِن مولوی صاحبان سے متنفر اور جماعت احمدیہ میں شامل ہو کر اسلام کی خدمت کرتے رہے اور جماعتہائے احمدیہ کی ترقی کا باعث بنتے گئے۔

باب پنجم

فصل اوّل

ریاستی احمدیوں کا مذہبی آزادی، باہمی رواداری، اصلاح اخلاق و مذہب اور اصلاح معاشرہ کیلئے ہمہ گیر جہاد - از سنہ ۱۹۳۲ء تا سنہ ۱۹۴۷ء

سنہ ۱۹۳۲ء تا سنہ ۱۹۴۷ء ریاستی احمدیوں کی جدوجہد کا ایک اور دور شروع ہوتا ہے جس میں انہوں نے ریاست میں مذہبی آزادی، باہمی رواداری، اخلاق و مذہب اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے ہمہ گیر جدوجہد کی اور بڑے بڑے مشکلات و مصائب اور مخالفتوں کے پہاڑوں کا سامنا کرتے ہوئے کامیابی حاصل کی۔ ریاست کی جدوجہد آزادی سنہ ۱۹۳۱ء میں بھی ریاستی احمدیوں نے سنہری خدمات انجام دی ہیں جنکی تفصیلات میں بعض کتب شائع ہو چکی ہیں[1]۔ نیز وہ سیاسی نوعیت بھی رکھتی ہیں اسلئے ہم یہاں صرف مذہبی جدوجہد ہی کے ذکر پر اکتفا کرینگے۔ جو اس کتاب کا اصل مقصد ہے۔

۲۹ جولائی سنہ ۱۹۳۳ء جماعت احمدیہ پونچھ کا سہ روزہ جلسہ ہوا۔ آخری روز کے جلسہ کی صدارت شری سرکار راجہ صاحب پونچھ نے کی۔ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ مرحوم۔ مولوی محمد حسین صاحب مولوی غلام احمد مجاہد۔ گیانی واحد حسین۔ مہاشہ محمد عمر وغیرہ علماء نے اتحاد بین المسلمین۔ موجودہ زمانہ میں اوتار کی ضرورت۔ ضرورت مذہب۔ غیر مذاہب سے اسلام کے تعلقات۔ اسلام کی غیروں سے محبت و رواداری کی تعلیم اور صداقتِ اسلام کے مختلف عنوانات پر تقاریر کیں۔ راجہ صاحب پونچھ اور دیگر ہندوؤں نے مسلمانوں اور ہندوؤں میں باہمی رواداری کی ان کوششوں کی بہت تعریف کی۔

سرینگر میں لائبریری اور دار المطالعہ کا قیام۔ اور جماعتوں کے جلسے۔

سنہ ۱۹۳۲ء میں مطالعہ و موازنۂ مذاہب کے پیش نظر جماعت احمدیہ سری نگر کو اللہ تعالیٰ نے احمدیہ لائبریری اور دار المطالعہ قائم کرنے کی توفیق دیدی۔ مختلف احمدی احباب نے اس کے لئے کتابیں وقف کردیں تاکہ عوام و خواص علمی استفادہ کر سکیں۔

[1] تفصیلات کے لئے دیکھئے "تاریخ احمدیت" جلد ششم شائع کردہ ادارۃ المصنفین ربوہ۔

۴؍مارچ ۱۹۳۴ء جماعت احمدیہ سلواہ (پونچھ) کا سہ روزہ جلسہ بمقام دھرمسالی ہوا۔ مولوی عبداللہ صاحب اور مولوی محمد حسین صاحب نے فضیلتِ اسلام پر تقاریر کیں اور مختلف اعتراضات کے جوابات دئے۔ مخالفین نے عوام کو اشتعال دلا کر جلسہ کو ناکام کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے اور ہندوؤں نے اشتعال کے مقابلہ میں جماعت احمدیہ کی صبر و استقامت کی تعریف کی۔ مخالف لوگ جماعت احمدیہ کے افراد سے بائیکاٹ کرنے کی بھی تحریکیں کرتے رہے مگر شرفاء اور معززین جماعت احمدیہ کے کام سے متاثر ہو کر جماعت میں شامل ہوتے رہے۔

۱۸، ۱۹؍چیت ۱۹۹۰ بکرمی جماعت احمدیہ درہ شیر خان کا تبلیغی جلسہ ہوا۔ احمدی علماء کی تقاریر ہوئیں۔ اور بعض لوگوں نے بیعت کی۔

۲۴؍بیساکھ ۲۲ ۱۹ ب مولوی احمد دین گکھڑوی (اہلحدیث) اور مولوی محمد حسین (احمدی) کے مابین پونچھ میں وفاتِ مسیحؑ اور صداقت بانیٔ سلسلہ احمدیہ پر مباحثہ ہوا۔ مخالفین نے کافی شور ڈالنے کی کوشش کی مگر دلائل کا جواب نہ دے سکے اور میدان چھوڑ کر چلے گئے۔

۱۹۳۴ء میں بھابڑا تحصیل کوٹلی میں بھی جلسہ ہوا اور بعض بیعتیں ہوئیں۔

جون ۱۹۳۴ء میں سری نگر میں سیرت النبیؐ کا جلسہ ہوا جس میں ہزاروں مسلمان اور غیر مسلم شریک ہوئے۔ مفتی محمد صادق صاحبؓ قادیان نے بھی تقریر کی۔ کئی علم بنائے گئے جن پر قرآنی آیات اور نعتیہ اشعار لکھے گئے تھے۔ یکم و ۲؍جولائی ۱۹۳۴ء چارکوٹ تحصیل راجوری میں دو روزہ جلسہ ہوا

۲۵؍جون ۱۹۳۴ء انجمن اسلامیہ اکھنور کا جلسہ سیرت النبیؐ ہوا جس میں احمدی نمائندہ نے ہمسایہ اقوام کے ساتھ پیار اور اتحاد و محبت سے رہنے پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر تقریر کی۔ ۱۷؍اگست ۱۹۳۴ء سری نگر حضوری باغ میں آریوں کا جلسہ ہوا جس میں تمام مذاہب کے نمائندے مدعو تھے۔ احمدی نمائندوں نے بھی تقاریر کیں جن میں فضائل اسلام بیان کئے۔ اور غیر مسلموں کی غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔

سری نگر میں میر واعظ مولوی محمد یوسف شاہ، اُن کی پارٹی اور اُن کا اخبار "اسلام" آئے دن احمدیوں کے خلاف سخت بدزبانی، اشتعال انگیز اور منافرت انگیز مضامین شائع کرتے رہتے تھے اور دعوے کرتے تھے کہ مسلمانوں کے نمائندہ وہی ہیں۔ جموں و سری نگر میں احمدیوں کے خلاف مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن کرنے کی تحریکیں چلتی رہیں۔ مگر کامیاب نہ ہو سکیں۔ ۱۹۳۴ء میں مسلم کانفرنس کے انتخابات ہوئے تو مولوی یوسف شاہ کی پارٹی ناکام ہو گئی اور عام انتخابات میں ہزیمت اٹھا کر اُن کی

نمائندگی کا بھرم کھل گیا۔ ہندوستان اور کشمیر کی بعض اخباروں نے لکھا کہ احمدیت کی مخالفت نے مخالفین کو ناکام کر دیا۔ اور یہ کہ اُن کے پاس سوائے مخالفت کے کچھ نہیں۔

ریاست کشمیر سے احمدی مبلّغ کے اخراج کا حکم منسوخ

سنہ ۱۹۳۴ء میں مرکز سے شیخ مبارک احمد حال سیکرٹری فضل عمر فاؤنڈیشن کشمیر میں بطور مبلّغ بھیجے گئے۔ سابق گورنر کشمیر سردار عطر سنگھ نے ۱۷ر مارچ سنہ ۱۹۳۴ء آپ کو بدیں وجہ علیکسائی کے لئے کشمیر سے نکل جانے کا حکم دیا کہ وہ ملکی سیاسیات میں حصہ لیتے ہیں۔ شیخ صاحب واپس چلے آئے۔ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ مرحوم نے جو اُن دنوں ناظر دعوت و تبلیغ تھے حکومت کشمیر سے اس حکم کی وجوہات دریافت کیں تو معلوم ہوا کہ آپ کی طرف سے شیخ صاحب کے نام ایک "تار" کو "کوڈ ورڈز" سمجھا گیا۔ "Eat rice and take tea without milk." یعنی چاول کھائیں اور چائے کا قہوہ استعمال کریں۔ آپ نے جوابی تار میں لکھا۔ "unable to eat rice and take tea." یعنی میں چاول اور قہوہ کا استعمال کرنے کے بھی قابل نہیں۔ یہ تار اور جوابی تار دونوں قطعاً سیاسی امور کے متعلق نہ تھے۔ شیخ صاحب کو کشمیر کی آب و ہوا کچھ ناموافق آئی اور بیمار ہو گئے۔ انہوں نے ایک ہندو ڈاکٹر چاولا نامی سے سرٹیفکیٹ لے کر بھجوایا۔ مرکز سے آپ کے تار کے جواب میں جو تار بھیجا گیا تھا اُس میں خوراک کے متعلق آپ کو مشورہ دیا گیا تھا۔ افسران کو اصل حالات کا علم ہوا تو انہوں نے شیخ صاحب کے اخراج کا حکم واپس لے لیا اور انہیں کشمیر واپس آنے کی اجازت دے دی۔

۱۱-۱۲ر اپریل سنہ ۱۹۳۵ء میں جماعت احمدیہ جموں کا جلسہ ہوا۔ مولوی عبدالاحد صاحب۔ مولوی عبدالحق صاحب۔ مولوی علی محمد صاحب اجمیری۔ مولوی عبدالغفور صاحب جالندھری۔ مولوی ظہور حسین صاحب چوہدری اسد اللہ خان صاحب بار ایٹ لاء لاہور۔ گیانی واحد حسین صاحب۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس نے فضائل اسلام پر تقاریر کیں اور لوگوں تک پیغام حق پہنچایا۔ مخالفین کے اعتراضات کے جوابات دیئے ۳۰ر جیٹھ ۱۹۹۱ ب کوٹلی میں جلسہ ہوا اور حکومت کو مخالفین کی بعض خلاف امن سرگرمیوں پر نگرانی کی طرف توجہ دلائی۔

جموں میں احراریوں کی ناکامی

سنہ ۱۹۳۷ء میں پھر مسلم کانفرنس کے انتخابات ہوئے۔ جموں میں چوہدری غلام عباس کی مخالفت اس لئے کی گئی کہ وہ ایک احمدی کا لڑکا ہے اور مخالفین نے اسے کفر و اسلام کا مقابلہ قرار دیا۔ انتخابات کا نتیجہ نکلا تو چوہدری غلام عباس

کامیاب ہو گئے اور اُن کے مخالف امیدوار ناکام رہے۔

۱۹۳۴ء اور ۱۹۳۵ء میں مجلس احرار (پنجاب) کی طرف سے جماعت احمدیہ کے خلاف تمام ہندوستان اور کشمیر میں تقاریر اور اشتعال انگیزیوں کا سرگرم سلسلہ شروع ہوا۔ جگہ جگہ منافرت انگیز لٹریچر بھی تقسیم کیا جانے لگا۔ بھدرواہ علاقہ راجوری، رہتال، اجمول، پونچھ وغیرہ میں احراریوں نے احمدیوں کو واجب القتل قرار دیا اور بعض احمدیوں پر اشتعال انگیزی کے نتیجہ میں قاتلانہ حملے بھی کئے گئے۔ مگر کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ اور احمدیت کی ترقی بھی رُک نہیں سکی بلکہ پہلے سے زیادہ ترقی ہوئی۔ اخبار کیسری سرینگر اور ہمت میرپور اسلام کے خلاف دلآزار مضامین شائع کرتے تھے جموں میں احرار تبلیغ کانفرنس کے جلوس نکلے۔ رضا کار اور بینڈ سیالکوٹ سے منگوائے گئے تھے مگر جلوس پھیکا رہا۔ اور حسب توقع چندہ بھی نہیں ہوا۔ بلکہ مولوی غلام غوث احراری پر حکومت کی طرف سے پابندی لگا دی گئی جس پر احرار کی کارروائیاں ناکام ہو گئیں اور احمدیت آگے بڑھتی گئی۔ اپریل میں اِن ناموافق حالات میں بھی جموں میں جماعت احمدیہ کا جلسہ ہوا۔ سید زین العابدین مولانا جلال الدین شمس۔ گیانی واحد حسین۔ شیخ رحمت اللہ شاکر وغیرہ نے صداقتِ اسلام پر تقاریر کیں۔ ۱۰ر جون ۱۹۳۶ء میں انجمن اسلامیہ پونچھ نے اسلامیہ سکول کی سلور جوبلی کے موقعہ پر ایک عام جلسہ میں احمدی مبلغ مولوی محمد صادق کی تعلیمی موضوع پر تقریر کرائی۔ غیر از جماعت علماء نے اِس پر کچھ شور کیا تھا مگر منتظمہ کمیٹی نے یہ کہکر انہیں خاموش کر دیا کہ یہ بحث کا مقام نہیں۔

۱۹۳۶ء میں مولوی عبد الواحد (مبلغ) نے مرکزی ہدایات کے تحت جماعتہائے احمدیہ ریاست کا تربیتی دورہ کیا اور انہیں تربیتِ نفس اور تربیتِ اہل و اولاد کی طرف توجہ دلائی۔

ہاری پاری گام کا سالانہ جلسہ ۱۹۳۶ء

۲۲، ۲۳ر اگست ۱۹۳۶ء جماعتہائے احمدیہ کا سالانہ جلسہ ہاری پاری گام میں ہونا قرار پایا۔ مگر بعض شورش پسند لوگوں کی شکایات پر حکومتِ کشمیر نے اِس جلسہ پر پابندی لگا دی اور خواجہ غلام نبی صاحب گلکار صدر جماعت احمدیہ سری نگر کو بھی زیر دفعہ ۱۴۴ عام لیکچر دینے کی ممانعت کر دی۔ ناظر دعوت و تبلیغ قادیان نے حکومتِ کشمیر کے متعلقہ افسران کو تار دیا کہ مذہبی جلسہ کو روکنا قانونِ ملک کے خلاف ہے اور پُرامن مذہبی جماعتوں کے دلوں کو مجروح کرنے والا ہے اِس لئے پابندی منسوخ کی جائے ورنہ ہمارا احتجاج حق بجانب ہوگا۔ اِس پر جماعت احمدیہ بانڈی پورہ۔ جماعت احمدیہ راولپنڈی۔ جماعت احمدیہ امرتسر۔ جماعت احمدیہ یاڑی پورہ اور لُدرون نے

احتجاجی جلسے کئے۔ قادیان میں کئی احتجاجی جلسے ہوئے۔ اخبار مارتنڈ (سرینگر) نے بھی جو ہندوؤں کا اخبار تھا جماعت کے مذہبی جلسہ کو روکنے کے خلاف احتجاجی اداریہ لکھا۔ نیشنل لیگ اٹھوال ضلع گورداسپور نے بھی احتجاج کیا۔ بالآخر اپنی غلطی محسوس کر کے حکومتِ کشمیر نے دفعہ ۱۴۴ کے احکام منسوخ کر دیئے اور احمدیوں کو جلسہ کرنے کی اجازت دیدی۔ جسپر باری پاری گام میں عظیم الشان جلسہ ہوا۔ سید زین العابدین ناظر دعوت و تبلیغ قادیان نے بھی جلسہ میں تقریر کی۔ اس سے قبل آسنور سے باہر کور کے ممبروں نے اُن کا استقبال بھی کیا تھا۔ آسنور میں بھی جلسہ ہوا۔ مولوی عبدالواحد صاحب ایڈیٹر اصلاح۔ مولوی عبدالغفار صاحب ڈار۔ خواجہ محمد عبداللہ صاحب خواجہ غلام نبی گلکار صاحب اور مولوی عبدالواحد صاحب آسنوری نے تقریریں کیں۔

۲۔ ۴ر اکتوبر ۱۹۳۶ء کو یاڑی پورہ اور بانڈی پورہ میں بھی جلسے ہوئے۔ ۱۰ر اکتوبر کو وُنہ گام میں جہاں خواجہ ثناء اللہ صاحب نے جلسہ کو خوب سجایا ہوا تھا جلسہ ہوا۔ بانڈی پورہ کے نوجوانوں کی باوردی کور نے پریڈ کی۔ راجہ پونچھ کی خدمت میں اسلامی لٹریچر بھیجا گیا۔

۲۰ر اپریل ۱۹۳۷ء جماعت احمدیہ یاڑی پورہ کا جلسہ ہوا۔ سری نگر میں پادری عبدالحق عیسائی نے تقاریر کیں۔ جماعت احمدیہ کے مبلّغین نے اُن کے اسلام پر اعتراضات کے مدلّل جوابات دیئے۔

جنم اشٹمی ۱۹۳۷ء کے تہوار پر ہندوؤں نے احمدیوں کو بھی تقریر کرنے کی دعوت دیدی چنانچہ خواجہ غلام نبی گلکار، ڈاکٹر عبدالرحمٰن موگا اور مہاشہ محمد عمر (فاضل سنسکرت) نے تقاریر کیں۔ انہی ایام میں علاقہ راجوری اور نیچ بیاڑہ میں تبلیغی جلسے ہوئے۔ جن سے مذہبی بیداری پیدا ہو گئی۔

۱۹۳۹ء میں پونچھ میں ایک سُنّی مفتی محمد شاہ نے پہلے فتویٰ دیا کہ مَیں مرزا صاحب کو مسلمان سمجھتا ہوں مگر جب عام مسلمانوں نے دباؤ ڈالا تو مولوی صاحب اپنے پہلے اعلان کو بدلنے پر مجبور ہوئے مگر بعض مسلمان حقیقت سمجھ گئے اور احمدیت سے متاثر ہو کر بیعت کر لی۔ مخالفین جو قدم بھی اٹھاتے تھے اللہ تعالیٰ اُسی میں احمدیت کی بھلائی کا پہلو پیدا کر دیتا تھا۔

۹ر اپریل ۱۹۳۹ء میں پونچھ میں وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام پر اہلحدیث اور احمدیوں کے مابین مباحثہ ہوا۔ احمدیوں کی طرف سے مولوی محمد حسین صاحب اور اہل حدیث کی طرف سے مولوی محمد بخش مناظر پیش ہوئے۔ اہلحدیث مولوی کی مدد کے لئے پانچ کس اور بھی موجود تھے مگر پھر بھی دلائل میں احمدیوں کا پلّہ بھاری رہا اور مقابل فریق کو شکست ہو گئی۔

دکھنور میں غیر احمدیوں نے احمدیوں کو مباحثہ کی دعوت دی جس پر مرکز سے حضرت مولانا

ابوالعطاء صاحب جالندہری اور مولوی محمد یار صاحب عارف کو ۴ ؍ اپریل کو وہاں بھیجا گیا۔ جب مخالفین کو احمدی علماء کی آمد کا علم ہوگیا تو انہوں نے مباحثہ کی دعوت واپس لے لی اور جلسہ میں احمدیوں سے معذرت پیش کی۔ جماعت نے معذرت قبول کرلی۔

ایک پادری صاحب کا قبولِ اسلام

۵ ؍ وفا (جولائی ۱۹۴۲ء) نظارت دعوت و تبلیغ کی ہدایت کے مطابق مولانا ابوالعطاء صاحب جالندہری کشمیر میں تبلیغ کے لئے مقرر ہوئے۔ اور ۱۴ ؍ تبوک (ستمبر ۱۹۴۲ء) تک وہاں تبلیغ کی۔ اس دوران میں سرینگر کے ایک رسالہ مستقیم نے افسوس کے ساتھ یہ خبر شائع کی کہ اسلام آباد میں ایک پادری اشتہار تقسیم کر کے مسلمانوں کو گمراہ کر رہا ہے اور کوئی مولوی اس کے جواب کی طرف توجہ نہیں کر رہا۔ مولانا ابوالعطاء صاحب نے "پادریوں کے نام کھلی دعوت اور مسلمانانِ کشمیر سے درخواست" کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا جس میں پادریوں سے چند سوالات کے علاوہ انہیں عام دعوت بھی دی کہ اسلام اور عیسائیت کے مسائل میں فیصلہ کرلیں اور مسلمانوں سے درخواست کی کہ جہاں کہیں پادری صاحبان گفتگو کرنا چاہیں ہمیں اطلاع دی جائے ہم وہاں گفتگو کے لئے پہنچ جائیں گے۔ پادری صاحب کے پاس یہ اشتہار پہنچائے گئے لیکن انہوں نے گفتگو کرنے سے معذرت کی مگر تحقیقات کرتے رہے۔ اور بعد میں پادری صاحب حق کو پا گئے۔ اور مسلمان ہوگئے۔ چونکہ مولوی محمد عبداللہ صاحب وکیل غیر مبائع سے بہائی بن کر بہائیت کا پروپیگنڈا کر رہے تھے اس لئے مولانا ابوالعطاء صاحب موصوف نے ان کے مقابلہ میں بھی ایک اشتہار "قرآن مجید زندہ کتاب اور غیر منسوخ شریعت ہے" کے عنوان سے شائع کیا جس میں اہل بہاء کو کھلی دعوت دی کہ وہ ہم سے قرآنی شریعت کے نسخ اور عدم نسخ پر فیصلہ کن طور پر تحریری و تقریری مناظرہ کرلیں۔ مولانا موصوف نے خواجہ غلام نبی کے مکان پر بہائیت اور قرآن کے دائمی شریعت کے موضوع پر دو تقریریں بھی کیں۔ مولوی محمد عبداللہ صاحب وکیل سے خط و کتابت شروع ہوئی مگر مولوی صاحب نے تحریری و تقریری مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد مولانا موصوف نے مولوی محمد عبداللہ صاحب وکیل کو لکھا کہ دوسرا موضوع گفتگو یہ مقرر کرلیں کہ آیت لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا الخ کے معیار کی رو سے کون سچا ثابت ہوتا ہے جناب بہاء اللہ یا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام۔ اس اثناء میں بہائی مبلغ مولوی محفوظ الحق علمی اور بختیاوری صاحب بھی سری نگر پہنچ گئے اور ۲۵ ؍ اگست تک سری نگر میں دفتر بہائی کھولنے کا اعلان کر دیا۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے مباحثہ کرنے سے نفی میں جواب دیا۔ اس کے بعد مولانا موصوف نے

ایک دوسرا اشتہار "بہائیوں کے نام کھلا چیلنج" شائع کیا جس میں مولوی علمی صاحب کو خصوصیت سے نسخ قرآن نیز بہاء اللہ کے دعوئے الوہیت پر بحث کی دعوت دی۔ مگر بہائیوں نے اس چیلنج کو منظور نہیں کیا۔ اس کے بعد مولانا موصوف نے سولہ صفحات کا ایک ٹریکٹ "قرآنی معیار وَلَوْ تَقَوَّلَ کے مطابق کون سچا ثابت ہوتا ہے! بہاء اللہ ایرانی یا حضرت احمدؑ قادیانی" طبع کرا کر ۲۵ر اگست کو بہائی دفتر کے بند ہوتے وقت وہاں تقسیم کر دیا اور دیگر مقامات پر بھی تقسیم کرایا گیا۔ مولانا ابوالعطاء صاحب موصوف بہائیوں کے دفتر میں بھی جاتے رہے اور وہاں اُن سے گفتگو کرتے رہے۔ ان گفتگوؤں میں بھی لوگ کثرت سے شریک ہوئے۔ ان گفتگوؤں اور سوال و جواب اور طرفین کی تقاریر کے مواقع پر جبکہ بہائی موقف کی کمزوری ظاہر ہوتی تھی احمدی مبلغ بہائی مبلغین اور حاضرین کو احمدیت قبول کرنے کی دعوت دیتے رہے۔[1] یوم تبلیغ کے موقعہ پر ایک اور اشتہار "مسلمانوں سے دردمندانہ اپیل" کے نام سے شائع کیا گیا جسے احباب جماعت نے جگہ جگہ تقسیم کیا۔ مقامی اہلحدیثوں کے مولوی مبارک شاہ صاحب نے رسالہ "مسلم" میں اعلان کیا کہ وہ احمدیوں سے "حیات و وفات مسیح" کے مسئلہ پر مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مولانا ابوالعطاء صاحب نے اس چیلنج کو منظور کر لیا اور اخبار فاروق میں منظوری کا اعلان شائع کرا دیا اور فاروق کا ایک پرچہ بذریعہ ڈاک مولوی مبارک شاہ صاحب کو بھیجدیا۔ اسپر باہمی خط و کتابت شروع ہو گئی۔ اصولی شرائط کا تصفیہ ہو گیا مگر آخر میں اہلحدیثوں نے اس شرط پر اصرار شروع کر دیا کہ ہم تب تک مباحثہ نہ کرینگے جب تک غیر مسلم ثالث نہ مانا جائے۔ اہلحدیثوں کو سمجھایا گیا کہ جب اُن کے نزدیک بڑے بڑے صحابہ اور امام اعظم تک کا قول شرعی حجت نہیں تو ایک غیر مسلم کا قول کیسے حجت مانیں گے؟ مگر انہوں نے پہلے موقف پر ہی اصرار کیا۔ اس پر مولانا صاحب موصوف خود مبارک شاہ صاحب سے جا کر ملے اور اُن سے گفتگو کی اور اُن پر واضح کیا کہ مذہبی اصول کے اعتبار سے دینی عقائد کے تصفیہ کے لئے غیر مسلم ثالث نہیں ہو سکتا اس لئے غیر مسلم ثالث پر اصرار نہ کیا جائے۔ دو چار دن بعد اہلحدیثوں نے غیر مسلم ثالث نہ ماننے کو مولانا ابوالعطاء صاحب کا فرار قرار دے کر اشتہار شائع کر دیا جس کے جواب میں مولانا ابوالعطاء صاحب نے اشتہار شائع کیا کہ جماعت احمدیہ مناظرہ کرنے کے لئے بالکل تیار ہے اور جابجا اشتہارات سری نگر میں دیواروں پر چسپاں کر دیئے گئے اور بیرونی جماعتوں کو بھی بھجوا دیئے

---

[1] بہائی مبلغین سے گفتگو کی تفاصیل الفضل ۱۳ر ستمبر ۱۹۴۰ء میں شائع شدہ موجود ہیں۔ مولانا صاحب موصوف نے "بہائی تحریک پر تبصرہ" نامی کتاب کشمیر میں قیام کے دوران لکھی ہے۔

گئے۔ اشتہارات میں وضاحت کردی گئی کہ جماعت احمدیہ غیر مسلم کو ثالث کیوں قرار نہیں دے سکتی اور یہ کہ غیر مسلم کو ثالث قرار دینے پر اصرار کرنا ایک مسلمان کے لئے مذہبی لحاظ سے کسقدر بے جا اصرار اور نامناسب ہے۔ اس کے بعد خط و کتابت بھی اہلحدیثوں سے کی گئی مگر اہلحدیث اپنی ضد پر اڑے رہے جس کی وجہ سے مباحثہ نہ ہو سکا۔

جنم اشٹمی سری نگر کے جلسہ پر احمدی مبلّغین کی تقاریر

سناتن دھرمیوں کی طرف سے ۲۶ر اگست ۱۹۴۰ء کو حضرت کرشن علیہ السلام کا جنم دن منایا گیا۔ جس میں اُن کی دعوت پر مولانا ابوالعطاء صاحب اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب موگا مرحوم نے بھی تقریریں کیں۔ ہندو معززین نے اِن تقاریر کو بہت پسند کیا۔ اور اعتراف کیا کہ جماعت احمدیہ نے سب ہادیانِ مذاہب کی عزّت قائم کی ہے [1]

سرینگر میں سیرت النبیؐ کا شاندار جلسہ اور غیر مسلم معزّزین کی تقاریر

مورخہ ۱۵ر تبوک ۱۳۱۹ ہش / ستمبر ۱۹۴۰ء امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی ہدایات کے مطابق شاندار جلسہ سیرۃ النبیؐ منعقد ہوا جس میں تمام طبقوں کے معززین شامل تھے۔ دو ہزار سے زائد حاضری تھی جلسہ گاہ کو جھنڈیوں سے مزیّن کیا گیا تھا۔ اور لاؤڈ سپیکر اور روشنی کے لئے گیس کے لیمپوں کا انتظام تھا۔

پہلا اجلاس سردار عطر سنگھ جوہر گورنر کشمیر کی صدارت میں ہوا۔ مولوی عبدالغفار صاحب ڈار کی تلاوت اور خواجہ مبارک احمد کی نظم ؎ عجب نوریست درجانِ محمدؐ / عجب لعلیست درکانِ محمدؐ [2] کے بعد مولوی عبدالواحد صاحب مبلّغ نے تقریر کی۔ جس میں آپ نے بتایا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامِ امن اور انسدادِ جنگ کے لئے کیا تعلیمات دی ہیں اور کیا قربانیاں پیش کی ہیں۔ اِسکے بعد پنڈت سری کنٹھ توشہ خوانی ایم۔اے نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پُر محبت تعلیم کے بارے میں تقریر کی۔ پھر گیانی پریتم سنگھ گرنتھی سری نگر نے پیغمبر اسلام کی نیکی اور خدا پرستی کا نمونہ ہونے کے بارے میں تقریر کی۔ اِس کے بعد ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب موگا نے اسلامی مساوات پر تقریر کی۔ پھر جناب صدر صاحب نے تقریر کی اور منتظمین جلسہ کو ایسا بین المذاہب جلسہ کرنے پر مبارکباد دی۔

دوسرا اجلسہ زیر صدارت خان بہادر محمد افضل خان صاحب ہوم منسٹر منعقد ہوا۔ جس میں

---

[1] الفضل ۱۱ر تبوک ۱۳۱۹ ہش مطابق ۱۱ر ستمبر ۱۹۴۰ء۔ [2] یہ شعر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے قصائد میں سے ایک نعتیہ قصیدہ کا پہلا شعر ہے جو آپ نے فارسی زبان میں منظوم فرمایا ہے۔

پہلی تقریر پنڈت پریم ناتھ ایڈیٹر روزنامہ "ماتمنڈ" نے کی اور بتایا کہ اسلام رحمت کا پیغام ہے اور پیغمبر اسلام صاحب کے لئے رحمت بن کر آئے۔ دوسری تقریر سنت سندر سنگھ صاحب ایڈیٹر رسالہ "اُپدیشک امرتسر" نے کی اور بتایا کہ حضرت محمد صاحب نے محبت اور امن کی تعلیم دی تھی۔ مولانا ابوالعطاء صاحب نے بھی پیغمبرِ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر پُرامن تعلیم کی وضاحت کی۔ ہوم منسٹر صاحب نے اِن جلسوں کو اپنی آخری تقریر میں نیک فال قرار دیا اور جماعت احمدیہ کی کوششوں کو سراہا۔

تیسرا اجلاس زیر صدارت شریمتی رامیشوری دیوی نہرو صاحبہ صدر آل انڈیا ویمنز کانفرنس شروع ہوا۔ اِس میں منشی سراج الدین صاحب نے اسلام میں عورت کی حیثیت پر تقریر کی۔ شیخ عبدالحمید ایڈووکیٹ وممبر اسمبلی ریاست کشمیر نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی بیان کئے اور آپ کی قیامِ امن کی کوششوں کا ذکر کیا۔ پھر پنڈت جیالال کلم ایم۔اے۔ایل ایل بی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خالق ومخلوق کے درمیان صحیح تعلق قائم کرنے کی تعلیم پر تقریر کی۔ آپ کے بعد جناب برج کشن مارن ایم۔اے پروفیسر سری پرتاپ کالج سری نگر نے زبردست عالمانہ تقریر کی اور بتلایا کہ خدا کا نور پیغمبرِ اسلام کے پاک وجود میں ظاہر ہُوا۔ اور آپ نے بناوٹی خداؤں کا قلع قمع کیا جو انسانی ترقی میں حائل ہو چکے تھے۔ اور صرف ایک خدا کی اطاعت وعبادت پر لوگوں کو کاربند کیا۔ جس سے انسانوں کی ترقی کا راستہ کھل گیا۔ پروفیسر صاحب کے بعد مولانا علم الدین صاحب سالک ایم۔اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر پُرجوش تقریر کی۔ پھر محترمہ صدر صاحبہ نے آخری تقریر کی اور بتلایا کہ ۱۹۲۸ء سے یہ بین المذاہب جلسے امام جماعت احمدیہ قادیان کی تحریک پر ہو رہے ہیں۔ مجھے اِن سے بہت خوشی ہوتی ہے۔ اور یہ بہت مبارک تحریک ہے۔ کچھ عرصہ سے ہندو مسلم باہمی جدائی کے راستہ پر جا پڑے تھے۔ مگر اب پہلے کی طرح پھر باہم رواداری اور میل جول پیدا ہو رہا ہے اور دوبارہ وہی پہلا مبارک زمانہ عود کر آیا ہے۔

رشی نگر اور کوریل کے سالانہ جلسے

۱۲ ستمبر ۱۹۴۰ء کوریل کے کھلے میدان میں اخروٹوں کے درختوں کے نیچے جماعت احمدیہ آسنور اور کوریل کا سالانہ جلسہ منعقد ہُوا۔ جس میں غیر احمدی اور غیر مسلم بھی شریک ہوئے۔ مولوی احمد علی بقاپوری۔ عطاء الرحمٰن جالندھری نے وفاتِ مسیحؑ پر اور خواجہ محمد عبداللہ صاحب نے صداقتِ مسیح موعودؑ پر اور مولوی عبدالواحد مبلغ نے مسیح موعود علیہ السلام کے کارناموں پر تقریریں کیں۔ آخری تقریر محترم مولانا

ابو العطاء صاحب جالندھری نے "ختم نبوت" پر فرمائی۔ اسی طرح ریشی نگر پر سالانہ جلسہ ہوا اور وہاں بھی مذکور متکلمین نے تقریریں کیں۔ ۸ستمبر ۱۹۴۲ء میں گوردوارہ چھٹی پادشاہی بارہ مولا میں توحید کے فوائد پر مولانا ابو العطاء صاحب نے زیر صدارت سردار تارا سنگھ تقریر کی۔ ایک سکھ فاضل نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ توحید کے بارے میں سکھ مذہب کا بھی وہی نظریہ ہے جو مولانا صاحب نے قرآن شریف سے پیش کیا ہے۔ اکتوبر ۱۹۴۲ء میں "خاتم النبیین کا حقیقی مفہوم" کے نام سے ایک ٹریکٹ بھی اہل کشمیر نے شائع کیا۔

سری نگر میں مسجد احمدیہ کی بنیاد

۲۰ ماہ اخاء (۲۰ اکتوبر ۱۹۴۲ء) کو مسجد احمدیہ سری نگر کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس مسجد کی تعمیر کے لئے ایک کمیٹی مقرر تھی۔ تقریب پر سری نگر اور آسنور کے احباب بکثرت موجود تھے۔ سب سے قبل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے قدیم صحابی حضرت خلیفہ نور الدین رضی اللہ عنہ جونی نے دعا کرائی۔ پھر مولانا ابو العطاء صاحب نے مسجد کا پہلا بنیادی پتھر رکھا۔ پھر سب احباب نے اجتماعی دعا کی۔ مسجد کا ایک کمرہ اگلے سال ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء میں تیار ہوا تو اس میں پہلا خطبہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب امیر جماعتہائے صوبہ سرحد نے دیا اور ۷۰ کے قریب احباب نے نماز ادا کی۔

کشمیر میں عیسائیت کی اشاعت اور مسلمان

ریاست میں عیسائی ہندوؤں اور مسلمانوں سب کو روپے اور ملازمتوں کا لالچ دے کر عیسائی بنا رہے تھے۔ اخبار "ملاپ" لاہور جو ہندوؤں کا اخبار تھا اس نے بھی اس پر واویلا کیا کہ غریب ہندوؤں[1] کو عیسائی روپے کا لالچ دے کر عیسائی بنا رہے ہیں۔ یہ عیسائی کشمیر کے عیسائی سکولوں میں ماسٹر یا ہیڈ ماسٹر یا سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ یہ نااہل ہونے کے باوجود ان عہدوں پر تعینات ہیں۔ بلکہ ان کو عیسائی بننے کے بعد چالیس چالیس اور ساٹھ ساٹھ روپے ماہوار کی ترقیاں دی گئی ہیں۔ ریاستی قانون کے مطابق کسی آدمی کو لالچ دے کر اس کے دھرم سے پھیرنا جرم ہے لہٰذا کشمیر سرکار کو اس کی تحقیقات کرنی چاہیئے۔[2]

چونکہ کشمیری مسلمان ہندوؤں سے بھی زیادہ غریب تھے اس لئے انہیں ہندوؤں سے بھی زیادہ لالچ دے کر شکار کیا جاتا تھا۔ ایک طرف تو یہ حال تھا۔ دوسری طرف کشمیر کی ہندو حکومت نے یہ قانون بنایا تھا کہ اگر کوئی ہندو اپنی مرضی سے مسلمان ہو جائے تو اسے تمام سابق جائیداد سے محروم کر دیا جاتا تھا۔

---

[1] اخبار "ملاپ" لاہور بحوالہ الفضل ۲۵ مئی ۱۹۴۱ء۔ [2] ان حالات میں کشمیر ہندو لیگ کا ایک وفد وزیر اعظم سے بھی ملا تھا اور چرچ مشن سکولوں میں ہندو استادوں کو عیسائی بنانے کے متعلق اپنی شکایات پیش کی تھیں کہ اس بارہ میں تحقیقات کی جائے۔

مگر عیسائی، آریہ اور ہندو بنائے جانے پر اس قسم کی کوئی پابندی نہیں تھی۔ گویا یہ پابندی صرف مسلمان ہونے والوں پر تھی۔ کوئی دوسرا مذہب اختیار کرنے والوں پر نہ تھی۔ ان حالات میں جماعت احمدیہ ریاست میں عیسائیوں کے مقابلہ میں جو کام کر رہی تھی اس کی افادیت و اہمیت کا اندازہ بآسانی ہو سکتا ہے۔ یہ بات کتنی افسوسناک ہے کہ مجلس احرار اور کشمیر کے مولوی بجائے اس کے کہ عیسائیوں کا مقابلہ کرتے جماعت احمدیہ کے خلاف فتنہ و فساد پھیلانے میں مصروف تھے۔

آل انڈیا مسلم گوجر کانفرنس جموں میں احمدی مبلغ کی کامیاب تقریر

دوسو پور جموں میں آل انڈیا مسلم گوجر کانفرنس کا جلسہ ۷/۸ رجون ۱۹۴۲ء میں منعقد ہوا تو کانفرنس کے سیکرٹری نے نظارت دعوۃ و تبلیغ قادیان سے مبلغ طلب کیا۔ جو اُن کو قومی ترقی کے وسائل بتائے۔ نظارت نے ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب موگا کو بھیجا ڈاکٹر صاحب نے قومی ترقی کے موضوع پر جو تقریر کی وہ سامعین نے بہت پسند کی اور آپ کی تقریر کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے کہا۔ ہم آئندہ اپنی کانفرنسوں میں ضرور احمدی مبلغین کو بلایا کریں گے۔ اس کے بعد گوجر کانفرنس کا ایک اور جلسہ ہوا اُس میں بھی ڈاکٹر صاحب موصوف کو بلایا گیا۔ ڈاکٹر صاحب سے جلسہ کے فارغ اوقات میں تعلیم یافتہ لوگوں سے علمی مذاکرات بھی ہوتے رہے اور ڈاکٹر صاحب موصوف کو دوسرے لوگوں سے زیادہ وقت تقاریر کے لئے دیا جاتا رہا۔ اس طرح گوجر کانفرنس کے یہ جلسے احمدی مبلغ کی علمی تقاریر سے کامیاب رہے۔

کنہ پورہ میں پنڈتوں کو تبلیغ اور جلسہ

کنہ پورہ اور شرت کے ملحقہ مواضعات میں پنڈتوں کو خاص طور پر تبلیغ کی گئی اور اُن میں "درتمان جگ کا اوتار" نامی ٹریکٹ تقسیم کیا گیا۔ جس میں بتایا گیا تھا کہ اس زمانہ کا اوتار ظاہر ہو چکا ہے۔ اور وہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام ہیں۔ ۱۹ روفا (جولائی ۱۹۴۲ء) کو کنہ پورہ میں مستورات کا اور اس کے بعد مردوں کا جلسہ ہوا جن میں تربیتی و تبلیغی تقاریر ہوئیں۔

تبلیغی و تربیتی دورہ ۱۹۴۲ء

مولوی عبدالواحد صاحب مبلغ کشمیر نے اپریل ۱۹۴۲ء میں مرکزی ہدایات کے مطابق کشمیر کی جماعتوں میں تربیتی و تبلیغی دورہ کیا جو مئی سے آخر دسمبر ۱۹۴۲ء تک جاری رہا۔

اِن جلسوں کے دوران اگرچہ مخالفین مخالفتیں بھی کرتے رہے جن سے ریاستی احمدیوں کو طرح طرح کی مصائب و مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑتا تھا مگر مذہبی بیداری بھی پیدا ہوتی تھی۔ اور

معاشرہ کی اِصلاح کے کام کو بھی مدد ملتی تھی۔ جن جن علاقوں میں احمدیت کی مخالفت ہوتی تھی اُنہی علاقوں میں احمدیت پھیلتی بھی جاتی تھی اور احمدی افراد یا جماعتوں کو جو ابتلاء بھی آتا تھا اُن کی مزید ترقی کا ذریعہ بن جاتا تھا۔ پس مذہبی جماعتوں کی مخالفت اور ترقی کی بابت ہمیشہ سے جو سنّت اللہ رہی وہ کشمیر میں بھی پوری ہوتی رہی۔ اِن مخالف حالات میں بھی ۱۸ راگست ۱۹۴۲ء ناسنور میں جلسہ ہوا۔ دُور و نزدیک کے کثیر لوگ شامل جلسہ ہوئے۔ مرکز سے مولانا ابوالعطاء صاحب نے تشریف لا کر تقریر کی اور دیگر مبلّغین نے بھی اردو اور کشمیری زبان میں لوگوں تک پیغام حق پہنچایا۔

سری نگر میں مذاہب کانفرنس

۲۷ راگست ۱۹۴۲ء جماعت احمدیہ سری نگر کے زیرِ اہتمام گولباغ سری نگر میں ایک دلچسپ مذہبی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اسلام، ہندو دھرم اور سکھ ازم کے نمائندگان مدعو تھے۔ جنہوں نے مشتہرہ عنوانات "موجودہ بے چینی کا حل اپنی مذہبی کتاب اور بانی مذہب کی سیرت سے" پیش کرنے کے سلسلہ میں دلچسپ تقاریر کیں۔ پہلا اجلاس زیر صدارت جناب خان بہادر نواب چودھری محمد الدین سابق وزیر مال جودھپور منعقد ہوا جس میں اوّلاً مولوی عبدالواحد مبلّغ سلسلہ احمدیہ نے بتایا کہ موجودہ اضطراب کا علاج اسلام کا پیشکردہ اقتصادی نظام اور اُس کا قیام ہے۔ مسٹر وِدّیا بھوشن نمائندہ آریہ سماج نے بتایا کہ ہمارے بانی نے ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا ہے اور یہی موجودہ بے چینی کا علاج ہے۔ چوہدری خلیل احمد ناصر نے اپنی تقریر میں بتایا کہ موجودہ آویزش اور بے چینی میں نسلی تفاخر و تعصّب کا بڑا دخل ہے۔ اسلام نے اس کا قلع قمع کیا ہے اور بتایا ہے کہ فضیلت کی بنیاد تقویٰ اور نیکی ہے۔ اگر اس اصل کو دنیا والے قبول کریں تو امن قائم ہوسکتا ہے۔ پانچویں مقرر پنڈت پرمانند صاحب نے کہا کہ ہم جانوروں کی پرورش سے اقتصادی حالات کو درست کرسکتے ہیں اور وید ہمیں گائیوں کی پرورش کی طرف متوجہ کرتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس سے آسودگی و اطمینان پیدا ہوسکتا ہے۔ چھٹے مقرر جناب چودھری اسداللہ خان بیرسٹرایٹ لاء لاہور نے اپنی تقریر میں بیان کیا کہ اسلام نے اعتقادی رواداری پر زور دیا ہے۔ اور تمام اقوام میں بعثت انبیاء کے عقیدہ کو پیش کرتے ہوئے تمام قوموں کے مذہبی پیشواؤں کو ماننے کی تعلیم دی ہے اور اس طرح سب اقوام کے ساتھ صلح کی بنیاد ڈالی ہے۔ آئندہ اسی بنیاد پر پُرامن دنیا کی تشکیل ہوسکتی ہے۔ ساتویں مقرر ڈاکٹر دولت سنگھ صاحب نے اپنا تحریری مقالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ باہمی رواداری امن و چین کی بنیاد ہے۔ آٹھویں مقرر راجہ نریندر ناتھ کول نے بتایا کہ تعلیم یافتہ لوگ ہی فساد کے بانی ہوتے ہیں اس لئے امن کی صحیح تدبیر یہ ہے کہ ایسی کتب تصنیف کی جائیں جن میں تمام مذاہب کے مشترکہ اچھے اصول مدوّن ہوں اور

اُن کتب کی اشاعت کی جائے۔ بالآخر صاحب صدر نے اپنا تحریری مضمون سُنایا اور بتایا کہ اسلامی شریعت نے امیر و غریب، راعی و رعایا اور سرمایہ دار اور مزدور کے حقوق متعین کئے ہیں پیشوایان مذاہب کی عزت قائم کی ہے۔ حرص و آز سے نفرت دلائی ہے۔ کفایت شعاری کی تلقین کی ہے اور یہی امور امن کا باعث ہیں۔

دوسرے اجلاس کی صدارت خواجہ غلام السیدین صاحب ڈائرکٹر تعلیم نے کی جس میں پہلی تقریر جناب پنڈت امرناتھ کاک ممبر اسمبلی نے کی۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے مذہبی کتب کا مطالعہ کیا ہے لیکن مجھے اس مشکل کا حل مذہب میں نہیں ملا۔ اس کا واحد علاج اقتصادی حالات کی درستی ہے دوسری تقریر مولانا ابوالعطاء صاحب (قادیان) نے کی۔ آپ نے بیان کیا کہ میں اس یقین سے لبریز ہوں کہ مذہب اور مذہبی تعلیم خصوصاً دین اسلام کے اصول ہی دنیا کے موجودہ مصائب کا علاج ہیں۔ آپ نے کہا کہ بے چینی کی ابتداء دل میں پیدا ہوتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ بڑھتی ہے اور دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیتی ہے۔ اسلام نے دل کی اصلاح پر زور دیا ہے۔ اور اس کا علاج ذکر الٰہی اور الٰہی احکام کی تعمیل ہے۔ آپ نے اقتصادی، قومی اعتقادی رواداری کی طرف اشارۃً توجہ دلائی اور معاہدات کی بشدت پابندی اس کی عملی تفسیر تعلیم اسلام اور بانیٔ اسلام سے پیش کی۔ اور بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی تصنیف پیغام صلح سے ہندو مسلم اتحاد کی تعلیم کا حصہ پیش کر کے مدعا واضح کیا۔ تیسری تقریر لالہ چرن جیت لال نے کی۔ آپ نے بتایا کہ اصل علاج عمل ہے ہم میں سے مذہبی رُوح مفقود ہو چکی ہے۔ ہمیں خادموں اور نوکروں کی عزت کرنی چاہیئے اور جو خوبصورت وعظ جلسوں میں کرتے ہیں لوگوں کو اس پر عمل پیرا کرانے سے ہی حالات سُدھر سکتے ہیں۔ اس کے بعد صاحب صدر نے شستہ فصیح و بلیغ اردو میں تقریر کی اور منتظمین کانفرنس مذاہب کو سراہا۔ پنڈتوں اور مولویوں کی غلط مذہبی ترجمانی کو فساد کی بنیاد قرار دیا اور بتلایا کہ مذہب کی صحیح تعریف یہ ہے کہ وہ خدا سے بندے کا تعلق پیدا کرے اور ضروریات زندگی کے نظام کو درست رکھے۔[۵۵]

یوم آزادیٔ مذہب

جموں میں ایک راجپوت لڑکی غلام سکینہ برضا و رغبت مسلمان ہو گئی۔ جس پر جموں کی راجدھانی میں اس نومسلمہ پر شدید قسم کے مظالم ڈھائے گئے۔ اُسے جبراً اغوا کیا گیا۔ اور ہندوؤں نے اُسے ورغلانے اور اسلام قبول کرنے سے باز رکھنے کے لئے وحشیانہ حرکات کیں اور نومسلمہ سے وحشیانہ سلوک کیا۔ اسلحہ کی نمائش کی گئی جلوس

---

[۵۵] الفضل ۱۰ ستمبر ۱۹۴۲ء۔

نکالے گئے اور بڑا شور و غوغا مچایا گیا۔ پنجاب کے مسلم اخبارات اور الفضل نے اس سلسلہ میں مہاراجہ کشمیر کی توجہ مبذول کرائی مگر نومسلمہ کے مظالم کا سلسلہ بند نہیں ہوا جس پر مسلمانانِ ریاست نے کشمیر میں یومِ آزادیٔ مذہب منانے کا فیصلہ کیا تاکہ واضح کیا جائے کہ ریاست میں مسلمانوں کو آزادی حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ مقررہ تاریخ پر یومِ آزادیٔ مذہب منایا گیا جس میں مندرج ذیل قراردادیں پاس کی گئیں۔

(۱) نومسلمہ کے جبری اغوا اور اسکی نمائش میں حصہ لینے والوں اور اس سازش میں شریک تمام چھوٹے بڑے لوگوں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

(۲) قانون ضبطی جائیداد کو جو بیسویں صدی عیسوی میں انسانیت کے دامن پر بدنما دھبہ ہے (یعنی مسلمان ہونے والے کی جائیداد ضبط کر لی جاتی ہے) منسوخ کر کے مذہب اور عقیدے کی آزادی کو رواج دیا جائے۔

(۳) نومسلمہ کے معاملے میں جن سرکاری افسروں نے ناروا رویہ اختیار کیا ہے انکے متعلق تحقیقات کے لئے کسی غیر جانبدار افسر اعلیٰ کی صدارت میں سرکاری و غیر سرکاری ارکان پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جائے۔[۱]

تحفظِ حقوقِ مسلم ملازمین کی جدوجہد

۲۰ ستمبر ۱۹۳۲ء جماعت احمدیہ سری نگر کا ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا جس میں نماز جمعہ کے لئے مسلمان سرکاری ملازمین کو پورے دو گھنٹے چھٹی دینے کا مطالبہ کیا گیا۔ اور ہندوؤں کے اخبار "مارتنڈ" کی غلط بیانیوں اور شر انگیزیوں کی مذمت میں بھی قرارداد پاس کی گئی جو وہ جماعت احمدیہ کے خلاف کرتا رہتا تھا۔

وزیر اعظم کشمیر سے احمدی وفد کی ملاقات

۱۱ مئی ۱۹۳۳ء کو مسلم ویلفیئر ایسوسی ایشن جموں و کشمیر کا ایک وفد وزیر اعظم کشمیر سے ملا۔ جو خواجہ محمد صاحب صدر۔ خواجہ غلام نبی گلکار جنرل سیکرٹری۔ چوہدری عبدالواحد صاحب مدیر ہفت روزہ "اصلاح" سرینگر اور خواجہ غلام قادر پر مشتمل تھا۔ جنرل سیکرٹری نے ایک روز قبل اہم تحریری یادداشت وزیر اعظم کشمیر کی خدمت میں بھجوائی تھی جس میں مسلمانوں اور دیگر پسماندہ اقوام کی ملازمتوں میں کمی کے علاوہ دیہاتی عوام اور مزدوروں کی شکایات اور ان کے انسداد کی تدابیر مؤثر پیرایہ میں درج کی گئی تھیں۔ ریاست کے دور دراز اور حد سے زیادہ پسماندہ علاقوں

---

[۱] الفضل ۱۸ ستمبر ۱۹۲۷ء۔

خصوصاً لداخ - اسکردو - پونچھ - چھمبی - اور کوٹلی کی شکایات کا خاص طور پر علیحدہ تذکرہ کیا گیا تھا - مذہبی شکایات کے سلسلہ میں عید گاہ بدھل اور کوٹلی کی مسجد کی واگذاری کا معاملہ بھی پیش کیا گیا - تبدیلیٔ مذہب پر ہندوؤں کے لئے ضبطیٔ جائیداد کا قانون یا گاؤکشی پر جو سزا ہے اس کے متعلق مطالبہ کیا گیا کہ ان قوانین کو اڑانے کے لئے حکومت کشمیر مہاراجہ کشمیر کی خدمت میں سفارش کرے - وزیر اعظم کی ہدایات کے مطابق وفد ریونیو منسٹر کشمیر سے بھی ملا - وزراء نے مطالبات و شکایات کے انسداد کا وعدہ کیا -

مرکزی مبلغین کا دورہ کشمیر

ستمبر ۱۹۴۳ء کے نصف اوّل میں قاضی محمد نذیر لائلپوری حال ناظر اشاعت لٹریچر و تصنیف ربوہ اور مہاشہ محمد عمر مرحوم مربی سلسلہ نے کشمیر کی مختلف جماعتوں اور علاقوں کا دورہ کیا اور ہندو معززین سے بھی تبادلہ خیالات کیا - اور انہیں اسلامی لٹریچر دیا -

خدام الاحمدیہ کے ذریعہ خدمتِ خلق

اوائل ۱۹۴۴ء میں تحصیل کولگام کے احمدیوں کی شدید مخالفت ہونے لگی - بعض شرپسند لوگوں نے احمدیوں کے خلاف غلط پروپیگنڈا اور بائیکاٹ کرنے کی تحریکیں کرنی شروع کیں - رشی نگر میں ایک احمدی کا مکان جلایا گیا اور شرپسندوں نے احمدیوں کو قتل تک کی دھمکیاں دیں - مواضعات آسنور شورت اور کنہ پور کے احمدیوں کے خلاف سخت بدزبانی اور غلط پروپیگنڈا کر کے اشتعال پیدا کرنے کی کوششیں کی گئیں - وڈو میں خواجہ عبدالکریم صاحب کی دوکان پر پکٹنگ کی گئی اور سخت بائیکاٹ کیا گیا مگر ان مخالفتوں کے باوجود احمدیت کو یہ فائدہ ہوا کہ لوگوں نے احمدیہ لٹریچر پڑھنا شروع کیا - احمدیوں کو صبر و تحمل سے مخالفت برداشت کرنے کی تلقین کی گئی تھی یہ نمونہ دیکھ کر نیک فطرت لوگوں کو احمدیت کی طرف توجہ پیدا ہوئی اور بہت سے لوگوں نے تبلیغ بھی سنی - کاپرن میں نئی جماعت قائم ہوئی تھی - تحصیل کولگام میں مجالس خدام الاحمدیہ قائم ہو کر بلا تفریق مذہب عوام کی فلاح و بہبود کے کاموں میں مصروف رہیں - آسنور کے خدام نے خدمتِ خلق کے پیش نظر گاؤں کی گلیاں اور سڑکیں صاف کرنے کے علاوہ نصف میل تک ایک پبلک سڑک بھی درست کی - سردی اور برفباری کے موسم میں غیر از جماعت کے مُردوں کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں جبکہ کوئی بھی کام کی جرأت نہ کرتا تھا ان کا ہاتھ بٹایا اور قبریں کھودیں - اسی طرح جب ہندو جاگیردار کورپل فوت ہو گیا تو آسنور کے خدام نے کئی گز برف میں

لکڑی کاٹ کر نعش کو ہندو رسوم کے مطابق جلانے کے انتظام میں مدد دی۔ ان امور نے مخالفین کو اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ اور احمدیت آگے بڑھتی گئی۔

بدرسوم کے خلاف جدوجہد

۷ مئی ۱۹۴۴ء مجلس انتخاب جماعتہائے احمدیہ کشمیر مسجد احمدیہ سرینگر میں زیر صدارت چوہدری عبدالواحد مرحوم منعقد ہوا۔ جو نو گھنٹے تک جاری رہا۔ اکثر جماعتوں کے نمائندے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی حضرت خلیفہ عبدالرحیم صاحب رضی اللہ عنہ شامل اجلاس تھے۔ تبلیغ و تعلیم کے متعلق متعدد تجاویز پیش ہو کر پاس ہوئیں۔ اسلامی تمدن کے قیام اور غیر شرعی رسوم کے دور کرنے کے لئے ایک کمیشن زیر صدارت مولوی عبدالواحد صاحب مبلغ مقرر کیا گیا جنہوں نے کشمیر میں مروجہ رسوم کے متعلق تحقیقات کر کے امیر جماعتہائے احمدیہ کشمیر کو رپورٹ پیش کی اور امیر صاحب نے یہ رپورٹ خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کی۔ وقتاً فوقتاً اخبار الفضل کے ذریعہ اہل کشمیر کو بدعات و رسوم سے بچنے کی بھی تلقین کی جاتی رہی تا کہ ملک اور عوام ترقی کر سکیں۔[1]

شاہی تحقیقاتی کمشن میں عوامی بہبود کے لئے اہم تجاویز

جون ۱۹۴۴ء میں چوہدری عبدالواحد صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ کشمیر (مدیر اخبار اصلاح) نے ریاست جموں و کشمیر کے شاہی تحقیقاتی کمیشن برائے اصلاحات میں پچاس فل سکیپ صفحات پر مشتمل ایک مبسوط و مدلل بیان پڑھا۔ ۵، ۶ جون ۱۹۴۴ء کو یہ بیان آپ نے ساڑھے تین گھنٹے میں سنا کر ختم کیا۔ اپنے بیان کے شروع میں آپ نے واضح کیا کہ ایسی تجاویز ہونی چاہئیں جن پر گامزن ہو کر ریاست کی جملہ اقوام یکساں طور پر ترقی کر سکیں۔ اور پسماندہ طبقات کو بھی یکساں ترقی کرنے کا موقعہ مل سکے۔ جب تک ایسا نہ ہو گا ملک حقیقی فارغ البالی اور ترقی کا منہ نہ دیکھ سکیگا۔ آپ نے عوام کی مفلسی۔ اقتصادی اصلاح۔ صنعتی تنزل اور صنعتی ترقی کے ذرائع سرکاری ملازمتوں میں تناسب کے قیام۔ ریاستی پریس۔ تبدیلیٔ مذہب اور ذبیحہ گائے کی اصلاح کی طرف حکومت کی توجہ مبذول کرا کر اہم تجاویز پیش کیں۔ اور ریاستی عوام کی بڑی خدمت انجام دی۔

انہی ایام میں خواجہ غلام نبی گلکار صاحب جنرل سیکرٹری آل جموں و کشمیر مسلم ویلفیئر ایسوسی ایشن سرینگر نے ایک بیان میں واضح کیا کہ صدر تحقیقاتی کمشن ریاست جموں و کشمیر کا رویہ جانبدارانہ

[1] بدرسوم کی تفصیلات کیلئے دیکھیئے خاکسار کا مرتب کردہ کتابچہ "بدرسوم کے خلاف جہاد" شائع کردہ نظارت اصلاح و ارشاد ربوہ

اور مسلم آزاری کا حامل ہے۔ لہٰذا جب تک وہ اپنے رویّہ کو غیر جانب دارانہ نہ بنائیں مسلمانوں کو اُن سے کسی انصاف کی توقع نہیں۔

مولوی عبداللہ ناصر الدین صاحب کی ایک اور اہم شہادت

۲۹ رجون ۱۹۳۲ء کو سرینگر میں شاہی تحقیقاتی کمشن برائے اصلاحات میں مولوی عبداللہ ناصر الدین صاحب مولوی فاضل وید بھوشن کا دیر تیرتھ کی جماعت احمدیہ کی طرف سے اہم شہادت ہوئی۔ مولوی صاحب موصوف کی آمد کا شہرہ سُن کر زائرین کی گیلری میں کافی ہجوم ہو گیا مولوی صاحب نے وید سمرتیوں اور بعض ودوان ہندوؤں کے اقوال سے ثابت کیا کہ ویدک دھرم کی رُو سے گائے کا ذبیحہ قربانی اور اس کا کھانا نہ صرف درست اور واجب ہے بلکہ باعثِ ثواب ہے۔ آپ نے بتلایا کہ وید کی رُو سے کسی ہندو کے مذہب تبدیل کرنے پر جائیداد ضبط نہیں ہونی چاہیئے۔ جب آپ نے وید سمرتیاں اور وید منتر کے شلوک پڑھے تو ممبران کمشن اور حاضرین خاص طور پر متاثر ہوئے۔ جب آپ اپنی تحریر کردہ شہادت پڑھ چکے تو ممبروں اور صدر نے آپ پر جرح کی۔ آپ کی شہادت پونے دو گھنٹے جاری رہی[1]

مہاراجہ صاحب کشمیر کو دعوتِ حق کا پیغام

جب مہاراجہ ہری سنگھ والیٔ کشمیر ولایت سے بخیریت واپس کشمیر آئے تو خواجہ غلام نبی صاحب گلکار سیکرٹری اور خازن جماعتہائے احمدیہ کشمیر نے ریاست کی احمدیہ جماعتوں کی طرف سے ہدیۂ تہنیت پیش کرتے ہوئے احمدیہ البم اور ٹیچنگز آف اسلام Teachings of Islam ارسال کر کے پیغامِ حق پہنچایا۔

صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کا دورہ کشمیر اور صوبائی جلسہ سالانہ میں تقاریر

اگست ۱۹۳۲ء میں صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کشمیر کے تبلیغی و تربیتی دورہ پر تشریف لے گئے۔ آپ نے ہاری پاری گام۔ چک ناندرہ شرت۔ کنہ پورہ۔ یاڑی پورہ۔ کاپرن۔ رشی نگر۔ آسنور اور کوریل کی جماعتوں اور خدام کا معائنہ کیا۔ جگہ جگہ آپ کا استقبال کیا گیا۔ آپ نے ہر جگہ جماعتوں اور خدام میں تقاریر اور نصائح کیں۔ جلسہ سالانہ صوبائی یاڑی پورہ میں منعقد کیا گیا۔ اس میں آپ نے دو تقاریر کیں۔ مولوی عبدالغفار صاحب مدیر "اصلاح" اور چوہدری عبدالواحد صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ کشمیر بھی آپ کے ہمراہ تھے۔

[1] یاد رہے کہ ذبیحہ گاؤ پر جرم قید اور تبدیلی مذہب پر ضبطی جائیداد ایسے دو قانون تھے جن کی اصلاح پر مہاراجہ کسی طرح بھی رضامند نہیں تھے اور کہتے تھے کہ یہ ریاست کے بنیادی دستور ہیں اور مہاراجہ بنتے وقت حلف اٹھانا پڑتا ہے ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ مگر بعد میں اصلاح ہو گئی

ناظر بیت المال کا دورہ کشمیر

اگست ۱۹۴۴ء میں ناظر صاحب بیت المال خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب نے کشمیر کی جماعتوں کا دورہ کیا۔ امیر صاحب جماعتہائے احمدیہ کشمیر چوہدری عبدالواحد صاحب اور سید محمد لطیف صاحب انسپکٹر بیت المال آپ کے ہمراہ تھے۔ اطفال و خدام کی طرف سے جگہ جگہ استقبال کیا گیا۔ رشی نگر، آسنور۔ مونہ جی کاپرن۔ یاڑی پورہ۔ چک ایمرچھ۔ کنہ پور۔ شرت۔ بوگام۔ بونس۔ اور اننت ناگ کی جماعتوں میں تقاریر و نصائح کا سلسلہ جاری رہا۔

ایک غیر از جماعت مؤرخ کشمیر کے تأثرات

۱۹۴۳ء میں آسنور میں جلسہ ہوا۔ تو ایک غیر از جماعت فاضل صوفی غلام محی الدین (مصنف کشمیر) سیاحت کشمیر کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ اور چوہدری عبدالواحد ایڈیٹر اخبار اصلاح سرینگر سے ذاتی تعلقات کی بناء پر وہ بھی جلسہ میں شامل ہوئے۔ آسنور میں جلسہ کا انتظام۔ تنظیم۔ اطاعت امام کو دیکھکر انہوں نے اس تاثر کا اظہار کیا کہ کشمیر کے لوگ بالفرض مذہبی لحاظ سے امام جماعت احمدیہ کی بیعت نہ کریں صرف سیاسی امور میں انکی اطاعت کرلیں تو کشمیر سارے کا سارا تھوڑے عرصہ میں ہی آزاد ہو جائے۔

مسجد احمدیہ رشی نگر کی اراضی پر ہندوؤں کی دست درازی

مارچ ۱۹۴۵ء میں رشی نگر تحصیل کولگام کی مسجد احمدیہ کی مقبوضہ زمین پر وہاں کے ایک جاگیردار ذیلدار ٹھاکر امر سنگھ کے لڑکوں نے جبراً قبضہ کر کے دوکان کی تعمیر شروع کر دی جس پر بڑی مقدمہ بازیاں ہوئیں اور احمدیوں پر طرح طرح کے مظالم روا رکھے گئے ایک احمدی کا مکان بھی اس سلسلہ میں جلا دیا گیا۔ احمدیوں پر سرکاری حکام سے مل کر ہتک وغیرہ قسم کے بناوٹی مقدمات دائر کئے گئے اور گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ تاہم احمدیوں نے پرامن رہ کر اور مظالم برداشت کر کے اپنا حق حاصل کر لیا اور مخالف ناکام رہے۔

محکمہ قضا قادیان کی طرف سے کشمیر کیلئے قاضیوں کے بورڈ کا تقرر

کشمیر میں احمدیت کی ترقی کے ساتھ ساتھ باہمی بعض تصفیہ طلب مسائل بھی اُٹھ کھڑے ہوتے تھے چنانچہ محکمہ قضا قادیان کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی منظوری سے پانچ حضرات پر مشتمل قضا بورڈ مقرر کر دیا گیا اور قرار دیا گیا کہ کوئی تین قاضی بیٹھ کر ریاست ہی میں تنازعات و مسائل کا فیصلہ کر دیا کریں قاضیوں کے

نام یہ تھے (۱) سید قطب الدین صاحب صدر جماعت احمدیہ آسنور (۲) مولوی حبیب اللہ صاحب امام مسجد آسنور (۳) میاں محمد یوسف خان صاحب بی۔اے۔ایل ایل بی بارہ مولا (۴) میر غلام محمد صاحب باڑی پورہ (۵) شیخ محبوب الٰہی صاحب ٹیچر مڈل سکول کولگام (حال راولپنڈی)

میرپور میں احمدی مبلّغین کی تقاریر

۹ر جولائی ۱۹۳۵ء کو مسجد پیر بھون شاہ میرپور میں عام جلسہ ہوا جس میں مسلمان، ہندو۔ سکھ اصحاب نے شرکت کی۔ ماسٹر محمد عمر صاحب نے ہندو مسلم اتحاد اور گیانی عباد اللہ صاحب حال مینیجر الفضل نے سکھ مسلم اتحاد پر تقریریں کیں۔ دوسرے دن اہلحدیث اور سکھ صاحبان کی خواہش کے مطابق ایک اور مقام پر جلسہ ہوا جس میں وید۔ گرنتھ اور قرآن مجید کی پیش کردہ امن و رواداری کی تعلیم پیش کی گئی۔ دونوں جلسوں کا اثر توقع سے بڑھ کر ہوا۔

رشی نگر میں جلسہ سالانہ

۲۸/۲۹ر جولائی ۱۹۴۵ء جماعتہائے کشمیر کا جلسہ سالانہ رشی نگر میں منعقد ہوا جس کے چھ اجلاس ہوئے۔ مرکزی اور مقامی احمدی مبلّغین نے تقاریر کیں۔ ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم نے میجک لنٹرن کے ذریعہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے الہامات کی روشنی میں جنگ کے فوٹو اور بعض دردناک نظارے دکھا کر تقریر کی اور دیہاتیوں کے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے۔

ڈاکٹر یوسف سلیمان جنوبی افریقہ کی سرینگر میں آمد اور قبر عیسٰی علیہ السلام کی زیارت

۱۲ر مارچ ۱۹۴۶ء کو جنوبی افریقہ سے ڈاکٹر یوسف سلیمان صاحب قادیان اور قادیان سے سرینگر تشریف لائے اور آپ نے جماعت احمدیہ سری نگر کے نمائندوں سے ملاقات کر کے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا کہ مَیں حضرت عیسٰی علیہ السلام کا مقبرہ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ انہیں خانیار سری نگر لے جایا گیا۔ انہوں نے مقبرہ عیسٰی علیہ السلام کی زیارت کر کے دعا کی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ زیارت ہوگئی۔ اس سلسلہ میں آپ نے مجاورین کو نذرانہ وعطیات بھی دیئے اور شکرانہ کے نوافل بھی ادا کئے۔ آپ نے دعوتِ چائے کے موقعہ پر اپنی قبولِ احمدیت کی دلچسپ داستان بھی سنائی اور دو دن قیام کر کے واپس قادیان چلے گئے۔

جماعتہائے کشمیر کیلئے ایک ضروری فتویٰ

کشمیر کے بعض علاقوں میں یہ رسم پائی جاتی تھی کہ لڑکی کے والدین یا دوسرے رشتہ دار نکاح کرتے وقت مہر کے علاوہ دولہا سے ایک زائد رقم لیتے تھے جسے لوگ رسم بوگ کہتے ہیں۔ اس کے

بارہ میں ناظر تعلیم و تربیت قادیان کی طرف سے الفضل میں اعلان کر دیا گیا کہ مہر بیوی کی ملکیت اور اُس کا حق ہے۔ مہر کے علاوہ نکاح کے عوض میں کوئی اور رقم وصول کرنا شریعتِ اسلامیہ کے سراسر خلاف ہے لڑکی کے ولی کو اس قسم کی رقم لینا قطعی ناجائز ہے۔ یہ ایک قسم کی بردہ فروشی ہے اور نظارت تعلیم و تربیت اس رسم بوگ کے ناجائز ہونے کا صریح اعلان کرتی ہے۔ جماعتوں کو چاہیئے کہ خلاف ورزی کرنے والے احباب کے متعلق کارروائی کر کے تعزیر لگانے کی سفارش کریں۔

خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں ایڈریس اور آپ کی جوابی تقریر

اپریل ۱۹۴۷ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کشمیر کے احباب نے قادیان میں دعوت چائے دی اور ایڈریس پیش کیا۔ ایڈریس کے جواب میں حضور نے تقریر فرمائی جس میں کئی اہم باتیں بیان کیں۔ آپ نے فرمایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قبرِ مسیح کشمیر کے متعلق تحقیقات اہم مسئلہ ہے۔ حضورؑ نے فرمایا ہے کہ مسیح علیہ السلام کی موت میں اسلام کی حیات وابستہ ہے۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ کشمیر سے اسلام کی حیات وابستہ ہے اور تحریک کشمیر ۱۹۳۱ء میں جماعت احمدیہ کی مساعی کا ذکر فرمایا کہ کس طرح اس جدوجہد کے نتیجہ میں اہل کشمیر کو بہت سے حقوق ملے اور آئندہ حقوق حاصل کرنے کا راستہ کھلا۔ پھر فرمایا کہ اس کے بعد کشمیر کے لیڈر غلط طریق کار پر چل پڑے۔ میں نے جو طریق عمل بتایا تھا وہ درست تھا۔ مگر انہوں نے کشمیری پنڈتوں کو ساتھ ملایا۔ حالانکہ ہم اُن سے ہی کچھ لے کر مسلمانوں سکھوں اور ڈوگروں کو دینا چاہتے تھے۔ پھر بھی جو کامیابی ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ نظر آتا تھا۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ کشمیر کی سیاست سے ہمیں دلچسپی ہے۔ اب بھی اگر کشمیر میں کوئی جماعت ایسی ہو جو ہم سے امداد کی خواہاں ہو اور ہمارے مشورہ پر چلے تو کامیابی ہو سکتی ہے مگر جب تک موجودہ ذہنی حد کو نہ پہنچے تب تک ترقی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد آپ نے کشمیر کی جماعتوں کی ترقی اور تعلیم و تربیت کے اہم امور پر روشنی ڈالی اور احباب کو بہت قیمتی مشوروں سے نوازا

فصل دوئم

تقسیم ہند کے بعد باہمی امن و رواداری، اصلاح معاشرہ اور ملکی ترقی کی ریاست گیر جدوجہد

دو قومی نظریہ اور تقسیم ہند کے نتیجہ میں باہمی ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو شدید نفرت اور کشیدگی پیدا ہو چکی تھی اس کی جگہ باہمی بین المذاہب امن و رواداری اور ایک دوسرے کے مذہبی پیشواؤں کا

احترام قائم کرنے کی ضرورت تھی۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے حالات کا یہ بھی تقاضا تھا کہ مذہبی آزادی کو اصلاح معاشرہ کی غرض سے ریاست میں پھر ایک ہمہ گیر جد و جہد کی جائے۔ علاوہ اس کے ریاست کی احمدی جماعتیں بھی تقسیم ہند اور ریاست میں جنگ آزادی سے متاثر ہوئی تھیں ان میں بھی ازسرِنو تنظیم قائم کرنے اور مذہبی بیداری پیدا کرنے کی ضرورت تھی۔ مسلم فرقوں میں بھی باہمی تعصب اور انتشار پھیلا ہوا تھا۔ وہ ابتداء ہی سے ایک دوسرے سے دست و گریبان ہوتے اور معمولی اختلافات پر ایک دوسرے پر کفر کے فتوے صادر کر رہے تھے۔ جماعت احمدیہ سب فرقوں کی مخاصمت جبر و تشدد و منافرت اور اشتعال انگیزی کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے مذہبی آزادی کے لئے خاص جد و جہد کی ضرورت تھی تاکہ ملک امن و آزادی اور باہمی محبت کے ساتھ ترقی کے راستہ پر گامزن ہو۔ ریاستی جماعتہائے احمدیہ نے ان تمام محاذوں پر اپنی وسعت کے مطابق جہاد جاری رکھا۔

اس سلسلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی ہدایات کے مطابق "پیشوایان مذاہب کے ریاست گیر دن" منائے گئے۔ جن میں عام جلسے کر کے اکثر غیر مسلم مقررین اور علماء بلا کر بانیان مذاہب کی سیرت اور ان کی تعلیمات پر تقریریں کروائی جاتی تھیں۔ اس مقصد کے تحت ہندوستان و کشمیر کے اطراف و اکناف میں مجوزہ پروگرام کے تحت ہر ممکن تدابیر کی گئیں۔ خاص یوم منائے جانے کے علاوہ علماء کے تبلیغی و تربیتی دورے کرائے گئے، وفود بھیجے گئے۔ دعوتی مجالس منعقد کی گئیں۔ بار بار یوم تبلیغ بھی منائے گئے۔ اردو، انگریزی، گورمکھی وغیرہ زبانوں میں لٹریچر بھی تقسیم کیا گیا۔

یومِ پیشوایانِ مذاہب

۱۹۵۲ء میں یاڑی پورہ میں "یوم پیشوایان مذاہب" منایا گیا جس میں حضرت کرشن علیہ السلام[1] اور حضرت بدھ علیہ السلام اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی سیرت و تعلیمات پر تقاریر کی گئیں۔

جون ۱۹۵۴ء میں ریاستی جماعتوں میں تبلیغی و تربیتی دورہ پر حکیم محمد سعید اور حاجی عبد الغنی کو بھیجا گیا۔ اگست ۱۹۵۴ء سب جج پونچھ کو دعوت پر بلایا گیا جس میں ڈپٹی کمشنر پولیس اور دیگر افسران شریک ہوئے۔ ہندو سب جج نے جوابی تقریر میں کہا کہ اگر میں کبھی مسلمان ہوا تو احمدی مسلمان ہی بنوں گا۔

۲۰ مئی ۱۹۵۶ء کو ناسنور میں یوم تبلیغ منایا گیا۔ ۹ جولائی تا ۱۵ جولائی ۱۹۵۹ء جماعتہائے احمدیہ

---

[1] کرشن و بدھ علیہم السلام وغیرہ ہندی انبیاء کی تفصیل "انبیاء پاک و ہند" کے نام سے خاکسار کے غیر مطبوعہ مقالہ میں مل سکتی جو زیر طبع ہے۔

کشمیر کے دورہ پر مولوی شریف احمد امینی مبلغ سلسلہ اور شیخ عبدالحمید صاحب بی۔اے ناظر بیت المال قادیان بھیجے گئے۔ انہوں نے پاڑی پورہ۔ کنڈ پورہ۔ آسنور۔ رشی نگر۔ ماندوجن۔ شوپیاں۔ سری نگر۔ گلمرگ شرت بھدرواہ۔ پانڈی پورہ۔ چک ایمرچ۔ ہاری پاری گام۔ جموں۔ پریم کوٹ وغیرہ علاقوں کا دورہ کیا۔ اور جماعتوں میں دینی و اخلاقی بیداری پیدا کی۔ اپریل ۱۹۶۰ء کو شیخ حمید اللہ مبلغ سرینگر نے بھی مع دیگر مقامی مبلغین تبلیغی و تربیتی دورہ کیا اور عوامی جلسے منعقد کر کے عوام تک پیغام حق پہنچایا۔

مسجد احمدیہ پونچھ کی واگذاری

مسجد احمدیہ پونچھ جو سالہا سال کی کوششوں سے تعمیر کی گئی تھی اور تین منزلوں پر مشتمل تھی ۱۹۴۷ء سے محکمہ اوقاف کی زیر نگرانی آگئی تھی۔ جب شہر پونچھ جنگ کے دوران مسلمانوں سے خالی ہو گیا تھا تو محکمہ اوقاف نے یہ مسجد غیر احمدی مسلمانوں کے حوالے کر دی تھی۔ ۱۹۶۰ء میں یہ مسجد حکومت کشمیر کی ہدایات کے مطابق دوبارہ احمدی مسلمانوں کے حوالے کی گئی۔ اور چودہ سال بعد پھر جماعت نے اس میں نمازیں پڑھنی شروع کیں

جون ۱۹۶۰ء میں مرکزی ہدایات کے مطابق پھر مولانا شریف احمد صاحب امینی کو کشمیر بھیجا گیا۔ اور انہوں نے مختلف مقامات کا تبلیغی و تربیتی دورہ کیا۔ بھدرواہ میں بھاری جلسۂ عام ہوا جس میں ہندو اور سکھ اصحاب بھی شریک ہوئے۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ ہم نے پہلی دفعہ عمر میں ایسا جلسہ سنا ہے جس میں ہندو مسلم اتحاد کی پُر تاثیر تلقین کی گئی ہے۔ ہندو اخبارات نے بھی جلسہ کی کارروائی کو شائع کیا اور منتظمین جماعت احمدیہ سے درخواست کی گئی کہ آئندہ بھی ایسے جلسے کروا تے رہا کریں تاکہ ہندو مسلم اتحاد کی راہ ہموار ہو۔

جرمن نو مسلم احمدی کی تقاریر

وسط ۱۹۶۰ء میں جرمن نو مسلم احمدی ولیم ناصر نکوسکی صاحب ریاست میں قادیان سے ہو کر تشریف لائے۔ انہوں نے قبر مسیح ناصریؑ کی زیارت کی۔ مختلف جماعتوں کے زیر نگرانی عام جلسوں میں اپنے قبول اسلام کے حالات سنائے کہ میں کس طرح عیسائیت چھوڑ کر مسلمان ہوا اور یہ کہ کس طرح پچھلی دو عظیم جنگوں کے بعد عیسائیت سے متنفر ہوا۔ اور صحیح مذہب کی جھلک جماعت احمدیہ کے ہاں پا کر احمدیت قبول کی۔ جنم اشٹمی بھدرواہ۔ جامع مسجد پونچھ میں بھی احمدی مبلغین کی تقاریر ہوتی رہیں۔

مرکزی وفد کا دورہ ۱۹۶۱ء

اکتوبر ۱۹۶۱ء میں ایک اور مرکزی وفد جو مولانا بشیر احمد صاحب

(مبلغ سلسلہ) بابو محمد یوسف امیر جماعتہائے احمدیہ جموں اور انسپکٹر بیت المال پر مشتمل تھا ریاست میں متعین کیا گیا۔ جس نے سٹرت۔ کنہ پورہ۔ بانڈی پورہ۔ چک ایمرچ اور علاقہ پونچھ کے مواضعات کا تبلیغی و تربیتی دورہ کیا۔ جلسے کئے اور تقاریر کیں۔ یاری پورہ۔ ماندوجن۔ آسنور۔ رشی نگر۔ ہاری پاری گام۔ کوٹلی کالابن جموں وغیرہ میں بھی جلسے ہوئے۔

گوردوارہ سنگھ سبھا اور گورونواس منڈل میں تقاریر

مولانا بشیر احمد صاحب موصوف نے گوردوارہ سنگھ سبھا اور گورو نواس منڈل میں ان کی دعوت پر گورو نانک اور سری کرشن جی کی تعلیمات پر تقریریں کیں۔ ان تقاریر کی شہرت ہوئی تو اکثر ہندو اور سکھ بھائی قادیان سے مبلغین و مقررین منگوا کر ہندو مسلم اتحاد کے مقصد کے تحت تقریریں کروایا کرتے تھے۔ نومبر ۱۹۶۱ء میں سکھ کلچر ایسوسی ایشن جموں کی طرف سے نظارت دعوت و تبلیغ قادیان سے مبلغ بھیجنے کی درخواست کی گئی چنانچہ گیانی عبداللطیف کو جموں بھیجدیا گیا۔ انہوں نے وہاں پانصد ہندوؤں اور سکھ معززین میں تقریر کی جن میں بڑے بڑے سفیر، ڈاکٹر، وکلاء حکومت کے ذمہ دار عہدیدار گزیٹیڈ افسران، ایم۔ ایل۔ اے تاجر اور شہر کے معززین شامل تھے۔ جلسہ ختم ہونے پر ہندی۔ گورمکھی اردو اور انگریزی ٹریکٹ بھی تقسیم کئے گئے۔

۱۹۶۳ء میں قادیان سے مولانا محمد کریم الدین صاحب سری نگر میں متعین ہوئے۔ جمعیت ہمدانی کے زیر اہتمام ۱۱ر اگست ۱۹۶۳ء کو خانقاہ معلی میں یوم سیرت النبی منعقد کیا گیا۔ جمعیت کی دعوت پر مولانا موصوف نے بھی تقریر کی۔ جنم اشٹمی کے تہوار پر بھی انہیں تقریر کا موقعہ دیا گیا۔

سالانہ کانفرنس

تقسیم ہند ۱۹۴۷ء کے بعد ملکی حالات ناساز گار ہو چکے تھے۔ اور ریاستی جماعتیں اپنے مرکز قادیان سے تسلی بخش طور پر رابطہ قائم نہ رکھ سکی تھیں۔ اور جمود کی سی کیفیت جماعتوں پر طاری ہو چکی تھی اس لئے جماعتوں میں پہلی کی سی بیداری پیدا کرنے کے لئے کنہ پورہ میں دھوم دھام سے سالانہ کانفرنس ۱۴ر ستمبر ۱۹۶۳ء منعقد ہوئی۔ مولانا شریف احمد صاحب امینی اور مولانا محمد سلیم مرکزی مقررین تھے۔ اسلام اور امن عالم، اسلام اور کمیونزم۔ اولیائے کشمیر کی اسلامی خدمات۔ ہستی باری تعالیٰ۔ جماعت احمدیہ کی خدمات اور سیرت النبی کے عنوانات پر تقریریں ہوئیں۔ محترم ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ قادیان حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد مدظلہ اور ناظر بیت المال عبدالحمید عاجز اور ناظر امور عامہ قادیان کے خاص پیغامات جلسہ میں پڑھ کر سنائے گئے جن میں احمدیت کے نقطۂ نظر سے کشمیر کی اہمیت اور اس کے پیش نظر اہل کشمیر کی ذمہ داریوں

کی طرف توجہ دلائی گئی۔ جلسہ میں ہندو عورتوں اور مردوں نے بھی شرکت کی اور اچھا اثر لیا۔

پونچھ میں پیشوایان مذاہب کا جلسہ

اگست ۱۹۶۷ء میں پونچھ میں پیشوایانِ مذہب کا جلسہ تین دن تک جماعت احمدیہ مقامی کے زیرِ اہتمام ہوتا رہا جسمیں ہندو، سکھ اور مسلم نمائندوں نے باہمی بین المذاہب رواداری اور امن و محبت کی ضرورت پر تقاریر کیں۔

سالانہ مرکزی وفود برائے کشمیر کا سلسلہ

۱۹۶۶ء میں ریاستی حالات کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہر سال کشمیر کی جماعتوں کے تربیتی و تبلیغی مقاصد کے تحت مرکزی علماء کے وفود کا سلسلہ جاری رہے اس پروگرام کے تحت اکتوبر ۱۹۶۶ء میں نظارت دعوت و تبلیغ قادیان کی طرف سے جماعتوں میں دورہ کے لئے درج ذیل افراد پر مشتمل وفد تجویز ہوا۔

مولوی عبد الحق (مبلغ بہار) ۔ بابو تاج الدین (امیر صوبائی جماعتہائے کشمیر) مع مقامی مبلغین۔

اگست ۱۹۶۷ء میں وفد مولانا بشیر احمد (مبلغ دہلی) ۔ مولانا سمیع اللہ ۔ مولوی کریم الدین شاہد۔ اور مولوی عبد الحق پر مشتمل تھا۔

۱۹۶۸ء میں مولانا بشیر احمدؐ کے علاوہ حکیم محمد دینؐ صاحب مبلغ بنگلور۔ مولوی عبد الحقؐ۔ مولوی بشیر احمدؐ خادم مبلغ سادھن اور مولوی محمد عبد اللہ فرخ کو بھیجا گیا۔

۱۹۶۹ء میں اوّل الذکر، ثالث الذکر۔ رابع الذکر کے علاوہ مولوی شبیر احمد مدرس مدرسہ احمدیہ قادیان۔ شیخ غلام نبی (مبلغ یادگیر) وفد میں شامل تھے۔

ان وفود نے جابجا جماعتوں کے تبلیغی و تربیتی جلسوں میں تقاریر کیں۔ لجنہ اماء اللہ کے جلسے بھی ہوئے۔ شبینہ اجلاس بھی ہوتے رہے۔ مقامی مبلغین نے کشمیری زبان میں تقریریں نعتیں اور نظمیں پڑھیں۔ خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ (پاکستان) کی آمدہ ہدایات کے مطابق واقفین عارضی کے وفود بھی ریاست میں آکر کام کر رہے تھے۔ رشی نگر۔ آسنور۔ کوریل۔ یاڑی پورہ۔ شرت کہنہ پورہ۔ چک ایمرچ وغیرہ میں سالانہ جلسے ہوئے۔ ان جلسوں میں ہندو اور سکھ مرد اور عورتیں شامل ہوئے۔ جماعتوں کی تربیت کی طرف خاص توجہ دی گئی۔ تعلیم القرآن کلاسیں کھولی گئیں۔ خدام الاحمدیہ اور اطفال کے علیحدہ جلسے ہوتے رہے

اکتوبر ۱۹۶۹ء میں ایک غیر مسلم لڑکی کی مسلمان سے شادی پر ہندو مسلم فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ مولوی بشیر احمد نے انمنت ناگ ٹریننگ کالج میں باہمی فرقہ وارانہ امن کی ضرورت پر تقریر کی

اور لٹریچر تقسیم کیا۔ اسی سال امریکہ کی ٹیم نے چاند پر قدم رکھا تھا۔ اِس بارہ میں واضح کیا گیا کہ انسان کا چاند تک رسائی حاصل کرنا موجودہ یاجوج ماجوج یعنی روس و انگریز کے زمانہ میں قرآنی پیشگوئیوں کے مطابق ہے جبکہ امام مہدی (کرشن ثانی) بھی ظاہر ہو چکے ہیں۔

غرضیکہ ہر موقع پر جب بھی ریاستی عوام کو جماعت احمدیہ کے تعاون اور خدمت کی ضرورت پڑی جماعت نے بلاتمیز مذہب، ہر رنگ میں تعاون کیا۔ عوام کی خدمت اور راہنمائی کی۔ باہمی فرقہ وارانہ امن کے قیام میں مقدور بھر مدد دی۔ بانیانِ مذاہب کا یکساں طور پر احترام کی تلقین کر کے بین المذاہب رواداری پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لوگوں تک پیغامِ حق پہنچانے میں بھی دریغ نہیں کیا۔ معاشرہ میں بد رسوم کی اصلاح کی۔ مذہبی آزادی کے قیام کے لئے جد وجہد کی۔ اُن پر کفر کے فتوے بھی دیئے گئے اُن سے معاشرتی بائیکاٹس بھی کرائی گئیں۔ تجارت، زراعت، صنعت و حرفت۔ ملازمت اور دیگر معاشی کاموں میں بھی نقصانات پہنچانے کی کوششیں کی گئیں۔ مالی و جانی زک پہنچانے میں بھی دریغ نہیں کیا گیا۔ غرضیکہ کونسی تکلیف تھی جو احمدیوں کو نہ پہنچائی گئی ہو۔ مگر ان تمام مشکلات و مصائب اور آگ کے طوفانوں سے گذرتے ہوئے بھی انہوں نے عوام کی فلاح وبہبود اصلاحِ مذہب و اخلاق، اصلاحِ معاشرہ اور ملکی ترقی میں حتی الوسع اپنا حصہ ادا کیا اور جہاد جاری رکھا اور آج تک یہ مقدس جہاد جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہیگا۔ اِس جہاد کو دیکھ کر بے ساختہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ و خلفاء کا وہ تبلیغی جہاد یاد آتا ہے جو انہوں نے آج سے پونے چودہ سو سال قبل مکہ معظمہ اور دیگر علاقوں میں کیا تھا اور احمدیوں پر مظالم و مصائب بھی مکہ کے منکرین اسلام کے مظالم و مصائب کی یاد دلاتے ہیں جو انہوں نے تبلیغ اسلام کرنے والے مجاہدین پر روا رکھے تھے۔ یا اوائل صدیوں میں مبلغین اسلام پر جو کشمیر میں آئے متعصب ہندوؤں نے روا رکھے تھے۔ حالانکہ تبلیغی جہاد کو ہی قرآن مجید کی آیت "وجاھدھم بہ جھادًا کبیرًا" (الفرقان ع) میں جہادِ کبیر قرار دیا گیا ہے۔ یعنی قرآن مجید کے دلائل کے ساتھ جہاد کرنا۔

له اس میں قرآن مجید کی اس پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے۔ حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ - وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ (الآیۃ) (انبیاء ع) جس میں پیشگوئی تھی کہ یاجوج وماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر اونچائی پر سے دوڑ رہے ہونگے۔ یہاں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں تفصیل دیکھنی ہو تو ہماری کتاب "مسیح دجال اور یاجوج وماجوج کا ظہور" کا انتظار فرمادیں جو منتظر طبع ہے۔ جس پر ادارہ فضل عمر فاؤنڈیشن نے مؤلف کتاب ہذا کو ایک ہزار روپیہ نقد انعام دیا ہے۔

باب ششم

مبلغین و مربیان سلسلہ احمدیہ ریاست جموں و کشمیر

ریاست میں جوں جوں احمدیت وسیع ہوتی گئی اور اطراف و اکناف میں جماعتیں قائم ہوئیں اُن کی اور ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کی ضرورت پڑی اِس ضرورت کے پیش نظر مرکز کی طرف سے وقتاً فوقتاً مُبلغین و مُربیان اور معلمین جماعتوں میں مقرر کئے گئے جنہوں نے جماعتی افراد اور بچوں کی تعلیم و تربیت کی اور تبلیغی خدمات بھی سرانجام دیں۔ ریاستی مبلغین میں ایسے بھی ہیں جنہیں پاکستان و ہندوستان اور تحریک جدید کے تحت بعض بیرونی ممالک افریقہ، امریکہ وغیرہ میں بھی خدمات کا موقعہ ملا ہے۔ ان کا کام بہت اہم ہے کیونکہ انہی کے ذریعہ افراد جماعت اور اشاعت احمدیت میں توسیع و ترقی ہوتی ہے۔ ہم یہاں ان کی فہرست اور بعض کے حالات درج کرتے ہیں۔

(۱) مولوی نظام الدین رضی اللہ عنہ[۱] (۲) مولوی محمد حسین رضی اللہ عنہ[۲] (۳) مولوی محمد شاہ صاحب (۴) مولوی عبدالواحد صاحب آسنور کشمیر (۵) مولوی ظہور حسین صاحب (۶) مولوی محمد صادق صاحب حال ربوہ (۷) مولوی محمد سعید صاحب پریم کوٹ علاقہ مظفر آباد (۸) مولوی عبدالرحیم صاحب دھوڑیاں کشمیر۔ (۹) شیخ غلام احمد صاحب کشمیر (۱۰) شیخ حمید اللہ صاحب (۱۱) سید عزیز احمد شاہ صاحب (۱۲) مولوی محمد دین صاحب (۱۳) مولوی عبدالرشید صاحب ارشد (۱۴) خاکسار راقم الحروف محمد اسد اللہ قریشی ساکن شاٹھ گنڈ پائین تحصیل ہندواڑہ ضلع بارہمولا (۱۵) محمد ایوب صاحب کشمیر (۱۶) محمد حسین صاحب خادم (۱۷) گلزار احمد صاحب (۱۸) مولوی اللہ دتہ صاحب (۱۹) مولوی عبدالغفور صاحب (۲۰) عطاء الکریم صاحب ابن مولانا ابوالعطاء صاحب (۲۱) راجہ خورشید احمد صاحب منیر (۲۲) قریشی محمد حنیف صاحب قمر (سائیکل سیاح اعزازی مبلغ) (۲۳) مولوی غلام احمد صاحب نسیم (۲۴) نظام دین صاحب (۲۵) غلام نبی صاحب (۲۶) بشارت احمد صاحب (۲۷) سید عبدالحی شاہ صاحب (۲۸) حکیم عبداللطیف صاحب شاہد (۲۹) چوہدری عبدالواحد صاحب سابق ایڈیٹر "اصلاح" سرینگر (۳۰) بشیر احمد صاحب قمر

---

[۱] و [۲] ان دونوں بزرگوں کے حالات صحابہ کے باب میں گذر چکے ہیں۔

(۳۱) میر عبدالمجید صاحب شاہد (۳۲) مبارک احمد صاحب قمر شاہد (۳۳) ماسٹر بشیر احمد صاحب معلم تعلیم الاسلام سکول چارکوٹ (۳۴) مولوی محمد رمضان صاحب۔ (۳۵) مولوی عبدالرحمن صاحب گلگتی (۳۶) محمد یوسف صاحب سلیم وغیرہم۔

مکرم مولوی محمد شاہ صاحب رضی اللہ عنہ آپ اصل میں ڈیرہ غازی خاں موضع تونسہ کے باشندے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ آپ کو آسنور کی جماعت میں بھیجا گیا۔ جہاں وہ عرصہ تک کام کرتے رہے۔ آپ نے کشمیر میں فقیر محمد صاحب بھٹی کی لڑکی جسے انہوں نے دین کے لئے وقف کیا تھا شادی بھی کی اُس سے آپ کی اولاد میں سے مولوی محمد عبداللہ صاحب ہیں جنہوں نے تقسیم ہند سے قبل قادیان میں مولوی فاضل پاس کیا۔[1] شاہ صاحب ریاست کے ابتدائی مبلغین میں سے ہیں۔ آپ نے آسنور ہی میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

مولوی عبدالواحد صاحب رضی اللہ عنہ آپ آسنور کے باشندے ہیں اور مرکز کی طرف سے تبلیغ و تربیت کیلئے مقرر کئے گئے۔ آپ نے تحریک آزادی کشمیر ۱۹۳۲ء کے دوران بھی کام کیا۔ مظفر آباد میں اس سلسلہ میں جیل میں بھی رہے۔ جہاں انہیں اتنی تکلیف دی گئی کہ اُن کے مستقبل پر اثر پڑا۔ آپ صاحب کشف و رؤیا ہیں۔ آپ کا بیان ہے کہ میں ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوا ہوں والد صاحب مرحوم اور دادا صاحب مرحوم رضی اللہ عنہم ہر دو کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحابیت کا شرف حاصل ہوا تھا......

۱۹۲۳ء کی بات ہے جب میں مظفر آباد کے قید خانہ میں مقید تھا کہ رؤیا میں حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کو جیل خانہ کے باہر ڈیوڑھی پر دیکھا کہ ایک قرنا ہاتھ میں تھامے اعلانِ توحید فرما رہے ہیں۔ اور دنیا کے مشرق و مغرب، شمال و جنوب تک اس آواز کو پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بگل کی آواز اسقدر بلند ہے کہ اُس کے اطراف عالم تک پہنچنے میں شک نہیں ہوتا اِس کے بعد یا قبل بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ کو بھی بگل بجاتے دیکھا ہے۔

ایک رؤیا میں دیکھا کہ کشمیر کے ایک مشہور چشمہ کوثر ناگ کو جانے والے راستہ پر حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کا سنگین پہرہ ہے۔ اصحاب شتر سوار ہیں۔ اُس چشمہ پر سوائے اُن کے کسی کو جانے نہیں دیتے جو پاس دکھاتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ احمدی احباب بکثرت پاس دکھاتے اور آگے بڑھنے کی اجازت پاتے ہیں۔"

مکرم مولوی عبدالرحمن المعروف عبدالرحیم گلگتی آپ گلگت میں جامع مسجد کے خطیب تھے۔ جہاں

[1] آپ لرزہ خیز حالات و مشکلات میں فسادات ۱۹۴۷ء کے بعد کشمیر سے پاکستان میں آکر مقیم ہو گئے ہیں۔

خان غلام محمد صاحب احمدی سرکاری عہدیدار سے[2] آپ کو احمدیت کی کتابیں ملیں - اور گلگت میں ہی بیعت کرلی جبکہ ابھی آپ جوان ہی تھے - آپ کی سحر البیانی مسلّم تھی ۔ ایک دفعہ راجوری جاکر وعظ کا سلسلہ شروع کیا ۔ مسلمان اُن کے مواعظ حسنہ سے متأثر ہو کر منظم ہونے اور اپنے حقوق کی جد وجہد کرنے لگے تو ہندوؤں نے فرقہ وارانہ فساد کرا دیا ۔ مولوی صاحب کو بلا وجہ ملزم قرار دے کر اُن کے نام وارنٹ گرفتاری جاری کرا دیئے گئے ۔ مولوی صاحب ریاست سے نکل بھاگے ۔ آخر حکومت نے انہیں اشتہاری مجرم قرار دیکر ان کی جائداد نیلام کرنی چاہی تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے حکم سے جموں کی عدالت میں حاضر ہو گئے ۔ حضور کی دعاؤں کے طفیل حکام نے بے قصور پاکر مولوی صاحب کو بری کر دیا ۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں حضور کی دعاؤں کا زندہ معجزہ ہوں ۔ آپ ہندوستان کے مختلف حصوں حیدر آباد - اڑیسہ - کٹک - کلکتہ - نگریا - بھدرک اور کیرنگ وغیرہ میں سال ہا سال تک تبلیغ کرتے رہے اور جماعتیں قائم کیں ۔ سخت بیماری کی حالت میں فرض نماز کے علاوہ تہجد باقاعدہ ادا کرتے رہے ۔ وفات سے پہلے اپنی قبر کی جگہ اپنے احباب کو دکھلا دی ۔ ۱۱ رجون ۱۹۴۴ء میں اپنے گاؤں چک امدرو (کشمیر) میں وفات پا گئے اور وہیں دفن ہوئے[1]

ڈاکٹر نذیر الاسلام جو حکومت آزاد کشمیر میں عرصہ تک وزیر تعلیم رہے آپ کے فرزند ہیں ۔

مکرم شیخ حمید اللہ صاحب

آپ کشمیر کے رہنے والے ہیں ۔ قبول احمدیت پر شدید تکالیف برداشت کرکے مخالفین کو ناکام بنا دیا ۔ آپ نے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ میں نے قندھار (لولاب) میں احمدیت قبول کی اور قبولِ احمدیت کے بعد خاکسار کو طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں ۔ میرے اہل وعیال کو مجھ سے چھینا گیا ۔ حتیٰ کہ میرے والد اور قریب ترین عزیزوں نے بھی میرا بائیکاٹ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے استقامت بخشی ۔ اب وہاں حالات بدل گئے ہیں اور تعصب کم ہو گیا ہے ۔ شریف احمد صاحب امینی نے قندھار (لولاب) کا بھی دورہ کیا تھا جن مولویوں نے ابتداء میں احمدیت کی سخت مخالفت کی تھی اب وہ عوام کی نظروں سے گر گئے ہیں ۔ اور مخالفین اپنے تمام منصوبوں میں ناکام ہو چکے ہیں ۔

مکرم مولوی محمد حسین صاحب

مولوی عالم دین کے لڑکے چھچلہ منگوٹ تحصیل مینڈر کے رہنے والے ہیں ۔ ۱۹۵۸ء میں نظارت دعوت وتبلیغ قادیان کی وقف جدید نے

---

[1] الفضل ۲۴ رجولائی ۱۹۴۴ء ۔ ہندوستان کے علاقوں میں آپ کی تبلیغ اور جماعتوں کے قیام کی روئیداد الفضل ۱۰ رستمبر ۱۹۴۴ء میں شائع شدہ موجود ہے ۔
[2] ان کے حالات گلگت میں احمدیت کے حالات میں آئیں گے ۔

جماعت احمدیہ طالمی میں معلّم مقرر کر دیا جہاں پہلا احمدیہ مکتب قائم کیا۔ ۱۹۶۵ء کے انقلاب میں آزاد کشمیر میں آ گئے چرناڑی خلیل آباد کالونی میں تربیت و تعلیم کا کام کرتے رہے۔ آپ وقف جدید ربوہ کے تحت دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولوی عبدالرحیم صاحب

آپ میاں صلاح محمد ڈھوڈیال کے بیٹے ہیں۔ جن کے حالات گذر چکے ہیں۔ ۱۹۳۴ء میں قادیان آ کر تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۹ء میں کشمیر ریلیف کے ماتحت علاقہ پونچھ میں مقرر ہوئے۔ پھر دیہاتی مبلغین کی سکیم کے تحت کام کیا۔ گجرات۔ کوٹلی اور گوجرخان میں دینی کام کرنے کا موقعہ ملا۔ آپ کا لڑکا میر عبدالواحد سندھ میں معلّم وقف جدید ہیں۔ تیسرا لڑکا عبدالرشید ہے جس نے پہلے نظارت اصلاح وارشاد میں کام کیا۔ اب بیرونی ملکوں میں تبلیغِ اسلام کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ میاں صلاح محمد مرحوم کے دوسرے لڑکے میر غلام احمد صاحب نسیم ہیں۔

میر غلام احمد صاحب نسیم

آپ ۱۵ اگست ۱۹۳۱ء میں دھوڑیاں ضلع پونچھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کر کے چارکوٹ کے مڈل سکول میں مزید تعلیم حاصل کی۔ آپ نے مولوی فاضل کیا۔ ۱۹۴۷ء میں آپ نے زندگی وقف کی۔ ۱۹۴۹ء میں جامعہ میں داخلہ لیا۔ ۱۹۵۵ء میں جامعہ سے فارغ ہو کر دفاتر تحریک جدید میں "مسند احمد بن حنبل" کی تبویب میں کام کیا۔ ۱۹۶۰ء میں سیرالیون مغربی افریقہ بطور مبلغ بھیجے گئے۔ جہاں دسمبر ۱۹۶۳ء تک کام کیا۔ ۱۹۶۴ء میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے ایم۔ اے عربی کیا۔ اور مولوی فاضل ہونے کی وجہ سے پنجاب یونیورسٹی لاہور نے آپ کو ایم۔ او۔ ایل کی ڈگری دی۔ ۱۹۶۶ء میں ربوہ سے دوبارہ تبلیغ کے لئے گی آنا (جنوبی امریکہ) بھیجے گئے۔ جہاں سے اگست ۱۹۷۰ء چار سال سے کچھ اوپر کام کر کے واپس آئے۔ اس وقت جامعہ احمدیہ ربوہ میں بطور مدرس کام کر رہے ہیں۔

مولوی نظام الدین صاحب

چارکوٹ میں پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر جامعہ احمدیہ قادیان میں داخل ہو کر مزید تعلیم حاصل کی۔ اسکے بعد تحریک جدید کے دفاتر میں کام کیا۔ ۱۹۶۴ء میں سیرالیون بطور مبلغ بھیجے گئے۔ جہاں چھ سال تک کام کر کے واپس ربوہ آئے۔ ۱۹۷۱ء میں پھر بطور مبلغ واپس سیرالیون بھجوائے گئے جہاں اب تک کام کر رہے ہیں۔

مکرم مولوی محمد یوسف صاحب سلیم ایم۔ اے

آپ اوائل عمر میں مکرم میر حمید اللہ[1] صاحب مرحوم کے ذریعہ احمدی ہوئے۔ آپ شہر بھمبر سے پندرہ میل فاصلہ پر

---

[1] مکرم میر صاحب مرحوم ریلوے برج کے محکمے میں بمقام سکھر انسپکٹر تھے۔ کشمیر الاصل اور شیخ پور ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ اور احمدیت کے فدائی تھے۔

بنڈالہ نامی گاؤں کے رہنے والے تھے جو دائی سماعبنی میں ہے۔ آپ ۱۹۵۱-۱۹۵۲ء میں ربوہ کے جلسہ سالانہ پر آئے اور جو پروپیگنڈے لوگوں سے سُنتے تھے یہاں اُن کے خلاف پایا۔ تو فروری ۱۹۵۲ء میں بیعت کر کے احمدی ہو گئے۔ احمدی ہونے کے بعد خاندان والوں اور رشتہ داروں نے بڑی مخالفت کی۔ اور مصائب و مشکلات کا سلسلہ شروع ہو گیا لیکن ثابت قدم رہے۔ ۱۹۵۵ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے وقف زندگی کی تحریک فرمائی۔ اپنے مرسلہ حالات میں لکھتے ہیں کہ "میرے دل میں آیا کہ میں بھی زندگی وقف کر دوں۔ اس سلسلہ میں دُعا کی کہ اے اللہ! اگر میرا وقف بہتر ہو تو مجھے شرح صدر عطا فرما۔ انہی دنوں خواب میں دیکھا کہ ایک عالی شان عمارت کے سامنے کھڑا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مع خدام تشریف لائے۔ مجھے شرف مصافحہ بخشا اور اپنے ساتھ کمرے میں لے گئے۔ جہاں ایک بہت بڑے میز پر مختلف قسم کے کھانے لگے ہوئے ہیں۔ حضور نے اپنے پاس بٹھا کر کھانے کا ارشاد فرمایا کہ لو بیٹا یہ خوانِ نعمت ہے۔

دوسری خواب یہ دیکھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے مجھے یاد فرمایا۔ میں دیکھتا ہوں کہ حضور کے پاؤں میں درد ہے اور چلنے میں دقت محسوس کر رہے ہیں۔ اور خاکسار کا سہارا لینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حضور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ایک اونچے اور وسیع مکان پر چڑھتے ہیں۔ مجھے دُعائیں دیتے اور نصائح فرماتے ہیں جس سے میں بڑا خوش ہوں۔" ان دونوں خوابوں سے میرا دل مطمئن ہو گیا۔

اکتوبر ۱۹۵۵ء کو بی۔ اے کا نتیجہ نکلنے کے بعد میں نے وقف کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ حضور نے منظور فرمایا۔ چنانچہ ملازمت سے استعفیٰ دے کر ۳۰ر نومبر ۱۹۵۸ء کو جامعہ احمدیہ ربوہ میں داخل ہو گیا جون ۱۹۶۵ء میں شاہد کی ڈگری لی۔ اگلے سال ایم۔ اے کا امتحان پاس کر لیا۔ دو سال تک میں نے دارالافتاء ربوہ میں اور ایک سال تک نظارت اصلاح و ارشاد میں کام کیا اور اب ربوہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے خطبات اور تقاریر ٹیپ کرنے کے سلسلہ میں بحیثیت انچارج شعبہ زود نویسی خدمات انجام دے رہا ہوں[1]۔" آپ اپنے خاندان میں واحد احمدی ہیں۔

مکرم عبدالوہاب صاحب شاہد

آپ عبدالرحمٰن صاحب بن مولوی محبوب عالم رضی اللہ عنہ کے لڑکے ہیں۔ گوئی میں رہتے تھے۔ جبکہ ۱۹۴۸ء میں زندگی وقف کر دی اور جامعہ احمدیہ میں شاہد کی ڈگری حاصل کی۔ اس وقت نظارت اصلاح و ارشاد کی طرف سے مربی سلسلہ کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

---

[1] مرقومہ حالات از محمد یوسف سلیم بنام خاکسار مؤرخہ ۲۹ ر صلح ۱۳۴۶ ہش حال ربوہ

مکرم مولوی گلزار احمد صاحب

آپ ۱۹۳۶ء میں بمقام ٹائیں منکوٹ تحصیل ہینڈھر ضلع پونچھ معری خان قوم جنجوعہ کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مسجد احمدیہ ٹائیں منکوٹ میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب ولد مولوی محبوب عالم رضی اللہ عنہ سے حاصل کی۔

۱۹۴۸ء میں ۱۲ سال کی عمر میں آزاد کشمیر میں پناہ گزین ہوئے۔ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۶ء تک ہائی سکول کوٹلی میں مڈل پاس کر لیا۔ ۱۹۵۶ء سے ۱۹۵۹ء تک سنز انڈسٹری کراچی میں ملازمت کی۔ یکم اگست ۱۹۶۲ء کو آپ نے زندگی وقف کر دی اور وقفِ جدید قادیان کے تحت کشمیر کے مختلف علاقوں میں کام کرتے رہے سونا گلی میں ۱۹۶۲ء سے پرائمری سکول چلایا جو وقفِ جدید قادیان کے تحت تھا۔ جس میں ۱۹۶۵ء تک طلباء کی تعداد پچاس سے اسّی تک رہی۔ ۱۹۶۵ء میں آپ آزاد کشمیر چلے آئے جہاں وقفِ جدید ربوہ کے تحت معلم ہیں۔

مکرم کرم دین صاحب

آپ سونا گلی منکوٹ کے رہنے والے ہیں۔ ۱۹۴۰ء میں بیعت کی اور ۱۹۶۵ء کی جنگ میں آزاد کشمیر میں پناہ گزین ہوئے۔ ۱۹۶۱ء میں وقفِ جدید ربوہ کے ہاں زندگی وقف کر دی۔ اب معلّم کی حیثیت سے آزاد کشمیر میں کام کر رہے ہیں۔

مکرم مولوی عبدالغفور صاحب

آپ نے ۹ ۱۹۶۱ھ سے پونے دو سال تک معلّم وقفِ جدید کی حیثیت سے بھابڑا تحصیل کوٹلی اور نگیال ضلع میرپور میں تعلیم و تربیت کا کام کیا[1]۔ اُن کا بیان ہے کہ نگیال میں ایک جاہل اور متعصّب شخص نے مجھے قتل کرنے کی دھمکی دی تھی۔ مگر جس رات اس کا ارادہ قتل کرنے کا تھا اُسی رات اُس پر بیماری کا ایسا دَورہ پڑا کہ صبح وہ علاج کے لئے کراچی چلا گیا۔ اور اتنا نرم ہو گیا کہ جب بس کی انتظار گاہ پر جہاں میں صبح سیر کے لئے گیا تھا اُس کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو سلام کر کے کہنے لگا کہ علاج کے لئے کراچی جا رہا ہوں۔ میرے لئے مرکز میں اپنے حضرت صاحب کو دُعا کے لئے لکھیں۔

مکرم مولوی غلام احمد شاہ صاحب

آپ تحصیل کوٹلی گام خیرپورہ (ماندہ جن) نامی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ آپ کے مرحوم والد صاحب پیری مریدی کا کام کرتے تھے۔ مڈل پاس کر کے آپ کے والد کی خواہش تھی کہ یہ بھی پیری مریدی کے سلسلے میں منسلک ہو کر تعویذ نویسی کا کام سیکھیں مگر وہ اُن کی خواہش کے برعکس احمدی ہو گئے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اُسی گاؤں میں ایک احمدی جولاہے کا کام کرتا تھا جن سے اُن کی دوستی تھی۔ آپ نے اُسی سے کام سیکھنے کی خواہش کی اور اپنے والد سے چھپ کر دن بھر ان سے کام سیکھتے رہتے۔ یہیں آپ احمدی بھی ہو گئے۔ اِس پر آپ کے والد نے آپ سے سختی کا برتاؤ کیا حالانکہ آپ اپنے والد کے اکلوتے بیٹے

[1] وقفِ جدید کی ہدایات کے تحت پرائمری سکول کا آغاز آپ ہی نے کیا۔

تھے۔ آپ کے رشتہ کی منگنی سید خاندان سے ہو چکی تھی۔ احمدیت قبول کرنے کی وجہ سے منگنی معطل ہو گئی۔ اور آپ کے والد صاحب نے آپ پر روز بروز سختی میں اضافہ کرنا شروع کر دیا۔ جب آپ ثابت قدم رہے تو آپ کو والد صاحب نے تنگ آ کر گھر سے نکالنے کی سزا دے دی۔ آپ نے کوئی پرواہ نہ کی۔ آپ اس دوران ایک احمدی خلیل احمد شیخ کی وساطت سے قادیان بھیجے گئے۔ قادیان میں تقریباً دو سال زیر تربیت رہے۔ اس کے بعد ہوشیان تحصیل بیاسی کے علاقہ میں مبلغ بنا کر بھیجے گئے۔ اس کے بعد آپ کا رشتہ اپنے گاؤں میں ہوا۔ آجکل اپنے علاقہ میں مبلغ کی حیثیت سے متعین ہیں۔

مکرم مولوی حمید اللہ صاحب آپ کلّہ گام علاقہ لولاب کے رہنے والے ہیں۔ متحدہ ہندوستان میں فوج میں ملازم تھے اور وائرلیس اپریٹر کی سروس انجام دیتے تھے۔

وہاں انہیں محمد یعقوب نامی احمدی سے کلام محمود نامی منظوم کتاب ملی۔ کلام محمود پڑھ کر کہا کہ کاش یہ بزرگ زندہ ہوتے میں اُن کی بیعت کرتا۔ محمد یعقوب نے کہا کہ یہ تو زندہ ہیں اور ہمارے خلیفہ ثانی ہیں۔ اس پر اُس نے سخت مخالفت شروع کی اور محمد یعقوب سے بھی بائیکاٹ کیا مگر بالآخر اُن کی ثابت قدمی دیکھ کر خواہش کی کہ میں صاحب کتاب سے ملاقات کروں گا۔ چنانچہ اس مقصد سے چھٹی لے کر قادیان گئے مگر حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد (صاحب کتاب) قادیان میں اسوقت موجود نہ تھے بلکہ ڈلہوزی تشریف لے گئے تھے۔ آپ پیدل یہاں سے ڈلہوزی چلے گئے اور ملاقات کی۔ اغلباً ۱۹۲۵ء میں وہیں بیعت کر لی۔ بیعت کرنے کے بعد آپ میں تغیر آنے لگا۔ چاہا کہ ملازمت کی بجائے تبلیغ دین کی جائے۔ چنانچہ ایسے سامان ہو گئے کہ آپ کو بوجہ بیماری کے ملازمت سے فارغ کر دیا گیا۔ آپ قادیان میں آئے اور زندگی خدمت اسلام کے لئے وقف کر دی۔ تقریباً ایک سال قادیان میں زیر تربیت رہے۔ ایک سال کے بعد جب آپ اپنے وطن کلّہ گام میں آئے تو آپ کے والد نے جو آپ کے سخت مخالف ہو چکے تھے آپ کو ایک مکان کے اندر پابند کیا اور علاقہ کے لوگوں کو جمع کر کے انہیں احمدیت سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ جب آپ نے نہ مانا تو چہرہ پر تیل اور کالک ملا کر ملی اور سیاہ چہرہ کر کے گدھے پر سوار کیا اور کئی گاؤں میں جلوس کی صورت میں انہیں پھرایا۔ ایک دفعہ اُن کی بحث مولویوں سے کرائی گئی۔ جب آپ کو جلوس کے بعد گھر میں لا کر آپ کے پاؤں میں بیڑی پہنا دی گئی تو آپ نے اُن کو اُسی حالت میں معقول اور مدلل جوابات دیئے کہ اُن کے والد کو اور غصہ آیا اور آخر انہیں بیڑیاں ڈال کر مکان کو مقفل کر کے علاقہ گریز میں مریدوں کے ہاں چلے گئے۔ اُن کی بیوی کو بھی الگ کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ وہ گھبرا کر احمدیت سے باز آجائیں مگر انہوں نے کوئی پرواہ نہ کی اور احمدیت پر ڈٹے رہے

اُن کی بیوی نور بیگم کو علیحدہ جس مکان کے اندر بند کیا گیا وہاں آکر گاؤں کی مستورات اور ذی اثر لوگ اُسے سمجھاتے کہ تیرا خاوند اسلام سے منحرف ہو چکا ہے اِس لئے تو اُس سے علیحدہ ہو جا۔ اور طلاق کی ضرورت نہیں یہ نکاح خود بخود فسخ ہو چکا ہے۔ بیوی نے کہا کہ مَیں نے تو ملازمت سے واپسی پر خاوند کو ابھی تک دیکھا ہی نہیں۔ مَیں اُسے دیکھنا چاہتی ہوں۔ دیکھ کر ہی میں کوئی فیصلہ کر سکتی ہوں۔ مگر لوگوں نے اُسے خاوند دکھانے سے ہر ممکن گریز کیا۔ اور اس پر شدید سختیاں روا رکھتے رہے۔ اتفاق سے خواجہ ثناء اللہ صاحب اس علاقہ میں ایک احمدی ٹھیکیدار تھے انہیں اِن حالات کا علم ہوا۔ انہوں نے سرینگر میں خواجہ غلام نبی صاحب گلکار (ممبر اسمبلی) کو اطلاع دی گلکار صاحب نے ایس۔پی سوپور کو اطلاع دی جس پر پولیس موقع پر آئی اور شیخ حمید اللہ صاحب کو مکان کھول کر پاؤں میں بیڑی لگی ہوئی پایا۔ پولیس نے بیڑیاں کھول دیں اور اسیادہ میں علاقہ کے لوگوں پر سخت گرفت کی اور سب کی ضمانتیں لیں کہ آئندہ ایسا نہیں کرینگے اور اعلان کیا کہ اگر ان پر کسی نے سختی کی تو اُسے سخت سزا دی جائیگی۔ اِس کے بعد شیخ حمید اللہ صاحب اپنی بیوی کے ساتھ رہنے لگے۔ اور وہ بھی عقائد احمدیہ سے روشناس ہو کر احمدی ہو گئی۔ آپ مختلف مقامات پر تبلیغ کے کام پر مرکز کی طرف سے متعین رہے۔ آجکل پونچھ میں متعین ہیں۔

مکرم مولوی محمد رمضان صاحب:۔ آپ ہموسان تحصیل ریاسی ضلع ادہم پور (جموں) کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے ۱۹۵۲ء سے چھ سال تک کشمیر اور پونچھ میں کام کیا۔

مکرم قریشی محمد حنیف قمر (سائیکل سوار سیاح) آپ نے پاک و بھارت کے دُور دراز علاقوں کے بڑے تبلیغی سفر کئے اور لوگوں تک پیغام حق پہنچایا ہے۔ محنتی۔ دُعا گو۔ نفع رساں وجود صاحب کشف و رؤیا ہیں۔ زندگی مجاہدہ اور دینی خدمت میں گذار دی ہے۔ آپ اپنے خود نوشت حالات میں لکھتے ہیں کہ

یہ عاجز راقم حکیم میاں کمال الدین ابن میاں علم دین صاحب ساکن موضع کنڈور ضلع میرپور آزاد کشمیر کے ہاں ۱۸۹۸ء میں پیدا ہوا۔ یہ موضع دریائے جہلم کے کنارے قریباً دو میل دُور جانب مشرق اور شہر ڈڈیال سے ۵ میل جانب غرب ہے۔ میری والدہ ماجدہ کا نام جنت بی بی صاحبہ تھا۔ ہم اپنے والدین کے گھر پانچ بھائی اور ایک بہن تھے۔ (۱) میاں بخش عزیز (۲) میاں محمد شریف (۳) غلام فاطمہ (۴) محمد حنیف (۵) محمد انور (۶) فضل حسین (جن کا احمدی ہونے کے بعد فضل حق نام رکھا گیا) اس عاجز نے جنوری ۱۹۱۹ء میں خود قادیان میں آکر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ میرے پھوپھی زاد بھائی اور استاذ المکرم جناب ماسٹر خلیل الرحمن صاحب کے ذریعہ حضور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی خبر میرے کان میں پڑی

جبکہ یہ عاجز تعلیم حاصل کرنے کو اُن کے پاس اُن کے گاؤں پنجیڑی میں جاکر قریباً آٹھ سال مقیم رہا۔ تبلیغ سُنتا رہا۔ غالباً ۱۹۱۳ء میں عاجز نے پنجیڑی سے مڈل پاس کیا اور پھر اپنے گاؤں کنڈور جاکر ایک پرائیویٹ اسلامیہ سکول کھول کر قریباً چھ سال پڑھاتا رہا۔ اور پھر ۱۹۱۹ء میں یہ سکول اپنے چھوٹے بھائی قریشی فضل حق کے ذمہ دے کر قادیان میں جناب محترمی مرزا محمد اشرف صاحب محاسب صدر انجمن احمدیہ (ہلانوی) کے ذریعہ دفتر تعلیم و تربیت میں کارکن رہا۔ پھر جناب والد صاحب کی وفات کی خبر سُنکر گھر کے انتظام کے لیے واپس اپنے گاؤں آگیا۔ کچھ عرصہ مستری فیض احمد رضؓ صاحب کے کارخانہ فرنیچر میں بطور محرر کام کیا۔

۱۹۲۲ء میں قادیان جاکر وہیں سکونت اختیار کر لی۔ ۱۹۲۳ء میں علاقہ ملکانہ میں تبلیغ کرنے کے لئے شہر آگرہ گیا اور سائیکل چلانا سیکھا جس پر میں نے کافی سفر کئے۔ پھر موضع ساندھن کے احمدیہ سکول میں اڑھائی سال مدرس رہا۔ اسوقت قادیان میں مرزا محمد اشرف صاحب کی صاحبزادی عزیزہ بیگم صاحبہ سے میری شادی ہوگئی جو موصیہ مخلص۔ دیندار اور شریف تھیں اور ۱۹۲۶ء میں وفات پاکر بہشتی مقبرہ قادیان میں دفن ہوئیں۔ ۱۹۲۷ء میں مرکز کی طرف سے موضع کیرنگ ضلع پوری کے احمدیہ مدرسہ کے لئے بطور مدرس بھیجا گیا جہاں کیرنگ۔ کٹک۔ سونگڑہ۔ کنڈرا پاڑا میں اپنے مرکز بنا کر آٹھ سال تک تبلیغی دورے کر کے صدہا دیہات میں پیغام احمدیت پہنچایا صرف سائیکل کے سفر کی تعداد ۳۵۰۰ میل ہے۔

شہر کنڈرا پاڑا میں محترمی شیخ امیر اللہ صاحب احمدی کی بیٹی زہرہ خاتون صاحبہ سے ۱۹۲۹ء میں نکاح ثانی کیا۔ اور وہاں پر پرائیویٹ مکتب قائم کر کے قریباً چھ سال قرآن شریف اور دینیات پڑھاتا رہا۔ اس اہلیہ سے میرا ایک بیٹا قریشی محمد سعید اور بیٹی ذکیہ قدسیہ ہے۔ ۱۹۴۰ء میں کنڈرا پاڑا سے اہل و عیال لے کر قادیان آگیا۔ اور ۱۹۴۷ء کی ہجرت تک وہیں مقیم رہا۔ ۱۹۳۵ء میں کنڈرا پاڑا ضلع کٹک سے سائیکل پر ۷۰۰ میل سفر کر کے براستہ کلکتہ اور ڈھاکہ شہر برہمن بڑیہ کی جماعت احمدیہ کے پاس پہنچا اور ۱۹۳۶ء موضع تاروا میں سماۃ کریم النساء صاحبہ سے تیسرا عقد کیا جس سے قریشی محمد صادق اور قریشی محمد عارف دو بیٹے ہیں۔ اور ڈھاکہ میں ملازمت کرتے ہیں۔ پھر متحدہ بنگال کے ۲۴ اضلاع میں نو ہزار میل سفر سائیکل پر کر کے حضرت امام مہدی علیہ السلام کی بعثت کا پیغام پہنچایا۔ بنگال میں اس عاجز کے ذریعہ سے قریباً ۶۰ افراد احمدیت میں داخل ہوئے۔ قریباً ۵ سال تک وہاں کام کیا۔ ۱۹۴۰ء میں ضلع گورداسپور میں چھ ماہ تک مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا مبلغ اور انسپکٹر بھی رہا۔

۱۹۴۷ء میں قادیان سے ہجرت کر کے پہلے لاہور اور پھر گوجرانوالہ پھر شیخوپورہ اور ۱۹۵۳ء میں شہر ڈسکہ میں تعلیم و تبلیغ کا موقعہ ملا۔ ۱۱ر جولائی ۱۹۵۸ء کو لاہور شہر سے سائیکلوں پر (معہ اپنے فرزند محمد صادق بنگالی)

راولپنڈی۔ کوہ مری۔ کیمبلپور۔ پشاور۔ چارسدہ۔ مردان۔ ٹوپی۔ ہری پور۔ ایبٹ آباد۔ مانسہرہ۔ بالاکوٹ گڑھی حبیب اللہ۔ مظفر آباد اور کوہالہ وغیرہ کا لمبا سفر کیا اور لوگوں تک پیغام حق پہنچایا۔

اس تمام عرصہ میں درجنوں بار اللہ تعالیٰ نے موت کے منہ سے بچایا۔ قریباً تیس بار سخت خطرات میں پڑ کر نجات پائی۔ بنگال، آزاد کشمیر اور راولپنڈی میں سات بار جاسوسی کے شبہ میں پکڑا گیا۔ مگر تحقیقات پر بیگناہ پاکر بری کر دیا گیا۔ متذکرہ ہندوستان اور آزاد کشمیر میں میں نے ۱۹۷۲ء تک سائیکل پر کل سفر چالیس ہزار تین سو میل لمبا کیا ہے۔ ۱۹۶۵ء میں حج بدل کرنے کی بھی توفیق ملی۔ یہ حج بدل محترمہ محمودہ سلطانہ صاحبہ زوجہ شیخ میاں محمد محسن صاحبؓ (صحابی) ساکن لائلپور نے اپنے شوہر کی طرف سے کرایا ہے۔ محترمہ موصوفہ صاحبہ نے خود بھی حج کیا ہے۔ آپ شیخ بشیر احمد صاحب ریٹائرڈ جج ہائیکورٹ لاہور کی حقیقی ہمشیرہ ہیں۔

قریشی صاحب موصوف کے کشوف و رؤیا ایمان افروز ہیں مگر یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ آپ کے حالات اور آپ کی سیاحت والی سائیکل سمیت آپ کے فوٹو پاک و ہند کے متعدد اخبارات میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔

مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم

آپ مولوی محبوب عالم رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ علم کے شوقین تھے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ والد کی وفات کے بعد مولوی فضل خان چنگا بنگیال ضلع جہلم سے تکمیل تعلیم کی اور یہاں سے اپنے آبائی وطن گوئی میں آکر اپنے گھر میں درس تدریس اور تبلیغ کا کام کرتے رہے۔ آپ کے ذریعہ بھی اس علاقہ میں احمدیت کو تقویت ملی۔ عبادت گذار اور دعا گو انسان تھے۔ راتوں کو جاگ جاگ کر عبادت کرتے رہتے تھے۔ عربی۔ اردو اور پنجابی میں اشعار بھی کہا کرتے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں فسادات کی وجہ سے آپ کا سرمایہ محفوظ نہ رہ سکا۔ جماعت احمدیہ تحصیل منکوٹ کے مثالی صدر بھی رہے۔ آپ کی شادی قاضی محمد عبداللہ صاحب کی دختر امۃ الحفیظ بیگم سے ہوئی تھی۔ ان سے تین بیٹے ہوئے (۱) عبدالمنان (۲) عبدالوہاب احمد شاہد حال مربی سلسلہ (۳) عبدالحنان احمد۔ جو گوئی میں طبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جماعتی خدمات کا بھی موقعہ ملا ہے۔ مولوی صاحب نے ۱۹۷۵ء میں وفات پائی۔

مکرم مولوی عبدالحی صاحبؓ

آپ سلواہ تحصیل مینڈھر ضلع پونچھ کے باشندے تھے۔ حصول علم کے لئے قادیان چلے گئے جہاں مولوی حکیم نور الدین صاحب رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کرتے رہے۔ ایک دن قادیان میں سر میں درد ہو گیا۔ حکیم صاحب موصوفؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اُن کے سر درد کا ذکر کر کے فرمایا کہ علاج سے فائدہ نہیں ہوا حضور نے فرمایا۔ ریت کو پانی میں بھگو کر ضماد کرو۔ ایسا ہی کیا گیا۔ تو فوراً سر درد جاتا رہا۔ اس پر

مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کرلی ۔ چھ سال بعد گھر میں خط لکھا اور آپ کے والد عبدالحلیم اور آپ کا بھائی مولوی محمد اسماعیل آپ سے ملنے کے لئے قادیان گئے اور ملاقات کی ۔ آپ قادیان سے گھر آئے اور شادی کرکے پھر قادیان چلے گئے ۔ اور مولوی فاضل اور حاذق کی ڈگری حاصل کی ۔ بہت سی دینی کتب اور کتب احادیث ہمراہ لے کر واپس گھر آئے اور طبابت کا کام شروع کیا ۔ اور دُور دُور تک طبابت میں مشہور ہوئے ۔ پہلے غربت کی وجہ سے تنگ دست رہا کرتے تھے مگر احمدیت کی برکت سے حالات بدل گئے ۔ طبابت میں اتنے مشہور ہوئے کہ آپ نے راجہ پونچھ کی رانی کا بھی علاج کیا ۔ نیز علاقہ کے لوگ آپ سے نقد و جنس اور ادھار لیا کرتے تھے ۔ گھر کے ساتھ ہی مسجد میں درس رکھا ہوا تھا اور تبلیغ بھی کرتے رہتے تھے ۔ تنگدستی کے ایام میں صرف آٹھ آنے چندہ قادیان بھیجا تھا مگر پھر خدا نے اتنی مالی وسعت دی کہ بڑے بڑے چندے بھیجتے رہے ۔ مسجد احمدیہ پونچھ اور مسجد احمدیہ گلگت نیز بیرونی ممالک کی تعمیر مساجد میں بھی حصہ لیا ۔ کتب مسیح موعود علیہ السلام زیر مطالعہ رہتی تھیں ۔ ایک دفعہ سرینگر ہائی کورٹ میں بسلسلہ تاریخ گئے واپس آرہے تھے کہ راستہ میں شوپیاں کے قریب ساتھرن نامی مقام پر جہاں شب باش ہوئے راجوری کے مال مویشی چرانے والے لوگ بھی یہاں شب باش ہوئے ۔ مولوی عبدالقادر بھی آپ کے ساتھ تھے ۔ ان چرواہوں کے پاس دودھ مکھن کافی تھا مگر آپ سے اور آپ کے ساتھی سے بخل سے کام لیا اور کہا کہ ہم نے صبح فلاں خانقاہ پر دودھ تقسیم کرنا ہے ۔ مولوی صاحب موصوف نے انہیں قرآن کریم کی روشنی میں اس مشرکانہ رسم سے باز رکھنے کی کوشش کی اور بہت سمجھایا مگر وہ نہ سمجھے مولوی صاحب نے کہا اچھا خدا تمہیں سمجھائے ۔ رات ہی کو چور آئے اور سب مکھن ۔ گھی ۔ آٹا ۔ چاول ۔ دودھ اور تیرہ بھیڑیں جوتیاں اور کپڑے تک چرا کرلے گئے ۔ صبح اُٹھ کر وہ رونے پیٹنے لگے ۔ مولوی صاحب نے انہیں کہا کہ جس پیر کی نیاز رکھی تھی وہی یہ سب چیزیں لے گیا ہوگا ۔ اس پر وہ بہت شرمندہ ہوئے ۔

ایک دفعہ ایک مولوی صاحب کو آپ کے مکان پر لایا گیا کہ آپ سے گفتگو کرے ۔ اُس نے اعتراض کیا کہ مرزا صاحب کا الہام ہے ربنا عاجؐ یعنی میرا رب ہاتھی دانت ہے ۔ مولوی صاحب نے پوچھا ۔ کہ عاجؐ کا مصدر کیا ہے ، وہ نہ بتا سکا ۔ آپ نے اپنے شاگرد مولوی عبدالقادر صاحب سے جو پاس ہی تھے پوچھا تو اُس نے جھٹ اس کا مصدر بتایا ۔ اور عَجَّ یَعُجُّ عَجًّا کی گردان سُنائی جس پر معترض مولوی صاحب اپنا سا منہ لے کر چلتے بنے ۔ مولوی صاحب نے کہا کہ صرف و نحو تو میرے گھر کے مرغ بھی جانتے ہیں ۔

ایک دفعہ باباجی وانگٹ والوں سے ملاقات ہوئی جو اس علاقہ کے بڑے بزرگ اور مصنف اور ولی مانے جاتے تھے[1] آپ کے آتے ہی لوگوں نے جو جم غفیر کی صورت میں بیٹھے تھے کہا حضور مرزائی مولوی آرہا ہے

[1] آپ کے حالات " تاریخ اقوام پونچھ " میں بھی درج ہیں ۔ آپ کا نام خواجہ عبیداللہ المعروف باباجی صاحب لاروی ہے ۔ آپکے مریدوں کی تعداد کثیر بیان کی جاتی ہے اور پونچھ کی گوجر قوم تقریباً تمام آپکی مرید ہے ۔ خواجہ محمد نظام الدین آپ کے جانشین اور صاحبزادے ہیں ۔ باباجی کی تصانیف میں سے " ملفوظات نظامیہ " اور " اسرار کبیری " تصوف میں ہیں ۔ خواجہ محمد نظام الدین لاروی نے حال ہی میں (۱۹۶۲ء) وفات پائی ہے ۔

آپ نے لوگوں کو ٹوکا کہ ایسا نہ کہو۔ جب آپ مجلس میں آکر بیٹھ گئے۔ تو بابا جی نے فرمایا کہ مولوی اور گدی نشین تو آجکل دوسروں پر کفر کے فتوے ہی دے رہے ہیں۔ اسلام کی خدمت تو نہیں کر رہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ سمندر پار کی تو مجھے خبر نہیں مگر سمندر سے اس طرف اگر کوئی فنافی اللہ کے درجہ سے بڑھ کر بقا باللہ کے درجہ تک پہنچا ہے تو وہ صرف مرزا غلام احمد قادیانی ہیں۔ ہندوستان میں جب علماء نے مرزا صاحب موصوف پر کفر کا فتویٰ لکھا تو میرے پاس بھی دستخطوں کے لئے آیا تھا۔ مگر میں نے اس پر دستخط نہیں کئے تھے۔ حضرت شیر محمد شرقپوری اور حضرت غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف والوں نے بھی دستخط نہیں کئے تھے۔ جب بابا جی نے یہ تقریر کی تو سب حاضرین خاموش ہو گئے۔

مولوی عبد الحئی صاحب جب قادیان سے واپس گھر آئے تو مخالفت زوروں پر تھی۔ ایک دفعہ سردار محمد اکرم خان صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس پونچھ دورہ پر سلواہ میں آئے۔ تو لوگوں کی شکایات پر کہا کہ کوئی مرزائی ہے تو میرے پاس لاؤ۔ لوگوں نے کہا کہ ایک مولوی ابھی ابھی قادیان سے پڑھ کر آیا ہے مولوی صاحب کو مشورہ دیا گیا کہ آپ کہیں چھپ کر چلے جائیں مگر آپ نے کہا۔ ہم چھپنے والے نہیں ہیں بلکہ سامنے بات کرنے والے ہیں۔ چنانچہ آپ آئے اور سپرنٹنڈنٹ سے آکر قرآن مجید کی روشنی میں وفات مسیحؑ کے مسئلہ پر تین گھنٹے تک بات چیت کی۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب آپ کے دلائل سے بہت متاثر ہوئے اور آپ کو باعزت رخصت کیا۔ اور حکم دیا کہ مولوی عبد الحئی صاحب کو اگر کسی نے کوئی تکلیف دی تو میں سختی سے پیش آؤں گا۔ اور مولوی صاحب سے کہا کہ اگر آپ کو کوئی تکلیف دے تو میرے پاس آکر مجھے اطلاع دے دینا میں اس سے نپٹ لونگا۔ آپ رفاہ عامہ کے پیش نظر غرباء کا مفت علاج کیا کرتے تھے۔ اور اپنے گاؤں میں اصلاح مابین کے کاموں کو خوب نپٹاتے تھے۔ اور عدالت میں کسی فریق کو جانے نہ دیتے تھے۔

مولوی صاحب کی کوششوں سے شیندرہ۔ کنوئیاں۔ شہر پونچھ۔ گودساتی۔ پٹھانا تیر۔ سلواہ سنگیوٹ میں بعض لوگ احمدی ہوئے۔ اور تنظیمیں قائم ہوئیں۔ آخر قریباً ۷۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔[۱] آپ کے پانچ بچے اور چار لڑکیاں یادگار ہیں (۱) عبد البصیر (۲) عبد الباری (۳) مولوی عبد الباسط صاحب (مولوی فاضل) (۴) عبد الغفور (۵) عبد الشکور۔

امینہ بیگم۔ رقیہ بیگم۔ صفیہ بیگم۔ رضیہ بیگم

---

[۱] آپ کا ذکر تاریخ اقوام پونچھ میں بھی علاقہ کے مشہور علماء میں کیا گیا ہے (دیکھو تاریخ اقوام پونچھ صفحہ ۲۶۱)

مکرم شیخ غلام نبی نیاز صفحہ ۱۲۹

مکرم بشارت احمد بشیر
(مبلغ دعوت و تبلیغ قادیان (بھارت)

مکرم مولوی قمرالدین صاحب صفحہ ۱۰۴

مکرم مولوی عبدالواحد آسنور صفحہ ۱۱۸

مکرم مولوی عبداللطیف شاہد صفحہ ۱۳۰

مکرم راجہ خورشید احمد منیر شاہد صفحہ ۱۳۲

مکرم مولوی بشیر احمد قمر صفحہ ۱۳۳

مکرم حکیم محمد سعید صفحہ ۲۰۵

مکرم مولوی عبدالقادر صفحہ ۱۲۹

مکرم عبدالوھاب شاھد ۱۳۱

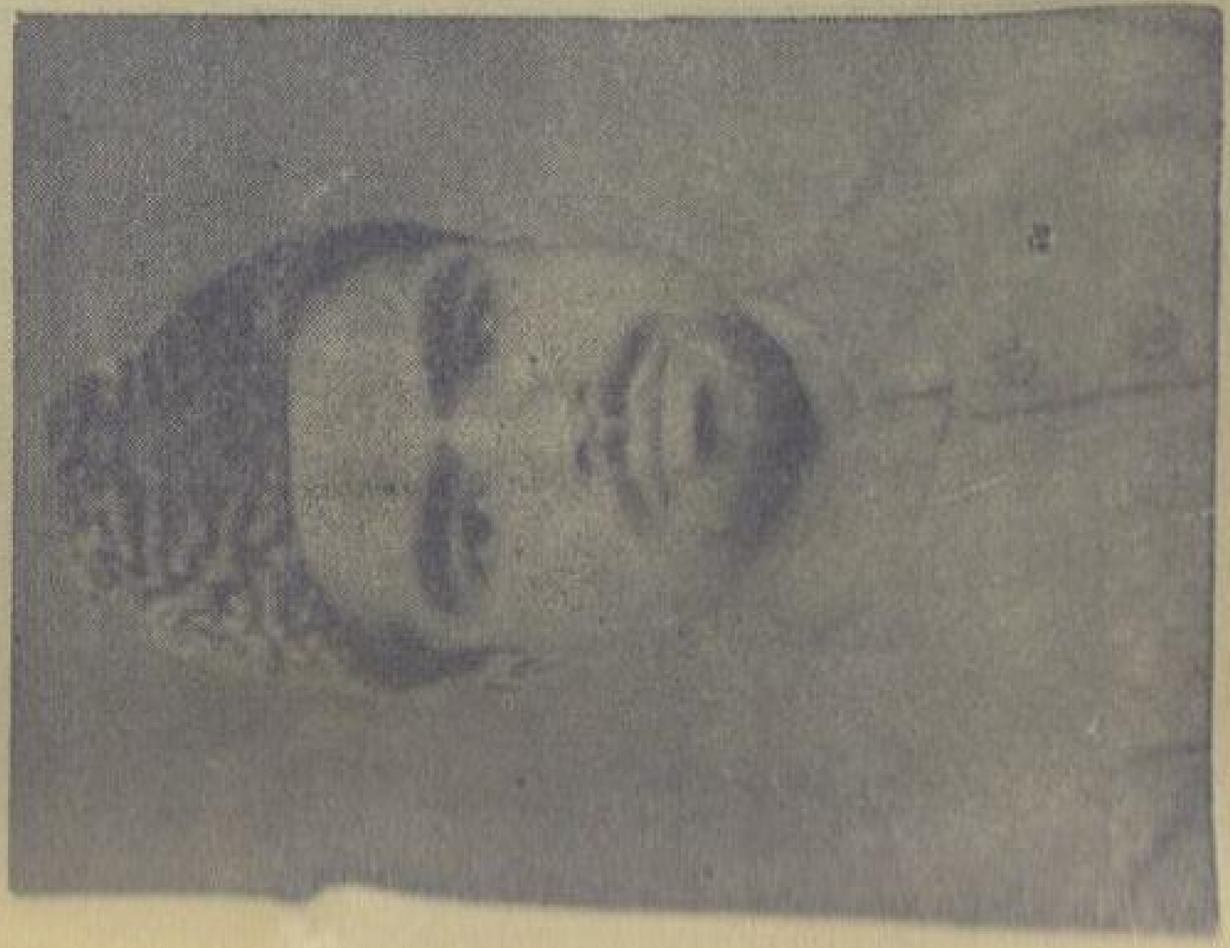

مکرم میر عبدالمجید شاھد صفحہ ۱۳۳

مکرم عبدالرشید ارشد (تین سال
سے اوپر آزاد کشمیر میں کام کیا

مکرم شیخ غلام نبی نیاز صفحہ ۱۲۹

مکرم بشارت احمد بشیر
(مبلغ دعوت و تبلیغ قادیان (بھارت)

مکرم مولوی قمرالدین صاحب صفحہ ۲۰

مکرم مولوی عبدالواحد آسنور صفحہ ۱۱۸

مکرم مولوی عبداللطیف شاہد صفحہ ۱۳۰

مکرم راجہ خورشید احمد منیر شاہد صفحہ ۱۳۲

مکرم مولوی بشیر احمد قمر صفحہ ۱۳۳

مکرم حکیم محمد سعید صفحہ ۲۰۵

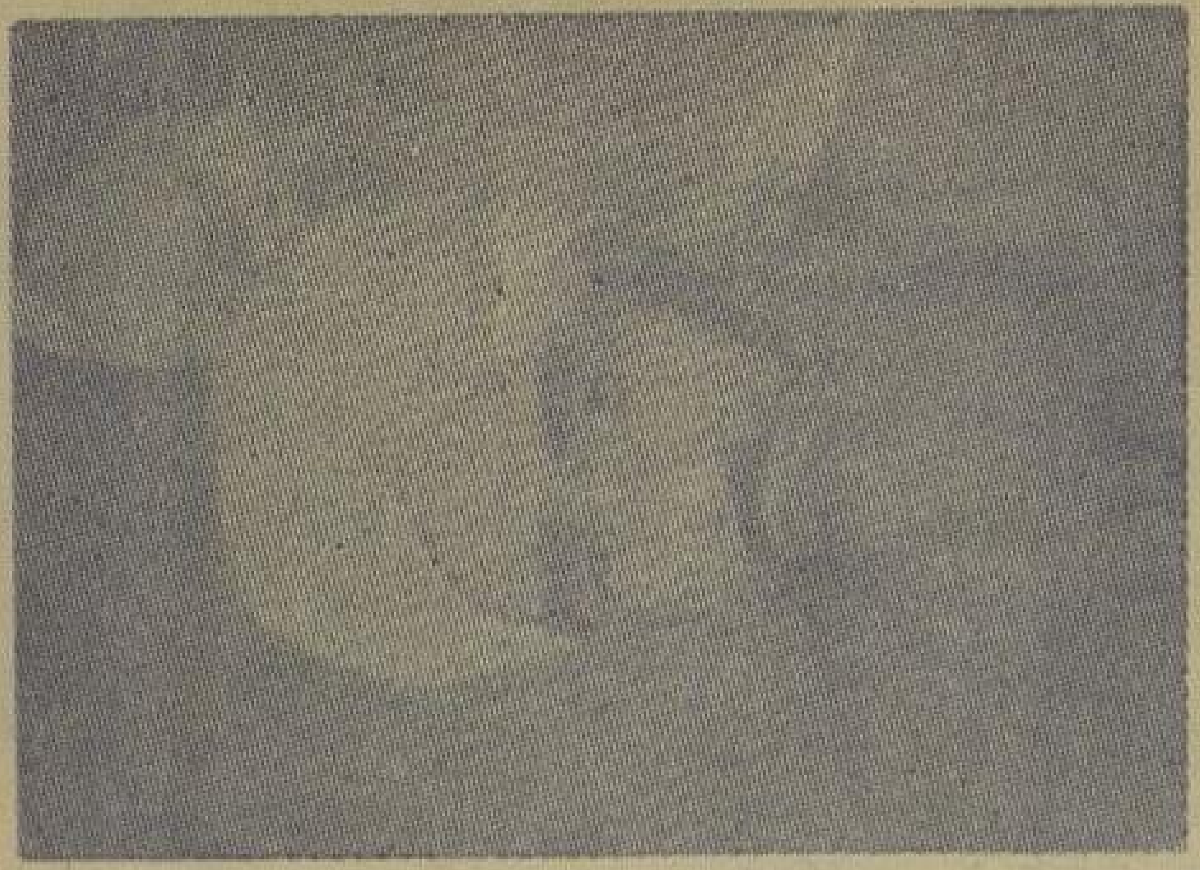

مکرم مولوی عبدالقادر صفحہ ۱۲۹

مکرم عبدالوہاب شاہد ۱۳۱

مکرم میر عبدالمجید شاہد صفحہ ۱۳۳

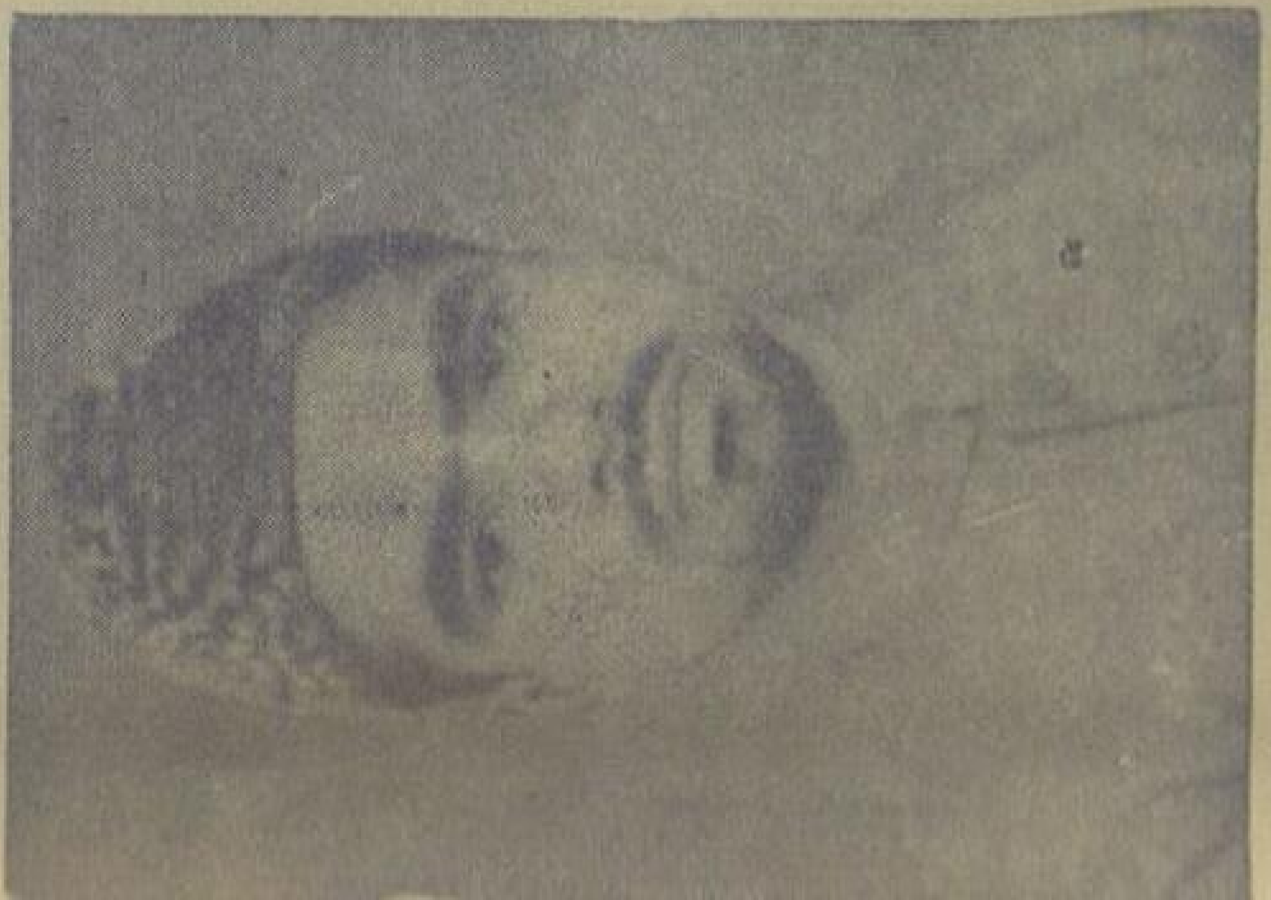

مکرم عبدالرشید ارشد (تین سال
سے اوپر آزاد کشمیر میں کام کیا

مکرم مولوی عبدالحلیم صاحب

مولوی عبدالحلیم چاپ پرانہ گجرات سے سلواہ (پونچھ) میں آئے۔ اور درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ موحد خیال کے تھے اور سلواہ کے لوگ آپ کی موحدانہ وعظ و نصیحت کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ اس لئے کچھ عرصہ یہاں سے نکل گئے مگر پھر سلواہ آئے تو لوگوں نے خوش آمدید کہی اور یہیں آباد ہو گئے۔ ملا فقیر محمد نمبردار سلواہ نے آپ کی کافی عزت کی اور راجہ پونچھ کے پاس جاکر کاہچرائی اور بیگار سے معافی دلوادی اور کاغذات مال سے اپنی زمین سے اُن کے نام ملکیت لکھادی۔ آپ اپنے بیٹے مولوی عبدالحیٔ سے پہلے احمدی ہوئے تھے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آپ کی ملاقات تحقیق نہیں ہوئی۔ صابر و شاکر انسان تھے۔ قرآن کریم۔ بخاری۔ مثنوی مولانا رومؒ اور کیمیائے سعادت زیر مطالعہ رہتے۔ آپ کی اولاد میں سے مولوی محمد اسماعیل۔ مولوی عبدالحیٔ جن کا ذکر اوپر ہوا۔ مولوی عبدالغنی اور منشی عبدالکریم ہیں۔

مکرم مولوی عبدالقادر صاحب

آپ مولوی محمد اسماعیل صاحب کے بیٹے ہیں۔ درس و تدریس کا کام کرتے رہے ہیں۔ مولوی عبدالحیٔ رضی اللہ عنہ سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۵ء میں ہجرت کر کے علاقہ آزاد کشمیر میں آئے۔ چرناڑی اور کوٹلی میں بچوں کو پڑھاتے رہے۔ آپ نے ۱۹۳۵ء میں ایک خواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا کہ ہوائی جہاز میں کشمیر میں اُترے ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ حضور کیسے تشریف لائے ہیں۔ فرمایا۔ انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے آیا ہوں۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند پر انگریز ہندوستان سے چلے گئے۔ آپکا ایک لڑکا بشیر احمد ہے۔

مکرم شیخ غلام نبی صاحب

آپ ۲۵ اپریل ۱۹۴۱ء میں ہاری پاری گام میں پیدا ہوئے۔ جہاں آپ کے والد ماجد غلام محمد صاحب راتھر ابتدائی احمدی تھے۔ اور خلافتِ ثانیہ کے عہد میں بیعت کی ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ شیخ غلام نبی آپ کے چہیتے بیٹے تھے ماحول کی خرابی کی وجہ سے جہاں آپ سکول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے آپ احمدیت سے دُور ہو چکے تھے اور بُری بھلی باتیں بھی احمدیت کے خلاف کرتے رہتے تھے۔ جلد ہی دو بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔ پندرہ سولہ سال کی عمر تھی معدہ ایسا خراب ہوا کہ کوئی چیز ہضم نہ ہوتی تھی۔ ایک دفعہ خون کی قے بھی ہوئی۔ بڑا علاج معالجہ کیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ اُن کا بیان ہے کہ اسی دوران مولوی محمد ایوب صاحب درویش قادیان جو اس مقام پر بطور مبلغ کے کام کرتے تھے نے بھی میرا علاج کیا اور ساتھ ساتھ میری صحت کے لئے دعائیں بھی کرتے تھے۔ اُن کی دعائیں آخر رنگ لائیں اور غیبی علاج کے سامان ہو گئے۔ وہ اس طرح کہ نماز تراویح کے دوران سجدہ میں تھا کہ نیچے سے بھڑ نے ماتھے پر ڈنگ مارا

جس سے بہت درد ہوا۔ مولوی محمد ایوب صاحب نے کہا کہ اگر شہد کی مکھی نے ڈنگ مارا تو یہ اس کا علاج ہے۔ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ یہ شہد کی مکھی تھی۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ میں صبح سے ٹھیک ہو گیا اور کھانے پینے لگ گیا۔ دوسری بیماری مجھے پتھری کی تھی جس سے بڑا پریشان رہتا تھا۔ علاج معالجہ سے کوئی افاقہ نہیں ہوتا تھا۔ آخر ایک دفعہ دعا کی کہ اے اللہ! میں تیرے مسیح کو ماننے والا ہوں مجھے شفا دے۔ یہ رات روتے روتے گذاری تھی اور اسی دوران یہ الفاظ منہ سے نکلے۔ صبح خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ پیشاب کے ساتھ مکی کے دانے کے برابر پتھری خود بخود خارج ہو گئی۔ لوگ حیران ہوئے کہ بغیر اپریشن کے ایسی پتھری نہیں نکلتی۔ ان ہر دو واقعات نے مجھے از سر نو مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا قائل کر دیا اور اسی دن ارادہ کیا کہ اب میں اپنے آپ کو خدمت دین کے لئے وقف کر دونگا۔ چنانچہ ۱۹۶۳ء میں قادیان کے مدرسہ احمدیہ میں بغرض حصول تعلیم آیا۔ اور اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ پانچ سال میں مولوی فاضل کر کے ۱۹۶۸ء سے بھارت میں دینی خدمات انجام دے رہا ہوں۔

مکرم حکیم عبداللطیف صاحب شاہد
۱۰۰

آپ ۱۳۲۲ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۵ء میں خلافت ثانیہ کے عہد میں احمدی ہوئے۔ آپ ننھیال سے کشمیری الاصل ہیں۔ آپکو احمدیت اپنے استاذ حضرت مولوی عبدالکریم فتحپوری ضلع گجرات کے ذریعہ ملی۔ جو قادیان میں زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں تعلیم دین حاصل کرنے کے لئے گئے اور خلافت ثانیہ تک وہیں رہے۔ حکیم صاحب ان سے تین چار سال تک فتح پور ضلع گجرات میں پڑھتے رہے۔ ۱۹۲۱ء میں قادیان چلے گئے اور مدرسہ احمدیہ میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کی۔ بعد میں آپ نے منشی فاضل۔ ادیب فاضل اور آنرز ان پنجابی کے امتحانات یکے بعد دیگرے پاس کرلئے اور قادیان ہی میں احمدیہ لٹریچر کی اشاعت کا سلسلہ شروع کر دیا اور "تعلیم الدین" نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا جو دو سال تک جاری رہا۔ اور کتب کی اشاعت وطباعت کا سلسلہ ۱۹۴۷ء تک قادیان میں اور اس کے بعد لاہور میں جاری رکھا۔ کچھ عرصہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ہدایت پر مینیجر یسرنا القرآن مقرر ہوئے۔ اب لاہور اور ربوہ دونوں جگہ رہائش رکھی ہوئی ہے۔ اور کوئی نہ کوئی کتاب شائع کرتے رہتے ہیں۔ اور آجتک ۶۵ کے قریب چھوٹی موٹی کتب شائع کر چکے ہیں۔ اسوقت آپکی عمر قریباً ۷۰ سال ہے۔ سادہ مزاج اور صاحب کشف ورؤیا بزرگ ہیں۔ تبلیغ کے شوقین اور ہر وقت کسی نہ کسی دینی خدمت کی کوشش رکھتے ہیں۔ آپنے صاحبزادہ مرزا بشیر احمد رضی اللہ عنہ کی طرف سے حج بدل بھی کیا ہے۔ آپ کا ایک لڑکا محمد مفلح ہے۔

مکرم چودھری عبدالواحد صاحب

۱۵ اپریل ۱۹۰۳ء میں میانوالی ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کرنے کے بعد ۱۹۱۷ء میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان

میں داخل ہو کر ۱۹۲۷ء میں جے وی کا امتحان پاس کیا اور انگلش ٹیچر کی حیثیت سے مدرسہ احمدیہ میں کام کیا۔ ۱۹۳۲ء سے دہلی میں بطور ٹیچر اور ایک سال ضلع سہارنپور میں محکمہ ملکاؤ ٹمنگ کے افسر رہے۔

اخبار اصلاح سرینگر کی ادارت اپریل ۱۹۳۶ء میں خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی ہدایت پر ہفت روزہ اخبار اصلاح سرینگر کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ آپ نے ہدایات کے مطابق خود کشمیر کے اطراف واکناف کے لمبے لمبے سفر کئے اور لوگوں کے حالات معلوم کر کے شائع کئے جس سے اخبار کی نیک نامی اور اشاعت میں اضافہ ہوتا گیا۔ ظالم حکام اخبار سے ڈرنے لگے۔ آپ کے ساتھ دوسرے معاونین مولوی عبدالغفار صاحب ڈار (آسنور) اور محمد امین قریشی صاحب اور خواجہ غلام رسول صاحب بھی تھے۔ ان لمبے سفروں کی وجہ سے آپ کو "مرد آہن" کہا جانے لگا۔ قائداعظم محمد علی جناح کشمیر میں آئے تو انہیں ایسے آدمی سے ملنے کی ضرورت تھی جو ریاست کے اطراف کا واقف ہو۔ چودھری صاحب کی شہرت کی بناء پر آپ کو قائداعظم سے ملایا گیا قائداعظم آپ سے ملکر بہت خوش ہوئے۔ آپ نے ہندو پریس سے کامیاب مقابلہ کیا۔ اور مسلسل زوردار مضامین شائع کئے۔ ریاست میں ذبیحہ گاؤ پر پابندی تھی اور اس کے لئے سنگین سزا مقرر تھی۔ آپ نے ذبیحہ گاؤ کے جواز میں مہاشہ محمد عمر صاحب احمدی کے مضامین شائع کئے جن میں ثابت کیا گیا تھا کہ شاستروں اور ویدوں کی رُو سے گائے کھانا جائز ہے۔ ایسے مضامین کا شائع ہونا ذبیحہ گاؤ پر سخت پابندی کی وجہ سے بغاوت کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ سناتن دھرمیوں نے اس پر آپ کو چیلنج کیا اور ایک ہزار روپیہ اس فریق کے لئے تاوان مقرر کیا جو بحث سے گریز کرے۔ جس پر قادیان سے مہاشہ محمد عمر صاحب اور مہاشہ فضل حسین صاحب کشمیر پہنچے اور چیلنج قبول کر کے میدان مباحثہ میں سناتن دھرمیوں کو بلایا۔ مگر جلد سناتن دھرمیوں نے اپنے مناظرہ کا چیلنج واپس لے لیا۔ اور احمدیوں سے معافی مانگ لی۔ اس طرح مذہبی میدان میں مسلمانوں کو فتح عظیم حاصل ہوئی۔ ریاست میں ہندو پریس منظم تھا۔ مسلمانوں کے پاس کچھ نہ تھا۔ آپ نے پہلی دفعہ مسلم پریس کو منظم کیا۔ اور پریس کانفرنس کے مسلسل پانچ سال تک صدر رہے۔

آپ جماعتہائے احمدیہ جموں وکشمیر کے صوبائی امیر بھی رہے۔ اور چار سال تک خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۶ء میں جب شیخ محمد عبداللہ نے "کشمیر چھوڑ دو" تحریک شروع کی تو آپ نے ان دنوں ایک کتاب "کشمیر چھوڑ دو" کے نام سے لکھی جسے علی محمد صاحب کتب فروش حبہ کدل سرینگر نے شائع کیا۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد آپ کو آزاد کشمیر میں پبلسٹی آفیسر مقرر کیا گیا اور حکام آپ کی خدمات کے معترف رہے۔ محمد الدین صاحب فوق نے آپ کے حالات "تاریخ اقوام کشمیر" جلد ۲ صفحہ ۲۸۵ پر لکھے ہیں۔ اور آپ کی بہترین خدمات کو سراہا ہے۔ نیز تاریخ میں اخبار اصلاح کے ادارہ کا ایک گروپ فوٹو بھی شامل کیا ہے۔

عمر کے آخری ایام میں کچھ عرصہ روزنامہ الفضل ربوہ کے مینیجر رہنے کے بعد آپ نے علاقہ تھل تحصیل خوشاب ضلع سرگودہا چک ۸۰۔ ایم۔ بی میں رہائش اختیار کرلی۔ جہاں ۸ر جولائی ۱۹۶۴ء کو آپ کا انتقال ہوا۔[لہ]

مکرم سید عبدالحی صاحب شاہد

آپ کے دادا سید محمد حسین شاہ محلہ خانیار سرینگر کے گیلانی سید خاندان کے فرد تھے۔ اس خاندان کے افراد نے مذہبی اختلافات کی بناء پر آبائی علاقہ کو چھوڑا۔ اور علاقہ ناڑ داو میں مقیم ہوگئے۔ محمد حسین شاہ صاحب کی شادی کوریل میں مولوی عبدالواحد کے والد محمد حسن صاحب رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ سے ہوئی اُن سے انکے ایک ہی فرزند سید عبدالمنان ہوئے۔ محمد حسین شاہ صاحب کے مرید کشمیر میں سرینگر کے علاوہ امرتسر۔ لدھیانہ۔ لاہور اور سیالکوٹ میں تھے۔ اور ہر سال اپنے مریدوں کے پاس جایا کرتے تھے۔ احمدیت کے مخالف تھے آپ کے بیٹے عبدالمنان صاحب نے بچپن میں ہی احمدیت قبول کی اور پیری مریدی کے مفادات کو احمدیت پر قربان کیا اور انتہائی عاجزی اور انکساری سے زندگی گذاری۔ ملازمت کے سلسلہ میں آپ طویل عرصہ تک بیارہ علاقہ۔ کلم۔ ماہون اور پنزر (شوپیاں) میں احمدیت کی تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ ۱۹۶۶ء میں وفات پا گئے۔

آپ کے بیٹے مکرم سید عبدالحی صاحب شاہد ۱۹۴۱ء میں قادیان آئے اور ۱۹۴۵ء میں اسلام کے لئے زندگی وقف کرکے مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد ۱۹۴۹ء میں احمد نگر ضلع جھنگ میں دوبارہ جامعہ احمدیہ میں آئے۔ ۱۹۵۳ء میں مولوی فاضل پاس کیا اور پنجاب یونیورسٹی میں اوّل قرار پائے۔ ۱۹۵۵ء میں جامعۃ المبشرین سے شاہد پاس کیا۔ بعد میں آپ نے ایم۔ اے عربی بھی امتیاز سے پاس کیا ہے۔ آپ نے مسند احمد بن حنبل کی تبویب میں اسماء الرجال کے سلسلے میں تحقیقی کام کیا ہے۔ اور شاہد پاس کرنے کے بعد سے لیکر اب تک صدر انجمن احمدیہ کے شعبہ نشر و اشاعت میں کام کر رہے ہیں۔

مکرم راجہ خورشید احمد منیر

آپ کے والد کا نام اکبر علی اور دادا کا نام امان علی تھا۔ امان علی نے مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ ہی میں بیعت کی تھی۔ آپ اپنے والد کے ہاں ۱۹۲۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم تعلیم الاسلام سکول چار کوٹ سے حاصل کی۔ والدہ روشن بی بی صاحبہ تھی جو حضرت قاضی محمد اکبر صاحب کی ہمشیرہ اور پابند صوم و صلوٰۃ۔ عبادت گذار

لہ مرحوم کے مفصل حالات خاکسار نے آپ کی وفات سے کچھ ہی عرصہ قبل اُن کے گاؤں خود جاکر قلمبند کئے تھے اور روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۱۸ر جولائی ۱۹۶۴ء میں شائع کرا دیئے تھے اسجگہ اختصار کے پیش نظر ان کا خلاصہ درج کر دیا ہے۔

کشمیری زبان میں اسکا تلفظ "درج برود" ہے۔

مکرم میر غلام احمد صاحب نسیم (جنوبی امریکہ)
کے گورنر جنرل کو ۱۹۶۶ء میں قرآن مجید اور
دیگر اسلامی کتب کا تحفہ پیش کر رہے ہیں۔

مکرم مسعود احمد صاحب جہلم صفحہ ۲۷۲ فرانکفورٹ (جرمنی) کے لارڈ میئر کو
قرآن مجید کا تحفہ پیش کر رہے ہیں۔

مکرم مولوی نظام الدین مہمان صفحہ ۱۲۰
(مغربی افریقہ) سیرالیون کے جلسہ سالانہ
۱۸۶۹ء میں تقریر کر رہے ہیں ۔

مکرم مولوی عبدالغفور خادم صفحہ ۱۲۲

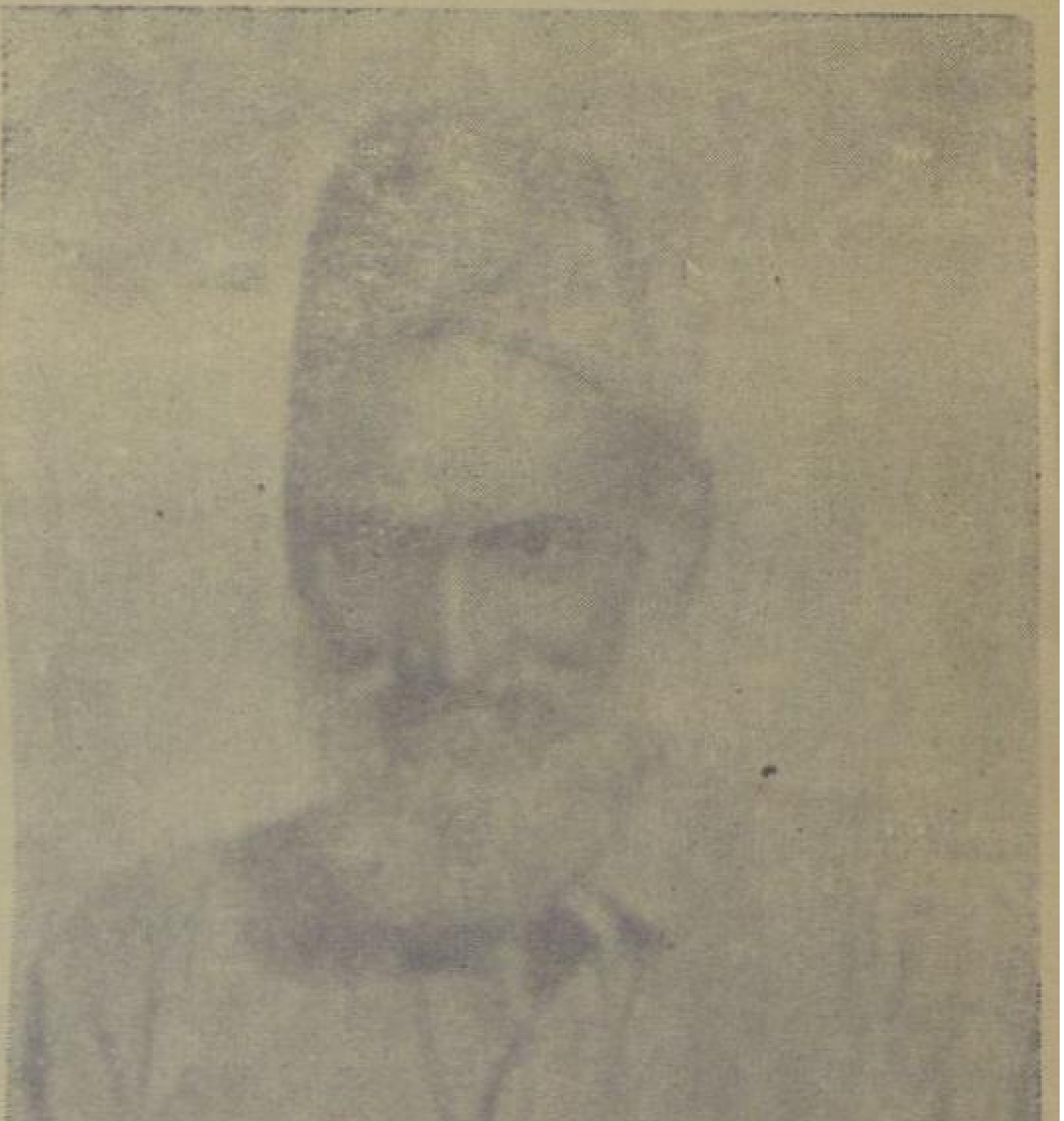

مکرم مولوی احمد دین مرحوم صفحہ ۵۲

دائیں سے بائیں بیٹھے ہوئے
مکرم مولوی محمد حسین صاحب ۔ مکرم اللہ دتہ صاحب
(پیچھے کھڑے) مکرم کرم دین صاحب طاہر اور
مکرم مولوی گلزار احمد صاحب ہر چہار معلمین
وقف جدید ۔

اور بہت نیک تھیں جن کی تربیت کا گہرا اثر اولاد پر پڑا ۔ ۱۹۴۱ء میں مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخل ہوئے۔ ۱۹۴۴ء میں خدمت اسلام کے لئے زندگی وقف کردی ۔ ۱۹۴۷ء کی تحریک کشمیر کی لڑائی میں آپ کو "احمدیہ فرقان بٹالین" میں بھی بمقام باغ سر دبھمبر، کام کرنے کا موقعہ ملا ۔ محاذ جنگ میں کچھ عرصہ گنٹر بھی رہے ۔ ۱۹۴۹ء میں مولوی فاضل پاس کرنے کے بعد ۱۹۵۰ء میں جامعۃ المبشرین میں داخل ہو کر میٹرک پاس کرلیا ۔ اُن دنوں آپ پاکستان کے پناہ گزینوں کے کیمپوں میں رہ رہے تھے مگر دنیوی ملازمت کے مقابلہ میں، دینی خدمت کو ترجیح دی چنانچہ ۱۹۵۲ء میں شاہد کا امتحان پاس کرنے کے بعد مربی سلسلہ کی حیثیت سے دینی خدمات انجام دے رہے ہیں ۔

مکرم بشیر احمد صاحب قمر

آپ کے والد کا نام عبدالکریم اور دادا کا نام عطامحمد تھا ۔ چارکوٹ میں راجپوت بھٹی خاندان میں عطامحمد صاحب اوّلین احمدی تھے آپ نے ابتدائی تعلیم تعلیم الاسلام سکول چارکوٹ میں حاصل کی ۔ ۱۹۴۸ء میں والد صاحب وفات پا گئے ۔ کشمیر کی لڑائی کے دوران آپ بھی دیگر تارکین وطن کے ساتھ مانسر کیمپ ضلع کیمبل پور پاکستان چلے آئے ۔ جامعہ احمدیہ سے ۱۹۵۵ء میں مولوی فاضل پاس کیا ۔ ۱۹۵۷ء سے بہ حیثیت مربی سلسلہ کام کر رہے ہیں ۔

خاکسار راقم الحروف مؤلف کتاب ہذا

کاغذات کے مطابق خاکسار راقم الحروف موضع نہاٹ گنڈ پائیں تحصیل ہنداوڑہ ضلع بارہمولا (کشمیر) پیر محمد سلیمان قریشی کے ہاں ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوا ۔ والد مرحوم اور والدہ مرحومہ کی نیک تربیت اور خاص توجہ سے ابتدائی دینی تعلیم گھر میں پائی ۔ مروجہ تعلیم ہائی سکول قلم چکلہ اور بڈہ گنڈ سے حاصل کی اور قابلیت کا وظیفہ ملتا رہا ۔ اغلباً ۱۹۴۲ء / ۱۹۴۳ء میں مزید دینی تعلیم کے حصول کے لئے پنجاب چلا آیا ۔ اور راولپنڈی نیز موضع انگی شریف (کوٹھیالہ شیخاں) ضلع گجرات میں درس نظامی اور دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی ۔ ۱۹۴۹ء میں ہائی سکول کلیام اعوان تحصیل گوجر خاں ۔ مری اور ٹیکسلا میں عربی مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دیں ۔ اور سو فیصدی نتائج کے اعزازات ملتے رہے ۔ اس دوران میٹرک اور مولوی فاضل کے امتحانات بھی پاس کر لئے ۔ کلیام اعوان کی جامع مسجد میں کچھ عرصہ خطیب بھی رہا ۔ کلیام میں چونکہ چند گدیاں اور گدی نشین ہیں جہاں پیر پرستی اور قبر پرستی عام تھی اس لئے شرک و قبر پرستی کے خلاف توحید پر خاص وعظ اور جدوجہد کرنی پڑی ۔

۱۹۵۲ء میں وزارت امور کشمیر راولپنڈی (پاکستان) نے خاکسار کی خدمات سکول سروس سے

مستنار دیکر مہاجرین جموں وکشمیر کے کیمپ مانسہرہ واہ ضلع کیمبل پور میں راقم کو دینیات کا نگران اعلیٰ مقرر کردیا۔ اِن کیمپوں میں انقلاب ۱۹۴۷ء کے پچاس ساٹھ ہزار ریاستی تارکین وطن عارضی طور پر رکھے گئے تھے۔ چار سال تک اِن کی دینی تعلیم و تربیت اور درس و تدریس اور وعظ و نصائح کا موقعہ ملا۔ نیز لڑکوں اور لڑکیوں کے سکولوں میں اسلامیات کے سلسلہ میں لیکچروں کا بھی موقعہ ملا۔ خاکسار نے تعلیم و تربیت کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے "آسان دینیات" اور "آسان نماز" کے نام سے دو کتابیں لکھیں جنہیں انکی افادیت کے پیشِ نظر وزارت امور کشمیر راولپنڈی نے سرکاری خرچ پر چھپوا کر مہاجرین ریاست کے اِن کیمپوں اور دیگر علقوں میں تقسیم کرایا۔

جب اِن تارکین وطن کو مسئلہ کشمیر کے طوالت پکڑنے کی وجہ سے حکومت نے عارضی آباد کاری سکیم کے تحت ۱۹۵۵ء میں مختلف پاکستانی اضلاع میں آباد کرنا شروع کردیا تو ملازمین کی تخفیف عمل میں آئی اور خاکسار کی کیمپ سروس بھی تخفیف میں آئی۔ مگر بجائے سکول سروس میں واپس جانے کے جہاں سے میری خدمات مستعار لی گئی تھیں مَیں نے راولپنڈی آکر پرائیویٹ طور پر اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں کام کرنا شروع کردیا اور ملکی اخبارات میں سلسلہ مضامین جاری رکھا جو راولپنڈی اور لاہور کے صفِ اوّل کے اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ اور اپنے خرچ پر خود بھی بعض کتابچے شائع کئے۔

ماہنامہ "تعلیم القرآن" کی ادارت ۱۹۵۵ء میں ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کا ایڈیٹر مقرر ہوا جو مولانا غلام اللہ خان صاحب خطیب جامع مسجد تعلیم القرآن راولپنڈی کی نگرانی میں پہلی دفعہ یہاں سے شائع ہونے لگا تھا۔ اِس دوران مَیں نے "کشمیر میں اسلام" نامی کتابچہ بھی لکھا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کشمیر کی طرف ہجرت کرجانے کا ذکر بھی کیا۔ مولانا موصوف کو اس پر اعتراض پیدا ہوا۔ جس پر خاکسار کو ماہنامہ مذکور کی ادارت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ اِس دوران جب مولانا موصوف کو ڈپٹی کمشنر راولپنڈی کے حکم کے تحت چند ماہ کیلئے شہر بدر ہونا پڑا تو انہوں نے دوبارہ خاکسار کو ماہنامہ مذکور کی ادارت سنبھالنے کی دعوت دی مگر مابین بعض شرائط پر تصفیہ نہ ہوسکنے کی وجہ سے معاملہ رہ گیا۔

قبول احمدیت اِس دوران کیمپ سروس اور قیام راولپنڈی میں ۱۹۵۳ء ہی سے خاکسار نے احمدیہ لٹریچر زیر مطالعہ رکھا تھا جس میں کشش کے بہت سے رُوح افزا سامان موجود تھے۔ کشمیر میں بزرگوں سے سُنتے رہتے تھے کہ امام مہدی علیہ السلام چودھویں صدی ہجری میں ظاہر ہونے والے ہیں۔ پنجاب میں آکر معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ مہدیٔ موعود کی اہمیت اور ہمہ گیر شدت انتظار کی بناء پر مجھے اس بارہ میں تحقیقات کی لگن دامنگیر ہوئی اور مَیں نے

احمدیہ لٹریچر کا مطالعہ تحقیقات کی غرض سے جاری رکھا۔ اُدھر علماء اہل سنت والجماعت وغیرہم سے سُنا تھا کہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ وحی والہام کا دروازہ بھی بند ہو چکا ہے۔ قدرتی طور پر ایسی باتیں سُننے سے دل میں مایوسی پیدا ہوتی تھی اور سوچتا تھا کہ اگر یہ نعمتیں مسلمانوں کے لئے بند ہیں تو پھر اُن کے لئے کھلا کیا ہے۔ علاوہ کونسی چیز ہے جس کے دروازے ان پر کھلے ہیں۔ اِدھر احمدیہ لٹریچر سے یہ پتہ چلتا تھا کہ نبوت بکلی بند نہیں ہے اور وحی والہام کا سلسلہ کاملین امت محمدیہ کے لئے جاری ہے اور اطاعت کرنے والوں کو حسب آیت ومن یطع اللّٰہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیین الآیہ نبوت سمیت سب انعام مل سکتے ہیں جو پہلوں کو ملتے رہے ہیں تو اس سے مایوسی اُمید میں تبدیل ہو کر دل و دماغ میں اندر ہی اندر خوشی اور ایک خاص روحانی کشش پیدا ہوتی تھی۔

کیمپ سروس کے دوران مانسر کیمپ ضلع کیمبل پور میں خاکسار نے تفسیر کبیر جو سورۃ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کے ۹ رکوعوں پر مشتمل حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ امام جماعت احمدیہ نے لکھی ہے[1] مطالعہ کی جس سے بہت روحانی سرور حاصل ہوا۔ جس پر ربوہ سے خط لکھ کر مزید لٹریچر منگوا کر بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی کتب کا بغور مطالعہ شروع کر دیا۔ اِن کتب کے مطالعہ کے دوران خاکسار پر رؤیا اور کشوف کا دروازہ کھل گیا اور مجھے بشارتیں ہونے لگیں۔ ایک دفعہ غالباً حقیقۃ الوحی کے مطالعہ کے دوران غنودگی میں آسمان سے آواز سُنی "یہ کتابیں آسمانی تارے ہیں"۔ تفسیر کبیر از سورۃ یونس تا سورۃ کہف بوجہ نایاب ہونے کے میں نے ایک سو روپیہ ضمانت رکھ کر راولپنڈی کے ایک احمدی دوست سے حاصل کی اور اس کا مطالعہ کیا جس سے کافی اُلجھنیں دُور ہوئیں۔ مطالعہ کے دوران غنودگی میں کئی خوبصورت مناظر دیکھتا تھا اور بعض دفعہ نزول وحی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اور جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے میرے کانوں میں زور سے گھنٹی بجنے کی آواز سُنائی دیتی تھی۔ ایک دفعہ رؤیا میں دیکھا جو اب تک ہو بہو یاد ہے کہ شانوں پر مہر لگائی گئی۔ میں نے دیکھا کہ مہر کے نقوش آہستہ آہستہ نمایاں اور جلی ہونے لگے۔ عبارت جو موٹے اور چمکدار الفاظ میں سامنے آئی وہ یہ تھی انا اعطینٰک الکوثر۔ میں یہ منظر دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اتنے میں یہ شانے میرے جسم سے ملنے لگے۔ منظر بدلتے ہوئے دیکھا کہ یہ میرے ہی شانے تھے جن پر مُہر لگائی گئی۔ آنکھ کھلی تو بڑی بشاشت قلب اور روحانی سرور حاصل ہوا اور کتب احمدیہ کی طرف انہماک بڑھنے لگا۔ کافی لٹریچر مطالعہ کیا اور اس سے بہت سی غلط فہمیاں دُور ہو گئیں۔ ایک دفعہ اللّٰہ تعالیٰ اور رسول کریم صلے اللّٰہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ جس میں حضور صلے اللّٰہ علیہ وسلم میری طرف کچھ اشارے کرتے دکھائی دیئے۔ قیام راولپنڈی کے دوران دعائیں جاری تھیں کہ ایک اور رؤیا میں نے دیکھی

[1] یہ تفسیر مجھے مولوی جمال الدین صاحب احمدی تاجر نے اپنے ایک لڑکے کے ہاتھ بھجوا دی تھی جو میرے پاس قرآن شریف کی تعلیم لیا کرتا تھا۔

کہ دو سفید پگڑیوں والے انسان میرے سامنے آ گئے۔ اور پاس آ کر بیٹھ گئے اور میرا حال پوچھنے لگے۔ میں نے خواب میں انہیں بڑے اہم آدمی خیال کیا۔ اس لئے میں نے ان سے پوچھا کہ مرزا صاحب کے متعلق آپکا کیا خیال ہے؟ کہنے لگے کونسے مرزا صاحب! میں نے کہا۔ مرزا غلام احمد قادیانی۔ انہوں نے جواب دیا "وہ نبی ہیں"۔ "وہ نبی ہیں"! دو دفعہ یکزبان ہو کر انہوں نے یہ جواب دہرایا۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی اس سے مرزا صاحب کی نبوت کے متعلق میری تشفی ہو گئی۔ میں اب تک جماعتِ اسلامی کے نظریہ حکومتِ الٰہیہ سے کافی متاثر چلا آ رہا تھا جس کی تشریح امیر جماعتِ اسلامی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی کتب میں کی تھی کہ حکومتِ الٰہیہ کے لئے اقتدار کی ضرورت ہے۔ میں نے سورۃ ماعون کی تفسیر پر مشتمل تفسیر کبیر کی جلد میں جو حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ رضی اللہ عنہ نے لکھی ہے حکومتِ الٰہیہ کی یہ تشریح پڑھی کہ حکومتِ الٰہیہ دلوں پر قائم ہوتی ہے جو دراصل عرشِ الٰہی پر قائم ہے۔ اس کا ظل انبیاء کے ذریعہ انسانوں کے دلوں پر قائم ہوتا ہے۔ اور یہی خلافت اور حکومتِ الٰہیہ ہے۔ اس کے لئے کسی اقتدار کی ضرورت نہیں بلکہ از خود دلوں پر قائم ہوتی ہے۔ اس نظریہ نے مجھے بہت متاثر کیا۔ یہاں تک کہ مجھے سر سے پیر تک ہلا کے رکھ دیا۔ مجھے حکومتِ الٰہیہ کے سابق نظریہ سے بہت پیار تھا۔ اور اُسے عمر بھر کے مطالعہ کی کمائی سمجھتا تھا۔ مگر جب دین کی تشریح میں حکومتِ الٰہیہ کا یہ نظریہ تفسیر کبیر میں پڑھا تو کافی غور و خوض کے بعد بالآخر اسی نظریہ کو اپنا لیا۔ جسے میں نے کتبِ الٰہیہ اور سنتِ انبیاء کے زیادہ مطابق پایا۔ بہت سے میرے پرانے دوست اس نظریہ کے اپنانے پر مجھ سے ناراض ہو گئے۔ مگر میں مضبوطی سے اس پر قائم ہو گیا اور مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کی۔

راولپنڈی میں اس دوران ایک اور رؤیا دیکھا کہ دو آدمیوں کو اپنے پاس سے آہستگی اور وقار کے ساتھ دف بجاتے ہوئے گذرتے دیکھا جو دلنشین اور بہت میٹھی آواز میں دف بجاتے بجاتے یہ پڑھ رہے تھے۔ "فاشکروا لی ولا تکفرون فاشکروا لی ولا تکفرون"۔ اس آواز میں باوجود سادگی کے اتنا روحانی سرور تھا کہ اب تک تمنا ہوتی ہے کہ کاش پھر اس قسم کی آواز جو شہد سے میٹھی تھی سنائی دے۔ قرآن مجید سے اس آیت کا سیاق و سباق دیکھا تو معلوم ہوا کہ مامور کو ماننا خدا کا شکر کرنا ہے۔ اور اس کا انکار کرنا اس کی ناشکری کرنا ہے جسکی طرف مجھے متوجہ کرنا مقصود تھا۔

۱۹۵۷ء میں جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ ربوہ پر جانے کی توفیق ملی۔ بشیر احمد صاحب بھٹی راولپنڈی سے راہنمائی ملتی رہی۔ بالآخر ۱۹۵۹ء میں بیعت فارم پر کر کے جماعت احمدیہ میں داخل ہو گیا۔ مولوی صاحبان کو معلوم ہوا تو جامع مسجد تعلیم القرآن راولپنڈی میں میرے بائیکاٹ کا اعلان ہو گیا۔ دوستوں نے

بات چیت چھوڑ دی مگر جب میری استقامت دیکھی تو بائیکاٹ خود ہی ختم ہو گئی۔ اس کے بعد راولپنڈی میں تبلیغی سلسلہ جاری رہا اور بازاروں وغیرہ میں بڑے بڑے جھگڑے ہوتے رہے۔ اور بعض دفعہ مجھے قتل کی دھمکیاں دی جاتی رہیں۔ کہیں اوباش لڑکوں کی ایک بھیڑ میرا پیچھا کرتی تھی۔ اور شریر لوگ، اور لڑکے پتھراؤ بھی کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ جانی نقصان سے محفوظ رکھا۔

۱۹۶۱ء سے خاکسار نے نظارت اصلاح و ارشاد صدر انجمن احمدیہ کے تحت مربی سلسلہ کی حیثیت سے پاکستان، آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان ایجنسیوں میں کام کیا۔ اس دوران تالیف و تصنیف کا بھی موقعہ ملا۔ اور درج ذیل کتب و رسائل لکھے:۔

(۱) "امام مہدی کا ظہور" جس میں مسیح و مہدی کے متعلق شیعہ سُنّی لٹریچر کی رُو سے علامات کا پورا ہونا اور بانی سلسلہ احمدیہ کا ان علامات کا مصداق ہونا بیان کیا گیا ہے اور آخر میں بہائیت کی بھی تردید کی گئی ہے۔ اس کی افادیت کے پیش نظر اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

(۲) "بد رسوم کے خلاف جہاد" ۱۹۶۷ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے جماعتی تربیت کے پیش نظر بد رسوم کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور ہدایت کی کہ ہماری جماعت کو تمام بد رسوم سے قطعی طور پر بچنا چاہیئے۔ اس رسالہ میں ان بد رسوم کی تفصیل بتلائی گئی ہے جن سے ایک مومن کو پرہیز کرنا چاہیئے۔ روزنامہ الفضل نے اس کی اہمیت پر ایک اداریہ بھی لکھا اور اسکے مطابق عمل کرنے پر زور دیا

(۳) "مسلمانوں اور عیسائیوں کی کشمکش کی تاریخ" - یہ کتاب فضل عمر فاؤنڈیشن کے اولین انعامی مقابلہ سنہ ۱۹۶۷ء میں مستحق انعام قرار پائی اور ادارہ مذکور نے اس پر خاکسار کو ایک ہزار روپے نقد انعام دیا۔ اس کتاب پر سلسلہ کے اخبارات و رسائل نے تبصرے کر کے بتلایا کہ یہ کتاب بہت اہم اور مفید مواد پر مشتمل ہے۔ غیر از جماعت اخبارات نے بھی تبصرے کر کے اس کتاب کی تعریف کی اور اسکی افادیت و ضرورت واضح کی ہے

(۴) "جماعت احمدیہ سے متعلق بعض سوالات کے جوابات" اس کا مضمون نام سے ظاہر ہے۔

(۵) "ظہور مہدی آخر الزمان" یہ "امام مہدی کا ظہور" نامی مندرجہ بالا کتاب کا خلاصہ ہے۔

ان پانچوں کتابوں کو نظارت اصلاح و ارشاد ربوہ نے شائع کیا ہے۔ ۲ و ۳ کے ایڈیشن جماعت احمدیہ کوٹلی آزاد کشمیر نے بھی شائع کئے۔ اور کثرت سے علاقہ میں تقسیم کئے۔ نظارت اصلاح و ارشاد نے پاکستان کی مرکزی ضروریات کے لئے ان کے متعدد ایڈیشن شائع کئے ہیں۔

(۶) "مسیح کشمیر میں" اس کتاب میں مدلّل رنگ میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلسطین سے ہجرت کر کے ہندوستان اور پھر کشمیر پہنچے اور تبلیغی فرائض انجام دے کر

سرنگر محلہ خانیار میں وفات پا گئے۔ اس کتاب کو مکرم عبد اللطیف شاہد گوالمنڈی لاہور حال ربوہ نے ۱۹۶۱ء میں شائع کیا۔ اسپر پاک و ہند کے مشہور ادیب علامہ نیاز فتحپوری نے بھی تبصرہ کر کے لکھا کہ شاندار تاریخی تحقیقات پر مبنی ہے*۔ روزنامہ الفضل نے اس کی اہمیت پر اداریہ لکھا۔ لاہور کے اخبارات نے بھی اس کے کچھ حصے شائع کئے اور قارئین و محققین کیلئے اسے لمحۂ فکریہ قرار دیا بعض بھارتی اخبارات نے بھی اس پر تبصرے شائع کئے۔ اس کے لئے پاک و بھارت دونوں ملکوں کے شائقین کی مانگ مسلسل جاری ہے۔

(۲) "مسیح دجّال اور یاجوج و ماجوج کا ظہور" - یہ دوسرا مقالہ ہے جسے فضل عمر فاؤنڈیشن کے انعامی مقابلہ ۱۹۶۹ء میں مستحق انعام قرار دیا گیا ہے۔[1]

مکرم میر عبد المجید شاہد

آپ ضلع پونچھ تحصیل راجوری بمقام کوٹلی کالابن احمدی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام فقیر محمد ہے جنہوں نے اغلباً خلافت ثانیہ میں بیعت کی تھی۔ آپ ابھی بچہ ہی تھے کہ والد صاحب وفات پا گئے۔ والدہ محترمہ نے آپ کی تعلیم کا خاص خیال رکھا اور ابتدائی تعلیم نہایت لگن سے دلائی۔ آپ کی شدید خواہش تھی کہ میرا یہ بچہ خادم دین ہو۔ چنانچہ آپ ۱۹۶۱ء میں زندگی وقف کر کے جامعہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ ۱۹۷۰ء میں شاہد کی ڈگری حاصل کر لی۔ ۱۹۷۰ء میں ہی آپ نے مولوی فاضل کا امتحان سرگودہا بورڈ سے اچھے نمبروں میں پاس کیا۔ جامعہ احمدیہ سے فارغ ہونے کے بعد وکالت تبشیر اور ادارۃ المصنفین میں کام کیا۔ بعد ازاں ملکی اور قومی خدمات سرانجام دینے کی غرض سے خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ کے حکم سے مجاہد فورس میں بھیج دیئے گئے۔ اب مربی سلسلہ ہیں۔

مکرم مبارک احمد قمر شاہد

آپ ۲۶ دسمبر ۱۹۲۹ء کو پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام میاں محمد ابراہیم اور دادا کا نام امان علی تھا۔ میاں محمد ابراہیم صاحب علم دوست اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے شیدائی تھے۔ کشمیر سے ہجرت کے بعد ایک لمبا عرصہ بیمار رہنے کی وجہ سے آپ کی تعلیم و تربیت نہ کر سکے اس لئے مکرم حکیم مرغوب اللہ صاحب سکرٹری جماعت احمدیہ شیخوپورہ نے آپ کی پرورش اور تربیت کی۔ ۱۹۴۱ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۶۴ء میں دینی خدمات کے لئے زندگی وقف کر دی۔ اب مربی سلسلہ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

---

[1] خاکسار کے حالات اور قبول احمدیت کی مذکورہ تفاصیل "بشارات رحمانیہ" و "برہان ہدایت" از مکرم عبد الرحمن صاحب مبشر اور مجلۃ الجامعہ ربوہ مصلح موعود نمبر نیز "ربوہ" نامی کتاب (مرتبہ خادم حسین) میں بھی شائع ہو چکے ہیں جہاں مجملات کی تفاصیل بھی مل سکتی ہیں۔

* دیکھو ملاحظات نیاز فتحپوری از محمد اجمل شاہد کراچی۔

باب ہفتم

کوٹلی (آزاد کشمیر) اور اُس کے ملحقات میں احمدیت

ریاست میں عمومی حیثیت سے تاریخ احمدیت بیان کرنے کے بعد مناسب ہوگا کہ ہم اختصار سے علاقہ وار احمدیت کا بھی کچھ ذکر کریں کہ ریاستی شہروں، قصبوں اور دیہات کے الگ الگ علاقوں میں کس طرح احمدیت آئی اور پھیلی۔ یہ واقعات بھی ایمان افروز ہیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ مختلف علاقوں میں تاریخ احمدیت کی بنیاد ڈالنے والے اصحاب مسیح موعود علیہ السلام تھے یا وہ لوگ جنہوں نے مسیح موعود علیہ السلام کے خلفاء کے زمانوں میں اپنے اپنے علاقوں اور دیہاتوں میں سب سے پہلے بیعت کی۔ پس الگ الگ علاقوں میں تاریخ احمدیت معلوم کرنے میں کتاب ہذا کے اُس باب سے بھی مدد مل سکتی ہے جس میں اصحاب مسیح موعودؑ کے حالات بیان ہو چکے ہیں مگر وہ حضرات جنہوں نے بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے بعد آپ کے خلفاء کے زمانوں میں براہِ راست قادیان پہنچکر یا بذریعہ خطوط بیعتیں کی ہیں مناسب ہوگا کہ اب ہم علاقہ وار احمدیت کے اس حصہ کے ابواب میں ان کے حالات کو بیان کریں۔

واضح رہے کہ مہاراجہ کشمیر نے ۱۹۳۱ء میں ریاستی احمدیوں کی نفر شماری کرائی تھی۔ بعد میں جو سرکاری رپورٹ شائع ہوئی اُس کے مطابق ریاست میں اسّی ہزار احمدی آباد تھے۔ اِن سب کے حالات کا بیان کرنا تو مشکل ہے ورنہ ان کے لئے دفتروں کے دفتر درکار ہونگے۔ اِن حالات میں برعایت اختصار ہم بعض خاص حالات ہی بیان کر سکتے ہیں۔ پس اِن ابواب میں اصحاب مسیح موعود علیہ السلام کا تو نام لینے پر ہی اکتفاء کی جائیگی۔ کیونکہ ان کے میسّر آمدہ حالات اولین باب میں گذر چکے ہیں۔ رہے وہ احباب جنہوں نے آپ کے خلفاء کے زمانہ میں بیعتیں کی ہیں اُن میں سے بعض کے بعض خاص حالات اِس قابل ہیں کہ انہیں کچھ تفصیل سے بیان کیا جائے مگر یہ یاد رہے کہ الاختصار خیرٌ من التطویل کے مطابق اِن تفصیلی حالات میں بھی اختصار پیش نظر رہے گا۔

مناسب ہوگا کہ ہم اس حصہ کو آزاد کشمیر کی علاقائی احمدیت کے ذکر سے شروع کریں۔ اِس کے بعد

خط متارکہ کے پار مقبوضہ کشمیر میں علاقہ وار احمدیت کے حالات بیان کرینگے۔

کوٹلی ضلع میرپور کی ایک تحصیل ہے جو آزاد کشمیر میں نسبتاً کثیر آبادی پر مشتمل ہے۔ ابتداء ۱۹۴۷ء سے جماعتہائے احمدیہ آزاد کشمیر کا ہیڈ کوارٹر رہنے کی سعادت حاصل رہی ہے۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ ہم آزاد کشمیر میں علاقہ وار احمدیت کا ذکر اسی علاقہ سے شروع کر دیں۔ اس کے بعد میرپور بھمبر پونچھ مظفر آباد۔ گلگت و بلتستان اور ان کے نواحی علاقوں کا ذکر کرینگے۔

کوٹلی کے ابتدائی احمدی حاجی امیر عالم صاحب[۱] مرحوم اور کرم دین صاحب[۲] کھوکھر ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں یہاں مولوی محبوب عالم صاحب[۳] اور مولوی اللہ دتہ صاحب[۴] ساکن ٹھونا گلی (پونچھ) تشریف لائے تھے۔ جن کے ذریعہ عام لوگوں کے کانوں میں احمدیت کی آواز پڑ گئی تھی۔

مولوی محبوب عالم صاحب معہ اپنے سات آٹھ شاگردوں کے کبھی کبھی یہاں آیا کرتے تھے۔ اُن کی بڑی مخالفت ہوتی تھی جیسا کہ آجتک ہر جگہ جہاں بھی کوئی احمدی ہوتا ہے مخالفت کا یہی حال ہے۔ جہاں وہ ٹھہرتے تھے مخالف علماء اُن سے بائیکاٹ کراتے تھے۔ اور لوگوں کو وعظ کر کے اُن سے ہر طرح کا تعلق رکھنے سے علانیہ منع کرتے تھے۔ مگر کرم دین صاحب کھوکھر انہیں اپنے ہاں ٹھہراتے تھے۔ اور مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ۱۹۲۲ء میں آریوں کے اسلام پر اعتراضات اور شدھی بنانے کی تحریک کے ایام میں حاجی امیر عالم صاحب کے بُلاوے پر کوٹلی کے ایک عام جلسہ کے لئے عبدالحق صاحب ودیارتھی (احمدی مبلغ) بھی تشریف لائے تھے۔ یہ جلسہ انجمن اسلامیہ کوٹلی کے زیر اہتمام ہونا قرار پایا تھا۔ اس جلسہ میں آریوں کے اسلام پر اعتراضات کے مدلّل جوابات دیئے گئے جس کا عوام پر اچھا اثر پڑا تھا۔ اس کے بعد حاجی امیر عالم صاحب نے جو پہلے ہی سے احمدیوں کی اسلامی خدمات اور قرآن دانی سے متاثر تھے امیر غیر مبائعین لاہور کی بیعت کر لی مگر تھوڑے عرصہ کے بعد ہی اصل حقیقت سے آگاہ ہو کر رؤیا کی بناء پر ۱۹۲۶ء میں قادیان جا کر بیعتِ خلافت کی اُن کے ساتھ ہی کرم دین صاحب کھوکھر نے بھی اسی موقعہ پر قادیان میں بیعت کر لی۔ کرم دین صاحب مولوی محبوب عالم سے متاثر ہو چکے تھے۔ اُن کے بعد الف دین صاحب درزی جنوری ۱۹۲۷ء میں اور علم دین صاحب مغل احمدی ہوئے پھر مستری نور الدین صاحب مرحوم نے بیعت کر لی۔

۱۹۳۴ء میں شاہ محمد صاحب، خوشی محمد صاحب، محمد بخش عمر صاحب، محمد صادق صاحب منشی فیروز الدین صاحب اور منشی علم دین صاحب عرائض نویس پھر عبدالعزیز کھوکھر احمدی ہو گئے۔

---

۱ و ۲ ان کے حالات آگے آ رہے ہیں۔ ۳ ان کے حالات صحابہ کے باب میں گذر چکے ہیں ۴ ان کے حالات ٹوپی کی جماعت میں آ رہے ہیں

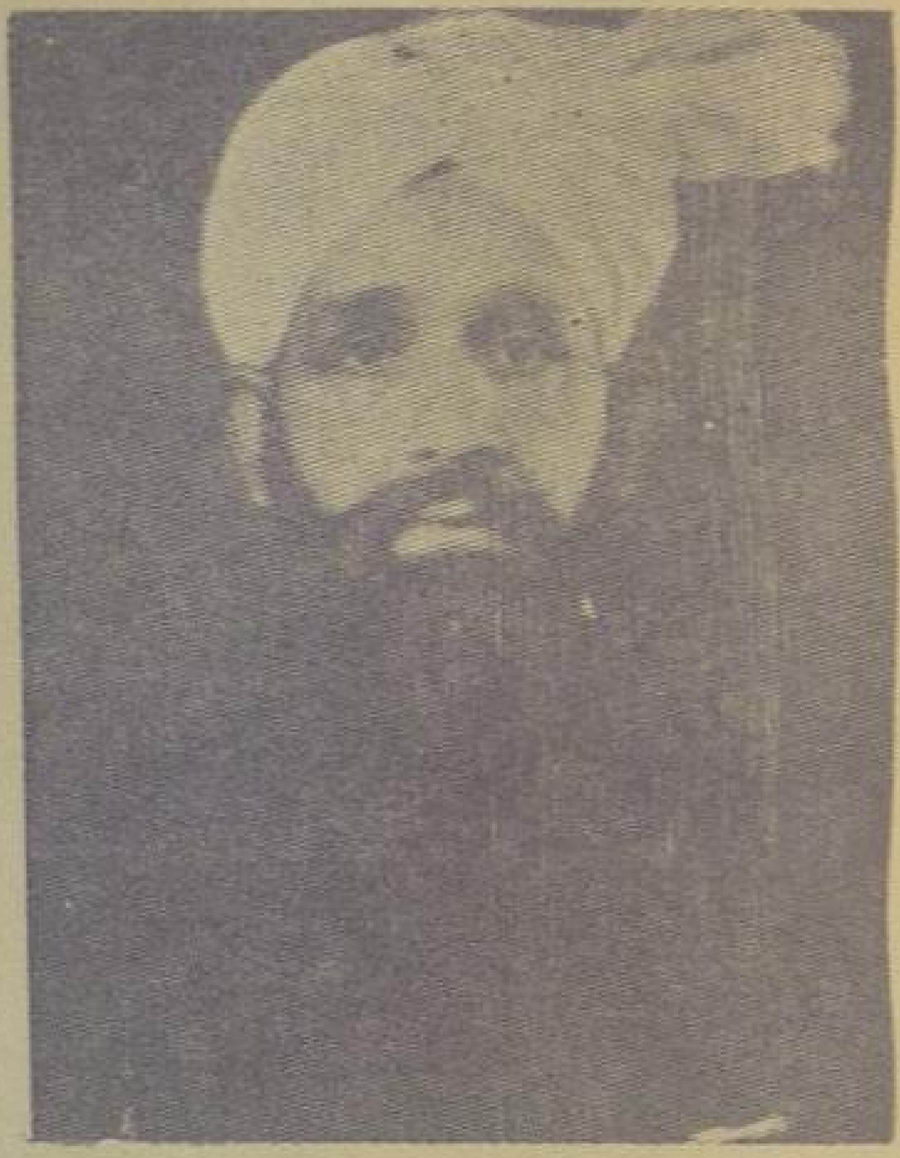

مکرم حاجی امیر عالم صاحب کوٹلی آزاد کشمیر صفحہ ۱۵۲

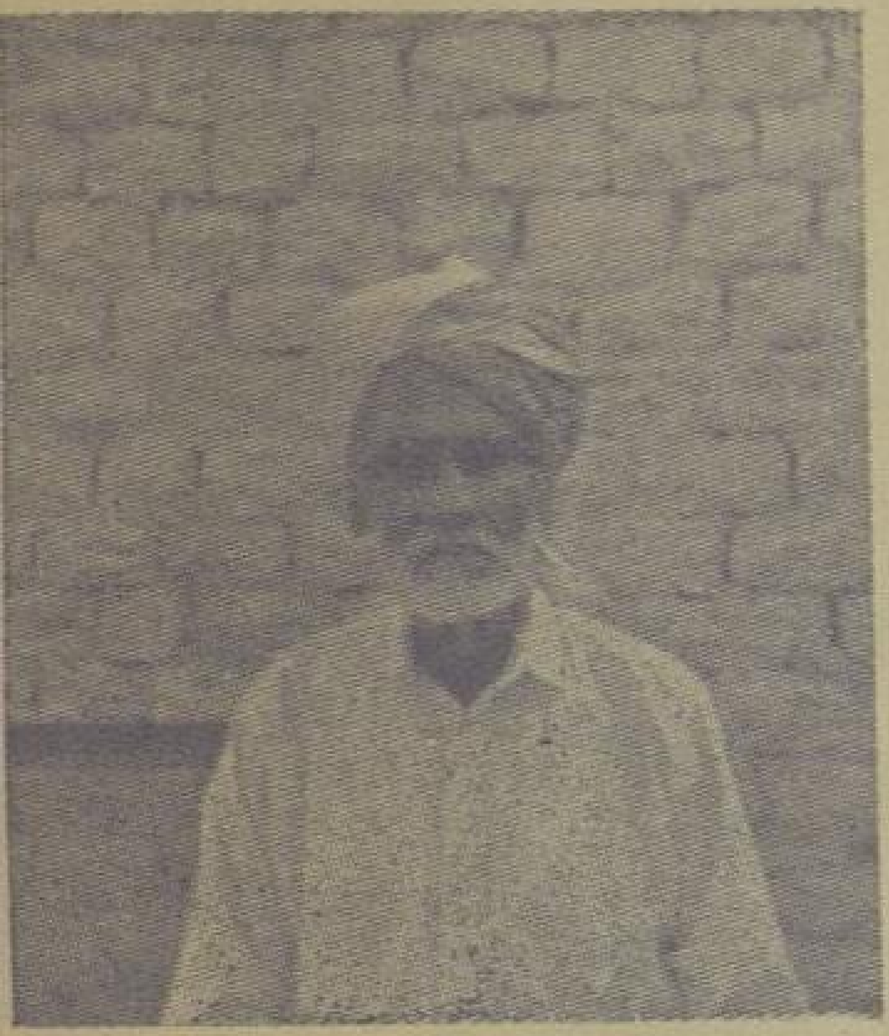

مکرم کرم دین کھوکھر صفحہ ۱۵۹

مکرم سردار دوست محمد خان صاحب چغتائی صفحہ ۱۶۰

مکرم منشی علم دین صاحب صفحہ ۱۶۴

محمد صادق و محمد شفیع (بھابڑا آزاد کشمیر) دو نئے واقفین زندگی (وقف جدید)

جماعت احمدیہ دولیاہ جٹاں آزاد کشمیر کے بعض احباب دائیں سے بائیں (۱) (؟)
(۲) مکرم مولوی محمد حسین صاحب (۳) مکرم عبدالطیف صاحب (۴) مکرم محمد یعقوب صاحب
کارکن تحریک جدید. (۵) مکرم محمد شفیع کارکن صدر انجمن احمدیہ وغیرہ بچگان صفحہ ۲۵۷

حاجی امیر عالم صاحب اور دوسرے لوگوں کے احمدی ہونے پر کوٹلی میں احمدیت کی مخالفت شروع ہو گئی۔ حاجی امیر عالم صاحب کے سُسر میاں جھنڈا راٹھور بھی سخت مخالف ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے پہاڑی زبان میں بانی سلسلہ احمدیہ مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کے خلاف ایک منظوم کتابچہ لکھنا شروع کیا تھا مگر وہ اُسے مکمل نہ کرنے پائے تھے کہ وفات پا گئے۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے بڑے بیٹے شیخ فضل الٰہی راٹھور سابق صدر انجمن اسلامیہ کوٹلی نے یہ منظوم کتابچہ پلندری کے مولوی شیر علی سے مکمل کرایا اور علاقہ میں احمدیت کی روز افزوں ترقی کے پیش نظر اسے "برقِ آسمانی بر ٹولہ قادیانی" کے اشتعال انگیز نام سے شائع کیا۔ تاہم بعض حق پسند طبایع متاثر ہوتی رہیں۔ چنانچہ آگے چل کر میاں جھنڈا راٹھور مرحوم کی بیٹی اور شیخ فضل الٰہی راٹھور کی ہمشیرہ محترمہ کرم النساء صاحبہ بھی احمدی ہو گئیں جو حاجی امیر عالم صاحب کے عقد نکاح میں تھیں۔ ۱۹۴۸ء میں شیخ فضل الٰہی صاحب کے بھائی غازی محمد صدیق بھی احمدی ہو گئے۔ غازی صاحب نے صداقت احمدیت کے بارے میں خوابیں بھی دیکھیں جن پر انہیں یقین ہو گیا کہ احمدیت سچی ہے۔ آپ نے ۱۹۴۶ء میں مسجد شاہی کوٹلی کے واگذار کرنے میں قربانی دی اور ۱۹ سال کی عمر میں جیل کاٹی۔ جس پر انہیں اہالیان کوٹلی نے غازی کا خطاب دیا تھا۔ جب گورنمنٹ کشمیر کے نوٹس میں آیا کہ شیخ فضل الٰہی صاحب راٹھور جماعت احمدیہ کے خلاف ایک منافرت انگیز اور اشتعال انگیز کتابچہ شائع کر کے تقسیم کر رہے ہیں جس کے نتیجہ میں فرقہ وارانہ منافرت پیدا ہوتی ہے تو حکومت نے اُن پر قانونی گرفت بھی کی۔

حاجی امیر عالم صاحب مرحوم اہل سنت کے ہاں معزز شخص تھے اور کرم دین صاحب اہل حدیث کے ہاں معزز شخصیت تھے اس لئے اہل سنت اور اہل حدیث دونوں مقامی فرقوں نے مل کر کوششیں شروع کر دیں کہ دونوں شخصیتیں احمدیت چھوڑ کر واپس آ جائیں مگر انفرادی کوششیں بارآور نہ ہوئیں تو دونوں فرقوں نے علماء منگوا کر احمدیت کی مخالفت میں جلسے اور تقریریں کرانے کا سلسلہ شروع کر دیا تقریریں۔ مباحثے۔ تبادلہ خیالات اور مناظرے شروع ہو گئے مگر بجائے اس کے کہ احمدیت رُک جاتی اور زیادہ پھیلنے لگی۔ کیونکہ مباحثات اور تبادلہ خیالات سے احمدیت کی سچائی اور خوبیاں اور زیادہ نکھر کر سامنے آتی اور غلط فہمیاں دُور ہوتی گئیں۔

کوٹلی میں ڈوگرہ عہد سے ہی ہندوؤں کا غلبہ تھا۔ اور جگہ جگہ دفاتر میں ہندو ملازمین متعین تھے اور مسلمان انتہائی مظلومی اور مفلسی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ سود خوار ہندو مہاجن مسلم معاشرہ کا خون چوس رہے تھے۔ تجارت۔ دولت اور حکومت ان کے ہاتھوں میں تھی۔ ہندو غلبہ ہونے کی وجہ سے

؎ اس بارہ میں ان کی ایک رؤیا کا ذکر آگے آئیگا۔

مسلمانوں کو عدالتوں سے بھی انصاف حاصل نہیں ہوتا تھا۔ اِن حالات میں مولوی محمد دین صاحب احمدی ساکن برنالہ تحصیل بھمبر یہاں کورٹ انسپکٹر مقرر ہو کر آئے۔ جو بڑے مخلص، نیک اور پرہیزگار انسان تھے۔ اپنی نیکی، ہمدردی اور دیانت داری کی وجہ سے علاقہ میں اُن کی کافی شہرت ہوئی۔ اور مسلمانوں نے اطمینان کا سانس لیا تھا مگر وہ کچھ عرصہ بعد یہاں سے تبدیل ہو گئے۔ تاہم دوسری دفعہ پھر وہ سب انسپکٹر ہو کر تھانہ کوٹلی میں مقرر ہو کر آئے۔ اُن کے دوبارہ آنے پر مسلمانانِ علاقہ کوٹلی نے پھر اطمینان کا سانس لیا۔ انہوں نے ہر طرح سے مظلوم مسلمانانِ علاقہ کی خدمت اور ہمدردی کی۔

کوٹلی کے ایک کنارے دریا کی طرف اگلے زمانہ کی ایک جامع مسجد کے کھنڈر موجود تھے جہاں خاکروب کوڑا کرکٹ پھینکتے اور گندگی کے ڈھیر لگاتے تھے۔ مولوی محمد دین صاحب سے مسجد کی یہ بے حرمتی نہ دیکھی جا سکی انہوں نے علاقہ کے مخیر مسلمانوں سے اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے چندے حاصل کر کے جامع مسجد کے محل وقوع سے تمام کوڑا کرکٹ اور گندگیاں اُٹھوا کر از سرِ نو جامع مسجد کی بنیاد رکھ کر اُس کی تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ میں جامع مسجد مکمل ہو کر تیار ہو گئی۔ موصوف کے احمدی ہونے کی وجہ سے مسلمانوں نے سرگوشیاں شروع کر دیں کہ یہ جامع مسجد احمدیوں کی ہو گی۔ مولوی صاحب موصوف کو ان سرگوشیوں کا علم ہوا تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ گو یہ جامع مسجد ایک احمدی کی تعمیر کردہ ہے مگر اس پر کسی احمدی کا قبضہ نہیں ہو گا احمدیوں کیلئے علیحدہ مسجد تعمیر کر لی جائیگی۔ تاہم ہر فرقہ کا مسلمان اسمیں نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ مسجد خدا کا گھر ہے۔

اِس دوران ہندوؤں نے مولوی دین محمد صاحب کی مسلمانوں سے ہمدردی اور جامع مسجد کی تعمیر کے کام کے خلاف حکومت کشمیر کو شکایات لکھ بھیجیں اور ان کے خلاف جلوس نکالے اور بورڈ پر محمد دین کا نام لکھ کر مصنوعی جنازہ نکال کر اُسے غلیظ جگہ پر دفن کر دیا۔ ہڑتالیں کیں جس پر حکومت نے مولوی دین محمد صاحب سے جواب طلبی کی کہ ایک گورنمنٹ ملازم ہو کر جامع مسجد کیوں تعمیر کی۔ مولوی صاحب موصوف نے جواب دیا کہ قانون کی رُو سے کسی فرقہ کے معبد کو گرانا تو ممنوع ہے مگر معبد کی تعمیر ممنوع نہیں ہے۔ میں نے دراصل مسلمانوں کے لئے جامع مسجد تعمیر کر کے مسلمانوں کو غیر مسلم حکومت کی ہمدردی اور بہی خواہی کا یقین دلایا ہے۔ یہ جواب سُنکر حکومت کے اعلیٰ افسران نے مخالفین کی شکایات کو مسترد کر دیا اور مولوی صاحب موصوف کو محکمانہ ترقی سے نوازا۔

اُن ابتدائی ایام میں جماعت احمدیہ کوٹلی کے لئے بھی کوئی ایسی مسجد نہیں تھی جہاں وہ جمعہ و دیگر نماز باجماعت ادا کرتے اس لئے مولوی محمد دین صاحب مرحوم اور حاجی امیر عالم صاحب مرحوم اور دیگر افراد جماعت کی کوششوں سے احمدیوں کیلئے علیحدہ جامع مسجد محلہ بلیاہ میں اس جگہ تعمیر ہوئی جس جگہ وہ آج نظر آ رہی ہے۔

مسجد احمدیہ کوٹلی

جہاں آجکل مسجد احمدیہ کوٹلی تعمیر شدہ موجود ہے ابتداء میں یہ زمین اور اسکے ساتھ کی بقیہ زمین میاں کمال الدین صاحب مرحوم کی ملکیت تھی جو حاجی امیر عالم صاحب مرحوم کے نانا تھے۔ کمال الدین صاحب کے دو لڑکے تھے (۱) میاں عبد اللہ (۲) میاں باغ علی۔ علاوہ ایک (لڑکی) مسماۃ حیات بی بی تھی۔

میاں باغ علی کی وفات کے بعد اُن کی بیوہ حیات بی بی صاحبہ نے منشی دانشمند خان مرحوم کے نام اپنے حصہ کی اراضی منتقل کردی کیونکہ باغ علی مرحوم کی دو یتیم لڑکیاں منشی دانشمند خان مرحوم کی زیر پرورش تھیں۔ جب کوٹلی کی جماعت احمدیہ نے یہاں مسجد احمدیہ بنانے کا پروگرام بنایا اور زمین کی ضرورت پڑی تو منشی دانشمند خان مرحوم نے بذریعہ حاجی امیر عالم مرحوم یہ زمین مسجد احمدیہ کی تعمیر کے لئے وقف کردی۔ اور یہاں مسجد تعمیر کرلی گئی۔

اغلباً ~~۱۹۶۴ء~~ ۱۹۶۵ء میں مسجد سے ملحق رہنے والی ایک غیراز جماعت عورت مسماۃ "صاحب نور" نے جو مسجد کی صفائی بھی کرتی رہتی تھی اور لاولد تھی اپنا رہائشی کمرہ اپنی زندگی میں ہی بذریعہ منظور احمد صاحب (ایڈووکیٹ) عدالتی تحریر دے کر مسجد احمدیہ کے نام وقف کردیا۔ جماعت نے اس کمرہ کو گرا کر دو چھوٹے چھوٹے کمروں برآمدہ و صحن پر مشتمل پختہ کوارٹر تعمیر کرایا۔ جس پر صاحب نور کا یادگاری کتبہ بھی لگا ہوا ہے اب اس کوارٹر کو دو منزلہ بنایا گیا ہے۔ مصنف کتاب ہذا کو ایک مدت تک مسجد کے اس ملحقہ کوارٹر میں قیام پذیر رہ کر جماعت ہائے احمدیہ آزاد کشمیر کی تعلیم و تربیت۔ درس و تدریس، تبلیغ اور خدمت کا موقعہ ملا ہے۔

کوٹلی میں سیرت النبیؐ کا جلسہ اور مختلف مذاہب کے علماء کی تقاریر

مگھر ۱۹۹۱ء بکرمی میں کوٹلی میں جماعتِ احمدیہ کوٹلی کے زیر اہتمام سیرت النبیؐ کا جلسہ ہوا۔ جس میں ہندو اور مسلم علماء کی تقاریر کا پروگرام بنایا گیا۔ چنانچہ پنڈت نیج ناتھ صاحب مجسٹریٹ درجہ اوّل کی صدارت میں وسیع پیمانہ پر تمام فرقوں کا مشترکہ جلسہ سیرت النبیؐ منعقد کیا گیا۔ جس میں منشی فیروز الدین احمدی۔ پنڈت رام بجاری۔ لالہ جگت رام صراف پنڈت سکھ دیو صاحب شاستری۔ رائے زادہ صاحب دتہ ل بی۔ اے۔ بھگت روپ چند وکیل اور دوسرے حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر روشنی ڈالی۔ صاحب صدر نے سامعین اور جماعتِ احمدیہ کوٹلی کا شکریہ ادا کیا کہ اُن کی کوششوں سے مختلف مذاہب کے لوگوں کو ایک پاکیزہ مجلس میں بیٹھنے اور تقریریں کرنے کا موقعہ مل گیا۔[1]

[1] ہفت روزہ اصلاح سرینگر مارچ ۱۹۳۵ء۔

"نوائے کشمیر" کوٹلی

۱۹۵۱ء کی بات ہے کہ کوٹلی سے ایک ہفتہ وار اخبار "نوائے کشمیر" کے نام سے شائع ہونا شروع ہوا۔ اس کے مدیروں میں ماسٹر امیر عالم صاحب مرحوم (احمدی) شیخ فضل الٰہی صاحب راٹھور تھے۔ بعد میں راولپنڈی کے عبد الغفار صاحب ڈار سابق مدیر اصلاح سرینگر بھی اس کی ادارت میں شامل ہو گئے تھے۔ اخبار علاقہ کے عوامی مسائل کی ترجمانی کرتا رہا۔
۱۹۵۲ء

۱۹۵۷ء میں اخبار صادق پونچھ کے ایڈیٹر سراج حسن نے کوٹلی کے احمدیوں کے خلاف اخبار کا ضخیم نمبر شائع کیا جس کا عنوان تھا "آزاد کشمیر میں مرزائیوں کے ہتھکنڈے"۔ اخبار مذکور کے ضمیمہ کے طور پر یہ دراصل ایک کتابچہ تھا جو $\frac{20 \times 30}{8}$ سائز کے ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا اور اس پر لکھا تھا۔ مؤلفہ شمس العلماء مولوی عتیق اللہ شاہ صاحب مفتی اعظم پونچھ انجمن تحفظ ختم نبوت آزاد کشمیر۔

اس کتابچہ میں حاجی امیر عالم صاحب اور کرم دین کھوکھر صاحب کو جماعت احمدیہ کوٹلی (آزاد کشمیر) کے دو ستون قرار دیا گیا تھا اور پھر ان کے خلاف خوب ہرزہ سرائی اور سر تا پا غلط اور جھوٹی باتیں بیان کی گئی تھیں اور مذہبی طبقہ عوام۔ حکومت آزاد کشمیر اور حکومت پاکستان سب کو آزاد کشمیر کے احمدیوں کے خلاف ابھار کر سختی سے کارروائی کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

اس کے بعد ادارہ "نوائے کشمیر" کوٹلی کی طرف سے ان تمام بہتان تراشیوں کا مدلل و مفصل جواب شائع کیا گیا جس سے ان مخالفین کے مخفی عزائم بے نقاب ہو گئے کہ کس طرح پاکستان اور آزاد کشمیر کے دشمنوں کی طرح یہ لوگ فرقہ وارانہ منافرت پیدا کر کے مسلمانوں میں انتشار اور حکومت آزاد کشمیر و پاکستان کو کمزور کرنا چاہتے تھے۔

جماعت ترقی کرتی گئی۔ جماعت کی وسعت کے پیش نظر صدر انجمن احمدیہ مرکزیہ ربوہ نے کوٹلی میں مشن کھول دیا اور یہاں تبلیغ و تربیت کے لئے مبلغین و معلمین بھیجے جو یہیں احمدیت کی آبیاری کرتے گئے۔
پہلے مولوی عبد الرحیم صاحب معلم مقرر ہوئے اور کچھ عرصہ کام کیا ان کے بعد سید عزیز احمد شاہ صاحب مربی مقرر ہو کر آئے جنہوں نے دو سال تک کام کیا۔ وہ تبدیل ہوئے تو مولوی محمد دین صاحب یہاں آئے۔ وہ چار سال تک کام کرتے رہے۔ وہ تبدیل ہو گئے تو مولوی عبد الرشید صاحب ارشد آئے۔ وہ بھی عرصہ دو سال تک کام کرتے رہے۔ ان کے بعد خاکسار راقم الحروف (مؤلف کتاب ہذا) کو کیمبل پور سے تبدیل کر کے یہاں بھیجا گیا۔ خاکسار یہاں تین سال کام کرتا رہا۔ پھر عبد الوہاب شاہد کچھ عرصہ یہاں رہے۔ ان کے بعد دوبارہ سید عزیز احمد شاہ اور نصیر احمد شاد بالترتیب متعین رہے۔
مخالفین کی پے در پے مخالفتوں اور پنجاب سے بلائے ہوئے متعدد علماء کے ذریعہ اشتعال انگیزیوں

کے اثرات کو دُور کرنے کے لئے جماعت ہائے احمدیہ کوٹلی نے بھی جلسہ عام کی ضرورت محسوس کی۔

جماعتہائے احمدیہ آزاد کشمیر کا پہلا سالانہ جلسہ ۱۹۶۳ء

مئی ۱۹۶۳ء میں ضروری تیاریوں کے بعد جماعت ہائے احمدیہ آزاد کشمیر کا پہلا سالانہ جلسہ بڑی دھوم دھام سے کوٹلی میں دو دن تک جاری رہا۔ اس سے قبل چونکہ یہاں کوئی عام جلسہ جماعت احمدیہ کا نہیں ہوا تھا اس لئے بعض متعصب مولویوں اور کٹر پنچوں نے اس جلسہ کی بڑی مخالفت کی اور تھانہ میں جا جا کر کہا کہ ہم جماعت احمدیہ کا جلسہ نہیں ہونے دینگے۔ حالانکہ جلسہ سیرت النبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مسلمہ فریقین کے موضوع پر مشتہر کیا گیا تھا۔ تھانہ والوں نے مخالفین کو اوّل تو نرمی سے سمجھایا کہ ہر فرقہ کو مذہبی آزادی حاصل ہے اس لئے احمدیوں کو سیرت النبیؐ جیسے مذہبی جلسے کو نہیں روکا جا سکتا۔ لوگوں نے تھانہ والوں کی بات نہ مانی بلکہ بڑا جوش دکھلا کر کہا کہ اگر احمدیوں کا جلسہ ہوا تو خون ہو جائیں گے اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا جس کی ذمہ داری پولیس پر ہوگی۔ تھانہ والوں نے یہ سمجھکر کہ فساد ہوگا اور حفاظتی تدابیر قلیل پولیس ہونے کی وجہ سے مشکل ہیں منتظمین جلسہ کو بلا کر کہا کہ کیا آپ ان حالات میں جلسہ ملتوی نہیں کر سکتے۔ منتظمین جلسہ نے جواب دیا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب ضلع نے ہمیں جلسہ کرنے کی اجازت دے دی ہے مسلمہ فریقین عنوان یعنی سیرت النبیؐ پر تقاریر ہونگی۔ ہماری طرف سے کوئی فساد یا اشتعال انگیزی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نیز جلسہ جماعت احمدیہ کی اپنی زمین پر مسجد احمدیہ کے صحن سے متصل میدان میں ہوگا۔ اور جس طرح سُنیوں اور شیعوں کو مذہبی جلسے کرنے کا حق ہے ہمیں بھی حق ہے اس لئے ہم تو جلسہ ملتوی نہیں کر سکتے اگر آپ اس کے باوجود جلسہ کرنے سے روک دیں گے تو پھر سُنیوں اور شیعوں کے جلسوں کو بھی روکنا ہوگا۔ رہی حفاظت جو پولیس کا فرض ہے اگر آپ نہیں کر سکتے تو ہم خود اپنی حفاظت کریں گے۔

اس دوران مرکز سے محترم قاضی محمد نذیر صاحب حال ناظر اشاعت لٹریچر و تصنیف ربوہ۔ مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد۔ مکرم شیخ نور احمد صاحب منیر سابق مبلغ بلادِ عربیہ اور خاکسار راقم الحروف بھی اس جلسہ میں شرکت کی غرض سے کوٹلی پہنچے۔ جلسہ کی کامیابی کے لئے دعائیں جاری تھیں۔ جمعہ کی نماز کے بعد جلسہ پروگرام کے مطابق شروع ہونے والا تھا مگر تھانہ والے اور لوگ روک بنکر کھڑے نظر آرہے تھے جمعہ سے قبل خاکسار نے ایک کشفی نظارہ دیکھا کہ ہم جلسہ گاہ کی طرف جا رہے ہیں کہ ہمارے امیر قافلہ محترم قاضی محمد نذیر صاحب چلتے چلتے سڑک پر سجدہ میں گر گئے ہیں۔ مَیں نے یہ کشف قاضی صاحب کو سُنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ خدا کے آگے سجدہ میں گر جانا قبولیت دُعا اور کامیابی سے تعبیر ہوتا ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مخالف حالات میں کامیابی کے سامان کر دیئے۔ تھانہ والوں نے غیر متوقع حالات میں عین نماز جمعہ سے قبل جماعت کو جلسہ کرنے کی منظوری دے دی اور کہا آپ جلسہ کریں ہم نے حفاظتی تدابیر مکمل کر لی ہیں۔ یہ خبر سنکر جماعت نے پروگرام کے مطابق ۲۴ رمئی ۱۹۶۳ء کو بعد نماز جمعہ جلسہ عام کی کارروائی شروع کر دی۔ جلسہ گاہ اور سٹیج کو رنگا رنگ جھنڈیوں اور قطعات سے سجایا گیا تھا۔ علماء کرام نے سیرت النبیؐ کے مختلف عنوانات پر دو دن تک مسلسل چار اجلاسوں میں ایمان افروز اور ولولہ انگیز تقاریر کیں۔ لوگوں کے مختلف سوالات کے جوابات دیئے گئے۔ اتحاد بین المسلمین کی اہمیت بھی واضح کی گئی۔ مستورات کے علاوہ حاضرین کی کافی تعداد تھی۔ دہ شیر خان۔ میرپور۔ رام باڑی۔ چرناڑی۔ دلیا جٹاں وغیرہ دیہات سے بھی لوگ جلسہ سننے کے لیئے آئے تھے۔ غیر احمدیوں نے بھی بڑی دلچسپی سے تقاریر کو سنا اور پہلی دفعہ احمدی علماء کی پُر مغز۔ روح پرور اور باہمی صلح و امن کی تقاریر اور سوالات کے جوابات سنکر انہیں بڑا اطمینان ہوا اور جو کچھ انہوں نے مولویوں سے جماعتِ احمدیہ کے عقائد کے بارے میں سنتا تھا وہ سراسر غلط نکلا۔ اور ان کی بہت سی غلط فہمیاں دور ہو گئیں اور علاقہ میں توقع سے بڑھ کر اثر ہوا۔

دولیاہ جٹاں میں جلسہ

کوٹلی کے سہ روزہ عظیم الشان جلسہ کے بعد ۲۷/۵/۱۹۶۳ء کو دولیاہ جٹاں علاقہ راجدھانی میں زیر صدارت راجہ کفایت علی صاحب (غیر از جماعت ممبر یونین کونسل) جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں مکرم مولانا دوست محمد شاہد اور خاکسار نے سیرۃ النبیؐ اور صداقت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام پر تقاریر کیں۔ ایک غیر از جماعت دوست نے ظہور مہدی کے بارے میں سوالات کیے۔ ان کے جوابات بھی جلسہ میں دیئے گئے جس سے عام غلط فہمیاں دور ہوئیں۔ رات کو بعد نماز عشاء تربیتی اجلاس ہوا۔ جو مردوں کے علاوہ احمدی مستورات کے لیئے بھی ازدیاد ایمان کا باعث بنا۔ راجدھانی سے دولیاہ جٹاں کو ۶ میل پیدل راستہ دشوار گذار پہاڑیوں اور چٹانوں سے ہو کر جاتا ہے۔ ہم نے آنے جانے کا سفر کچھ گھوڑوں پر اور کچھ پیدل طے کیا۔ اس جگہ علاقہ راجوری کے احمدی مہاجر خاندان آ کر آباد ہوئے ہیں ان کا ذکر آگے آ رہا ہے انہوں نے اپنی مسجد بھی تعمیر کر لی ہے۔

سالانہ اجتماع ۱۹۶۶ء

جماعت ہائے احمدیہ کوٹلی آزاد کشمیر کا دوسرا سہ روزہ سالانہ تربیتی اجتماع مورخہ ۲۴ تا ۲۶ رنومبر منعقد ہوا۔ سینکڑوں غیر از جماعت احباب نے بھی جلسہ میں شامل ہو کر استفادہ کیا۔ متعدد لاؤڈ سپیکروں کا انتظام تھا۔ اجتماع میں جہلم۔ میرپور۔ راولپنڈی اور آزاد کشمیر کے اطراف واکناف سے کثرت سے احباب شامل ہوئے۔

جمعیت اہلحدیث کوٹلی نے بھی انتظامی امور میں جماعت سے تعاون کیا۔ ربوہ سے بھی علمائے کرام تشریف لائے ہوئے تھے۔ مستورات نے بھی جلسہ سنا۔ جلسہ گاہ اور سٹیج رنگ برنگ جھنڈیوں۔ قرآنی آیات، تبلیغی عبارات اور دینی اشعار پر مشتمل درجنوں قطعات اور خوشنما بورڈوں سے مزین کیا گیا تھا۔ تقاریر کو ریکارڈ کرنے کیلئے ریکارڈنگ مشین بھی لگائی گئی تھی۔ تصاویر لینے کے لئے فوٹوگرافروں کا بھی انتظام تھا۔ رضاکار اور خدام جلسہ گاہ کے اردگرد مختلف ڈیوٹیوں پر متعین تھے۔ جلسہ گاہ کا گیٹ خوشنما قطعات سے آراستہ بارونق اور مزین تھا۔ ربوہ کے نمونہ پر سٹیج لکڑیوں کے شہتیروں اور تختوں سے بنایا گیا تھا۔ سٹیج کے اوپر خیمہ تانا گیا تھا۔ گیٹ پر بک سٹال بھی لگایا گیا تھا۔ ہنگامی حادثات، فوری علاج معالجہ اور طبی ضروریات کے پیش نظر ظفر احمد صاحب کلیم نامی ڈاکٹر بھی مقرر کیا گیا تھا۔ غرضیکہ ہر ضرورت کا خیال رکھا گیا تھا۔ تین دن تک مسلسل چھ اجلاس ہوئے جن میں مکرم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد سلمہ اللہ۔ مکرم مولانا دوست محمد صاحب مکرم مولانا محمد شفیع صاحب اشرف اور خاکسار راقم الحروف نے سیرت النبیؐ۔ صداقت بانیٔ سلسلہ احمدیہ وفات حضرت عیسٰی علیہ السلام کے عنوانات پر تقاریر کیں۔ باہمی مسلم فرقوں کے اتحاد کی ضرورت و اہمیت بھی بیان کی گئی اور مختلف سوالات کے جوابات بھی دیئے گئے۔ جلسہ کے دور رس اثرات ظاہر ہوئے متعدد بیعتیں ہوئیں۔ لوگوں کی مزید تسکین کی خاطر جلسہ کے مابعد خاکسار نے لوگوں کے سوالات کے جوابات میں ایک کتابچہ "جماعت احمدیہ سے متعلق بعض سوالات کے جوابات" کے نام سے لکھا جسے جماعتہائے احمدیہ آزاد کشمیر نے کوٹلی سے شائع کیا اور سارے آزاد کشمیر میں تقسیم کیا جس سے متعصب طبقہ کی پھیلائی ہوئی مزید غلط فہمیاں دور ہوگئیں۔ کوٹلی کے متعصب طبقہ نے جبکہ بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات قریب آرہے تھے اور انہیں یقین تھا کہ احمدی امیدوار محمد منظور احمد (ایڈووکیٹ) سے مقابلہ ہوگا تو اس نے چنیوٹ (پنجاب) سے مولوی منظور احمد چنیوٹی کو سیرت النبیؐ کا جلسہ رکھ کر بلایا جس نے احمدیوں کے خلاف سخت بدزبانی اور اشتعال انگیزی کرتے ہوئے جلسہ میں یہ فتویٰ سنایا کہ احمدیوں کو ووٹ دینا حرام ہے۔ چنیوٹی نے جلسہ میں بار بار مقامی جماعت کو بلکہ مقامی مربی سلسلہ خاکسار راقم الحروف کا نام لے کر مباحثہ و مباہلہ کا چیلنج دیا۔ مقامی جماعت کے نمائندوں نے محمد منظور احمد صاحب (ایڈووکیٹ) کی مہر کردہ گویں فوراً جلسہ کے دوران ہی انہیں یہ تحریر حاضر ہو کر پہنچا دی کہ ہم مباحثہ و مباہلہ دونوں کے لئے تیار ہیں اس کے لئے وقت اور تاریخ اور دیگر شرائط ہم سے طے کی جائیں۔ اب مولوی منظور احمد چنیوٹی نے ذرا سنبھل کر مباحثہ و مباہلہ دونوں سے یہ کہکر گریز کیا کہ میں مباحثہ نہیں مباہلہ کرونگا اور مباہلہ بھی مقامی جماعت سے نہیں جماعت احمدیہ کے مرکزی خلیفہ ربوہ سے کرونگا۔ حالانکہ وہ مقامی

جماعت کو بار بار مباہلہ و مباحثہ کا چیلنج دے چکے تھے کہ میں اُن کے کسی بھی نمائندے سے مباہلہ و مباحثہ کرنے کو تیار ہوں جو بھی سامنے آجائے۔ اگرچہ ہم جانتے تھے کہ یہ سب انتخابی اسٹنٹ ہے۔ تاہم اتمام حجت کیلئے خاکسار نے مولوی منظور احمد چنیوٹی کو چنیوٹ کے پتہ پر جبکہ وہ کوٹلی سے جلدی جا چکے تھے۔ ایک رجسٹری خط بھیجا جس میں لکھا گیا کہ اگر وہ سچے ہیں اور مقامی سیاسی کھلاڑیوں کے آلۂ کار بن کر محض فرقہ وارانہ نفرت پھیلانا نہیں چاہتے تو قرآنی شرائط اور سنت نبوی کے مطابق اس مباہلہ کی دعوت کو قبول کریں جو سب سے پہلے بانیٔ سلسلۂ احمدیہ نے اپنی کتاب "انجام آتھم" میں تمام علماء ہند اور گدی نشینوں کو دی تھی اور آج بھی شائع شدہ موجود ہے کیونکہ تا حال کسی عالم نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا۔ خط میں یہ بھی درج کیا گیا کہ ایک ماہ کے اندر اس خط کا جواب دے دیں۔ اگر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا تو اُن کا مباحثہ و مباہلہ دونوں سے فرار سمجھا جائے گا۔ عذرات کو توڑنے کے لئے اِس خط کی نقول رجسٹری کر کے کوٹلی کے اُن معززین کو بھی بھیجی گئیں جنہوں نے مولوی چنیوٹی کو بلا کر جلسہ کرایا تھا۔ مگر نہ ایک ماہ کے اندر نہ ایک ماہ کے بعد مولوی چنیوٹی نے کوئی جواب دیا نہ اُس کے مقامی بلانے والوں نے، کسی کی طرف سے جواب نہ ملنے پر خاکسار نے ایک اور پمفلٹ "مولوی منظور احمد چنیوٹی کا مباحثہ و مباہلہ سے فرار" کے نام سے کوٹلی سے شائع کیا اور لوگوں میں تقسیم کیا۔ ایک پمفلٹ مولوی منظور احمد چنیوٹی کو بھی بذریعہ ڈاک بھیجا گیا۔ مگر کسی طرف سے صدائے برنخواست۔ اِس مکمل خاموشی اختیار کر لینے سے صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ جلسے محض انتخابی سٹنٹ ہی تھے۔ صرف مذہب کے نام سے سادہ لوح عوام کے جذبات انگیخت کئے جا رہے تھے جن کو عوام نے بعد میں احمدی امیدوار منظور احمد صاحب ایڈووکیٹ ابن حاجی امیر عالم صاحب کو کامیاب بنا کر ناکام کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مولوی منظور احمد چنیوٹی نے حسب عادت پاکستان میں حافظ آباد (گوجرانوالہ) کے ایک جلسہ میں جا کر احمدیوں کے خلاف اشتعال انگیزی کی اور بیان کیا کہ انہوں نے امام جماعت احمدیہ کو مباہلہ کا چیلنج دیا مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور پھر مقامی جماعت کو چیلنج دیئے۔ جس پر حافظ آباد کی مقامی جماعت احمدیہ نے جلسہ میں حاضر ہو کر آزاد کشمیر کوٹلی کا شائع کردہ مذکورہ پمفلٹ بنام "مولوی منظور احمد چنیوٹی کا مباہلہ و مباحثہ سے فرار" پیش کیا اِس پر مولوی صاحب بہت سٹ پٹائے مگر کوئی معقول جواب نہ بن پڑا۔ اور شرمندگی سے پسینہ پونچھتے ہوئے واپس چنیوٹ آ کر دم لیا۔ ع

پہنچی یہ خاک وہیں جہاں کی خمیر تھی

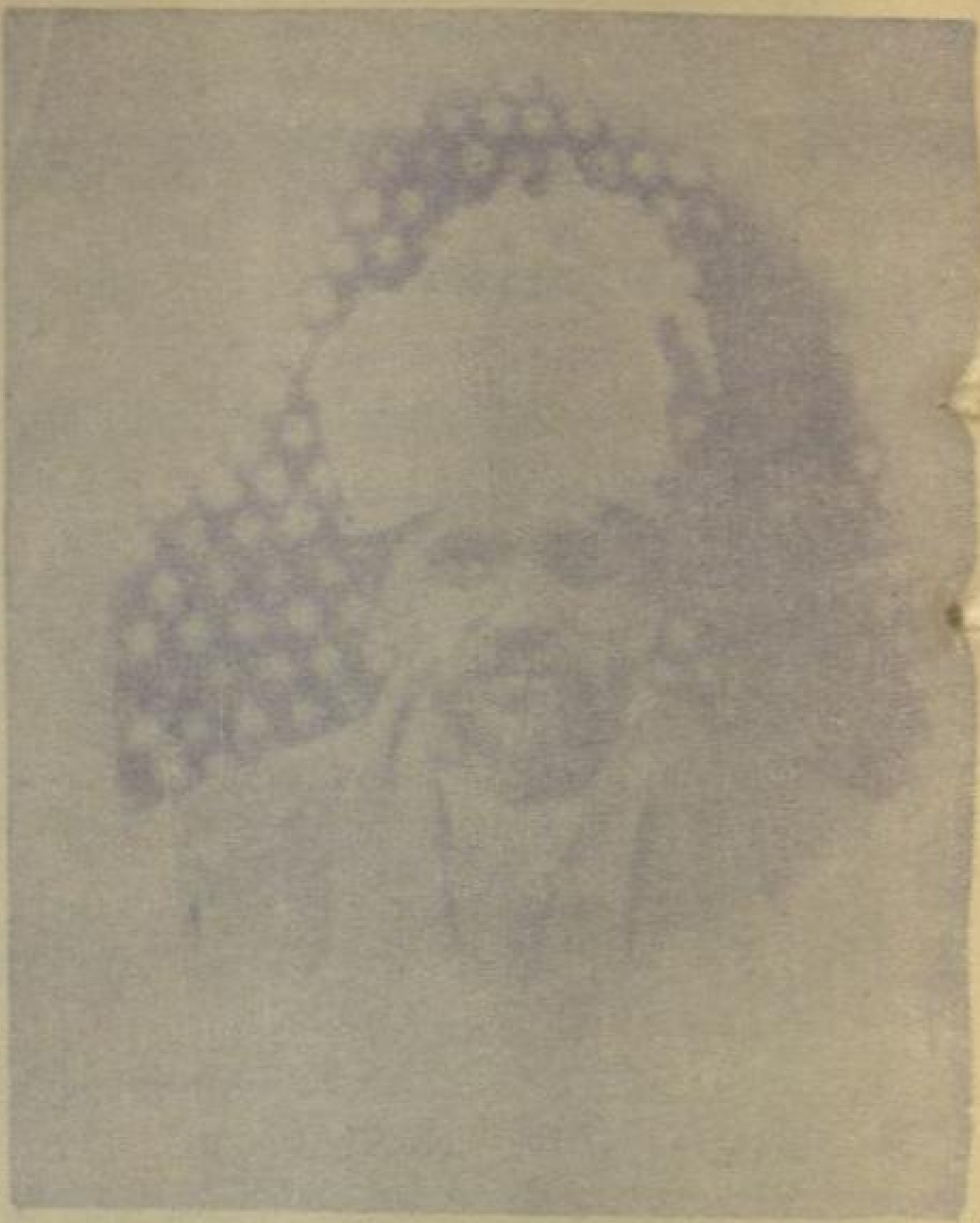

مکرم منشی دانشمند خان مرحوم صفحہ ۲۵۳

مکرم منشی فیروزالدین معہ فرزند ولی الدین صفحہ ۱۶۴

بائیں سے دائیں مکرم محمد منظور احمد (ایڈوکیٹ) و مکرم ڈاکٹر محمد ظفر کاہم صفحہ ۱۵۸

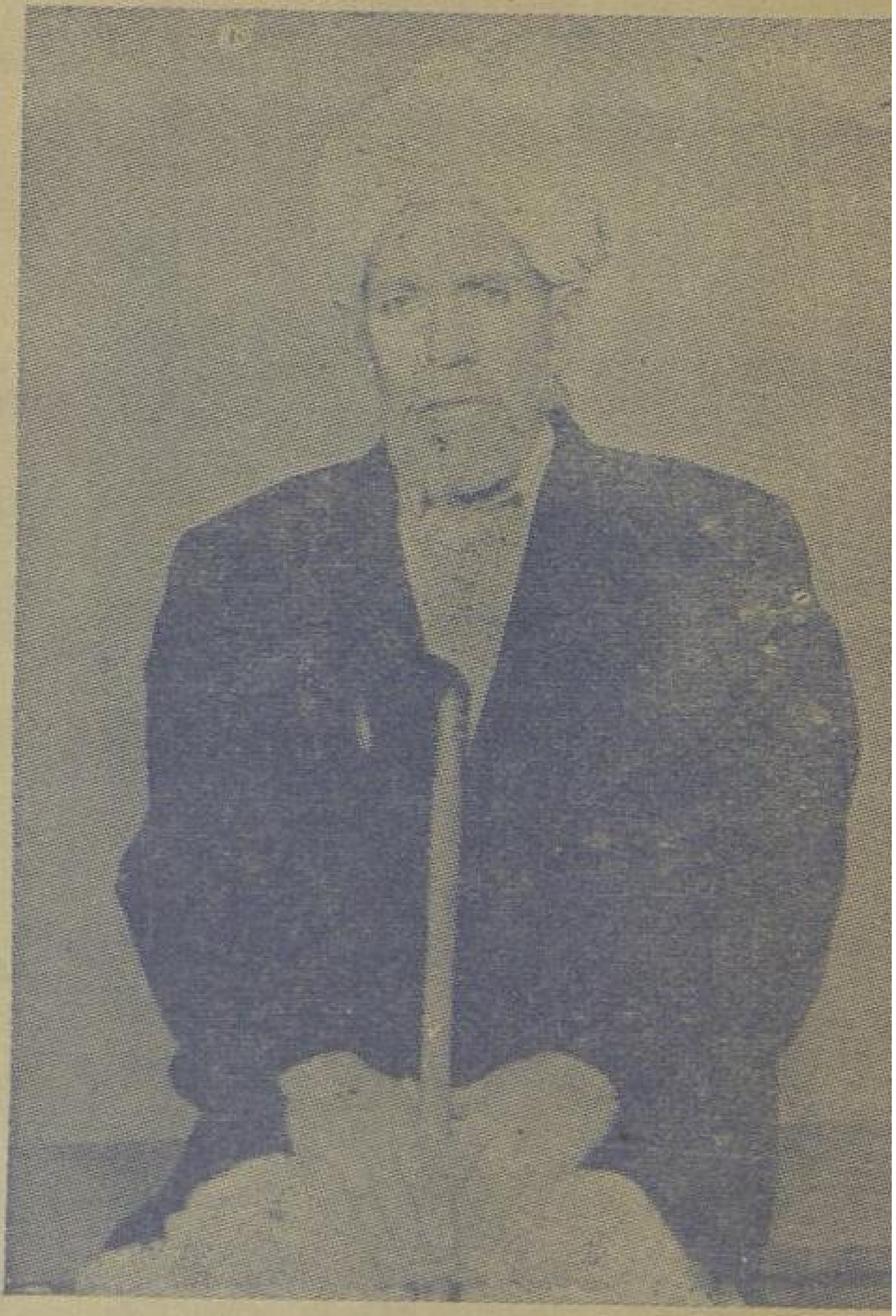

مکرم مولوی فضل احمد صاحب صفحہ ۲۵۷

مکرم کیپٹن ڈاکٹر محمد دین مرحوم صفحہ ۱۸۶

مکرم ظہور احمد صاحب صفحہ ۱۲۹

مکرم محمد شریف صاحب حال سیکریٹری
مال بھمبر صفحہ ۱۶۲

۱۹۶۷ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے جماعتی تربیت کے پیش نظر بد رسوم کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور ہدایت کی کہ جماعت کو بد رسوم سے ہر حال بچتے رہنا چاہیئے۔ اس موقعہ پر خاکسار نے کوٹلی سے ایک اور کتابچہ "بد رسوم کے خلاف جہاد" شائع کیا۔ جس میں بتایا کہ وہ کونسی رسوم ہیں جن سے بچنے کی ضرورت ہے۔ ان کتابچوں کے ایڈیشن ان کی عام افادیت کے پیش نظر نظارت اصلاح وارشاد مرکزیہ ربوہ نے بھی پاکستان کی ضرورتوں کے لئے شائع کئے اور تقسیم کئے اور کر رہی ہے۔

ذیلی تنظیمیں

جماعتہائے احمدیہ کے ساتھ دنیا بھر میں مردوں اور عورتوں کی ذیلی تنظیمیں عمر اور جنس کے لحاظ سے قائم ہیں۔ اسی طرح مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر میں بھی یہ ذیلی تنظیمیں قائم ہیں۔ کہیں کہیں ہم نے اُن کا ذکر کر دیا ہے اور کہیں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ کوٹلی میں بھی مردوں کی ذیلی تنظیمیں مجلس انصار اللہ۔ مجلس خدام الاحمدیہ۔ مجلس اطفال الاحمدیہ اور عورتوں کی لجنہ اماء اللہ اور ناصرات الاحمدیہ قائم ہیں۔ اطفال و ناصرات کی تنظیمیں ۷ سال سے ۱۵ سال تک اور خدام الاحمدیہ کی ۱۵ سے ۴۰ سال تک۔ اور انصار اللہ کی چالیس سال سے آخر عمر تک۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ مرد۔ عورتیں۔ نوجوان۔ بچے۔ بوڑھے سب اپنی اپنی عمر اور جنس کے لحاظ سے جماعت میں منسلک رہتے ہوئے اپنے الگ الگ دائروں میں بھی کام اور کام کا تجربہ حاصل کریں۔ اور ان کی تعلیم و تربیت مؤثر رنگ میں جاری رہے۔ خاکسار کی بیوی مرکزی لجنہ کے سالانہ جلسوں میں مقامی لجنہ کی نمائندگی بھی کرتی رہی ہے۔

ایک ہزار روپیہ نقد مع سامان کی چوری اور واپسی کا ایمان افروز واقعہ

اس جگہ کوٹلی کے واقعات میں ایک ایمان افروز واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ خاکسار راقم الحروف نے "عیسائیوں اور مسلمانوں کی کشمکش کی تاریخ" کے نام سے ایک مقالہ فضل عمر فاؤنڈیشن ربوہ کے اولین انعامی مقابلہ برائے ۱۹۶۷ء میں لکھ کر پیش کیا جس پر خاکسار کو ایک ہزار روپیہ نقد انعام دیا گیا۔ جب میں یہ انعام پا کر ربوہ سے واپس کوٹلی آ رہا تھا تو میری بس راولپنڈی اور کوٹلی کے درمیان اپنے مقررہ بس سٹاپ پر ٹھہری تا کہ مسافر چائے وغیرہ پی لیں۔ کچھ دیر کے بعد بس نکل گئی اور خاکسار بوجہ بس کے نظر سے پوشیدہ ہونے کے نہ پہنچ سکا اور پیچھے رہ گیا۔ میرا سامان مع ایک ہزار روپیہ نقد انعام بس میں چلا گیا۔ اگرچہ میں فکرمند ہوا اور خدا سے سامان کی حفاظت کے لئے دعا کرتا رہا۔ تاہم یہ بھی خیال تھا کہ بس ڈرائیور کوٹلی کے مستقل سٹاپ پر پہنچکر میرا سامان اتار کر محفوظ رکھ لیں گے۔ اور میں دوسری بس سے پہنچونگا تو سامان لے لونگا۔ اغلباً ایک گھنٹہ کے بعد مجھے ایک بس میسر آئی جس پر میں کوٹلی پہنچا۔ سامان کی پوچھ پاچھ کی تو معلوم ہوا کہ

کہ ڈرائیور نے سامان نہیں اُتارا اور کوئی مسافر چوری سے اُتار کر لے گیا۔ بس والوں نے بس موڑ کر ایک اور اڈہ پر میرے ساتھ جا کر اُتر کر جانے والے مسافروں سے پوچھ پاچھ کی اور اُن کا سامان دیکھا مگر وہاں بھی کوئی اتہ پتہ نہ ملا۔ کوٹلی کے احباب کو اس حادثہ کا پتہ چلا تو وہ شدید فکر مند ہوئے۔ بازار کے غیر از جماعت لوگوں میں بھی آناً فاناً یہ خبر پھیل گئی۔ چونکہ میں اُن کے مولویوں اور جلسوں کا مقابلہ کرتا چلا آرہا تھا اس لئے ایسے متعصب لوگ بھی تھے جن کے چہروں پر اس حادثہ کی خبر سُنکر مسکراہٹیں پھیل گئیں اور بعض لوگ طرح طرح کی باتیں بنانے لگے۔ ظاہری حالات تو اتنے مایوس کُن تھے کہ بعض مخالف لوگوں نے احمدی احباب سے یہاں تک کہا کہ مرزا صاحب کو تب سچّا مانیں گے کہ تمہارے مبلغ کو روپیہ واپس مل جائے۔ ہمارے پاس سوائے دعاؤں کے اور کوئی سہارا نہ تھا۔ ہم خدا تعالیٰ سے دعائیں کر رہے تھے کہ "اے اللہ! ان مایوس کن حالات اور مخالفین کی شماتت میں تو ہی ہمارا مددگار اور محافظ ہے۔ ہمارا سامان اور روپیہ واپس دلانے کے از خود کوئی غیبی سامان بنا ہم تو تیرے عاجز بندے ہیں"۔ ان باتوں کو سُنکر مقامی جماعت کے بعض احباب نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر مولوی صاحب کو روپیہ واپس نہ ملا تو ہم ایک ہزار روپیہ جمع کر کے ان کو دے دیں گے۔

اِسی دوران خیال آیا کہ بس میں میری سیٹ کے ساتھ جو مسافر بیٹھا ہوا تھا اغلب ہے کہ اُس نے سامان چُرا کر اُتار لیا ہو گا اور لے گیا ہو گا۔ مزید پتہ چلا کہ وہ نکیال کا باشندہ تھا۔ نکیال کوٹلی سے ایک دشوار گذار پہاڑی راہ سے تیئس چوبیس میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ ہے۔ اس خیال پر ہم نے سوچا کہ نکیال جا کر پتہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ جماعت کے ایک باہمت نوجوان دوست ظہور احمد صاحب میری مدد کے لئے میرے ساتھ ہو گئے۔ کوٹلی سے جیپ کر کے ہم نکیال روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ہوٹلوں پر اور نکیال پہنچکر معلوم کیا کہ کتنے مسافر یہاں اُترے اور کہاں گئے۔ پتہ چلا کہ تین یا چار مسافر اُترے اور وہ موضع ڈبسی کے رہنے والے تھے اور وہیں چلے گئے۔ یہ موضع نکیال سے بھی کم و بیش نو یا دس میل دور پیدل جنگلات اور دشوار گذار پہاڑی مقامات پر واقع تھا۔ نکیال میں زبانی ہم نے تھانہ میں بھی رپورٹ کی۔ اور کوٹلی سے داؤد احمد صاحب ابن حاجی امیر عالم نے بھی ٹیلیفون پر انہیں اس واقعہ کی اطلاع دے دی تھی۔ نکیال میں اب شام ہو گئی تھی۔ ڈبسی کی طرف پیدل راستہ تھا۔ سواری کا کوئی راستہ نہ تھا۔ اس لئے ہم نے رات ہی رات پیدل سفر کرنے کا فیصلہ کیا۔ قصبہ سے ہم نے لیمپوں کا انتظام کیا اور ایک دوکاندار کو جو مطلوبہ گاؤں کا رہنے والا تھا بطور راہنما و مددگار کے ہم نے ہمراہ لیا اور روانہ ہو گئے۔ بڑے دشوار راستے۔ ندی نالے۔ چٹانیں۔ سانس پھلانے والی

چڑھائیاں اور جنگلات عبور کر کے ہم قریباً بارہ بجے رات مطلوبہ گاؤں میں پہنچے۔ وہاں ایک مسافر کے گھر جا کر سامان کا پتہ کیا۔ اُس نے کوئی پتہ نہ دیا۔ دوسرے مسافر کا گھر تلاش کر کے پتہ کیا۔ اس نے بھی کوئی پتہ نہ بتایا۔ تیسرے مسافر کے گھر پہنچکر پتہ کیا۔ اُس نے اللہ تعالیٰ کے خاص غیبی تصرف سے اقرار کر لیا کہ مَیں نے کوٹلی پہنچکر بس سے مولوی صاحب کا سامان اتار لیا تھا جو ہمراہ لایا ہوں اور یہ مجھ سے غلطی ہو گئی وغیرہ وغیرہ۔ ہم نے شکر کیا کہ سامان مل گیا۔ اور کچھ دیر بعد ہم نے وہ بیگ منگوایا جس میں ایک ہزار روپیہ نقد فضل عمر فاؤنڈیشن کے انعامی لفافہ میں پانچ پانچ سو کے دو نوٹ بند تھے۔ وہ لفافہ بھی مل گیا۔ اُسے کھولا تو دونوں نوٹ جوں کے توں موجود تھے۔ ہم نے لفافہ کو جسے انعام ملنے کے بعد ابھی مَیں نے کھولا ہی نہیں تھا کھول کر اپنے نکیال والے مددگار کو دکھلایا تاکہ اُسے معلوم ہو کہ جو کچھ ہم کہہ رہے تھے وہ درست تھا کوئی بناوٹ نہیں تھی۔ ذرا فارغ ہو کر خاکسار نے شکرانہ کے نوافل بھی پڑھے اور اپنے خدا کے نشان پر اُس کی تحمید، تحمید اور تسبیح کی۔ رات گذار کر صبح ہم پھر واپس نکیال پہنچے اور تھانہ والوں کو روپیہ اور سامان مل جانے کی اطلاع دے دی۔ تھانہ والے بھی حیران ہوئے کہ کس طرح انکو پولیس کی مدد کے بغیر جلدی روپیہ اور سامان مل گیا۔ ربوہ کا انعامی لفافہ دیکھکر وہ متاثر بھی ہوئے۔ ہم نے انکی ہمدردیوں کا شکریہ ادا کر کے واپسی کے لئے کوٹلی کی بس پکڑ لی اور کوٹلی پہنچ گئے۔ جب کوٹلی میں بازار کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ احمدی مبلّغ کو سامان اور روپیہ واپس مل گیا تو ان متعصب لوگوں کی جنکا ذکر اوپر ہوا مسکراہٹیں اُداسی میں بدل گئیں۔ شرطیں باندھنے والے وہ لوگ احمدی تو کہاں ہوتے جنہوں نے کہا تھا کہ مرزا صاحب کو تب سچّا مانیں گے کہ احمدی مبلّغ کو روپیہ مل جائے مگر انہوں نے خاص اثر ضرور لیا۔ اور اعتراف کر لیا کہ خدا تعالیٰ نے واقعی مولوی صاحب کی خاص غیبی مدد کی ہے۔ اور ان کی دعائیں سُن لی ہیں۔ کوٹلی سے نکیال تک کے علاقہ کے بعض لوگوں نے جنہوں نے اس واقعہ کو سُنا تھا ہمیں مبارکبادیں دیں اور بعض احباب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ایک انعام کو دہرا انعام اور باعثِ کرامت بنا دیا۔

اِس سلسلہ میں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ مَیں نے ربوہ سے روانہ ہونے کی راتوں میں اِس حادثہ سے قبل یہ خواب دیکھی تھی کہ کوئی چور میرے کمرہ سے جس میں مہمان خانہ ربوہ میں ٹھہرا ہُوا تھا سامان چرا کر لے جا رہا ہے۔ جسے مَیں نے کمرہ کے دالان میں واپس آ کر پکڑ لیا اور سامان واپس لے لیا۔ اِس خواب میں دراصل پہلے سے اِس مقدّر حادثہ کی خبر دے دی گئی تھی۔

ظہور احمد جو کوٹلی سے میرے ہمراہ گئے تھے انہوں نے بھی کوٹلی میں انہی دنوں خواب دیکھی تھی

کہ وہ کسی دُور دراز جنگل میں کسی چیز کی تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ سو یہ دونوں خوابیں اس واقعہ سے پوری ہوگئیں۔ اور جو مقدر تھا پورا ہوا۔ اسی طرح یہ واقعہ جہاں کوٹلی کے احباب جماعت کے لئے اور میرے لئے ایمان افروز ثابت ہوا وہاں علاقہ کے لوگوں کے لئے بھی بوجہ احمدی مبلغ ہونے کے احمدیت کی سچائی کا ایک نشان بن گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خدا تعالیٰ کی خاص مصلحت مضمر تھی کیونکہ پہلے چوری ہو جانا، پھر علاقہ میں احمدی مبلغ کے اس حادثہ کا مخالف لوگوں میں چرچا ہو جانا اور پھر روپیہ کا معجزانہ رنگ میں واپس مل جانا ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علاقہ کے لوگوں پر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ کس طرح وہ اپنے بندوں کی دعائیں سُنتا اور انکی مدد کرتا ہے اور لوگوں پر اتمام حجت کرتے ہوئے اہل حق کی کرامت اور حق کی عظمت ظاہر کر دیتا ہے۔

اواخر ۱۹۶۹ء میں خاکسار کا تبادلہ مرکزی ہدایات کے مطابق کوٹلی (آزاد کشمیر) سے گلگت ایجنسی (پاکستان) کے لئے ہوا۔ جہاں نیا مشن قائم کرنا تھا۔ رخصت کے وقت جماعت احمدیہ کوٹلی نے روایتی اخلاص کا مظاہرہ کیا۔ اور گلے میں پھولوں کے ہار ڈال کر خاکسار کو رخصت کیا اور اس موقعہ پر گروپ فوٹو کا انتظام کیا جو کوٹلی کے احباب کی خواہشات کیمطابق کتاب ہذا میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔

اب ہم کوٹلی کے بعض مخلصین کا حال بیان کرتے ہیں جنہیں اول السابقین ہونیکا شرف حاصل ہوا۔

حاجی امیر عالم مرحوم کوٹلی

آپ کا اصلی وطن سلطان پور کنڈی (بارہ مولا کشمیر) تھا اور آپ کے والد جن کا نام میاں کرم دین تھا ڈوگرہ خاندان کی حکومت کے آغاز میں سہڑہ (پونچھ) چلے آئے۔ کچھ عرصہ یہاں قیام کیا۔ سہڑہ ضلع پونچھ میں آپ نے قربانی کے لئے ایک مینڈھا خریدا اور اُسے بڑے پیار اور محبت سے پالا تاکہ موٹا ہونے پر اُسے قربان کر دیا جائے۔ اس دوران سہڑہ میں تحصیلدار صاحب آئے اور نمبردار دیہہ نے اُسے کھانا کھلانے کے لئے میاں کرم دین صاحب سے یہی مینڈھا طلب کیا جسے آپ نے قربانی کے لئے بڑی محبت، محنت اور پیار سے پالا تھا۔ آپ دیندار آدمی تھے۔ آپ کو قربانی کے لئے ایسے پالتو جانور کو کسی اور مصرف میں دینا ناگوار ہوا۔ اس زمانہ میں کار بیگار اور حکام کے مظالم کا دور دورہ تھا۔ اس لئے آپ نے یہی بہتر سمجھا کہ اس علاقہ کو چھوڑ کر کسی اور مقام کی طرف جاؤں تاکہ بیگار اور مظالم سے بچ جاؤں چنانچہ آپ راتوں رات اپنی جائداد میں چھوڑ کر مینڈھے کو ہمراہ لے کر چل پڑے اور پیدل کوٹلی آئے کوٹلی پہنچکر آپ نے مسجد جلیاہ میں آکر قیام کیا۔ اس مسجد کے امام میاں کمال الدین صاحب تھے۔ جو یہاں درس و تدریس کا کام کرتے تھے اور وہ بھی دیندار اور نیک آدمی تھے۔ کرم دین صاحب نے

اُن سے درس بھی لینا شروع کیا اور اُنہی کی خدمت میں رہے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو دیندار اور نیک پاکر میاں کمال دین صاحب نے اپنی لڑکی کرم دین صاحب سے بیاہ دی اور مستقل طور پر یہیں رہنے لگے میاں کمال دین صاحب نے انہیں اپنے مکان کے ساتھ اپنی اراضی پر مکان بھی تعمیر کر کے دیا تھا۔ جب میاں صاحب وفات پا گئے تو اُسی مسجد بلیاہ کے صحن کے ملحقہ حصّہ میں دفن ہوئے۔ کرم دین صاحب کے سات لڑکے ہوئے۔ (۱) محمد عالم (۲) سید محمد المعروف دانشمند خاں (۳) امیر عالم (۴) فضل الٰہی (۵) فیروز الدین (۶) محمد دین (۷) عبدالکریم۔ سوائے فضل الٰہی کے جو پہلے ہی فوت ہو گئے تھے آگے چل کر سب بھائیوں نے احمدیت قبول کر لی ماسوائے عبدالکریم کے جو حاجی صاحب کا سوتیلا بھائی تھا۔ پہلے حاجی امیر عالم صاحب نے احمدیت قبول کر لی اور بعد میں باقی بھائیوں نے۔

قبولِ احمدیت حاجی صاحب کوٹلی (آزاد کشمیر) کے ابتدائی احمدی تھے۔ آپ اپنے ایک حلفیہ بیان میں صداقتِ احمدیت اور اپنی قبولِ احمدیت کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۱۶ء میں راولپنڈی میں مولوی عبدالحق ودیارتھی اور پنڈت رامچندر دہلوی کا مناظرہ ہوا۔ جس سے میرے قلب پر احمدیوں کی قوت گویائی اور خدمتِ اسلام کا گہرا اثر پڑا۔ بعد ازاں ہمارے قصبہ کوٹلی میں آریہ لیکچرار متواتر آتے رہے اور اسلام پر شدید نکتہ چینیاں کرتے رہے۔ مَیں نے احباب سے مشورہ کر کے لاہور کا رُخ کیا اور مولوی محمد علی صاحب اور دیگر علماء سے ملا۔ اور اُن سے امداد طلب کی۔ مولوی عبدالحق صاحب کوٹلی بھیجے گئے انہوں نے آریہ اعتراضات کی خوب تردید کی اور اسلام کی تائید میں پُرزور لیکچر دیئے۔ اس کے بعد مَیں نے دعائیں کیں کہ اے اللہ! جس مرزا صاحب کے پیرو اس طرح اسلام کی خدمت کرتے ہیں اُس کے بارے میں میری راہنمائی فرما۔ کیا وہ جھوٹا ہو سکتا ہے؟ ۱۹۲۴ء کی بات ہے کہ ایک شب دیکھتا ہوں۔ ایک بہت بڑی شاہراہ ہے جس پر یورپین اور دیسی لوگ پیدل اور سوار موٹروں پر اور دیگر سواریوں پر بکثرت چلتے ہیں۔ پھر ایک اور راستہ ہے جو بہت تنگ و تاریک ہے۔ جگہ جگہ گڑھے ہیں۔ جنگل اور درندے ہیں اور بڑا بھیانک راستہ ہے۔ پھر اس کی یہ تفہیم ہوئی کہ حضرت مرزا صاحب پہلی شاہراہ پر گامزن ہیں۔ اور یہ سڑک بآسانی بلا روک ٹوک منزلِ مقصود تک پہنچانے والی ہے اور دیگر راستے خطرات سے پُر ہیں۔ ایک اور خواب بھی آیا۔ اس سے بھی مجھے معلوم ہوا کہ مَیں غلط راستہ پر ہوں۔ ان دو خوابوں کے بعد مَیں نے بذریعہ خط مولوی محمد علی صاحب لاہوری کی بیعت کی۔ بعد ازاں مستری اللہ دین صاحب جو قادیانی تھے اور ہمارے علاقہ کوٹلی میں ٹھیکے کا کام کرتے تھے سے تعارف ہوا۔ وہ مجھے گاہے گاہے الفضل اخبار مطالعہ کے لئے

دیا کرتے تھے اور قادیان جانے اور اصل منبع تک پہنچنے کی تحریک کرتے رہتے۔ میں نے پھر دعائیں شروع کیں اور ۱۹۲۵ء و ۱۹۲۶ء کے دو سال میں میں بار بار یہ خوابیں دیکھتا رہا کہ کبھی دیکھتا ہوں کہ مسجد میں نماز ہو رہی ہے۔ میں وضو میں مشغول ہوں اور وضو سے فارغ ہو کر نماز میں شامل ہونے کے لئے آگے بڑھتا ہوں تو نماز ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ کبھی دیکھتا ہوں کہ مسجد سے باہر ہوں اور اندر نماز با جماعت ختم ہو جاتی ہے۔ اور میں جماعت سے محروم رہتا ہوں۔ اور کبھی دیکھتا ہوں کہ کوئی وعظ ہو رہا ہے۔ اور میں اس کے سننے اور اس میں شامل ہونے سے محروم رہ جاتا ہوں۔ یہ خوابیں میں لاہوری بھائیوں کو سناتا رہا۔ وہ یہ تعبیر بتاتے تھے کہ تمہیں کوئی سفر درپیش ہے۔ مگر ان سالوں میں کوئی سفر پیش نہ آیا اس دوران "الفضل" اور "پیغام صلح" دونوں اخبار زیر مطالعہ رکھے۔ آخر میں نے دو سالوں کی خوابوں پر غور کیا۔ تو میں نے اُن کی تعبیر یہ کی کہ جماعت سے محروم رہنے کی تعبیر یہ ہے کہ میں ابھی اصل جماعت میں شامل نہیں ہوا جو مسیح موعودؑ کی حقیقی جماعت ہے۔ اس کے بعد میں نے قادیانی جماعت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیعت خلافت کی درخواست کی۔ دو تین دن بعد جلسہ سالانہ کی تقریب پر ۱۹۲۶ء قادیان کے ہر دو جلسوں میں شمولیت کی نیت سے روانہ ہوا۔ کوٹلی سے پیدل چل کر ۲۹ میل کی مسافت کے بعد میرپور پہنچا اور میرپور کی گھمڑوں والی مسجد میں رات بسر کی۔ اور ایک ایمان افروز خواب دیکھا کہ جمعہ کی نماز ہو رہی ہے اور امام کے پیچھے بے شمار لوگ کھڑے ہیں۔ میں وضو کر رہا ہوں۔ اتنے میں امام صاحب کو کسی نے قرأت میں لقمہ دیا۔ اور میں نے بھی اونچی آواز سے وہی لفظ کہا تا کہ امام اس امر سے بھی مطلع ہو جائے کہ ایک شخص وضو کر رہا ہے۔ اور خواب ہی میں کہتا ہوں۔ آج انشاء اللہ جماعت مل ہی جائیگی کیونکہ امام نے کافی لمبی سورۃ شروع کی تھی۔ میں نے پھرتی سے وضو مکمل کیا اور جماعت میں شامل ہو گیا۔ بیدار ہونے پر میرا دل یقین سے بھر گیا کہ میں نے جو بیعت کا خط لکھا ہے وہ مقبول ہوا اور میں اب سچی جماعت میں شامل ہو گیا ہوں۔

قبول احمدیت کے بعد آپ کے رشتہ داروں نے آپ کی شدید مخالفت کی اور اکثر اُن کی بیگم صاحبہ کرم النساء کو خاوند کے خلاف اُبھارتے رہے۔ اِن حالات میں حاجی صاحب نے کوٹلی سے معہ اہل و عیال پونچھ چلے جانے کا پروگرام بنا لیا۔ وہاں پر تھوڑے ہی عرصہ میں کرم النساء پر حقیقت کھل گئی اور وہ بھی سلسلہ احمدیہ میں شامل ہو گئیں۔ اس کے بعد تحریک آزادی کشمیر ۱۹۳۱ء کا آغاز ہوا جس کی قیادت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ حاجی صاحب جو پہلے ہی

تحریک کشمیر میں کام کر رہے تھے امام جماعت احمدیہ کی قیادت سنبھالنے کے بعد تحریک کے ساتھ دوہرے منسلک ہو گئے۔ اور علاقہ کے عوام میں بیداری پیدا کرتے رہے۔ سنہ ۱۹۳۱ء کے ریاست گیر خون خرابہ کے بعد لائتھر اور جارڈین کی تحقیقات کے دوران شیخ فضل الٰہی، مستری محمد عالم اور حاجی امیر عالم اٹلیاں کوٹلی کی سرگرم نمائندگی کرتے رہے۔ مستری محمد عالم کو قادیان بھیجا گیا جس نے امام جماعت احمدیہ کی وساطت سے چوہدری ظفر اللہ خان ممبر ایگزیکٹو کونسل تک رسائی حاصل کی اور اسطرح وائسرے تک حالات گوش گذار کئے۔ انہی دنوں سردار فتح محمد خان کریلوی حال سٹیٹ کونسلر آزاد کشمیر کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے[1]۔ حاجی امیر عالم صاحب مرحوم کی مدد سے ان کو بھی قادیان میں پناہ مل گئی وہاں قادیان میں وہ بڑے متأثر ہوئے اور بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں شامل ہو گئے۔ امام جماعت احمدیہ نے سنہ ۱۹۳۱ء کے ہنگاموں کے دوران بنائے گئے مقدمات کے سلسلہ میں کشمیر کے لوگوں کی مدد کرنے کے لئے اپنے رضا کار نمائندے اور وکلاء بھیجے۔ میر محمد بخش ایڈووکیٹ گوجرانوالہ اور چوہدری عصمت اللہ صاحب وکیل لائل پور کوٹلی بھیجے گئے۔ جنہوں نے یہاں حاجی صاحب کی امداد سے اپنے فرائض بطریق احسن انجام دیئے۔

مسجد احمدیہ کوٹلی کی تعمیر میں حصہ

سنہ ۱۹۳۱ء کے بعد جب حالات قدرے پرسکون ہو گئے تو چونکہ جماعت احمدیہ کے لئے اب تک کوئی مسجد نہ تھی جہاں وہ جمعہ ادا کیا کریں۔ اس لئے مولوی محمد دین صاحب احمدی برنالوی نے جو ان دنوں کوٹلی میں سب انسپکٹر پولیس مقرر تھے جنہوں نے شاہی مسجد کو تعمیر کیا تھا جیسا کہ پہلے ذکر گذر گیا جب دیکھا کہ غیر از جماعت لوگ احمدیوں کو شاہی مسجد مذکور میں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں تو انہوں نے احمدیوں کو تحریک کی کہ وہ علیحدہ مسجد احمدیہ کے لئے اپنی اپنی اراضی پیش کریں تاکہ جہاں مناسب سمجھا جائے مسجد تعمیر کرائی جائے۔ اس موقعہ پر حاجی صاحب موصوف نیز کرم دین صاحب کھوکھر۔ الف دین صاحب اور منشی قمر دین صاحب کھوکھر تینوں بھائیوں نے اپنی اپنی اراضی مسجد احمدیہ کے لئے پیش کر دیں۔ ان اراضی میں سے جس اراضی پر مسجد احمدیہ کی تعمیر موزوں سمجھی گئی وہ حاجی صاحب موصوف کی پیشکردہ اراضی تھی۔ یہ زمین حاجی صاحب کے بھائی شیر محمد صاحب المعروف دانشمند خان وکیل پونچھ کے موروثی حصے کی تھی۔ جب حاجی صاحب نے دانشمند خان موصوف کو بذریعہ خط مسجد احمدیہ کے لئے اس زمین کو وقف کرنے کی تحریک کی تو انہوں نے بخوشی منظور کر لیا۔ چنانچہ اس جگہ حاجی صاحب مرحوم نے مسجد احمدیہ کی تعمیر کا کام شروع کرا دیا۔ مستری نور دین مرحوم اور مستری خوشی محمد (جو دونوں احمدی تھے) نے انتہائی جانفشانی اور

[1] ڈوگرہ حکومت نے ان کی سرگرمیوں کی وجہ سے انہیں باغی قرار دیکر سخت احکام جاری کئے تھے۔

محنت سے کام کیا۔ مولوی محمد دین برنالوی مرحوم حاجی صاحب مرحوم اور جماعت کے دیگر افراد کی مالی قربانیوں اور کوششوں سے مسجد احمدیہ کی تعمیر چند دنوں میں مکمل ہوگئی۔ اور جمعہ و جماعت ادا ہونے لگے۔

۱۹۳۹ء میں حاجی صاحب معہ اہل وعیال بسلسلہ کاروبار جموں چلے گئے۔ اور وہاں درزی کا کام کرتے رہے بجز ۱۹۴۲ء تک یہاں رہے اور پھر دوبارہ واپس کوٹلی آئے۔ اس دوران آپکی اولاد بارروزگار ہوگئی تھی اور احمدیت کی برکت سے اللہ تعالےٰ نے حالات پلٹ دیئے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے روز بروز ترقیات بخشیں اس لئے آپ نے کوٹلی میں ہی قیام کیا۔ ۱۹۴۷ء میں نذیر حسین شاہ ایڈووکیٹ پونچھ سابق وزیر مالیات آزاد کشمیر کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے۔ ڈوگرہ حکومت کی طرف سے انہیں گولی مار دینے کا آرڈر ہو چکا تھا اور یہ بھی حکم تھا کہ جو انہیں پناہ دے گا اُسے بھی گولی مار دی جائے۔ جب وہ بھاگ کر کوٹلی آئے تو حاجی صاحب نے انہیں ماسٹر باقر علی صاحب کے گھر (کرتی کوٹلی) میں ٹھہرایا۔ جہاں سے انہیں بحفاظت اپنی زیر نگرانی براستہ بجن ہلال علاقہ پاکستان میں پہنچا دیا۔ اس طرح حاجی صاحب نے نذیر حسین صاحب سابق وزیر حکومت آزاد کشمیر، موصوف کی جان بچائی۔

حکومت آزاد کشمیر کی بنیاد میں حصہ حکومت آزاد کشمیر کی بنیاد امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد رضی اللہ عنہ کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی تو حاجی صاحب مرحوم نے اس میں بھی حصہ لیا سردار گل احمد خان کوثر سابق چیف پبلسٹی آفیسر جمہوریہ حکومت کشمیر کا بیان ہے کہ یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء کو جوناگڑھ میں متوازی حکومت کا اعلان کیا گیا۔ اور نواب جوناگڑھ کو معزول کیا گیا۔ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ نے دیکھا کہ یہی وقت کشمیریوں کی آزادی کا ہے تو آپ نے کشمیری لیڈروں اور فدکردوں کو بلایا۔ میٹنگ میں یہ فیصلہ ہوا کہ مفتیٔ اعظم ضیاء الدین ضیاء کو عارضی جمہوریہ کا صدر بنایا جائے مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ایک اور نوجوان قادری صاحب کو کہا گیا۔ اس نے بھی انکار کیا۔ آخر میں قرعہ خواجہ غلام نبی گلکار انور کے نام پڑا۔ ۲؍اکتوبر ۱۹۴۷ء کو گجرات میں ایک اور میٹنگ ہوئی جس میں غضنفر علی خان سے مشورہ ہوا۔ بمشورہ ملک عبدالرحمٰن خادم گجراتی پلیڈر مسودہ تیار کیا گیا۔ اسکی نقل بذریعہ ماسٹر امیر عالم کوٹلی اور چوہدری رحیم داد صاحب (حال جج ہائی کورٹ آزاد کشمیر) حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں لاہور بھیجدیا گیا۔ سیلاب کی وجہ سے راولپنڈی اور لاہور کی ریل بند تھی۔ حضرت صاحبؓ نے خواجہ غلام نبی گلکار انور کو اپنے ذاتی ہوائی جہاز میں لاہور سے گجرانوالہ بھیج دیا۔[۲]

لے و سے اخبار "ہمارا کشمیر" (مظفرآباد) ۱۳؍اکتوبر ۱۹۵۲ء۔

راولپنڈی کی طرف ہجرت | جنگ آزاد کشمیر جاری تھی۔ حکومت آزاد کشمیر قائم ہو چکی تھی۔ کوٹلی دشمن کے محاصرہ میں آ چکی تھی۔ اس لئے مسلمانان کوٹلی، کوٹلی سے ہجرت کر کے ملحقہ دیہات تتّی و تتلہ میں پناہ گزین ہوئے۔ اور ایک ماہ تک وہاں رہے تاکہ کوٹلی فتح کر کے واپس گھر جائیں مگر محاصرہ زور پکڑ گیا اور دشمن کی فوجوں نے معہ ٹینکوں کے براستہ سر پاہ کھوئی رٹہ پیش قدمی کی اور کوٹلی میں داخل ہو گئے تو کوٹلی کے مسلمان ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے اور اپنے بال بچوں کو لے کر پیدل براستہ سہنسہ دبہ ہرنی اور کلر سے ہوتے ہوئے راولپنڈی چلے گئے۔ حاجی صاحب مرحوم بھی ہجرت کر کے معہ اہل و عیال راولپنڈی چلے گئے۔

احمدیہ فرقان بٹالین میں آپکا حصّہ | ۱۹۴۷ء میں جب آزادی کشمیر کی مسلح جنگ شروع ہوئی تو حاجی صاحب مرحوم کشمیر کے سیاسی محاذ پر کام کر رہے تھے۔ اسی دوران امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمدؓ نے احمدیہ فرقان بٹالین کے قیام کا اعلان فرمایا اور جماعت کے دوستوں کو تحریک کی کہ وہ جنگ آزادی کشمیر میں عملی طور پر حصّہ لیں۔ اور یہ بھی اعلان فرمایا کہ جہاد میں عملاً حصہ لینے کا وقت آگیا ہے۔ اس لئے جماعت احمدیہ کے افراد اس جہاد میں حصہ لیں[1]۔ حاجی صاحب مرحوم نے بھی اس جہاد میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ آپ خود معہ اپنے تین بیٹوں کے احمدیہ فرقان بٹالین کے ہیڈ کوارٹر بمقام سرائے عالمگیر بغرض ٹریننگ حاضر ہوئے۔ آپ کے ان تینوں بیٹوں کے نام یہ ہیں (۱) محمد منظور احمد حال ایڈووکیٹ کوٹلی آزاد کشمیر (۲) محمد مظفر کلیم حال ایم۔بی۔بی۔ایس ڈاکٹر کوٹلی آزاد کشمیر (۳) محمود احمد مختار حال راولپنڈی۔

کشمیر ریفیوجی فوڈ کمیٹی میں آپکی خدمات | اس کے بعد حکومت پاکستان نے کشمیر کے مہاجرین کی آبادکاری کے لئے ۱۹۴۸ء میں سرکاری طور پر قائداعظم ریلیف فنڈ کے نام سے ایک فنڈ قائم کیا اور آبادکاری کے لئے ریفیوجی فوڈ کمیٹیاں بنائیں جن میں سرکاری اور غیر سرکاری ممبران شامل کرلئے گئے۔ غیر سرکاری ممبران ضلع راولپنڈی کی ریفیوجی فوڈ کمیٹی کے لئے حاجی صاحب موصوف اور پیر ضیاءالدین اندرابی مرحوم غیر سرکاری ممبران کی حیثیت سے اعزازی طور پر کام کرتے رہے۔ اس کمیٹی کے تحت کشمیر کے طلباء کو وظائف دیئے گئے۔ نادار اور مستحق مہاجرین کی مالی امداد کی جاتی رہی اور ضروری سامان بھی مہیا کیا جاتا رہا۔ حکومت پاکستان کی طرف سے مہاجرین کی آبادکاری کے لئے پیر صلاح الدین پی۔سی۔ایس مقرر تھے۔ آپ کو حاجی صاحب موصوف پر کافی اعتماد تھا۔ اس عرصہ میں حاجی صاحب موصوف نے بڑا کام کیا۔ کچھ عرصہ بعد انجمن مہاجرین بنائی گئی اس میں بھی حاجی صاحب مرحوم نے بڑی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد

[1] جو لوگ جماعت احمدیہ پر تنسیخ جہاد کا الزام لگاتے ہیں ان کیلئے یہ سطور قابل غور ہیں اور باعث ندامت بھی۔

ہفت روزہ خورشید راولپنڈی سے جاری کیا گیا۔ اسکا ڈیکلریشن حاجی صاحب کے نام تھا۔
۱۹۵۳ء کے فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے تھے۔ کوٹلی کے غیر احمدی رشتہ دار بصورت وفد راولپنڈی پہنچکر آپ کو نوٹس دیتے رہے کہ احمدیت سے توبہ کریں۔ ورنہ سب مارے جاؤ گے۔ حاجی صاحب نے کہا کہ انشاء اللہ ہم بچ جائیں گے اور احمدیت ترقی کرے گی۔ اگر مریں تو یہیں مرینگے۔ حاجی صاحب راولپنڈی میں اپنے مکان پر ہی مقیم رہے۔ حالانکہ جماعت احمدیہ کی طرف سے کیمپ بھی بنائے گئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حالات پلٹ دیئے اور احمدی بچائے گئے۔ ۱۹۵۶ء میں آپ نے معہ اہلیہ حج بھی کیا۔ آپ صاحب کشف و رؤیا تھے۔ کوٹلی کی جماعت کے بانی تھے۔ عرصہ دراز تک آپ علاقائی امیر بھی رہے۔ احمدیت کی خاطر مصائب و مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا خوش الحان اور بلند آواز مؤذن تھے۔ اور کوٹلی سے لیکر بغداد تک بڑی بڑی مساجد میں اذان کہنے کی توفیق پائی۔ علاقہ میں ہر دلعزیز اور بزرگ مانے جاتے تھے۔ آپ موصی بھی تھے۔ ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۸۶ ہجری بروز اتوار سوا چھ بجے بمطابق یکم جنوری ۱۹۶۷ء ۵۰ سال کی عمر میں کوٹلی آزاد کشمیر میں وفات پائی اور مسجد احمدیہ کے صحن میں دفن ہوئے۔ آپ کی اہلیہ کرم النساء صاحبہ جو تا حال زندہ ہیں۔ نیک۔ نیکیوں میں حصہ لینے والی صاحب رؤیا اور احمدیت سے خاص اخلاص رکھنے والی ہیں۔ علاوہ حج کرنے کے جس کا ذکر اوپر گذر گیا۔ موصیہ بھی ہیں۔ ابتدائی ایام میں تنگدستی کے بعد احمدیت کے طفیل خدا تعالیٰ نے آپ کی زندگی میں آپ کی اولاد کو جو آسودہ حالی بخشی ہے اس پر بہت ہی شکرگذار ہیں۔ اور اسے صداقت احمدیت کا نشان سمجھتی ہیں۔

حاجی صاحب مرحوم چھ بیٹے اور دو لڑکیاں یادگار چھوڑ گئے ہیں۔ (۱) محمد اسلم (تاجر) (۲) محمد عمر (۳) محمد منظور احمد (ایڈووکیٹ) (۴) ظفر احمد (ڈاکٹر) (۵) محمود مختار (۶) داؤد احمد۔

۳، ۴، ۵ کو ۱۹۴۷ء میں احمدیہ فرقان بٹالین میں خدمات کا جو موقعہ ملا ہے اس کا ذکر گذر گیا۔ محمد منظور احمد صاحب نے حال ہی میں جماعت کے تعاون سے مسجد احمدیہ کوٹلی کو پختہ اور مزین شکل دینے کی سعادت بھی حاصل کی ہے۔ تحصیل کی بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات کے موقعہ پر آپکا زبردست مقابلہ ہوتا رہا۔ مخالفین نے مذہبی تعصب کو ابھارا اور فرقہ وارانہ منافرت پیدا کر کے بڑی مخالفت کی مگر ان تمام مخالفتوں کے باوجود محمد منظور احمد ایڈووکیٹ ۱۹۶۵ء کے عام انتخابات میں مخالف امیدوار سے کئی گنا زیادہ ووٹ لے کر کامیاب ہو گئے۔ آپ مالی قربانیوں میں جذبہ مسابقت کے ساتھ حصہ لیتے ہیں۔ خاکسار نے کوٹلی میں غیر فرقہ وارانہ بنیادوں پر مشترکہ دارالمطالعہ کے قیام کی

تجویز کی مگر غیر از جماعت مولویوں نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ بعد خاکسار نے جماعتی دارالمطالعہ کی تحریک کی جس پر موصوف نے ایک ہزار روپیہ کی پیشکش کی۔ حال ہی میں گلگت کے دور دراز علاقہ میں وقف عارضی کے ایام میں بھی آپ کو جماعتی خدمت کی توفیق مل گئی۔ جماعتہائے آزاد کشمیر کے امیر کی حیثیت سے بھی خدمات کا موقعہ ملا ہے۔ اپنوں اور بیگانوں میں وسیع اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ غرباء کی مالی امداد اور اکثر حاجتمندوں کی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ رفاہ عامہ اور قومی کاموں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ اپنے والد مرحوم کے اخلاص کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے دیگر سب بھائیوں کو جو برکت اور عزت اور خوشحالی بخشی ہے وہ اس امر کا ثبوت ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ احمدیوں کو دین و دنیا دونوں میں برکت عطا فرماتا ہے۔ اور اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ کا ثبوت دیتا ہے۔

کرم دین صاحب کھوکھر

آپ اہلحدیث سے تعلق رکھتے تھے۔ مولوی محبوب عالم مبلغ، کوٹلی میں آئے جن سے مخالفین نے برا سلوک کیا۔ آپ انہیں اپنے گھر میں لے گئے اور اُن کی خاطر داری کی۔ آپ انہی سے متاثر ہوئے تھے بعد میں مزید تحقیقات کے بعد ۱۹۲۶ء میں حاجی امیر عالم کے ساتھ قادیان جا کر بیعت کر لی۔ ان کی بیعت کے بعد اہلحدیث میں بڑی کھلبلی مچی۔ پہلے بات چیت پھر بحث مباحثے اور رفتہ رفتہ جلسے اور تقاریر کا سلسلہ شروع ہو گیا اور مخالفتیں ہوتی رہیں۔ کھوکھر قبیلے اپنے آپ کو حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی اولاد سے بتلاتے ہیں۔ کرم دین صاحب غریبوں اور مظلوموں سے خاص ہمدردی رکھتے ہیں۔ آپ نے اسلام کی مدافعت میں ہندوؤں کی مخالفتوں کا بڑا مقابلہ کیا۔ تقسیم ہند ۱۹۴۷ء سے قبل تحریک شدھی کا زور کوٹلی و میرپور کے علاقوں میں بھی ہوا۔ اور ہندو اسلام کے خلاف آریہ اپدیشکوں (واعظوں) کو بلوا کر تقریریں کرواتے۔ جلسے ہوتے اور جلوس نکالے جاتے جن میں اسلام اور بانیٔ اسلام اور قرآن مجید کے خلاف دلآزار نظمیں پڑھی جاتی تھیں تاکہ مسلمان اسلام سے بدظن ہو کر ہندو ہو جائیں۔

کوٹلی میں ہندوؤں نے آریہ اپدیشک بلوائے، تقریریں کروائیں اور زبردست جلوس نکالا۔ اور اسلام کے خلاف جو دلآزار نظمیں پڑھیں ان میں پنجابی کا ایک شعر یہ تھا ؎

چھڈ خیال مدینے کعبے دا ٭ لڑ پکڑ دیانند بابے دا

یعنی لوگو! مدینے اور کعبے کا خیال چھوڑ دو اور بابا دیانند جی کا دامن پکڑ لو۔

پنڈت دیانند آریہ سماج کے بانی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک (شدھی) چلائی تھی۔ کرم دین صاحب موصوف اور اُن کے بھائی الف دین کھوکھر اور مفتی علم دین عرف نون دین

حاجی امیر عالم صاحب دیگر مسلمانان کوٹلی کی طرف سے بھی جواب کا انتظام کیا گیا۔ چنانچہ اس کا یوں جواب دیا گیا۔

ع چھڈ خیال دیانند بابے دا ٭ لڑ پکڑ مدینے کعبے دا

یعنی "اے لوگو! بابے دیانند کا خیال چھوڑ دو اور مدینہ اور کعبہ کا دامن تھام لو۔ اسی صورت میں نجات مل سکتی ہے۔" اس طرح ہندوؤں کی اسلام دشمنی اور سرگرمیوں کو ناکام بناتے رہے چونکہ اسلام کی طرف سے مدافعت اور ہندوؤں کی اسلام دشمن سازشوں کا خوب مقابلہ کرتے تھے اس لئے چالاک ہندوؤں نے انہیں سازش کر کے دو ہندوؤں کے قتل کے کیس میں ملوث کیا۔ جنہیں ان کے دشمنوں نے کوٹلی سے دو چار میل دور علاقہ گوئی میں قتل کیا تھا۔ اس زمانہ میں وکلاء بھی اکثر ہندو ہوا کرتے تھے۔ اور عدالتوں میں جج اور اہلکار بھی۔ اُن کی پالیسی جگہ جگہ یہ ہوا کرتی تھی کہ مسلمانوں کو مرعوب کر کے رکھا جائے اور انہیں کسی جگہ سر نہ اٹھانے دیا جائے۔ اسی پالیسی کے تحت مقامی ہندوؤں نے کرم دین صاحب کو بھی پھنسانے کی سازش کی اور عرصہ تک عدالت میں آپ کے خلاف جھوٹی گواہیاں گذاری جاتی رہیں اور مقدمہ سنگین نوعیت اختیار کر گیا۔ آپ کا بیان ہے کہ یہ ایسا خطرناک کیس بن گیا کہ میری جان خطرہ میں پڑ گئی۔ ان خطرناک حالات میں ساری جماعت نے میرے حق میں دعائیں کیں اور میں بھی انتہائی گھبراہٹ میں دن رات دعائیں کرتا رہتا تھا۔ بالآخر ایک عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے دراصل انہی دعاؤں کے نتیجہ میں مقدمہ میں عزت سے بری کرا دیا اور اپنے فضل و احسان سے دشمنوں کی سازش کو ناکام بنا دیا۔ آپ کی اولاد یہ ہے۔ محمد صادق۔ ضیاء الدین۔ عبدالرحمٰن۔ نذیر احمد۔ محمد بشیر اور منیر احمد۔ علاوہ ایک لڑکی ہے۔

سردار دوست محمد خان چغتائی

آپ سردار فقیر بخش خان نمبردار و رئیس پٹھانا تیر تحصیل مینڈھر ریاست پونچھ کے گھر، رہاڑہ ۱۹۵۳ بکرمی مطابق جون ۱۸۹۶ء پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم عربی و فارسی اپنے گاؤں کے مولویوں سے حاصل کی۔ اپنی قبول احمدیت کے بارے میں آپ کا بیان ہے کہ سنہ ۱۹۱۴ء کے اوائل میں مولوی عبدالحی موضع سلواہ کے گھر میرا آنا جانا ہوا (ان کا ذکر پہلے گذر چکا) اور ہمارے گاؤں سے ملحق تھے۔ ایک دن اُن کے پیچھے جمعہ کی نماز پڑھی جبکہ میں جمعہ کی نماز سے ناواقف تھا۔ چنانچہ میں نے ظہر کے چار فرض کی بجائے دو فرض پڑھنے کے بارے میں مولوی صاحب سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ جمعہ کے دن دو ہی فرض پڑھے جاتے ہیں اور دو رکعتوں کی جگہ خطبہ جمعہ پڑھا جاتا ہے۔ انہوں نے رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو اور کشتی نوح مجھے مطالعہ کے لئے دی جس سے احمدیت کی طرف رغبت

پیدا ہوئی مگر ابھی بیعت نہیں کی۔ ۱۹۱۶ء میں بکری میں ہی فوج میں ملازم ہو کر دہلی چھاؤنی میں چلا گیا۔ تھوڑے عرصہ بعد ڈسچارج ہو کر لاہور آیا۔ جہاں کیلیاں والی سڑک سے گذرتے ہوئے ایک دکان پر یہ عبارت لکھی دیکھی :- "دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُسے قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا الخ" میں اندر گیا جہاں ایک مشرع داڑھی والے وجیہہ بزرگ تشریف فرما تھے۔ سلام و کلام اور تعارف کے بعد میرے پوچھنے پر انہوں نے کہا کہ میں احمدی جماعت سے تعلق رکھتا ہوں۔ یہ میاں محمد موسےٰ صاحب تھے۔ جو موسیٰ اینڈ سنز کے نام سے مشہور تھے۔ میں نے متلاشی روزگار ہونے کا ذکر کیا اور کہا مجھے احمدیت سے محبت ہے۔ انہوں نے کہا میرے پاس جگہ ہے میں آپ کو ملازم رکھ لونگا۔ اور بڑی شفقت اور محبت سے مجھے رکھا اور میری رہائش کا انتظام بھی اپنے ذمہ لیا اور اپنے صاحبزادے میاں عبدالمجید سے کہا کہ اِسے اپنا بھائی سمجھکر کام سکھاؤ۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ میں نے ابھی بیعت نہیں کی تو میری رضامندی سے انہوں نے میری بیعت کرا دی اور سلسلہ کے حالات سے روشناس کرایا۔ میں ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۳ء تک انہی کے پاس رہا۔ اِس دوران قادیان سے جو بزرگان سلسلہ آتے رہے جیسے مولانا غلام رسول صاحب راجیکی۔ مفتی محمد صادق صاحب۔ مولوی فرزند علی صاحب۔ حافظ روشن علی صاحب حضرت میر ناصر نواب صاحب۔ ان سے ملکر میرے رہے سہے شبہات دور ہوتے رہے۔ خصوصاً حکیم قریشی محمد حسین صاحب اور خود حاجی میاں محمد موسیٰ صاحب سے استفادہ ہوتا رہا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ لاہور تشریف لاتے تو اُن سے بھی فیض و برکت حاصل کرتا رہا ساتھ ساتھ دعائیں بھی کرتا تھا۔ چنانچہ دل و دماغ مضبوط اور ایمان پختہ ہوتا گیا۔ میرے رشتہ دار اور برادری نے جب سُنا تو انہوں نے میرے احمدیت سے پھر جانے کے لئے بیحد کوششیں کیں اور دعائیں کرائیں کہ: مجھے ہدایت مل جائے مگر مجھے صحیح راستہ مل گیا تھا۔ دعاؤں کے نتیجہ میں چند خوابوں نے مجھے مزید استقامت بخشی چنانچہ ایک دفعہ خواب میں والد صاحب مرحوم کو دیکھا وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ درست ہے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ دوسری خواب میں حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کو دیکھا۔ انہوں نے مجھے قرآن شریف دیا اور یہ آیت دکھائی "ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ من النّبیّین والصدّیقین والشھداء والصالحین الخ (سورۃ النساء)" یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرنے والے نبی۔ صدیق۔ شہداء اور صالحین میں سے ہیں پھر بتلایا کہ امتِ محمدیہ میں یہ لوگ پیدا ہونگے۔ اِس خواب سے مجھے کافی اطمینان حاصل ہوا۔ ہم سات بھائی تھے جو مجھے کہتے تھے کہ یہ نامراد رہیگا۔ آج میری

بامراد زندگی، میری اولاد در اولاد میں برکت جو سب کے سامنے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے ان سب بھائیوں کی نسبت سے نمایاں طور پر بامراد بنایا - اور یہ امر بھی میرے لئے صداقت احمدیت کی دلیل بن گئی یعنی ۱۹۳۶ء میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے دعا کی درخواست کی کہ میں لاہور سے اپنے وطن پونچھ جانا چاہتا ہوں جہاں میرا کوئی روزگار نہیں ہے حضور نے میرے لئے دعا فرمائی - اور لکھا کہ جو خدا لاہور میں آپ کو روزی دیتا ہے وہ پونچھ میں بھی دیگا - اللہ تعالیٰ اپر بھروسہ کر کے وطن چلے جائیں - یہ دعا قبول ہوئی - پہلے میں نے پونچھ جا کر کریانہ و بزازی کی دوکان بڑی کامیابی سے چلائی - احمدیت کے طفیل اراضی کی پیداوار میں خدا تعالیٰ نے برکت دی - حکومت کی طرف سے پنچائیت کا صدر اور عدالت سیشن میں اسیسر بھی مقرر ہوا - کوآپریٹو سوسائٹی میں خزانچی کا منصب بھی ملا - خاکسار نے مرکز کی منظوری سے اپنے گاؤں پٹھانہ تیر میں دو تین گاؤں کے ملحقہ احمدی احباب کو ملا کر علیحدہ جماعت قائم کر دی جہاں جمعہ و جماعت باقاعدگی سے شروع ہوا -

نومبر ۱۹۴۷ء میں بوجہ انقلاب مع اہل و عیال وطن چھوڑنا پڑا - پاکستان آ کر کشمیر مہاجر کیمپ السر ضلع کیمبل پور میں رہنے لگا - جہاں بلاک افسر کے عہدہ پر متعین رہا - میں نے کیمپ میں اپنی جماعت کی تنظیم قائم کی خاکسار اس کا جنرل سیکرٹری رہا - ۱۹۴۹ء میں کیمپ مہاجرین گوجرانوالہ میں تبدیل ہوا - جولائی ۱۹۵۲ء میں کوٹلی ضلع میرپور میں آ کر رہائش اختیار کی جہاں اراضی بھی الاٹ کرائی اور بچوں کی تعلیم و تربیت بھی کی اسوقت میری اولاد یہ ہے (۱) محمد اکبر خان (فوجی پنشنر) اس کے پانچ فرزند اور ایک لڑکی ہے - (۲) محمد اعظم خان اس کے دو لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہیں - (۳) محمد اصغر آزاد جس کے تین بچے اور دو بچیاں ہیں (۴) بشیر احمد خان اس کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں (۵) بابو شریف احمد خان چغتائی بی - اے جن کے تین لڑکے اور لڑکیاں ہیں - (۶) محمد اسلم خان چغتائی جن کی ایک لڑکی ہے - (۷) فیض احمد چغتائی جس کے دو بچے ہیں - (۸) عنایت اللہ چغتائی - سب پھیلے ہوئے بارو زگار اور بعض سرکاری عہدوں پر آسودہ حال ہیں - یہ اس شخص کی داستان ہے جس کی بابت کہا جا رہا تھا کہ یہ شخص نامراد رہ جائیگا - مگر اللہ تعالیٰ نے احمدیت کی برکت سے مجھے اپنے فضلوں سے نوازا -

سردار صاحب موصوف موصی ہیں - جب خاکسار راقم الحروف مؤلف کتاب ہذا نے ۱۹۶۸ء میں کوٹلی میں قیام کے دوران عام استفادہ کے لئے جماعتی دارالمطالعہ کی تحریک کی تھی تو آپ نے اپنی زمین میں سے دارالمطالعہ کے لئے باموقعہ قطعۂ زمین بھی جماعت کو دے دیا تھا اور اُن کی خواہش تھی کہ یہ رفاہی دارالمطالعہ اُن کی زمین پر قائم ہو تاکہ اُن کے لئے صدقہ جاریہ بن جائے

آپ کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے بکان اپنے بیٹوں میں بحصہ رسدی زندگی میں ہی تقسیم کر دیئے ہیں آپ کے کچھ حالات محمد دین صاحب فوق مرحوم نے اپنی تاریخ "اقوام پونچھ" میں بھی پٹھانہ تیر کے خاندانوں کے ضمن میں مع فوٹو شامل کر دیئے ہیں۔ کتاب ہذا میں پٹھانہ تیر میں احمدیت کے تحت بھی آپ کا مختصر ذکر گذر چکا ہے۔

منشی فیروز دین مرحوم

آپ نے ۱۹۳۴ء میں بیعت کی تھی۔ حاجی امیر عالم صاحب مرحوم کے بھائی تھے۔ محکمہ پولیس میں سب انسپکٹر رہے۔ پُرجوش احمدی تھے جب آپ ڈوگرہ حکومت کے عہد میں ۱۹۴۷ء سے قبل بھمبر میں ملازم تھے تو بھمبر کی جامع مسجد میں خطیب مقامی کی عدم موجودگی میں لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی۔ خطیب کو واپس آنے پر جب معلوم ہوا تو بڑا مشتعل ہوا اور عدالت میں آپ پر توہین مذہب کا دعویٰ دائر کر دیا اور لکھا کہ ایسے شخص کو ملازمت سے برطرف کر دیا جائے۔ آپ کی طرف سے جو وکلاء پیش ہوئے انہوں نے جواباً یہ نکتہ پیش کیا کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر توہین مذہب کا دعویٰ نہیں چل سکتا اسلئے کہ دونوں مذہب اسلام کو ماننے والے ہیں۔ بالآخر آپ باعزت بری کر دیئے گئے۔ آپکو معطلی کے ایام کی تنخواہ بھی ملی اور مخالف فریق آپکو ملازمت سے برطرف کرانے کی کوششوں میں ناکام رہا۔

آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظمیں خوش الحانی سے پڑھتے اور اونچی اذان دیا کرتے تھے۔ مقامی جماعت کے صدر بھی رہے۔ مسجد کی دیکھ بھال کرنے والے اور نماز باجماعت کے پابند تھے۔ ۲ دسمبر ۱۹۷۲ء کو فوت ہوئے۔ اپنے پیچھے چار لڑکے اور سات لڑکیاں چھوڑ گئے

(۱) ولی الدین (۲) کریم الدین (۳) نعیم الدین (۴) ظہیر الدین۔

الف دین صاحب مرحوم

آپ نے ۱۹۲۷ء میں قادیان جا کر بیعت کی تھی۔ حاجی امیر عالم صاحب کے ساتھ جماعتی کاموں اور مشوروں میں شریک رہے۔ سنجیدہ اور ٹھنڈے دل و دماغ کے آدمی تھے۔ تحریک شدھی میں ہندوؤں کا مقابلہ کیا۔ خاکسار راقم الحروف نے کوٹلی کے مین بازار میں تبلیغی مقصد سے ایک بلیک بورڈ رکھنے اور اسپر روزانہ تبلیغی عبارات اور اقتباسات لکھنے کی تجویز کی تاکہ اُن غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا رہے جو غیر از جماعت لوگ جماعت احمدیہ کے بارے میں پھیلاتے رہتے تھے۔ آپ نے مخالفین سے لاپرواہ ہو کر یہ بورڈ اپنی دوکان کے سامنے رکھوایا جہاں اسپر روزانہ مختلف تبلیغی عبارات لکھی جاتیں اور بازار سے گذرنے والے سینکڑوں لوگ انہیں پڑھتے اور اچھا اثر لیتے رہتے تھے۔ آپ

یکم جنوری ۱۹۷۰ء میں وفات پاگئے ۔ آپ کی اولاد عبد القیوم اور عبد الصمد کھوکھر ہیں علاوہ دو لڑکیاں ہیں۔

منشی علم دین صاحب عرائض نویس

آپ پہلے اپنے بھائی کرم دین والف دین کے مخالف تھے۔ بعد میں مبلغین کی تبلیغ اور لٹریچر کے مطالعہ سے متأثر ہو کر ۱۹۲۴ء میں بیعت کر لی۔ نیک فطرت، سادہ مزاج۔ پرہیز گار۔ ہمدرد اور کمزوری کے باوجود نماز باجماعت کی پابندی کرنے والے ہیں۔ دعاؤں کے بہت قائل ہیں اور دعاؤں کی قبولیت کے کئی واقعات سناتے ہیں جو انکے ازدیاد ایمان کا باعث بنے جن میں بعض واقعات خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی قبولیت دعا کے بھی ہیں۔ خاکسار کے نام مکتوب میں تحریر کرتے ہیں کہ "میرے حقیقی چچا زاد بھائی فقیر محمد نے مالی مجبوری کی وجہ سے اپنی جدّی اراضی کا سودا مول راج نامی ایک ہندو سے کرنا طے کیا۔ مگر بڑے نام اپنے یک جدی رشتہ داروں کو نوٹس دیا کہ اگر وہ پندرہ یوم کے اندر اندر بیعنامہ نہ لکھوا سکے تو میں یہ اراضی مول راج شاہ نامی ہندو کو رجسٹری کرکے دیدوں گا۔ اور میرے یک جدی رشتہ دار اس رقبہ سے محروم ہو جائیں گے۔ مجھے شدید تشویش لاحق ہوئی اور نماز میں رو رو کر دعا کی۔ نیز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حالات عرض کرکے دعا کی درخواست کی۔ اس رقبہ کے مالکان کی تعداد ۱۵۲ تھی اور ہندو ریاست تھی اور حکّام بھی اکثر ہندو تھے۔ بڑی مشکل یہ تھی کہ اگر ہم بیعنامہ کراتے تو ڈوگرہ حکومت[1] کے قانون کی دفعہ نمبر ۶۰ کے تحت اجازت حاصل کرنا ضروری تھا اور اس کام کے لئے تین چار ماہ کا عرصہ لگتا تھا اور اس رقبہ کے نکل جانے سے ہمیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچتا تھا۔ خدا تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ دعا کا لفافہ ڈالنے کے تیرہ دن بعد میرپور سے اطلاع ملی کہ دفعہ نمبر ۶۰ منسوخ ہو گئی ہے۔ میری خوشی کی انتہا نہیں رہی اور میں نے بیعنامہ نوٹس کی میعاد کے اندر لکھوا کر تصدیق کرا لیا۔ عجیب یہ کہ یہ تنسیخ قانون دفعہ نمبر ۶۰ صرف اڑھائی ماہ تک لاگو رہا۔ اس کے بعد وہی دفعہ نمبر ۶۰ پھر بحال ہو گئی۔ گویا محض ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے دعاؤں کے نتیجہ میں خاص تصرف فرمایا اور دفعہ نمبر ۶۰ کی اڑھائی ماہ تک

---

[1] ریاست جموں وکشمیر کی ڈوگرہ حکومت میں تمام زمین سرکار کی اصل ملکیت تصور ہوتی تھی اور زمینداروں کو محض کاشتکار سمجھا جاتا تھا۔ جب زمین حکومت کی طرف سے کسی زمیندار کو دی جاتی تو آگے اس خاندان کا جتنا پھیلاؤ ہوتا اتنے ہی افراد کا اس زمین پر حقوق کاشتکارانہ اور اسی طرح شفعہ کے حقوق بھی قائم ہو جاتے تھے۔ یہ وہ ظالمانہ قانون تھا جس کے خلاف آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے ۱۹۳۱ء میں جد وجہد کی جس کے صدر حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ (قادیان) ہوا کرتے تھے۔ اس جد وجہد کے نتیجہ میں زمینداروں کو حقوق مالکانہ مل گئے تھے۔ اس جد وجہد کی بڑی تفصیلات ہیں مگر اس جگہ مجھے بیان کرنیکا موقعہ نہیں۔ "تاریخ جد وجہد آزادیٔ کشمیر" میں اس کی تفصیلات آچکی ہیں جو عنقریب شائع ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ تفصیلات کے لئے قارئین اس کا انتظار کریں۔

مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب صفحہ ۸۵ وغیرہ

مکرم قریشی فضل حق درویش قادیان صفحہ ۱۸۸

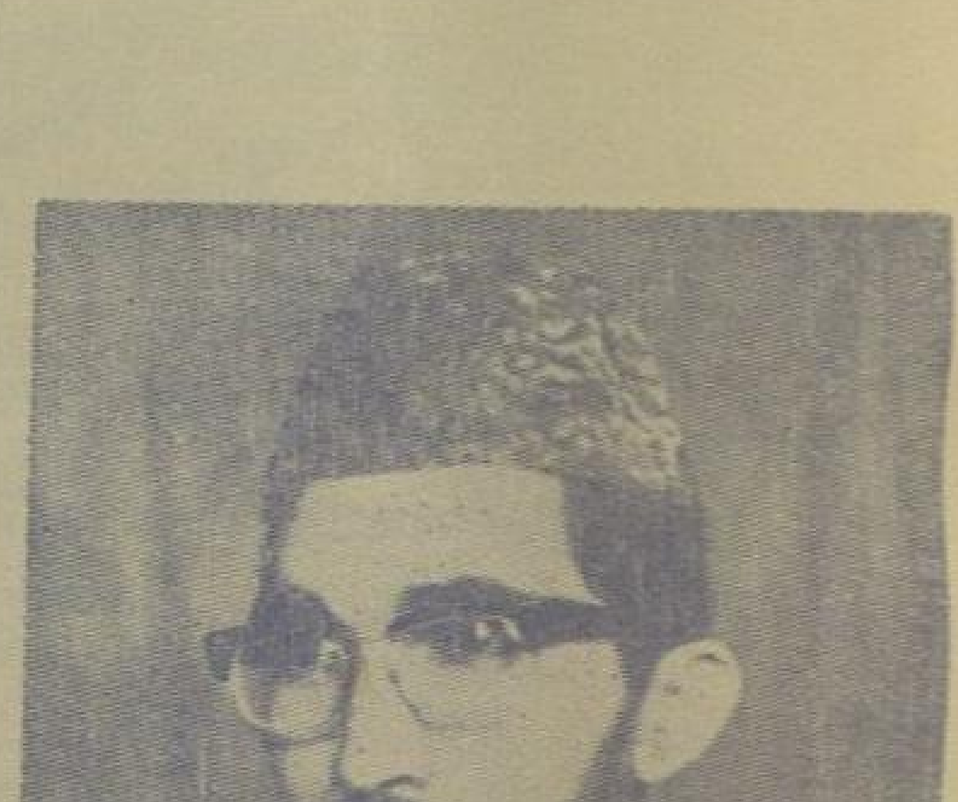

مکرم محمد یوسف سلیم شاہد صفحہ ۱۲۰

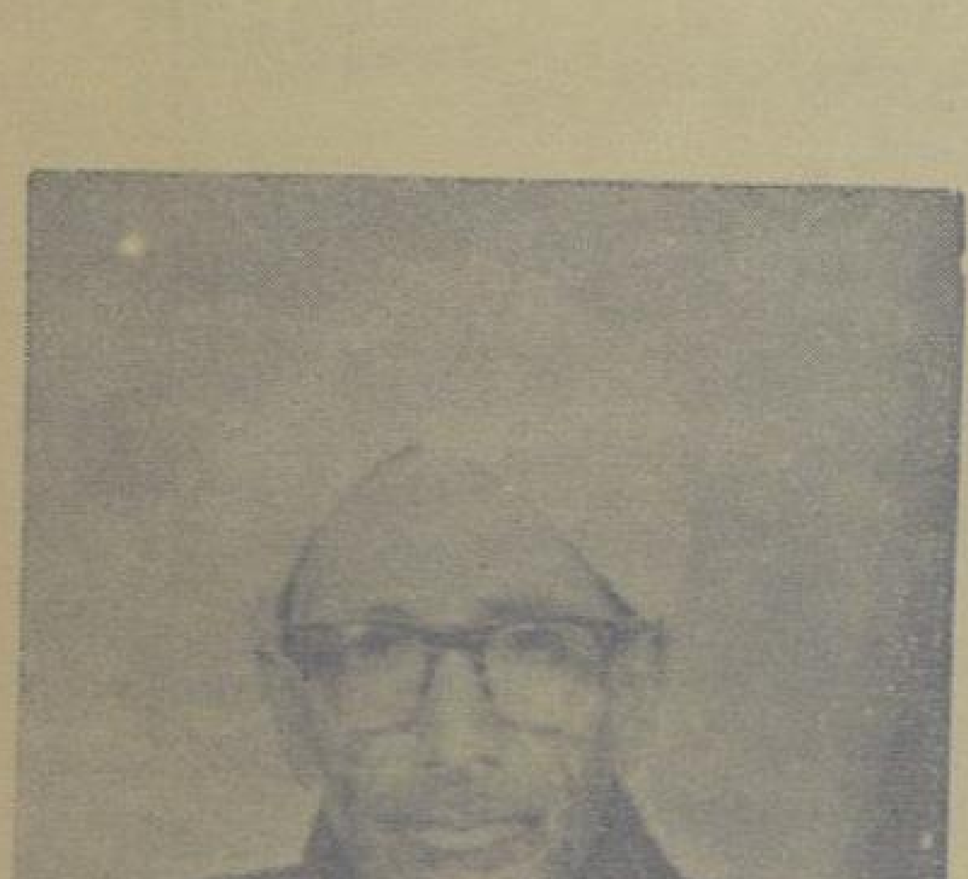

مکرم ماسٹر بشیر احمد صاحب صفحہ ۲۵۵

مکرم قریشی محمد حنیف قمر علوی (سائیکل سیاح) معہ
فرزند قریشی محمد سعید و سید فضل عمر مبلغ اڑیسہ صفحہ ۱۲۴

تنسیخ سے یہ جدی اراضی کے ناقابلِ تلافی نقصان سے بچایا گیا۔

(۲) اسی طرح چوہدری بگا خان ولد چوہدری گدی پہلوان ساکن گوئی تحصیل کوٹلی نے منشی صاحب سے بیعنامہ لکھوایا۔ بیعنامہ رجسٹری ہونے کے لئے دو سرٹیفکیٹ ضروری تھے۔ ایک دفعہ ۹۰ کا اور دوسرا ریاست کا پشتینی باشندہ ہونے کا۔ اس میں کافی دقتیں تھیں۔ منشی صاحب کا بیان ہے کہ چوہدری بگا خان کے کہنے پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں درخواستِ دُعا بھیجی گئی۔ اس دعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو ہفتہ کے اندر اندر دونوں سرٹیفکیٹ مل گئے۔ جس میں کئی مہینے لگتے تھے۔ اُنکا بیان ہے کہ مجھے اس سے قبل دُعا کی درخواست کی نہ عادت تھی نہ زیادہ علم ہی تھا کہ دُعا کی اتنی تاثیر ہوتی ہے۔ اس کے بعد دعاؤں کی تاثیرات اور قبولیت کا قائل ہو گیا۔ اور یقین ہو گیا کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی دُعائیں سُنتا ہے اور خاص بندوں سے کلام بھی کرتا ہے۔ دعاؤں کا جواب دیتا ہے۔ اور احمدیت ہی سچا سلسلہ ہے۔ اور خدا کی طرف سے انعام اسی راہ سے ملتا ہے۔

منشی صاحب موصوف کو جماعت کے صدر کی حیثیت سے جماعتی خدمات کا بھی موقعہ ملا ہے آپ کی اولاد یہ ہے۔ (۱) محمد عمر (۲) محمد صدیق (۳) محمود الحسن (۴) ابن الاسلام علاوہ ایک لڑکی کے

علم دین مغل اور شاہ محمد

انہوں نے بھی احمدیت سے متاثر ہو کر ۱۹۳۴ء میں بیعت کر لی۔ دونوں نیک فطرت۔ سادہ مزاج اور مخلصین میں سے ہیں علمدین مغل کی اولاد محمد رفیق مغل اور باقی لڑکیاں ہیں۔ شاہ محمد بھی با اولاد ہے۔

ان احباب کے علاوہ کوٹلی میں بعض دوسرے ریاستی تارکین وطن بھی آباد ہیں جیسے عبداللطیف دوکاندار۔ ان کے بھائی محمد ابراہیم دوکاندار۔ عمر دین۔ محمد صادق منشی خان وغیرہم۔ سید محمد (تمایئں سنکوٹ)، اکرم دین۔ عبدالقادر۔ شیر محمد۔ محمد دین۔ جمال دین۔ محمود احمد مولوی عبدالقادر۔

غازی محمد صدیق

آپ کا بیان ہے کہ میں نے احمدیت قبول کی تو برادری نے مخالفت شروع کر دی جس پر پریشان ہو کر میں نے اللہ تعالےٰ سے دُعائیں شروع کر دیں کہ اے اللہ! مجھے بتلا دے کہ احمدیت سچا سلسلہ ہے۔ جس پر میرے بھائی حاجی امیر عالم قائم ہیں یا وہ راستہ سچا ہے جس پر حکیم فیروز مرحوم قائم ہے جو غیر احمدی ہے۔ اس کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک باغ میں کھڑا ہوں اور وہاں کچھ لوگ گوڈی کرتے دکھائی دے رہے ہیں۔ میں نے اُن کے نگران سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اس نے کہا۔ یہ مستری ہیں۔ وہ آموں کا باغ تھا اتنے میں اُس نگران نے مجھے ایک سمت جانے کی طرف اشارہ کیا۔ جب میں ایک سمت چلا گیا

تو آسمان سے پالکی کی شکل میں کوئی چیز نیچے اُترتے دکھائی دی۔ جب میں اس طرف جانے لگا تو سامنے ایک مکان تھا اس مکان کے درمیان ایک کمرہ اور کمرہ کے درمیان کھڑکی تھی۔ کمرہ میں بہت آدمی تھے۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہ اس کمرہ سے باہر نکل کر آسمانی پالکی کو دیکھ لے۔ ایک ایک آدمی کھڑکی سے باری باری گذرتا اور باہر نکلتا جاتا تھا۔ کمرہ میں لوگوں کا جو ہجوم تھا اُس میں حاجی امیر عالم احمدی (میرا بڑا بھائی) اور حکیم فیروز دین غیر احمدی (میرے بہنوئی) بھی تھے۔ حاجی امیر عالم تو اپنی باری پر کمرے سے گذر کر باہر نکل آئے اور حکیم فیروز دین اس کمرہ کی کھڑکی سے باہر نہ نکل سکے۔ میں بھی باہر نکل آیا۔ کیا دیکھا کہ وہ پالکی باہر کار کی صورت میں کھڑی تھی۔ اُس میں سامنے کی سیٹ پر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی اور اُن کے دائیں طرف خلیفۃ المسیح اوّل مولانا حکیم نور الدین صاحب بھیروی بیٹھے تھے۔ مرزا صاحب نے کہا کہ کسی آدمی کو اس کار کا ہینڈل چلانے کی جانچ ہے؟ میں نے آگے بڑھکر کہا۔ ہاں مجھے تجربہ ہے۔ میں نے ہینڈل ہاتھ میں لیکر گھمانا شروع کیا۔ کافی جدوجہد کے باوجود کار سٹارٹ نہیں ہوئی۔ حضرت صاحب نے کہا کیا بات ہے؟ حاجی امیر عالم نے کہا حضور! یہ کمزور آدمی ہے۔ اسپر حضرت مرزا صاحب نے مجھے اپنے پاس بلایا اور میری پُشت پر داہنے ہاتھ سے تھپکی دی اور فرمایا جاؤ ہینڈل گھماؤ۔ میں نے جاکر ہینڈل گھمانے کا اشارہ ہی کیا تھا کہ کار سٹارٹ ہوگئی جس پر میری آنکھ کھل گئی۔ آپ کا بیان ہے کہ میں اُن دنوں تہجد کی نماز باقاعدگی سے پڑھا کرتا تھا۔ اس خواب پر مجھے یقین ہوگیا کہ احمدیت سچی ہے اور حکیم فیروز دین جس راستہ پر ہے وہ غلط ہے۔ میں نے اُس دن کے بعد خدا کا شکر ادا کیا اور شکرانہ کے طور پر نوافل بھی پڑھے۔ میرا دل مضبوط ہوگیا اب خواہ کوئی احمدیت کے خلاف کچھ بھی کہے میں اپنے یقین و ایمان سے نہیں ہٹ سکتا۔

غازی صاحب موصوف کا کاروبار اسکردو اور گلگت میں ہے۔

ڈھنگروٹ

ڈھنگروٹ کوٹلی سے بالکل ملحق ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کی آبادی تین سو گھر کے قریب ہے۔ یہاں سب سے پہلے مستری سخی محمد ولد فتح محمد احمدی ہوئے۔ آپ احمدیت کی شدید مخالفت کرتے رہتے تھے۔ ایک دن انہوں نے نماز تہجد پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ بہت دُعا کی کہ اے اللہ! مجھے مرزا غلام احمد قادیانی کی بابت راہنمائی فرما کہ آیا وہ سچے ہیں یا جھوٹے۔ اس دُعا کے بعد انہوں نے خواب میں دیکھا کہ انہیں پولیس کے سپاہی گرفتار کرکے تھانے لے جارہے ہیں۔ پہلے تو انہوں نے الزام لگایا کہ آپ نے چونکہ شہر میں آگ لگائی ہے اسلئے آپ کو گرفتار کرکے لے جایا جارہا ہے۔ جب کچھ فاصلہ آگے چلے آئے تو انکو پولیس کے سپاہیوں نے کہا

کہ آپ چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تکذیب اور مخالفت کر رہے ہیں اس لئے آپ کو گرفتار کیا گیا ہے۔ وہ مجھے تھانے میں لے گئے اور جونہی مجھے مارپیٹ کرنے لگے تو گھبراہٹ اور خوف سے میری آنکھ کھل گئی۔ روایت کے مطابق اس خواب کے بعد انہوں نے مخالفت ترک کر دی اور کچھ عرصہ بعد احمدیت قبول کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد میں برکت دی۔ ۶۰ سال کی عمر میں ۱۹۹۲ء میں وفات پا کر دہیں دفن ہوئے۔

ڈاکٹر محمد شبیر صاحب

آپ نے احمدیت کی صداقت معلوم کر کے ۱۹۵۲ء میں بیعت کی تھی۔ سیٹھی محمد صاحب مرحوم جنکا حال اوپر گذر گیا آپ کے تایا تھے انہیں سے آپ کو احمدیت کا پیغام ملا۔ جب ڈاکٹر صاحب کے سسرال والوں کو پتہ چلا کہ وہ احمدی ہو چکے ہیں تو انہوں نے آپ کی بیوی کو روک لیا اور مولویوں وغیرہ کے فتووں اور اشتعال انگیزیوں کی بناء پر اسے اُن کے گھر بھیجنے سے انکار کر دیا اور بڑے غم و غصہ کا اظہار کرتے رہے۔ کچھ عرصہ لوگوں کی افہام و تفہیم کے بعد موصوف کا استقلال دیکھ کر بالآخر یہ سوچکر کہ مذہب کا معاملہ ہر ایک کا اپنا اپنا ہے آپ کے سسرالی والوں نے آپ کی بیوی کو آپ کے گھر بھیجدیا۔ جب بیوی کو احمدیت کے اصل عقائد اور متعصب لوگوں کے غلط پروپیگنڈے کے حالات معلوم ہو گئے تو وہ بھی بطیب خاطر احمدی ہو گئی اور خاکسار کے کوٹلی کے قیام کے دوران ہی اُس نے بیعت کر لی۔

ڈاکٹر صاحب نے علاقہ میں مختلف ڈسپنسریوں میں کام کا تجربہ حاصل کر لیا تھا اب مستقل طور پر علیحدہ طبی خدمات انجام دینے کا فیصلہ کر لیا۔ جب گھر آئے تو باقاعدگی سے مسجد احمدیہ کوٹلی میں آنا جانا شروع کر دیا۔ اس پر آپ کے والد صاحب نے جو اہلحدیث تھے بہت غصہ کیا اور انہیں اُن کی بیوی سمیت گھر سے نکال دیا۔ آپ چاہتے تو غصہ کا جواب غصہ سے اور سختی کا جواب سختی سے دیدیتے مگر آپ نے احمدیت کی تعلیم کے مطابق والدین کی سختیوں کو برداشت کر لیا اور والدین کے احترام و خدمت میں کمی نہ آنے دی اور صبر اور دعاؤں سے کام لیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو برکت دی۔ اب اپنا علیحدہ مکان بھی بنا لیا ہے۔

ڈسپنسری کی ملازمت کے بعد آپ نے کوٹلی میں اپنا میڈیکل ہال کھولا ہے جہاں عوام کی طبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی برکت شامل حال ہے۔ اور کام روز افزوں ترقی و توسیع پر ہے۔

موصوف تبلیغ کے شوقین ہیں سلسلہ کے رسائل و اخبارات پڑھتے پڑھاتے اور کتب خرید کر استفادہ کرتے ہیں۔ علاوہ قائد خدام الاحمدیہ کوٹلی کی حیثیت سے جماعتی خدمات کی توفیق بھی پا رہے ہیں

مجلس مشاورت مرکزیہ میں مقامی جماعت کی نمائندگی کرتے رہے ہیں۔ اب اُن کے بھائی محمد یونس صاحب کو بھی اللہ تعالےٰ نے بیعت کی توفیق بخشدی ہے اور وہ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو چکے ہیں جو علاقہ کے سرکاری مدارس میں تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ کوٹلی کے کالج کے رسالہ میں آپکے مضامین بھی شائع ہو چکے ہیں۔ نئی نئی کتابوں کے مطالعہ کا شوق رکھتے ہیں۔ دونوں بھائی شریف الطبع ہیں اور دینی حس رکھنے کے علاوہ سلسلہ احمدیہ اور مبلغین سے محبت رکھتے ہیں۔

تتہ پانی تتہ پانی کوٹلی سے ۱۵ میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ ہے اسے سہرا گالہ بھی کہتے ہیں۔ یہاں ملک علی بہادر ولد ملک غریب خان بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے زمانہ میں ہی اسوقت احمدی ہو گئے تھے جب لیکھرام کی ہلاکت سے متعلق آپ کی پیشگوئی پوری ہوئی تھی۔ اُس زمانہ میں آپ بمبئی میں ایک ڈاکٹر کے پاس ملازم تھے۔ احمدی ہونے کے بعد آپ آسٹریلیا چلے گئے جہاں اچھا کاروبار مل گیا۔ وہیں شادی کی اور وہیں اولاد ہوئی۔ انہوں نے تتہ پانی میں اپنے رشتہ داروں کو خط وکتابت کے ذریعہ پیغام حق پہنچایا۔ لیکن جب انہوں نے تلخی سے جواب دیا تو آپ نے خط وکتابت بند کردی جسپر اُن کے رشتہ داروں کو شدید ندامت لاحق ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے بعد میں پاکستان اور آسٹریلیا کے سرکاری سفیروں کی معرفت بڑی دُور دراز کوشش کی کہ خط وکتابت جاری ہو مگر موصوف نے خط وکتابت کرنے سے انکار کر دیا۔ ملک صاحب آسٹریلیا ہی میں لمبی عمر پاکر فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔ خاکسار نے تتہ پانی میں مرحوم کے بعض رشتہ داروں کا پتہ چلا کر اُن سے ملاقات کی اور حالات معلوم کئے۔ وہ اب تک اپنی سابق تلخ جوابی پر نادم تھے۔

کھڈ گوجراں کھڈ گوجراں تحصیل کوٹلی کا گاؤں ہے۔ یہاں شیر محمد ولد غلام محمد نے ۱۹۶۰ء/۱۹۵۹ء میں بیعت کی جنہیں صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر بیت المال۔ دیوان اور دارالقضاء میں کام کرنے کا بھی موقع ملا۔

دھندلی کوٹلی سے پانچ میل کے فاصلہ پر گوئی کے راستہ میں ایک گاؤں ہے۔ یہاں مولوی عمر دین صاحب امام مسجد احمدیت سے متأثر ہونے پر صداقت احمدیت کا اظہار کیا۔ اسپر لوگوں نے انہیں مسجد کی امامت سے علیحدہ کر دیا۔ مگر انہوں نے پرواہ نہیں کی اور اپنے گھر کے قریب مسجد بنا کر وہاں نمازیں پڑھتے رہے۔ ربوہ جانے کے لئے کرایہ بھی جمع کر کے پاس رکھا تھا۔ مگر فرصت نہ پا سکے اور وفات پا کر یہیں دفن ہوئے۔

رام باڑی دبجا بھڑا تتہ پانی سے قریب اور کوٹلی سے ۱½ میل کے قریب لب سڑک واقع

ایک گاؤں رام باڑی ہے ۔ دو میل کے فاصلہ پر جنوب مشرقی جانب بھابھڑا نامی ایک اور گاؤں واقع ہے ۔ باہمی میل ملاپ اور رشتہ داریاں ہیں ۔ اوائل میں مولوی محبوب عالم صاحب یہاں آئے ۔ اور بھابھڑا کی مسجد میں وعظ کرتے ہوئے لوگوں کو پیغام حق پہنچایا ۔ بعد میں چوہدری سردار ۔ چوہدری فتح محمد بابا جلہ اور چوہدری جمعہ احمدی ہو گئے ۔ پھر چوہدری کالو ۔ چوہدری منگو ۔ نور محمد و شیر محمد ۔ فضل دین ولد فیض بخش اور چوہدری صوبہ دار جماعت نے بیعت کرلی ۔ چوہدری سردار نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ اُن کے گھر کی طرف آرہے ہیں ۔ کسی نے آواز دی کہ امام مہدی علیہ السلام تشریف لائے ہیں ۔ اسی خواب پر انہوں نے بیعت کرلی ۔

چوہدری صوبہ دار جماعت کے بیٹے چوہدری اللہ دتہ نے ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ میں رضاکارانہ فوجی خدمات بھی سرانجام دیں ۔ محمد دین عرف منڈی ولد جمعہ کے لڑکے شریف احمد بھی جماعتی خدمات انجام دے رہے ہیں ۔ چوہدری قمر دین ولد نجم دین ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ میں سہٹرہ محاذ پر ۱۴ دسمبر ۱۹۷۱ء کو شہید ہو گئے ۔ جو ۱۲۹ ، ۷ کی رجمنٹ میں بھرتی تھے ۔

رام باڑی میں مسجد احمدیہ ۱۹۶۱ء میں لب سڑک تعمیر ہوئی ۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے اس کی بنیادی اینٹ رکھی اور دعا فرمائی ۔ مسجد کی زمین گلاب بی بی دختر ڈھیلا زوجہ نور محمد نے بغیر معاوضہ ثواب کے لئے وقف کردی ۔ چوہدری اللہ دتہ نے مسجد کے قریب دار التبلیغ کے لئے کچھ زمین دے کر اس جگہ دو چھوٹے کمروں کا کچا کوٹھا بھی تعمیر کر ڈالا ہے ۔ بھابھڑا میں بھی ایک پختہ مسجد اور پرائمری سکول ہے جو جماعت احمدیہ کی نگرانی میں چل رہا ہے ۔ امام دین صاحب جماعت کے صدر ہیں ۔ نیک اور صاحب رؤیا ہیں ۔

چیرناڑی

یہاں مولوی محبوب عالم کے اثر سے چوہدری منگو ولد رستم اور اُن کے بھائی چوہدری مہر بخش ۔ چوہدری بھگا اور مولوی غلام محمد احمدی ہوئے ۔ بعد میں رفتہ رفتہ اور گھرانے بھی احمدی ہوئے ۔ اس وقت یہاں بارہ خاندان احمدی ہیں جنکی اولاد پھیلی ہوئی ہے ۔ مہر بخش برادری کی شدید مخالفت کے باوجود ثابت قدم رہے ۔ اُن کے بیٹے سید محمد کو جماعتی خدمات کا بھی موقعہ ملا ہے ۔ چوہدری سواری ولد قیمہ احمدی ہوئے تو لوگوں نے اُن سے شدید بدسلوکی کی ۔ ایک شادی کے موقعہ پر جن برتنوں میں انہوں نے کھانا کھایا مخالفوں نے اُن کو توڑ ڈالا ۔ انہوں نے صبر و استقلال سے دعائیں جاری رکھیں ۔ اُن کا بیان ہے کہ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس شخص کا گھر جل کر تباہ ہو گیا جس نے اُن کے برتن توڑ ڈالے تھے جس سے انہیں احمدیت کی صداقت

کا پورا پورا یقین ہو گیا۔ انہی دنوں انہیں کچھ خوابیں بھی آئیں جن سے ان کا ایمان بہت بڑھ گیا۔ ایک خواب میں دیکھا کہ کوٹلی سے غلہ لا رہے ہیں۔ یہ خواب اس طرح پوری ہوئی کہ کوٹلی میں انہیں روزگار مل گیا۔ اور آجتک یہیں کام کر رہے ہیں۔ کوٹلی کی مسجد احمدیہ میں موذن اور خادم کا کام بھی کرتے رہے ہیں۔ کچھ عرصہ عبدالغفار صاحب یہاں وقف جدید ربوہ کے معلم کی حیثیت سے بچوں کو پڑھاتے رہے ہیں جماعت نے مسجد بھی تعمیر کر لی ہے اور اس کے ساتھ علیحدہ کمرہ بھی معلم یا خادم کے لئے تعمیر کر لیا ہے۔

چوکی مُنگ چوکی مُنگ کوٹلی سے پانچ میل کے قریب فاصلہ پر بڑا گاؤں ہے اسمیں گلزار محمد خان صاحب راجپوت کا اکیلا احمدی خاندان بستا ہے۔ احمدیت سے قبل اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ برطانوی فوج میں ۱۹۴۷ء سے قبل ملازمت کرتے رہے ہیں۔ آپ نے قبول احمدیت کا واقعہ یوں بیان کیا کہ جب میں فوج میں ملازم تھا تو ہم نمازوں کے اوقات میں مسجد جا کر باجماعت نماز ادا کرتے تھے۔ ایک ہیڈ کلرک نماز باجماعت میں شامل نہ ہوتا تھا بلکہ علیحدہ نماز پڑھتا تھا۔ فوجی افسر مسلمان تھا اُس کے پاس کسی نے جا کر شکایت کی جب اُسے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میں قادیانی احمدی مسلمان ہوں۔ اس لئے گھر پر نماز پڑھتا ہوں۔ مسلمان فوجی افسر کوئی متعصب مسلمان تھا اُس نے اس کو ملازمت سے جواب دے دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ آپ کو کیا ضرورت تھی کہ قادیانی احمدی مسلمان اپنے آپ کو ظاہر کرتے۔ پنجابی مسلمان کہہ دیتے۔ اس نے جواب دیا کہ کیوں اپنے آپ کو چھپاتا۔ سچ بولا ہے۔ ملازمت کی کوئی بات نہیں اللہ تعالےٰ میرے لئے کوئی اور بہتر سامان کر دے گا میں اس کی یہ بات سن کر حیران ہُوا کہ لوگ رشوتیں دے دے کر اس فوجی ملازمت میں بھرتی ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا شخص ہے جس نے مذہب کی خاطر سچ بول کر ایسی ملازمت کی کوئی پرواہ نہ کی۔ میں اس بات سے بہت متاثر ہُوا مگر متاثر ہونے کے باوجود احمدی نہ ہُوا۔

عرصہ کے بعد فوجی ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد جب راولپنڈی میں مجھے کوئی کام پڑا اور ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں گیا تو دیکھا کہ وہی ہیڈ کلرک جسے فوجی ملازمت سے احمدیت کی بنا پر جواب ملا تھا ضلع راولپنڈی کا بڑا افسر ہے۔ میں یہ دیکھکر حیران اور بہت متاثر ہُوا کہ دیکھو اللہ تعالےٰ نے اسے کتنی ترقی دی۔ اس نے احمدیت کی خاطر فوجی ملازمت کی پرواہ نہ کی تھی۔ آج اللہ تعالیٰ نے اسے ضلع پر حکومت بخش دی ہے۔ اس کے بعد احمدیوں کے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا شروع ہُوا۔ جو مجھے کہتے تھے کہ اس زمانہ میں احمدیت قبول کرنے سے ہی نجات حاصل ہو سکتی ہے۔

جس زمانہ میں مولوی عبدالرحیم صاحب مرکز کی طرف سے کوٹلی میں معلم مقرر تھے اُس زمانہ میں

؎ ان کے دو بیٹے عبدالکریم اور محمد اکرم ہیں۔

مَیں نے ایک خواب بھی دیکھا جس نے مجھے احمدیت کے اور زیادہ قریب کر دیا۔ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں چند ایسے سپاہیوں میں گھرا ہوا ہوں جن کے ہاتھوں میں نیزے اور زبردست ہتھیار ہیں اور میرے نکلنے کے لئے کوئی راستہ نہیں۔ مَیں گھبرایا ہوا ہوں اور دل میں دعا کرتا ہوں کہ مجھے اے اللہ ان سے بچالے۔ کیونکہ تیرے سوا ان مسلح سپاہیوں سے اب کوئی بچا نہیں سکتا۔ اسی دوران دیکھا کہ آسمان سے ایک ہوائی جہاز آیا جو پاس سے گذرنے لگا۔ جونہی وہ میرے پاس پہنچا وہ نیچے ہوتے ہوتے اتنا قریب آیا کہ اپنے سامنے لگے ہوئے دو کنڈوں کے ذریعہ مجھے اٹھا کر جہاز کے اندر بٹھایا اور پرواز کر گیا۔ جہاز میں بیٹھتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے اس کی یہ تفہیم ہوئی کہ یہ جہاز جس نے مجھے ظالم سپاہیوں سے بچایا وہ جماعت احمدیہ کا ہے اور نیزے والے سپاہی میرے آس پاس کے مخالفین ہیں۔ مَیں نے یقین کر لیا کہ اس زمانہ میں واقعی نجات احمدیت میں ہے۔ اس کے سوا اندھیرا اور ظلم و ظالم ہی ہیں۔ اس کے بعد مَیں نے مولوی عبدالرحیم کے ذریعہ بیعت کر لی۔ یہ ۱۹۵۷ء کا واقعہ ہے۔" آپ چونکہ اس علاقہ میں اکیلے احمدی ہیں اور آپ کے آس پاس مخالفین رہتے ہیں اسلئے دلیری اور حفاظتی اسلحہ کے ساتھ مسلح رہتے اور جرأت و ثابت قدمی سے زندگی گذار رہے ہیں۔

سرساوہ میں احمدیت

سرساوہ تحصیل کوٹلی میں ہے یہاں منگرال قوم کے کرم داد خان صاحب فوج میں ملازمت کے دوران کسی احمدی کی تبلیغ کے نتیجہ میں ۱۹۱۱ء میں احمدی ہوئے تھے اور وہ قادیان بھی گئے۔ کچھ دن قادیان رہے اور یہاں کے ایمان افروز اور روحانی ماحول سے بہت متأثر تھے اور ان پر قادیان کے اس ماحول کے ذکر پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ وہ اکثر اس ایمان افروز ماحول کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ یہ خلافت اولیٰ کا زمانہ تھا۔ کچھ عرصہ بعد جب اُس نے سُنا کہ کوٹلی میں بھی جماعت احمدیہ قائم ہوگئی ہے تو بڑے خوش ہوئے۔ وہ حاجی امیر عالم صاحب مرحوم کوٹلی سے ملے اور فرط جذبات سے اُن سے ملاقات کی اور سلسلہ احمدیہ کی بعض کتب جو ہمراہ لائے تھے انہیں دیں۔ اپنے علاقہ میں اکیلے احمدی تھے۔ اب فوت ہو چکے ہیں۔

برموچ میں احمدیت

برموچ کوٹلی سے اٹھارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس کی آبادی پانچ چھ سو افراد کے قریب ہوگی۔ راج محمد یہاں کے اولین احمدی ہیں جو پہلے ہندوؤں کے برہمن خاندان سے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں آپ نے مولوی محمد منیر صاحب کے ذریعہ جو کوٹلی میں متعین تھے اسلام قبول کر لیا اور جماعت احمدیہ میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کی۔

آپ کی عمر اس وقت بتیس تینتیس سال کی ہے آپ کا بیان ہے کہ ہندوؤں میں بُت پرستی تھی اور وہ سری کرشن اور رامچندر جی کے بتوں کی پرستش کرتے تھے حالانکہ خود انہوں نے نہ بُت پرستی کی تعلیم دی اور نہ خود بُت پرستی کرتے تھے۔ بلکہ وہ خود بھی خدائے واحد کی بندگی کیا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتے تھے۔ جب مجھے مولوی محمد منیر صاحب کے ذریعہ اسلام کی توحید کا پیغام ملا تو میں نے دل سے عقیدۂ توحید پر صاد کر لیا۔ چونکہ فطرتِ انسانی ہی ایسی ہے کہ وہ توحید سے آگاہ ہوتے ہی اسے قبول کر لیتی ہے اس لئے گو ہم بُت پرستوں میں زندگی بسر کر رہے تھے مگر میری فطرت نے بھی توحید کا پیغام ملتے ہی جلد اسے قبول کر لیا۔ میرے والد صاحب بھی بُت پرست نہیں تھے بلکہ دل سے اس کے خلاف تھے۔ اور کبھی کبھی کلمہ توحید پڑھ لیا کرتے تھے بلکہ مجھے بھی انہوں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھا دیا تھا۔

گوئی میں احمدیت

گوئی میں قاضی فیروز الدینؓ۔ چوہدری اللہ دتہ اور قاضی علی بہادرؓ اوّلین احمدیوں میں سے تھے۔ قاضی فیروز الدینؓ اور قاضی بہادر علیؓ نے مولوی محبوب عالم کے ساتھ قادیان جا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی (انکے حالات صحابہ کے باب میں گذر چکے ہیں) چوہدری اللہ دتہ اور مولوی اللہ دتہ نے بذریعہ تحریر مسیح موعودؑ کی زندگی ہی میں بیعت کر لی تھی۔ پھر چوہدری گدی مرحوم اور چوہدری بھگا مرحوم سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔

قاضی فیروز الدینؓ کے بیٹے عبد العزیز کا بیان ہے کہ والد مرحوم کی وفات کے بعد مجھ پر ابتلاء آیا۔ برادری نے مخالفت کی۔ مجھے احمدیت کا صحیح علم بھی نہ تھا مگر ایسے کشوف و رؤیا ہوئے جن کی وجہ سے مجھے یقین ہو گیا کہ احمدیت سچی ہے۔ ان کے حالات بھی گذر چکے ہیں۔

دیگر احمدی یہ ہیں:- چوہدری جمال الدین مرحوم۔ چوہدری عبد الکریم۔ اللہ دتہ ہر دو پسران لعل دین چوہدری منگو مرحوم۔ لکھن ولد نواب۔ نور الدین ولد فضل دین۔ پیر بخش ولد اللہ دین۔ سوہاج ولد اللہ دین دونوں بھائی برادری کی سخت مخالفت کے باوجود ثابت قدم رہے۔ فضل ولد دتہ۔ اللہ دتہ ولد ماما۔ جمال دین ولد اللہ دتہ۔ اللہ دتہ ولد بہادر۔ فقیرو ولد بہادر علی۔ ولی محمد ولد مٹھو۔ شیر ولی ولد اللہ دتہ عبد العزیز ولد عکو۔ الف دین ولد نور دین۔ نور محمد ولد فقیرو۔ عبد العزیز ولد اللہ دتہ۔ محمد شفیع ولد شیر محمد اللہ دتہ ولد فوجا۔ غلام حسین ولد سائیں۔ چوہدری کرم دین ولد راج ولی۔ چوہدری دتہ۔

یہ سب اور ان کی اولاد یا اولاد در اولاد اسوقت گوئی میں پانچ چھ سو کے قریب تعداد ہو گی۔ اس لحاظ سے سب سے بڑی جماعت گوئی کی ہے۔ مولوی امام الدین صاحب جو یہاں کے نمبردار ہیں

مکرم مولوی امام الدین صاحب گونی صفحہ ۱۷۳

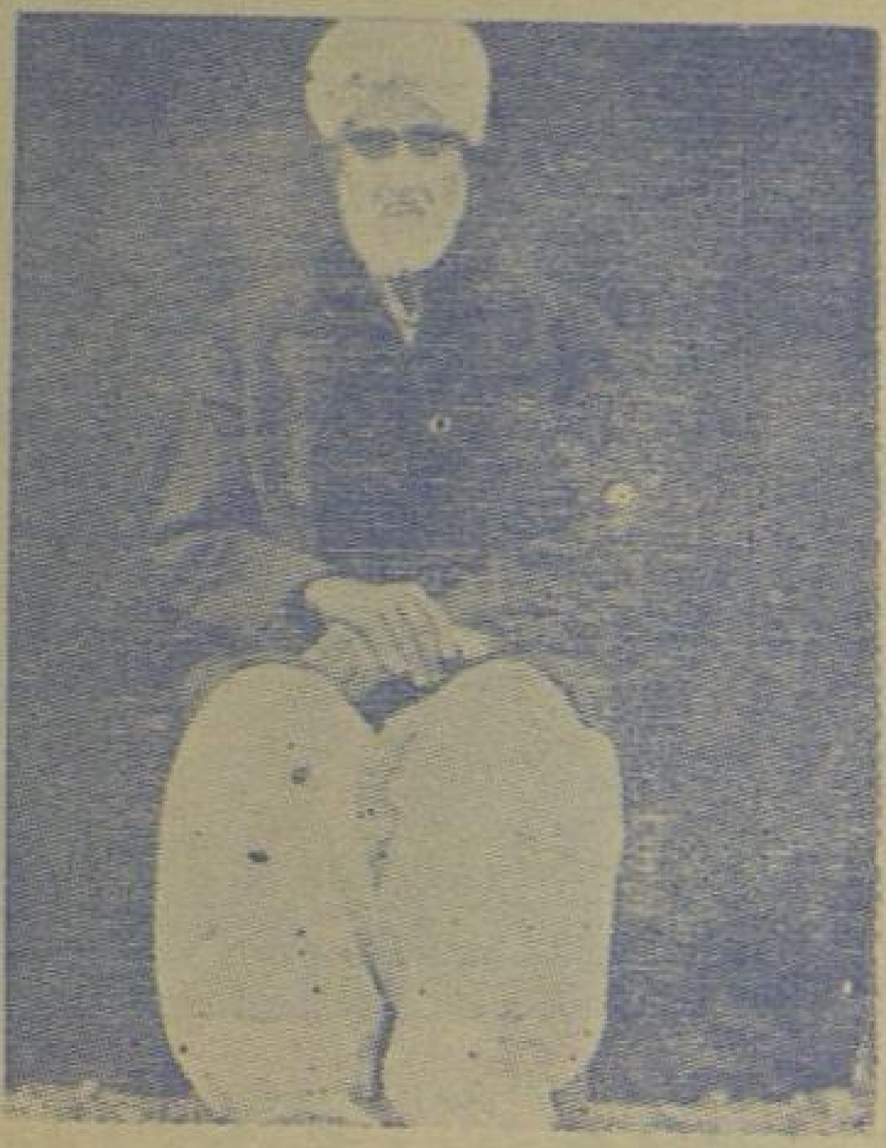

مکرم مختار احمد صاحب صفحہ ۲۵۷

مکرم چودھری جمال الدین (سابق کیپٹن) صفحہ ۱۷۸

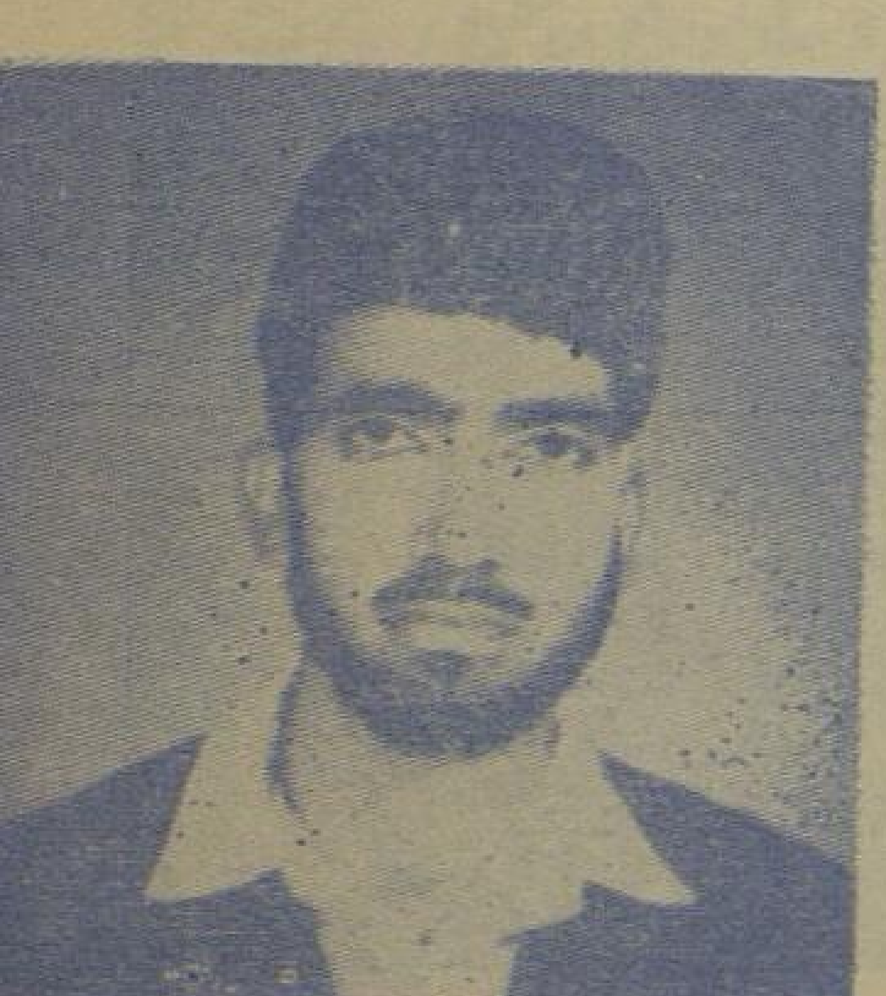

مکرم محمد حسین مختار صفحہ ۲۵۷

مکرم قاضی محمد برکت اللہ صاحب
(حال امریکہ) صفحہ ۱۸۷

مکرم محمد زمان خان صاحب انبوی میر پور
(حال انگلستان) صفحہ ۱۹۳

مکرم ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب مع فرزند
ڈاکٹر ضیغم سلیم (باغ آزاد کشمیر)

مکرم محمد حسین خان صفحہ ۲۵۹

اور کئی سال علاقہ میں بنیادی جمہوریتوں کے تحت چیئرمین بھی رہے ہیں جمعہ کی نماز پڑھاتے اور خطبہ دیتے ہیں کیپٹن جمال الدین صاحب پنچائت چیئرمین ہیں جو مولوی امام دین صاحب کے بھائی ہیں۔

گاؤں کے مکانات اور ان کی زمینیں خطِ متارکۂ جنگ کے بالکل متصل ہیں اور دونوں طرف پاک و بھارت کی فوجی چوکیاں موجود اور حکام کی خاص نگرانی ہے۔ اسی لئے درہ شیر خاں کی طرح یہ لوگ بھی اکثر و بیشتر خاص احتیاط سے رہتے ہیں۔ فوجی و سول حکام کو بوجہ احمدی آبادی ہونیکے یہاں کے احمدیوں پر خاص اعتماد بھی ہے۔ چونکہ مولوی امام دین صاحب اور چوہدری جمال دین صاحب یکے بعد دیگرے علاقہ میں بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات کے بعد چیئرمین رہے ہیں اسلئے ان کا خاص اثر و رسوخ ہے اور ضرورت کے مواقع پر فوجی و سول حکام سے ہر ممکن تعاون کرتے ہیں۔

۱۹۴۷ء میں مخالفین نے گوئی کی جماعت کو متعصب لوگوں کے اکسانے پر نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کی وسیع تنظیم اور اثر و رسوخ سے وہ اپنے منصوبوں میں ناکام رہے۔ ۱۹۵۳ء میں بھی احمدیوں کے خلاف سازشیں شروع ہوگئیں لیکن جماعت احمدیہ کے وسیع اثر و رسوخ اور برادری کی اکثریت کی وجہ سے ان کو نہ صرف یہ کہ کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ ایسے حالات میں بھی احمدی احباب نے تبلیغ و تربیت کا کام جاری رکھا جس کی وجہ سے کئی اور لوگوں نے نئی بیعتیں کر کے جماعت احمدیہ میں شمولیت کی سعادت حاصل کی۔

۱۹۶۸ء میں خاکسار راقم الحروف نے گوئی کا دورہ کیا تھا اس موقعہ پر عبداللطیف صاحب کی ریکارڈنگ مشین پر خاکسار کی ایک تقریر صداقت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام اور خطبہ جمعہ ریکارڈ کئے گئے تھے جن کے ذریعہ احباب جماعت علاقہ کے اجتماعات۔ مجالس اور شادی بیاہ کے مواقع پر تبلیغ و تربیت کے اچھے خاصے مواقع نکالتے رہے۔ کتاب ہذا کی ترتیب و تدوین کا فیصلہ اور اعلان بھی مقامی احباب کے مشورہ کے بعد پہلی دفعہ گوئی میں ہی ہوا تھا۔ اسی سلسلہ میں گوئی کی جماعت نے خاص تعاون بھی کیا ہے اور سبقت کی سعادت بھی حاصل کی ہے۔ یہاں خدام الاحمدیہ۔ اطفال اور لجنہ وغیرہ ذیلی تنظیمیں بھی موجود ہیں اور حتی الوسع کام ہو رہا ہے۔

مولوی امام الدین صاحب

آپ مولوی اللہ دتہ صاحب مرحوم جنکا ذکر پیچھے گذر گیا ہے سب سے بڑے بیٹے ہیں۔ آپکی پیدائش ۱۱ رہاڑھ ۱۹۶۶ء جرمی بروز بدھ مطابق ۱۳۲۷ھ ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم سکول گوئی میں حاصل کی۔ اس کے بعد دینی تعلیم اپنے والد مرحوم سے ہی حاصل کی۔ بچپن ہی سے آپ فہیم و عقیل تھے۔ چھوٹی عمر میں ہی آپ نے تمام گھریلو کاروبار اپنے والد کی موجودگی

میں ہی سنبھال لیا۔ ابتدا میں وہ کانداری کرتے رہے۔ تبلیغ کا شوق بچپن سے ہی رہا۔ وہ شیر غار حکوٹ ٹاکیں پچھلہ۔ فنا۔ پوٹ اور بھابھڑا میں جاجا کر تبلیغ کرتے رہے۔ مبلغین سلسلہ کو بلوا کر وہ شیر غار اور بھابڑا میں جلسے بھی کرواتے رہے۔ سیاسیات میں بھی حصہ لیتے۔ ڈوگرہ عہد میں پنچائت گوئی میں بلا مقابلہ ممبر مقرر ہوتے رہے۔ پھر پنچائت کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ پاکستان بننے کے بعد آپ پنچائت گوئی کے سرپنچ رہے۔ کئی دفعہ آپ کی عدم موجودگی میں علاقہ کے لوگوں نے آپ کو بلا مقابلہ سرپنچ پنچائت مقرر کیا۔ بنیادی جمہوریت کے عہد میں آپ بلا مقابلہ یونین کونسل کے ممبر و چیئرمین منتخب ہوئے۔ جماعت احمدیہ گوئی کے کئی دفعہ سیکرٹری مال رہے۔ اور اس کے بعد آجتک جماعت کے صدر بھی ہیں۔ ۱۹۳۱ء کے ہندو مسلم فسادات کے موقعہ پر بھی آپ نے مسلمانوں کی بہتری کیلئے کافی کام کیا۔ اس سلسلہ میں آپ دو دفعہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے قادیان جاکر بھی ملے اور سب حالات سنائے۔ مظلومین کشمیر کی امداد اور وکلاء کے بھیجنے کے لئے استدعا کی۔ ۱۹۴۷ء کی جنگ آزادی کشمیر کے سلسلہ میں بھی کافی مدد کی۔ اور مالی امداد بھی دی اور لوگوں سے رضا کارانہ طور پر کام کرایا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ آزادی کشمیر میں بھی بحیثیت چیئرمین علاقہ کے لوگوں سے رضاکارانہ طور پر کافی امداد کرائی جس سے مقامی فوجی و سول حکام خوش ہوتے رہے۔

آپ موضع گوئی کے نمبردار بھی ہیں۔ اپنے اور بیگانے سب آپ کی عزت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ انتخابات میں ہمیشہ بلا مقابلہ کامیاب ہوتے رہے۔ آپ ملک و ملت کے بہی خواہ اور حکومت کے معاون ہیں۔ ڈوگرہ عہد میں جب حکومت نے ریاست کے علاقائی نمائندوں سے دریافت کیا کہ آپ ہندوستان چاہتے ہیں یا پاکستان؟ تو آپ نے بے دریغ نڈر ہو کر جواب دیا ہم پاکستان چاہتے ہیں۔ مقامی حکام بھی آپ کی نیک نامی اور اچھی شہرت کی وجہ سے آپ کی عزت کرتے ہیں۔ احمدیت کے مخالفین و معاندین یہاں تک کہ علاقہ کے مولوی بھی ہمیشہ آپ سے مرعوب رہتے ہیں۔ اور آپ کے پیش کردہ دلائل سنکر مبہوت ہو جاتے ہیں۔ آپ خلیق، ملنسار، مہمان نواز اور ذہین و فہیم ہیں۔ لوگوں کے جھگڑے نپٹانے کا خاص سلیقہ رکھتے ہیں۔ مربیان و مبلغین سلسلہ سے محبت رکھتے ہیں۔ عالم، مقرر، محرر اور انشاء پرداز ہیں۔ علاقہ کے احمدیوں کے حالات سے باخبر رہتے ہیں۔ آپکی عمر اسوقت اندازاً ساٹھ سال ہے۔ آپ کی نرینہ اولاد کوئی نہیں صرف آٹھ لڑکیاں ہیں:-

(۱) سلیمہ بیگم (۲) بشریٰ بیگم (۳) رشیدہ بیگم (۴) سعیدہ بیگم (۵) حمیدہ بیگم
(۶) منیرہ بیگم (۷) صفیہ بیگم (۸) بشیرہ بیگم۔

چوہدری گدی صاحب آپ قبیلہ گوجر سے احمدی تھے۔ باوجود ان پڑھ ہونے کے ذہین، صائب الرائے اور شجاع تھے۔ یہاں تک کہ حکومت کے حکام بھی اُن سے مشورے لیا کرتے تھے۔ اور اکثر کاموں میں اُن کے ذریعہ سے بڑے بڑے جھگڑے نپٹائے جاتے تھے۔ بلکہ عدالت کا جج بھی بعض دفعہ فریقین متنازعہ سے کہتا تھا جاؤ چوہدری گدی صاحب کو ثالث بناؤ اور باہمی تصفیہ کرو۔ نہایت ہی بارعب آدمی تھے۔ یہاں تک کہ ان کے سامنے کسی شدید مخالف کو بھی جرأت نہ ہوتی کہ وہ مخالفت کرسکے۔ ان ابتدائی ایام میں جب یہاں احمدیت آئی تو لوگ سخت مخالف تھے گو علیحدہ جمعہ اور جماعت کا انتظام تھا مگر جب چوہدری گدی مرحوم احمدی ہوگئے تو احمدیت نے مزید ترقی کی کیونکہ وہ علاقہ میں اثر و رسوخ رکھنے والے بارعب اور شجاع آدمی تھے۔ چوہدری گدی صاحب کی اولاد یہ ہے۔ (۱) چوہدری بقا محمد صاحب عرف بھگا۔ (۲) چوہدری سخی محمد (۳) دین محمد (۴) عبدالرحمٰن (۵) امیر محمد (۶) عبدالقادر۔ ان میں سے دین محمد فوت ہوگئے اور عبدالقادر ۱۹۶۷ء میں سرحد کشمیر پر علاقہ مقبوضہ کشمیر (ہندوستان) میں مارے گئے مخلص احمدی تھے اور تبلیغ کا شوق رکھتے تھے۔ چوہدری گدی کے بیٹے دین محمد ۲ر جولائی ۱۹۶۷ء کو فوت ہوکر گوئی میں دفن ہوئے نہایت ذہین و عقیل تھے اور لوگوں کے تنازعات اور جھگڑوں کو نپٹانے میں مہارت رکھتے تھے صاحب اثر و رسوخ تھے۔ اپنوں اور بیگانوں میں عزّت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ حکام کے ساتھ بھی اچھے تعلقات رکھتے تھے غریب پرور تھے۔ احمدیت اور علماء سلسلہ سے محبت رکھتے تھے۔ اپنی جماعت کے سیکرٹری مال بھی رہے ہیں۔ اپنے علاقہ کے عوام کا تعاون حاصل تھا جس کی وجہ سے ڈوگرہ عہد میں پنچایت گوئی کے کئی دفعہ ممبر منتخب ہوتے رہے اور بنیادی جمہوریت کے زمانہ میں بھی یونین کونسل گوئی کے ممبر رہے۔ گو آپ پیدائشی احمدی تھے مگر خلافت ثانیہ کے عہد میں قادیان جاکر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ہاتھ پر خود بیعت کی اور خلافتِ ثالثہ کے قیام پر بھی خلیفہ ثالث کی تجدید بیعت کی۔ جنگ آزادی کشمیر ۱۹۴۷ء میں بھی ملکی و ملّی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں بھی بطور مجاہد کام کیا اور بحیثیت نمبردار ہونے کے اپنے گاؤں کے عوام نے بھی ملکی خدمات میں ان کی جدوجہد اور تحریک سے کافی کام کیا۔ جس کی وجہ سے فوجی افسران بھی اُن سے خوش تھے۔ افسران کی خوشنودی کا سرٹیفکیٹ بھی ملا تھا۔ دین محمد مرحوم کی اولاد یہ ہے۔ محمد اسمٰعیل۔ غلام نبی۔ میجر محمد شفیع۔ غلام شفیع۔ محمد حسین اور دو بیٹیاں غلام بی بی اور نذیر بیگم ہیں۔

میاں گاما صاحب مخلص مہمان نواز تھے۔ سلسلہ احمدیہ کے علماء اکثر اُن کے ہاں ٹھہرا کرتے

تھے اور تبلیغ کرنے اور کرانے کا شوق تھا۔ خاندان مسیح موعود سے بھی محبت تھی۔ آپ اپنے پیچھے تین لڑکے یادگار چھوڑ گئے۔ فقیر دین۔ سید محمد۔ غلام رسول۔ میاں حسن محمد نائب سنکوٹ کی جماعت کے صدر بھی رہے تہجد گذار تھے۔ آپ کے خواب کا ایک واقعہ یوں ہے کہ ایک دفعہ وہ اور محبوب عالم صاحب ایک کمرہ میں اُن کے گھر ہی سوئے ہوئے تھے کہ میاں حسن محمد نے خواب میں دیکھا کہ بڑے بڑے پہاڑ گر رہے ہیں۔ لیکن وہ خود سلامت ہیں۔ بیدار ہونے پر خواب مولوی محبوب عالم صاحب کے سامنے بیان کی گئی۔ انہوں نے یہ تعبیر بتائی کہ اسوقت جو بڑے بڑے مخالفین اور سرغنے اور مولوی وغیرہ جو اس علاقہ میں احمدیت کے مخالفین ہیں پہلے مر جائیں گے اور آپ کی عمر اُن سے لمبی ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ سب بڑے بڑے معاند اور اسوقت کے علماء جو اس علاقہ میں رہتے تھے وفات پا گئے۔ اور آپ کی عمر اُن سے لمبی ہوئی۔ میاں حسن محمد تین لڑکے چھوڑ گئے (۱) فیروز دین (۲) عبدالرحمٰن (۳) بشیر احمد۔ بشیر احمد اسوقت خطِ متارکہ کے پار مقبوضہ کشمیر (ہندوستان) میں ہے۔ چوہدری جمعہ اور چوہدری سردار دونوں بھائی بڑی برادری رکھتے تھے اور غیر احمدی والد بھی بڑے اثر و رسوخ والا تھا مگر ان دونوں بھائیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور احمدیت کو پھیلایا۔ ان ابتدائی ایام میں احمدیت کو قبول کرنا۔ مصائب و مشکلات اور مخالفتوں کو دعوت دینا تھا۔ احمدی ہونے پر لوگ بائیکاٹ کرتے تھے۔ پانی بند کر دیتے تھے کہ احمدیوں کو چشموں سے پانی نہ پینے دیا جائے۔ جولاہا۔ ترکھان۔ حجام۔ موچی وغیرہ بھی کام سے بائیکاٹ کرتے تھے۔ اگر کسی احمدی کو کوئی غیر احمدی رشتہ دار اپنی شادی بیاہ کی تقریبات پر دعوت دیتا تو دعوت کھانے کے بعد سب کے سامنے اُن برتنوں کو توڑ دیتے تھے جس میں احمدی نے کھانا کھایا ہوتا تھا۔ گھراٹ پر گھراٹی دانے بھی نہیں پیسنے دیتے تھے۔ مگر ان دونوں بھائیوں نے ان سب مصائب و مشکلات کا اولوالعزمی سے مقابلہ کیا اور مخالفین کو شکست دی۔ بھاگی اور رانی کا ذکر گذر گیا جنہوں نے احمدیت قبول کرنے کے بعد مخالفین کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

شاکرہ بی بی

آپ مولوی اللہ دتہ مرحوم متوطن سونا گلی کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ آپ چھجالہ جو اسوقت خط متارکہ جنگ کے پار آ چکا ہے اسکے ایک مشہور خاندان چوہدری رحمت اللہ نمبردار چھجلہ کی ہمشیرہ تھیں۔ آپ نیک اور مخلص احمدی تھیں۔ تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور علمائے سلسلہ اور احمدیوں سے دلی محبت رکھتی تھیں۔ مبلغین جو اس علاقہ میں متعین ہو کر آتے تھے وہ اکثر انکے ہاں ہی ٹھہرتے تھے۔ اور کئی کئی ماہ تک فراخ دلی سے حق مہمان نوازی ادا کرتی رہتی تھیں۔ نہایت ہی فیاض اور وسیع القلب تھیں۔

اس زمانہ میں قادیان جانے کے لئے پیدل سفر اختیار کرنا پڑتا تھا۔ آپ گوئی سے پیدل چل کر دو دفعہ جہلم تک پہنچکر قادیان جلسہ سالانہ پر بھی گئیں۔ تحریری بیعت پہلے آپ نے خلافتِ اولیٰ کے زمانہ میں ہی کر لی تھی۔ لیکن خلافتِ ثانیہ کے دَور میں قادیان جاکر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے بھی تجدید بیعت کی۔ آپ نے تقریباً پچاس سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور سوناگلی میں اپنے خاندانی قبرستان میں مدفون ہیں۔

مسماۃ جھنی

مسماۃ جھنی چوہدری حیات بخش صاحب مرحوم کی دختر اور مولوی اللہ دتہ مرحوم کی ہمشیرہ تھیں۔ نہایت مخلص احمدی تھیں۔ اور تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے تبلیغ کرنے کا شوق رکھتی تھیں۔ آپ چوہدری پیر بخش صاحب کی اہلیہ تھیں جو پہلے غیر احمدی اور نہایت ہی سادہ مزاج تھے۔ وہ انہی کی کوشش اور تبلیغ سے احمدی ہوئے۔ پابندِ صوم و صلوٰۃ تھیں۔ تقریباً پچاس سال کی عمر میں وفات پائی۔ اُن کے بطن سے پانچ لڑکے۔ اللہ دتہ، عبدالکریم احمد دین۔ محمد صدیق اور عیسیٰ خان ہیں۔

چوہدری بقا محمد عرف بھگا

آپ چوہدری گدی مرحوم کے بیٹے ہیں۔ جب مولوی محبوب عالم رضی اللہ عنہ بیعت کر کے قادیان سے واپس آئے تو ان کی تبلیغ سے یہ بھی احمدی ہوئے۔ اور تحریری بیعت لکھ دی مگر خود جاکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا موقعہ نہیں ملا یہاں تک کہ حضورؑ وفات پا گئے۔ خلافتِ اولیٰ کے زمانہ میں مولوی اللہ دتہ مرحوم مولوی محبوب عالمؓ کے ہمراہ قادیان چلے گئے اور بیعت کر لی۔ واپس آئے تو لوگ شدید مخالف ہو گئے۔ اور اُن کے معاملات لین دین۔ رشتہ ناطہ۔ نائی ترکھان موچی اور کمہار وغیرہ کے سلسلہ میں بائیکاٹ کیا۔ مگر رفتہ رفتہ انہوں نے جب دیکھا کہ احمدیوں کے عقائد اور ان کے عقائد میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ انہوں نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امام مہدی علیہ السلام کی بیعت کی ہے تو اُن کی بائیکاٹ ختم ہو گئی۔ ان کا بیان ہے کہ مَیں نے خواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا۔ اُن کے ساتھ بڑی جماعت تھی اور لوگ کہتے تھے کہ یہی امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ اس خواب سے بھی اطمینان قلب حاصل ہوا۔ آپ نیک مخلص اور شجاع تھے بچوں کے درس و تدریس کا کام بھی کرتے رہے۔ اور مرکزی مبلغین اور احمدیوں سے انہیں خاص محبت رہتی تھی۔ گو ابتدا میں مالی حالات کمزور تھے۔ مگر اس کے بعد احمدیت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حالات سدھار دیئے اور بہتر بنائے۔ مالی تحریکات میں بھی حسب حیثیت حصہ لیتے

رہے۔ مبلغین کو بُلا کر گھر میں تبلیغی مجالس قائم کرتے اور تبلیغ کرواتے رہے۔ مخالفین سے مقابلہ ہوتا تو آپ ڈٹ کر بہادری سے مقابلہ کرتے اور سب پر غالب رہتے لوگ ان سے اکثر دبتے رہتے تھے۔ آغاز ۱۹۷۰ء میں وفات پا گئے۔ اولاد یہ ہے :- (۱) غلام محمد جو فوت ہو گئے ہیں۔ (۲) محمد عبداللہ۔ احمد دین۔ عبداللطیف۔ محمد سلیمان۔ ان کے علاوہ ایک لڑکی ہے۔

چوہدری سخی محمد صاحب

آپ بھی چوہدری گدی مرحوم کے بیٹے ہیں۔ علاقہ میں اپنوں اور بیگانوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ باوجود اَن پڑھ ہونے کے لوگوں کے جھگڑے اور تنازعات نپٹانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اس علاقہ میں ایک مشہور پہلوان تھے اور ان کے خاندان میں اکثر افراد فن پہلوانی میں ماہر رہے ہیں۔ میلوں، دنگلوں اور سرکاری نمائشوں میں شامل ہو کر کُشتیاں لڑتے رہے۔ اور اپنے حریف کو پچھاڑتے رہے۔ ڈوگرہ عہد میں عوام اور حکام تک آپ کو جانتے تھے۔ خلیق اور شجاع ہیں۔ آپکے تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں۔ بیٹے یہ ہیں :- محمد یوسف۔ محمد اسلم۔ محمد اشرف۔

کیپٹن چوہدری جمال الدین صاحب

۲۱ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو مولوی اللہ دتہ صاحب کے ہاں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے قرآن کریم با ترجمہ پڑھا۔ اور پھر سکول گوئی میں داخل ہوئے۔ پرائمری تک تعلیم حاصل کر کے مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخل ہوئے۔ اور درجہ ثالثہ تک تعلیم حاصل کی اور ۱۹۳۹ء میں فوج میں بطور سپاہی بھرتی ہوئے۔ ۱۹۴۰-۴۵ء کی جنگ اور فرنٹیئر وار میں حصہ لیا۔ پھر برما محاذ پر ۵ ڈویژن میں شامل ہو کر ۱۹۴۸ء کے آخر تک فوجی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۷ء میں جب ڈوگرہ حکومت نے مسلمانوں کا قتل و غارت شروع کر دیا اور کانگریس کے ساتھ ساز باز کر کے مہاراجہ کشمیر نے مسلمانوں کو مٹانے کا منصوبہ بنایا تو اُسوقت خواجہ غلام نبی گلکار صاحب انور۔ ڈاکٹر بشیر محمود صاحب، مولوی عبدالغفار صاحب نے مل کر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی ہدایات کے تحت آزاد کشمیر کی متوازی حکومت کے قیام کی منصوبہ بندی کی اور اس سلسلہ میں کارونیشن ہوٹل سرینگر میں جو اجلاس ہوتے رہے اُن میں آپ نے بھی حصہ لیا

۱۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء آزادی کشمیر کے لئے مسلح جنگ شروع ہوئی اس اثناء میں آزادی کی جدوجہد کے سلسلے میں بہت سے افراد کو ڈوگرہ حکومت نے گرفتار کر لیا اور قید خانہ میں ڈال دیا۔ اُن قیدیوں میں آپ بھی تھے۔ آپ کے بھائی صوبیدار غلام دین بھی آپ کے ساتھ تھے تاہم آپ صرف دو دن قید رہ کر باہر نکل آئے۔ آپ بارہ مولا میں آزاد فوج میں جو مسلح جنگ آزادی کشمیر کے لئے لڑ رہی تھی

شامل ہوئے۔ علاوہ چھتہ بل اور ہوائی میدان تک کے تمام معرکوں میں آزاد فوج میں نمایاں کردار ادا کیا۔ مہاراجہ کشمیر نے جب فوجی امداد منگوا کر آزاد فوجوں کا مقابلہ کیا تو آزاد فوج کو جو تعداد میں بالکل تھوڑی تھی۔ مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا۔ آپ نے اوڑی محاذ پر جنرل اکبر کی قیادت میں دشمن کو روکنے میں نمایاں حصہ لیا۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں ایک نئی بٹالین بمعاونت کرنل شیر محمد صاحب کھڑی کی اور ہتھیار لیکر محاذ ریاسی اور راجوری کے معرکوں میں سرگرم حصہ لیا۔ مختلف محاذات پر شاندار خدمات کیں اور بہادری کے جوہر دکھانے کے صلہ میں آپ نے شیر جنگ کا اعزاز (جو کہ ملٹری کراس) کے قائم مقام تھا آزاد حکومت سے حاصل کیا۔ اور کافی نقد انعام بھی حکومت کی طرف سے دیا گیا۔ آپ ترقی کرتے کرتے کیپٹن کے عہدہ تک پہنچے اور تمام امتحانات جو ضروری تھے فوج میں پاس کر لئے۔ ۱۹۴۹ء کے بعد آپ نے ۱۹۵۶ء تک مختلف محاذوں پر سرحد کشمیر کی حفاظت میں نمایاں حصہ لیا۔ آپ نے کئی احباب کو قرآن کریم کا ترجمہ پڑھایا۔ اور کئی افراد آپ کے ذریعہ احمدی ہوئے[ع]۔ آپ جماعتہائے احمدیہ آزاد کشمیر کے نائب امیر بھی رہے۔ آزاد کشمیر کی جماعتوں کی طرف سے آپ بطور نمائندہ مجلس مشاورت ربوہ میں بھی شریک ہوتے رہے۔ اور مجلس مشاورت کی سب کمیٹیوں میں بھی آپ جماعتہائے آزاد کشمیر کی طرف سے بحیثیت نمائندہ حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۶۷ء کے بنیادی جمہوریتوں کے انتخاب میں علاقہ کے عوام کا تعاون آپ کو حاصل رہا۔ انتخابات جیت کر یونین کونسل گوئی کے چیئرمین منتخب ہو گئے۔

درہ شیر خان میں احمدیت

درہ شیر خان میں اوائل میں جو احمدی ہوئے یہ ہیں۔ میاں راجو ولد بہادل خان۔ نواب خان ولد صوبہ خان۔ میاں رودا ولد سدیان میاں فقیرا ولد سدیاں۔ رستم خان ولد دیوان خان۔ بگا خان ولد فیض اللہ خان پسران گاما خان۔ غلام علی ولد غریبو خان۔ حشمت خان ولد فضل خان۔ محبت علی خان ولد امام بخش خان۔ پیر بخش ولد امام بخش خان۔ انہوں نے بذریعہ خط زمانہ مسیح موعود علیہ السلام میں ہی بیعت کی تھی۔ یہ سب مولوی محبوب عالم صاحب[ؓ] کے شاگرد تھے۔ جب انہوں نے پیغام حق پہنچایا تو بیعت لکھ دی۔ پیر بخش و نتھو پسران مقدم سدیاں قوم بانی راجپوت نے بھی معہ بیویوں کے اسی زمانہ میں بیعت کی تھی۔ یہ سب نیک اور احمدیت کے شیدائی تھے اور بڑی بڑی مشکلات برداشت کر کے احمدیت پھیلاتے رہے۔ تاریخ اقوام پونچھ میں منشی محمد دین فوق نے درہ شیر خان کے جن مشہور اور بڑے لوگوں کا ذکر کیا ہے اُن میں میاں فیروز الدین احمدی، نواب علی خان بیوپاری اور محبت علی خان[ؓ] کا نام بھی ہے۔

[ؓ] تاریخ اقوام پونچھ ص ۳۳۹ [ع] کیپٹن راجہ محمد افضل خان ساکن پنجیڑی حال موضع کیلن الٰہی کے ذریعہ احمدی ہوئے۔

جب یہاں احمدیت پھیلنے اور بیدار ہونے لگی تو مذہبی طبقہ اور نمبردار اور قدیم سرمایہ دار اس بیداری کو دیکھکر چونک پڑے۔ چنانچہ یہاں کے نمبردار سردار علی اکبر وغیرہ نے بیرونِ کشمیر سے بڑے بڑے علماء منگوائے تاکہ احمدی علماء سے مباحثہ کرایا جائے۔ یہ علماء جہلم (پنجاب) سے مذہبی کتب کے انبار کئی خچروں پر لاد کر یہاں پہنچے۔ اِن علماء میں اہل سنّت، اہل حدیث اور شیعہ علماء شامل تھے۔ چھاتی کے مقام پر فریقین کے کیمپ قائم ہوئے۔ مولوی غلام محی الدین ساکن اینٹی تحصیل کوٹلی غیر از جماعت لوگوں کی جانب سے اور مولوی عبدالغنی ساکن سلواہ تحصیل مینڈھر (پونچھ) احمدیوں کی جانب سے مناظر پیش ہوئے۔ یہ مناظرہ تین دن تک جاری رہا۔ احمدی ابھی تھوڑے تھے اس لئے اس میں غیر احمدیوں نے اپنی کثرت کے گھمنڈ میں شور و غوغا بہت کیا۔ مگر جیسا کہ اس زمانہ کے اُن لوگوں کا بیان ہے جو اپنے علماء کے بیجا شور و غوغا اور احمدی علماء کے برجستہ دلائل سے متاثر ہو کر احمدی ہو گئے تھے۔ غیر از جماعت علماء قرآن و احادیث کے دلائل میں احمدی علماء کا مقابلہ نہ کر سکے۔ شور و غوغا کی وجہ سے اگرچہ یہ مناظرہ بغیر فیصلہ کے ختم ہو گیا مگر چند اور لوگ متاثر ہو کر احمدی ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء سے قبل غالباً ۱۹۴۱ء/۱۹۴۲ء میں ایک اور مناظرہ یہاں ہوا جس میں پنجاب سے مولوی لال حسین اختر بلائے گئے تھے۔ مولوی غلام محی الدین اینٹی بھی شامل ہوئے۔ احمدیوں کی جانب سے مولوی محمد حسین صاحب مناظر قرار پائے۔ مگر پہلے ہی اجلاس میں غیر از جماعت لوگوں نے خشت باری شروع کی اور لوگوں کو قرآن و حدیث کے دلائل سُننے کا موقعہ ہی نہیں دیا۔ اسلئے یہ مناظرہ بھی بغیر فیصلہ کے ختم ہو گیا اور پھر دوبارہ کوئی جلسہ نہ ہو سکا۔

جب تاریخ احمدیت کشمیر کی اشاعت کا اعلان خاکسار کی طرف سے ہوا تو ایک غیر از جماعت صاحب قلم منشی علی اکبر خانصاحب پونچھی مقیم گوجر خان نے بھی جو انسان دوست واقفکار اور تاریخی حالات سے دلچسپی رکھتے تھے خاکسار کو بعض احمدیوں کے حالات میں مکتوبات لکھے۔ وہ اپنے ایک مکتوب میں میاں فیروز الدین مرحوم عرف کھوجو خان دُدّی (درہ شیرخان) کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دُدّی مغل قبیلہ کا ایک شخص تھا جسے مرزا صاحب کی منظوم کتاب درثمین حفظ تھی اور ہر وقت محفلوں میں پڑھتا رہتا۔ پہاڑوں پر چڑھ کر باواز بلند پڑھتا۔ خوش الحان تھا اور عوام کو مخاطب کرتا تھا۔ انقلاب ۱۹۳۱ء جو ۱۹۴۷ء کے انقلاب کا پیش خیمہ تھا اُس میں بھی میاں کھوجو خان نے عوام میں بیداری پیدا کی تھی کیونکہ وہ مجرّد اور سیلانی مزاج آدمی تھا۔ ہمیشہ گشت پر رہتا۔ اور ہر وقت مرزا صاحب کی اشعار والی کتاب "درثمین" پڑھتا رہتا۔ اس سے سُن سُن کر

کوٹلی آزاد کشمیر سے گلگت تبادلہ کے وقت خاکسار کے ساتھ بعض احباب جماعت کا الوداعی گروپ فوٹو۔ احباب خاکسار کو پھولوں کے ہار پہنا کر الوداع کہہ رہے ہیں
کھڑے دائیں سے بائیں۔ مکرم منشی فیروزالدین صاحب (۲) مکرم علمدین صاحب مغل
(۳) مکرم ناصر احمد مسعود صاحب (۴) مکرم چوہدری علمدین صاحب ایڈوکیٹ
(۵) مکرم مولوی محمد حسین صاحب (۶) خاکسار محمد اسداللہ قریشی (ہار پہنے ہوئے)
(۷) مکرم محمد صدیق صاحب (۸) مکرم عبدالصمد صاحب (۹) مکرم محمد حسین صاحب
(۱۰) مکرم عبداللطیف صاحب (۱۱) مکرم اکرم دین صاحب (۱۲) مکرم عبدالرحمان صاحب (۱۳) مکرم ظہور احمد صاحب (۱۴) مکرم محمد دین صاحب۔
بیٹھے ہوئے۔ (۱۵) مکرم محمود صاحب بزاز (۱۶) مکرم ولی الدین صاحب (۱۷) مکرم عبدالقیوم ڈھوکھر صاحب (۱۸) مکرم سید محمد صاحب (۱۹) مکرم محمد رفیق مغل صاحب

جماعت احمدیہ چکار (مظفر آباد) کے بعض احباب صفحہ ۲۶۵
بائیں سے دائیں کھڑے (۱و۲ ؟) (۳) محمد حسین خان (۴-۵ و ۶ ؟) (۷) غلام محمد بلتستانی
(۸) علی بہادر قریشی (۹) نذیر احمد صفحہ ۲۵۸ (۱۰) ؟ (۱۱) حکیم محمد سعید

مکرم چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب احمدی احباب کے ساتھ ۱۹۶۸ء میں مظفر آباد آزاد کشمیر کے دورہ کے موقعہ پر صفحہ ۲۰۲

بائیں سے دائیں کھڑے - (۱) مکرم علی بہادر قریشی (۲) ؟ (۳) مکرم سید ناصر شاہ (گھنڈی پیراں وادی نیلم) (۴-؟) (۵) مکرم عطاءالکریم شاھد مربی سلسلہ (۶ و ۷ ؟) (۸) مکرم چودھری محمد ظفراللہ خان صاحب (۹-؟) (۱۰) نذیر احمد (۱۱) ایم اے فاروق (ایڈوکیٹ) (۱۲) مکرم راجہ عطاءاللہ خان (۱۳-؟) وغیرہم

راجہ عطاءاللہ خان (صدر) صفحہ ۲۰۱

قاضی محمد بشیر (گنی پھگواڑی)
تحصیل کوٹلی آزاد کشمیر

مجھے بہت سے اشعار یاد ہو گئے تھے۔ جواب حافظہ میں دفن ہو گئے۔ وہ تمام عمر تارک الدنیا رہا اور جماعت کی خدمت کرتا رہا۔ حلیم الطبع، عاجز مزاج اور بے ضرر انسان تھا۔[1]

ایک ایمان افروز واقعہ بعض سرکردہ مخالفین ہمیشہ احمدیوں کو نہ صرف کار بیگار اور بناوٹی مقدمات میں پھنساتے تھے بلکہ ان کے خلاف ہرزہ سرائی اور حقارت آمیز پروپیگنڈہ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ میاں راجو (احمدی) کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ جب وہ وفات پا گئے۔ تو مخالفوں نے مشہور کیا کہ دفنانے کے وقت اُن کی شکل ہم نے دیکھی تو بگڑ گئی تھی۔ کچھ عرصہ بعد میاں راجو (احمدی) کے رشتہ داروں فیروز الدین وغیرہ نے مرحوم کا مقبرہ ٹھیک کروانے کا ارادہ کیا تو قبر کو اکھیڑ کر میاں راجو کی نعش کو باہر نکالا اور چہرہ سے کفن کھول کر اس کی شکل دیکھی تو حلیہ بالکل ٹھیک ٹھاک، شکل صحیح وسالم اور چہرہ نورانی تھا۔ اور کسی قسم کے موسمی یا ارضی تغیر نے بھی نعش کو متأثر نہیں کیا تھا۔ اس موقعہ پر مخالفین کو بھی اطلاع دے دی گئی کہ آ جائیں اور میاں راجو مرحوم کی شکل دیکھ کر تسلی کر لیں۔ مخالفین آ گئے اور مرحوم کا چہرہ بغور ملاحظہ کیا اور اسے صحیح وسالم اور نورانی چہرہ پایا۔ جس پر وہ بہت شرمندہ ہوئے اور آئندہ کے لئے ان کا منہ بند ہو گیا۔

اِس کے بعد درہ شیر خان میں احمدیت کو ترقی ملتی گئی یہاں تک کہ اِس وقت وہاں احمدیوں کی کافی تعداد موجود ہے۔ میاں راجو تہجد گذار عابد انسان تھا۔ پنجوقتہ اذان اپنے مکان پر دیتا تھا۔ اور وہیں نماز پڑھتا تھا۔ جمعہ کی نماز گوئی یا سونا گلی میں جاکر پڑھتے تھے مگر جب درہ شیر خان میں مسجد بن گئی تو یہاں ہی جمعہ پڑھنے لگے۔ میاں راجو مرحوم عمر بھر لوگوں کو بغیر اجرت کے پڑھاتے رہے اور لوگوں میں کافی علمی بیداری پیدا کی۔ اکثر جو بھی درہ شیر خان میں علمی قابلیت رکھتا ہے وہ انہی کے درس وتدریس کا نتیجہ ہے۔ میاں فقیر ابھی موہڑہ تونجہ (درہ شیر خان) میں پڑھاتے رہے اور کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ ان کے شاگرد اب تک موجود ہیں۔ اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ درہ شیر خان میں جو بھی علمی بیداری پیدا ہوئی وہ احمدیوں کی ہی مرہونِ منت تھی۔ اور اس علاقہ پر ان کا یہ احسان ناقابلِ فراموش ہے۔ کیونکہ وہ ایسا زمانہ تھا جبکہ تعلیم وتدریس کا کوئی بندوبست نہ تھا اور انتہائی علمی پسماندگی پائی جاتی تھی ان حالات میں انہوں نے علمی خدمات سر انجام دیں۔

---

[1] مکتوب منشی علی اکبر خان پونچھی (غیر احمدی) از گوجر خان ۸ 2/62 بنام خاکسار راقم الحروف۔

میاں راجو کی اولاد یہ ہے۔ احمد دین۔ عبداللہ۔ دین محمد۔ نکا خاں۔

اس وقت مولوی فقیر محمد صاحب جماعتی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہ پہلے موضع بھاک (درہ شیر خان) میں رہتے تھے۔ جب احمدی ہوئے تو بھائیوں نے گھر سے نکال دیا۔ مگر انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ اور موضع تونجر (درہ شیر خان) میں تقریباً بھاک سے اڑھائی میل کے فاصلہ پر علیحدہ مکان بنا کر رہنے لگے۔ ۱۹۶۵ء میں انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض درہ شیر خان میں اترے ہیں اور اسے بشارت دے رہے ہیں۔ اس خواب سے انہیں بڑا اطمینان حاصل ہوا۔ وہ پہلے چاروں طرف سے مخالفین و معاندین میں گھرے ہوئے تھے۔ اس اثناء میں مقبوضہ کشمیر سے ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں تارکین وطن درہ میں آئے تو مولوی صاحب بڑے خوش ہوئے۔ ان کی خاطرداری کی اور اپنی زمین میں مسجد کے لئے زمین پیش کر دی تعمیر مسجد سے پہلے انہوں نے اپنے مکان کا حجرہ نماز باجماعت کے لئے مخصوص کیا تھا۔ ۱۹۶۹ء میں انہیں کی زمین میں مسجد احمدیہ بھی تعمیر ہو چکی ہے۔ جب کہ جلسہ کے لئے مولوی منظور احمد چنیوٹی پنجاب سے یہاں بلائے گئے تھے ان کے مشورہ پر یہ منصوبہ تیار ہوا تھا کہ اس مسجد کو جس کا نام اس وقت درسگاہ رکھا گیا تھا گرا دیا جائے۔ مگر یہ منصوبہ پورا نہ ہو سکا۔ اور بفضلہ تعالیٰ مسجد تعمیر ہو کر پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔

میاں محمد صدیق بھی زمانہ مسیح موعود علیہ السلام میں احمدی ہوئے تھے اصل باشندے سمروڑ تحصیل کوٹلی کے تھے۔ درہ شیر خان میں بھی رہائش اختیار کر لی تھی۔ نہایت مخلص۔ پرہیزگار اور تبلیغ کا جوش رکھنے والے تھے۔ درزی کا کام کرتے تھے اور ہر جگہ جہاں جاتے مشین ہمراہ لیجا کر تبلیغ کرتے تھے۔ عالم تھے، قرآن شریف کے حافظ تھے۔ درثمین سے اشعار بھی سنایا کرتے تھے۔ سمروڑ میں ہی بیمار ہو کر وفات پا گئے۔ لال دین ولد کالو (درہ شیر خان) نے میاں محمد صدیق صاحب ہی کے ذریعے سے بیعت کی تھی۔

۱۹۴۷ء کے انقلاب کے وقت جماعت کا رابطہ اپنے مرکز قادیان سے پوری طرح قائم نہ رہ سکا اور ۱۹۶۴ء تک قریباً ایسے ہی حالات موجود رہے۔ کیونکہ خط متارکہ جنگ کے آر پار دونوں حکومتوں کی کڑی نگرانی ہوتی تھی۔ اور اِدھر اُدھر جانے والوں کو شکوک و شبہات کی نظروں سے دیکھا جاتا اور انہیں خواہ مخواہ سختیوں کا نشانہ بنایا جاتا تھا اور اس موقعہ سے مقامی سرمایہ دار اور احمدیت کے معاندین مذہبی تعصب کی وجہ سے احمدیوں کی شکائتیں کر کر کے

پرانے انتقام لیتے اور غلط فائدہ اٹھاتے۔

۱۹۶۵ء میں پاک وہند جنگ میں مقبوضہ علاقہ کے لوگوں کو وطن چھوڑنا پڑا اور تارکین وطن کے لئے آزاد کشمیر میں کیمپ قائم ہوئے۔ جب درہ شیر خاں کی جماعت آزاد علاقہ میں منتقل ہو کر آئی تو انہوں نے دارالہجرت ربوہ ضلع جھنگ (پاکستان) سے رابطہ قائم کر لیا۔ مرکز سے پہلے خاکسار راقم الحروف کا دورہ ہوا۔ اور پھر دوسرے معلمین یہاں آئے جن کے ذریعہ ذیلی مجالس قائم ہوئیں۔ جیسے انصار اللہ۔ خدام الاحمدیہ۔ اطفال الاحمدیہ۔ لجنہ اماء اللہ اور ناصرات الاحمدیہ اور جماعت ترقی کے راستہ پر گامزن ہوئی۔

غیر از جماعت مقامی لوگ ہر سال پنجاب سے مولوی منظور احمد چنیوٹی کو بلاتے اور بعض دفعہ سوشل بائیکاٹ کی تحریکیں چلاتے رہے۔ مگر اُن کی یہ کوششیں اکارت گئیں۔ مقامی سرمایہ دار جنہوں نے قدیم سے غرباء کو محکوم و مرعوب کر رکھا ہے نہیں چاہتے کہ علاقہ میں تعلیم پھیلے لوگ مذہب کی حقیقت کو سمجھیں اور اُن میں بیداری پیدا ہو۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ایسا ہوا تو لوگ ان کی غلامی اور دائرہ اقتدار سے باہر چلے جاتے ہیں۔ چونکہ احمدیت کی وجہ سے لوگوں میں بیداری پیدا ہوتی ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ لوگ سارے احمدی ہو گئے تو انکی سرداری اور کھڑپینچی باقی نہیں رہے گی۔ اس لئے آئے دن وہ احمدیوں کو دبانے اور مقدمات و مشکلات میں پھنسانے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ علاقہ میں کسی کے ہاں چوری ہوئی یا قتل کا کوئی کیس ہوا تو احمدیوں کو صرف مذہبی تعصب کی وجہ سے خواہ مخواہ ملوث کیا جاتا ہے۔ احمدی اپنی حکومت اور حکام کے خیر خواہ ہوتے ہیں اور حکومت سے تعاون کرنے کو مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں اس لئے معاندین جب سرکاری حکام کے ہاں انکے خلاف جاسوسی وغیرہ قسم کی شکائیتیں کرتے ہیں اور حکام کو انکا پس منظر معلوم ہو جاتا ہے (سوائے اسکے کہ کوئی حاکم خود فرقہ دارانہ نفرت و تعصب رکھتا ہو) تو یہ شکائیتیں اکثر بے کار جاتی ہیں۔

بھاگی اور رانی دو دلیر احمدی عورتیں

مسماۃ بھاگی اور مسماۃ رانی جو پیر بخش اور نتھو قوم گوجر کی بیوہاں تھیں بڑی مخلص اور شیر دل عورتیں تھیں۔ انہوں نے بڑی بہادری سے مخالفتوں کا آخری دم تک ہر طرح مقابلہ کیا ایک دفعہ ان پر مخالفین نے قتل کا جھوٹا مقدمہ بنایا اور جب پولیس ان کے گھر تفتیش کیلئے آئی تھی تو وہ جرأت مندی کے ساتھ نکل کر اصل حقیقت کہتیں اور جواب دیتی تھیں کہ مجرمین نے

اپنے مجرم پر پردہ ڈالتے ہوئے صرف احمدیت کی وجہ سے ہم پر قتل کا جھوٹا الزام لگا کر مقدمہ میں پھنسانے کی سازش کی ہے۔ آپ ہمارے گھروں میں بے جا طور پر داخل نہ ہوں۔ جب پولیس والوں کو اصل حالات کا علم ہو گیا تو انہوں نے تعاقب چھوڑ دیا۔ اور مخالفین کی سازش ناکام ہو گئی۔

دونوں عورتیں مہمان نواز تھیں اور مبلغین سلسلہ کو اپنے خرچ پر بلوا کر تبلیغ کرواتیں۔ اور دینی باتیں سنتیں۔ وہ جمعہ باجماعت بھی اپنے گھروں میں کراتی رہی ہیں۔ یکے بعد دیگرے وفات پا گئیں۔ اور موہڑہ کنڈی (درہ شیر خان) میں مدفون ہیں۔ پابند صوم وصلوٰۃ اور تہجد گذار تھیں۔

مسماۃ لکھو زوجہ روڑا خان نے بھی اپنے خاوند کی زندگی میں بیعت کی اور تکلیفیں برداشت کیں اور خاوند کی وفات کے بعد بھی اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کی اور سلسلہ کی خدمت کرتی رہیں۔ مئی ۱۹۷۲ء میں فوت ہو گئیں۔ روڑا خان کے چار بیٹے تھے۔ چاروں وفات پا چکے ہیں ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) فضل دین۔ وفات ۱۹۴۷ء (۲) کاکا خان وفات اغلباً ۱۹۵۸ء (۳) محمد عبد اللہ وفات ۱۹۶۵ء (۴) نجم الدین وفات ۱۹۶۶ء۔ مؤخر الذکر دونوں ۱۹۶۵ء کی جنگ میں آزاد کشمیر فوجوں کے ساتھ رضا کارانہ خدمات کر رہے تھے۔ جہاں زخمی ہو کر ملٹری ہسپتال میں وفات پا گئے۔

لکھو زوجہ حشمت خان قوم کھٹانہ راجپوت بھی نیک بی بی تھی۔ میاں فیروز الدین صاحب کو گھر بلوا کر بڑے شوق سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم کلام درثمین سے سنا کرتی تھیں اور ان کی بڑی خدمت کرتی تھیں۔ اپنے بچوں کو قرآن مجید خود پڑھایا اور ان کی تربیت کرتی رہیں۔ خود بھی قرآن مجید سے محبت رکھتی تھیں۔

نواب خان کی زوجہ حاکم بی بی بھی نیک اور جماعت کی معاون رہی ہے۔

رضیہ بیگم دختر میاں فیروز الدین صاحب زوجہ فقیر محمد صاحب بھی نیک اور خدمتگار بی بی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جہاں جہاں احمدی مرد پیغام حق قبول کرنے کی پاداش میں لوگوں کے وحشیانہ ظلم و ستم اور جابرانہ سلوک کا نشانہ بنتے رہے وہاں ان کی عورتیں اور بال بچے بھی یکساں طور پر متاثر ہوتے رہے۔ پس ایک طرف سے تو قیامت کے دن یہ سب مظلوم اپنی اپنی داد رسی چاہنے کے حقدار ہونگے دوسری طرف سے سب جابر و ظالم لوگ خدا کے سامنے اپنے بیجا ظلم و جبر کی کارروائیوں کے لئے جواب دہی کے ذمہ دار ہونگے۔ کیونکہ یہ بندوں کے حقوق اور حق تلفیوں کا معاملہ ہے۔ جب تک بندے معاف نہیں کریں گے اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں کرے گا۔

باب ہشتم

علاقہ میرپور۔ بھمبر اور انکے ملحقات میں احمدیت

میرپور آزاد کشمیر کا مشہور ضلع ہے۔ آزاد کشمیر میں یہ بھی نسبتاً زیادہ آباد علاقہ ہے۔ کوٹلی اور بھمبر اس کی تحصیلیں ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے بعد پرانے میرپور کی جگہ حکومت پاکستان نے "منگلا ڈیم" بنایا ہے اور اس کی آبادی کو اس مقام سے غالباً پانچ چھ میل کے فاصلہ پر منتقل کر کے آباد کیا گیا ہے۔ راولپنڈی اور جہلم سے قریب ہونے اور نئی آبادی کی وجہ سے اب یہ بڑے شہر کی صورت اختیار کر گیا ہے۔

"الفضل" میں شائع شدہ فہرست مبائعین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں محمد صدیق صاحب اور چراغ دین صاحب نے ۱۹۲۴ء میں بیعت کی تھی۔ سید کرم علی شاہ ا براٹلہ والے بھی کچھ عرصہ یہاں رہے جن کا ذکر آگے آئیگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تین سو تیرہ اصحاب میں حضرت صوفی نبی بخش صاحبؓ کا نام ملتا ہے ان کے بعض رشتہ داروں کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ میرپور میں ۱۸۶۳ء میں پیدا ہوئے اور قیام راولپنڈی کے دوران جہاں تعلیم حاصل کر کے وہ ریلوے میں ہیڈ کلرک بھرتی ہو گئے تھے۔ ۱۸۹۱ء میں لدھیانہ جا کر بیعت کی تھی۔ انکے حالات صحابہ کے باب میں گذر چکے ہیں۔ اس کے بعد میرپور میں بیرون کشمیر کے احمدی ملازمین اکثر کام کرتے رہے۔ ان کے ذریعہ تنظیمیں قائم ہوئیں اور خدام الاحمدیہ۔ انصار اللہ اور لجنہ اماء اللہ کی ذیلی تنظیمیں بھی قائم ہوتی رہیں۔ تقسیم ہند کے بعد جب ۱۹۴۷ء میں آزاد کشمیر کی حکومت قائم ہوئی اور میرپور کے پاس منگلا ڈیم کی وسیع پیمانہ پر تعمیر شروع ہو گئی تو اس دوران بھی پنجاب وغیرہ سے احمدی ملازمین آئے اور تنظیمیں قائم ہوئیں۔ اور کام جاری رہا۔

۱۹۳۱ء کی تحریک آزادی کشمیر کے دوران جبکہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد رضی اللہ عنہ (امام جماعت احمدیہ) آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر رہتے میرپور اور اس کے علاقوں میں جماعت احمدیہ کے ممبروں۔ وکلاء اور دیگر نمائندگان آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے بڑی سیاسی و قانونی خدمات انجام دی ہیں۔ ڈوگرہ حکومت کے ظالم حکام نے اہل میرپور پر گولیاں برسائیں گرفتاریاں ہوئیں

اُن کے مال مویشی قرق کر دیئے گئے اور انہیں سخت تکلیف اور اذیت پہنچائی۔ اس وقت امام جماعت احمدیہ نے اہالیان میرپور کی جو قانونی امداد بہم پہنچائی اور اپنے وکلاء اور نمائندوں کے ذریعہ اسیران و مہاجرین میرپور کی جو خدمت کی اُسے آج تک لوگ یاد کر رہے ہیں جماعت احمدیہ کی سیاسی و قانونی خدمات کی تفصیل بیان کرنے کے لئے جو اس نے ریاست جموں و کشمیر میں اُس وقت انجام دی ہیں جب کہ کوئی آگے آنے والا نہ تھا ایک کتاب چاہیئے مگر اس تاریخ میں چونکہ جماعت کی صرف مذہبی خدمات بیان کرنا مطلوب ہیں اسلئے صرف اشارہ پر ہی اکتفا کی ہے[۱]

کیپٹن ڈاکٹر محمد الدین مرحوم

کیپٹن ڈاکٹر محمد الدین صاحب مرحوم ایک عرصہ تک پرانے میرپور میں ڈاکٹر کی حیثیت سے طبی خدمات انجام دیتے رہے۔

آپ ماسٹر خیر الدین صاحب مرحوم سابق نائب ناظر تعلیم قادیان کے چھوٹے بھائی تھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم قادیان میں حاصل کی۔ دوران طالب علمی کے زمانہ میں بیعت کی۔ ۱۹۲۹ء میں میڈیکل سکول امرتسر میں سرکاری ملازمت کرتے رہے۔ اور اس عرصہ میں بالترتیب جنرل سکرٹری اور امیر جماعت سیالکوٹ کے عہدوں پر فائز رہے۔ بعد ازاں ۱۹۴۷ء تک لاہور میونسپل کارپوریشن میں ملازم رہے۔ ستمبر ۱۹۴۷ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی تعمیل میں ڈاکٹر صاحب موصوف رخصت لے کر کشمیر کے لوگوں کی خدمت کے لئے گجرات میں کام کرتے رہے۔ اسی سال دسمبر میں لاہور میونسپل کارپوریشن سے مستعفی ہو کر آزاد کشمیر کی فوج میں ملازم ہو گئے۔ فوج کی ملازمت کے دوران میرپور۔ پونچھ اور تراڑکھل کے محاذوں پر متعین رہے اور کیپٹن کے عہدہ تک ترقی پائی۔ ۱۹۵۲ء میں فوج سے سول میں منتقل ہو گئے۔ اور ضلع میرپور آزاد کشمیر میں کوٹلی۔ ڈڈیال اور بھمبر کے سرکاری ہسپتالوں میں متعین رہے۔ مارچ سن ۱۹۶۰ء میں ملازمت سے ریٹائر ہو کر وفات تک میرپور شہر میں پرائیویٹ پریکٹس کرتے رہے اور ساتھ ہی جماعت احمدیہ میرپور کی صدارت کے فرائض ادا کرتے رہے۔ دسمبر ۱۹۶۴ء میں حکومت پاکستان کی طرف سے مرحوم کو "تمغہ خدمت پاکستان" ملا۔ مرحوم متقی، پرہیزگار اور خلیق انسان تھے۔ سلسلہ کے لئے حقیقی درد رکھنے والے تھے۔ مرحوم موصی تھے اور ۱۹۳۵ء میں وصیت کر کے وفات تک اپنی آمد کا نواں حصہ اشاعت اسلام کے لئے ادا کرتے رہے آخری ایام میں خرابیٔ صحت کی وجہ سے مرحوم نے پریکٹس ختم کر کے واپس اپنے وطن سیالکوٹ جانے کا ارادہ کیا لیکن میرپور کے احمدی اور غیر از جماعت احباب کے اصرار پر اپنا یہ ارادہ ترک کر کے

[۱] تفصیل کیلئے تاریخ احمدیت جلد ششم حصہ دوم کا مطالعہ کرنا مفید ہو گا یا ہماری زیر طبع کتاب "تاریخ جلد چہار آزادیٔ کشمیر" کا انتظار کرنا چاہیئے۔

بدستور یہیں رہنا منظور کر لیا۔ آپ کو امام جماعت سلسلہ احمدیہ اور احباب سے بڑی محبت تھی۔ مالی قربانیوں میں خوب حصہ لیتے۔ سلسلہ کی تمام کتب خرید کر مطالعہ کرتے۔ قائم اللیل صائم النہار اور قرآن کریم کے عاشق تھے۔ خرابیٔ صحت اور عدیم الفرصتی کے باوجود ہر سال باقاعدہ جلسہ سالانہ اور مجلس مشاورت پر مرکز میں چلے جاتے۔ ۱۷ر جنوری ۱۹۶۵ء ساٹھ سال کی عمر میں میرپور آزاد کشمیر ہی میں وفات پا گئے۔ آپ کی نعش میرپور سے سیالکوٹ اور سیالکوٹ سے ربوہ لائی گئی اور مقبرہ بہشتی ربوہ میں دفن ہوئے۔ مرحوم کے پسماندگان میں چار لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ سب سے بڑا لڑکا منیر الدین ایم۔ اے ہے۔ اس سے چھوٹا نعیم الدین، تیسرا مبشر احمد بی۔ اے۔ چوتھا اجمل احمد بی۔ اے ہے۔

قاضی محمد برکت اللہ صاحب حال امریکہ

قاضی محمد برکت اللہ صاحب میرپور کالج میں فارسی کے ہر دلعزیز پروفیسر رہے اور شہر میں آپ کا خاصہ اثر و رسوخ قائم تھا۔ پرائیویٹ اوقات میں آپ نے میرپور میں تبلیغ احمدیت کے سلسلہ میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ آس پاس کے دیہات میں تبلیغ کے لئے صوفی عبدالمجید جنہوں نے یہاں دوکان کھولی ہے کے ہمراہ جایا کرتے۔ جان تک کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اور دونوں تبلیغ کا فریضہ ادا کر کے چلے آتے تھے۔ قاضی صاحب موصوف قائد علاقائی کی حیثیت سے خدمات بجا لاتے تھے۔ اور مظفر آباد کوٹلی اور دیگر مقامات تک کے دورے کرتے رہے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کے میرپور آنے پر آپ نے معززین شہر کو مدعو کیا جن کو موصوف نے خطاب کیا۔ ۱۹۶۷ء میں بھی معززین شہر کو دعوت دی گئی۔ اور ڈاکٹر محمد دین صاحب مرحوم کے مکان پر قریشی محمد حنیف قمر۔ مولوی قمر الدین صاحب انسپکٹر اصلاح وارشاد اور مولوی چراغ الدین صاحب (مربی سلسلہ پشاور) کی تقاریر ہوئیں۔ جس پر بوجہ تعصب اہالیان میرپور نے ڈاکٹر محمد دین صاحب مرحوم سے ایک ہفتہ بھر مسلسل تمدنی بائیکاٹ کیا اور شدید تعصب اور بدسلوکی سے پیش آئے۔

قاضی صاحب موصوف جو لاہور کے قریشی خاندان کے فرد ہیں۔ ۱۹۶۳ء میں ملازمت سے مستعفی ہو کر امریکہ چلے گئے جہاں انہوں نے پے در پے چار امتحان فسٹ ڈویژن میں پاس کر لئے اور آجکل امریکہ کی یونیورسٹی میں بطور ڈین کے مقرر ہیں۔ سلسلہ کے اخبارات و رسائل میں آپ کے مضامین بھی وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہو،

چوہدری ایم حبیب اللہ بھی میرپور میں بطور انجنیئر کے کام کر رہے ہیں۔ جو پہلے سرینگر میں ہوا کرتے تھے اور وہیں احمدی ہوئے تھے۔

میرپور سے ایک میل کے فاصلہ پر "میراُبھڑکا" نامی گاؤں میں منگلا ڈیم کے کنارے کشمیر کے تارکین وطن احمدیوں کی خاصی جماعت اور مسجد ہے اس کا ذکر چار کوٹ کی جماعت میں گذر چکا ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

موضع کنڈور

موضع کنڈور شہر میرپور سے ۲۲ میل کے فاصلہ پر جانب مغرب واقع ہے۔ یہاں کے اوّلین احمدی قریشی محمد حنیف (سائیکل سیاح) ہیں جن کے حالات مبلغین کے باب میں گذر چکے ہیں[۱]۔ ان کی تبلیغ سے ان کے چھوٹے بھائی قریشی فضل حق حال درویش قادیان بھی احمدی ہوئے ان کا بیان ہے کہ مجھے اپنے بھائی ماسٹر خلیل الرحمٰن صاحب ساکن پنجیڑی (ان کا حال صحابہ کے باب میں گذر چکا) کے ذریعہ کتاب محقق اور تبلیغ ہدایت اور عسل مصفّٰی مجھے میں اور میں نے مطالعہ کیں۔ پھر مکرمی مرزا محمد افضل صاحب صحابی بلانوی پسر حضرت منشی مرزا جلال الدین صاحب صحابی (۳۱۳) نے بھی مجھے زبانی تبلیغ کی۔ اور احمدیت کی تعلیم سے واقف کیا۔ میرے بڑے بھائی صاحب نے صوبہ اڑیسہ سے ۱۹۳۱ء میں مجھے ایک تبلیغی خط لکھا تھا جو میرے ایک دوست مستری قائم دین ساکن کنڈور کے ہاتھ لگ گیا۔ اور اس نے وہ خط پڑھ کر گاؤں میں میرے خلاف شور ڈال دیا کہ یہ اب احمدی ہونے والا ہے۔ اسوقت یہ عاجز اپنی مسجد میں امام اور پرائیویٹ اسلامیہ سکول کا مدرس تھا۔ مخالفت کی شدت کی وجہ سے میں رات کو اپنے موضع کنڈور سے نکل پڑا اور دریائے جوکھہ کو عبور کر کے ۱۵ میل سفر کے بعد میرپور شہر آگیا۔ اور پھر قادیان میں اپنے پھوپھیرے بھائی ماسٹر خلیل الرحمٰن (ریٹائرڈ عربی ٹیچر قادیان) کے پاس محلہ دارالرحمت میں پہنچ گیا۔ یہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر ۱۹۴۰ء میں مسجد مبارک کی چھت پر بیعت کر کے احمدیت میں داخل ہو گیا۔ بیعت کرنے کے بعد مجھے موضع سیکھواں نزد قادیان کے احمدیہ سکول میں چھ سال تک بطور مدرس کام کرنے کا موقعہ ملا۔ اور ساتھ ساتھ سیکرٹری مال اور خطیب مسجد کا کام بھی کرتا رہا۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے سیکھواں سے آکر قادیان درویشوں میں شامل ہوا۔ قادیان میں حسب ہدایت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد سلمہ اللہ تعالیٰ ناظر دعوۃ و تبلیغ دو سکولوں کی بنیاد رکھی۔ ایک "پرائمری سکول" جس میں چار سال تک ہیڈ ماسٹر رہا۔ اور اس میں مسلم طلباء کے علاوہ ہندو اور سکھ طلباء بھی داخل ہوئے۔ دوسرا "نصرت گرلز سکول" اس میں بھی کچھ عرصہ کام کیا علاوہ ازیں ۴۳ بڑی عمر کے درویشوں کو قرآن شریف بھی ختم کرائے۔ ناظرین سکول نے میری اچھی کارکردگی پر خوشنودی کی سندات دیں۔ انڈیا کے بعض اخبارات نے بھی میرا تعارف کرایا۔

[۱] آپ کے کچھ حالات آخری باب میں بھی درج ہیں

کنڈور کا آبائی گاؤں چھوڑتے وقت میں نے چچا کی لڑکی سعادت بیگم سے شادی کی تھی اور ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی تھی مگر اسوقت گاؤں والوں نے مذہبی تعصب سے میرے بیوی بچوں کو مجھ سے چھین لیا اور انہیں میرے ساتھ نہیں آنے دیا بلکہ میرے ہی شاگرد طلباء سے مجھ پر پتھراؤ کرایا گیا اور بمشکل میں جان بچا کر نکلا۔ مگر میری یہ بیوی ابھی تک بغیر دوسرے نکاح کے میرے حق میں بیٹھی ہے اور مجھے ہر سال کپڑے اور روپیہ بھی میرے بھائی قریشی محمد حنیف صاحب کے ذریعہ بھیجتی رہتی ہے۔ جب میں نائرین ربوہ کے قافلہ میں سالانہ جلسہ پر پاکستان جاتا تو یہ چیزیں حاصل کر لیتا۔ حالات کے مطابق میں نے دوسری شادی شہر مونگھیر (بہار انڈیا) سے مکرم قمرالہدی صاحب کی لڑکی حسنی بیگم سے ۱۹۵۴ء سے کی جس سے پانچ لڑکیاں اور ایک لڑکا انعام الحق پیدا ہوئے جو زندہ موجود ہیں مسجد مبارک قادیان میں ۱۷ سال تک مؤذن اور خادم کی حیثیت سے بھی خدمت کا موقعہ ملا۔ ۱۹۶۶ء میں مقامی جماعت قادیان کا اور ۱۹۵۲ء میں مجلس انصاراللہ قادیان کا سیکرٹری مال بھی رہا۔ اس وقت اپریل ۱۹۷۳ء میں میری عمر ۶۴ سال ہے۔

براٹلہ

براٹلہ تحصیل کوٹلی ضلع میرپور کا ایک گاؤں ہے جہاں سید ارشاد علی اور کرم علی شاہ نے احمدیت قبول کی۔ کرم علی شاہ کا بیان ہے کہ میرے باپ کا نام فتح علی شاہ نقوی تھا۔ میں ۱۹۰۱ء میں براٹلہ میں پیدا ہوا۔ میرے والد صاحب اور دادا شہر ٹیکسلا ضلع راولپنڈی میں رہتے تھے اور شیعہ عقائد رکھتے تھے۔ اور آج سے (۱۴۹/۷۲) اسی سال قبل ضلع میرپور تحصیل کوٹلی کے اس گاؤں میں جو پہاڑ کی چوٹی پر ہے آکر آباد ہو گئے اور طبابت کے پیشہ کے ساتھ پیری مریدی کا کام بھی کرتے تھے۔

ہمارے خاندان میں سب سے اوّل مکرمی سید ارشاد علی شاہ نے غالباً ۱۹۲۴ء میں احمدیت قبول کی تھی جس وقت وہ فرنٹیر میں کسی ریلوے اسٹیشن پر بکنگ کلرک تھے۔ ان کو احمدیت کا پیغام سب سے پہلے نعمت اللہ خان صاحب برج انسپکٹر سے ملا تھا۔ جو شہر وزیر آباد کے رہنے والے تھے۔ سید ارشاد علی صاحب کی ہمشیرہ میری اہلیہ ہے۔ انہوں نے حضور علیہ السلام کی بہت سی کتب کا مطالعہ بھی کر لیا تھا۔ مگر بیعت اس وقت کی تھی جبکہ دعاء استخارہ کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے انکو ایک رؤیا دکھلائی جس میں انہوں نے دیکھا کہ دو کرسیاں بچھی ہیں۔ ایک پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہیں اور دوسری پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیٹھے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو انہوں نے ان کا فوٹو دیکھنے کی وجہ

جلدی پہچان لیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کسی نے بتایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تب انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو حضورؑ نے فرمایا کہ ہاں میں نے ایسا دعویٰ کیا ہے۔ پھر انہوں نے اپنے ہاتھ کے نیچے کوئی چیز دبا کر دریافت کیا کہ حضور آپ بتائیں کہ میرے ہاتھ کے نیچے کیا چیز ہے۔ تب حضور نے فرمایا کہ ایک سنگترہ ہے جس کی آدھی پھانکیں خراب ہیں۔ اور آدھی اچھی ہیں پھر جب میں نے سنگترہ کو نکال کر کھولا تو واقعی آدھی پھانکیں خراب اور آدھی اچھی تھیں۔ تو ان کا دل مطمئن ہو گیا اور بیعت کا خط لکھ دیا اور پھر جلدی ہی وصیت بھی کر دی اور شہر مردان میں جب انکی وفات ہوئی تو وصیت کے مطابق جنازہ قادیان لے جایا گیا۔ جہاں مقبرہ بہشتی میں دفن کر دیئے گئے۔

سید ارشاد علی شاہ صاحب کے احمدی ہو جانے کے بعد ہمارے خاندان کے آدمیوں کی احمدیت کے بارے میں بحث ہوتی رہتی تھی تو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے میرا سینہ کھول دیا۔ چنانچہ غالباً ۱۹۲۶ء میں اس عاجز نے بھی بذریعہ خط حضور کی بیعت کر لی۔ سید ارشاد علی شاہ صاحب کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے بہت محبت تھی اور آپ بھی ان سے محبت رکھتے تھے۔ خود میں نے بیعت کرنے کے بعد بمشکل دو سال اپنے گھر براٹلہ میں گذارے پھر اپنے والد صاحب کی مخالفت کی وجہ سے گھر سے نکل کر شہر میرپور میں آگیا اور پھر مونہ ڈپو ضلع سرگودھا وغیرہ کئی مقامات پر روزگار کرتا رہا۔ مگر اکثر جگہ مخالفت کی وجہ سے روزگار چھوٹ جاتا رہا۔ آخر بہت مجبور ہو کر حضور خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اور افسر لنگر خانہ قادیان حضرت سید میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنی تکالیف کی اطلاع دی۔ اس وقت میرے ساتھ میری اہلیہ اور پانچ بچے تھے۔ اس اطلاع پر مجھے قادیان بلا لیا گیا۔ چند ماہ کے بعد حضرت میر صاحبؓ نے میاں غلام محمد صاحب اختر احمدی لیبر وارڈن لاہور کو لکھ کر مغلپورہ کی ورکشاپ میں ملازم کرا دیا۔ میرا اہل وعیال قادیان ہی رہا۔ یہ عاجز ہر اتوار کو قادیان چلا جاتا اور کھانے کا راشن پہنچا آتا۔ حتٰی کہ متواتر ۲۲ سال اس ورکشاپ میں بڑے امن سے ملازمت کی اور بچے قادیان میں پڑھتے رہے۔ قادیان میں رہائش کے زمانہ میں محترمی حضرت سید میر محمد اسحاق صاحبؓ افسر لنگر خانہ اس عاجز اور میرے اہل و عیال کے ساتھ نہایت ہمدردانہ اور مشفقانہ سلوک فرماتے رہے اور ہماری ہر تکلیف کو رفع کرنے کی حتی المقدور سعی کرتے رہے۔

اس کے بعد تقسیم ہندوستان کے وقت قادیان سے ہجرت کر کے ماہ اکتوبر کے آخری کا نوا نے میں معہ اہل و عیال لاہور آ گیا۔ پھر لاہور سے تلونڈی راہوالی ضلع گوجرانوالہ میں آکر ایک مکان الاٹ کرا لیا اور میرے بچے یہاں کے سکول میں تعلیم پانے لگے۔ میرے غیر از جماعت رشتہ دار بعض اوقات ملتے تو طعن و تشنیع کرتے مگر اللہ تعالیٰ کی نصرت ایسی شامل حال ہوئی کہ میری تین جوان بیٹیاں سادات خاندان میں ہی بیاہی گئیں۔ اور میرے دو داماد محترم حضرت سیٹھ سید ابوبکر صاحب آف جدہ کا پوتا سید جمال یوسف اور سید صدیق یوسف ہیں جو سید کمال یوسف صاحب مبلغ سکنڈے نیویا کے حقیقی بھائی ہیں۔ اور یہ عاجز ریلوے ورکشاپ مغلپورہ سے جب استعفیٰ دے کر اپنے گھر راہوالی آ بیٹھا تو ریلوے کے محکمہ سے پراویڈنٹ فنڈ کا تین ہزار روپیہ مل گیا اور چاروں بیٹے بھی کئی قسم کے کاموں میں ہنر سیکھ کر اپنے ہی گھر میں ایک موتی کارخانہ چلا رہے ہیں۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے باعزت روزی کا سامان بنایا ہوا ہے۔ اور اپنے فضل و کرم سے چار بیٹے اور چار بیٹیاں بخش کر اولاد میں برکت دی ہے۔ میرے والد سید فتح علی شاہ صاحب جو کہ سخت مخالفت کرتے تھے میری بڑی بیٹی کی شادی پر میرے بلانے پر ۲۵ سال کے بعد میرے گھر راہوالی آئے اور وہ میری اولاد اور گھر کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے آجکل موضع براٹلہ تحصیل کوٹلی میں ہی رہتے ہیں اور ادھر گوجرانوالہ کے علاقہ میں اپنے مریدوں کے پاس آتے رہتے ہیں۔

ننگیال

ننگیال[۱] ضلع میرپور میں نہر جہلم کے کنارے ایک گاؤں ہے۔ اس میں احمدیت اس وقت آئی جب بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کرم دین بھیں (جہلم) کے مقدمہ کے سلسلے میں جہلم تشریف لائے تھے۔ اس موقعہ پر آپ کی زیارت کے لئے بہت لوگ آئے تھے۔ آپ کی زیارت سے متاثر ہو کر ننگیال کے بہت سے لوگوں نے بھی بیعت کی تھی جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں :- محبوب عالم مرحوم۔ عباس علی مرحوم۔ فتح محمد مرحوم محمد فاضل مرحوم۔ علی محمد و حسن محمد مرحوم۔ محمد عبداللہ و صدر دین مرحوم۔ یہ سب علاقہ کے با اثر زمیندار تھے اور فرقہ اہلحدیث سے تعلق رکھتے تھے۔ عطا محمد صاحب ہرچیاں نے بھی اسی موقعہ پر بیعت کی تھی۔ نیک عالم برادر محبوب عالم نے بھی زمانہ مسیح موعودؑ میں بیعت کی۔

---

[۱] یہ وہ ننگیال (دنا کے بعد ک سے) نہیں ہے جس کا ذکر کوٹلی میں احمدیت کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ وہ ننکیالی ہے اور یہ ننگیال (گ سے) ہے (مؤلف)

نعمت محمد صاحب عالم فاضل آدمی تھے ۔ امام مسجد رہے ۔ اور لوگوں کو قرآن مجید پڑھاتے رہے محمد فاضل مرحوم صاحب کشف و رؤیا تھے ۔ مسجد احمدیہ جہلم کے خادم رہے ۔ اور آخر عمر میں اپنے بیٹے صاحبداد کو بھی اس مسجد کا خادم مقرر کیا اور اس نے ساری عمر ۵۳ سال مسجد اور مہمانوں کی خدمت کی ۔ صاحبداد کے بعد آپ کا لڑکا محمود احمد[لہ] بھی خادم مسجد جہلم ہے ۔

محمد قاسم ۔ محمد ابراہیم اور عبدالحکیم (تینوں بھائی) چنن دین اور صاحب دین مرحوم بھی زمانہ مسیح موعود علیہ السلام کے احمدیوں میں سے تھے ۔ لوگوں نے احمدیوں کی مخالفت کی مگر ناکام رہے ۔ نگیال میں ۱۹۲۰ء میں احمدیہ مسجد بھی بنائی گئی ۔ اب اس کے ساتھ حجرہ بھی بنایا گیا ہے۔ اس کی زمین محمد ابراہیم مرحوم نے جن کی کوئی اولاد نہیں تھی دی تھی ۔

ڈھوک ہرچیال

ڈھوک ہرچیال (دبیال) ایک اور گاؤں نگیال سے پونے میل کے قریب فاصلہ پر ہے ۔ اس میں ٹھیکیدار عبدالعزیز ولد خواجہ کرم دین کی خدمات قابل ذکر ہیں ۔

عبدالعزیز صاحب ٹھیکیدار ولد خواجہ کرم دین قوم وانی ۱۹۱۴ء میں احمدی ہوئے اپنے علاقہ میں مشہور رئیس، دیانتدار ۔ غریب پرور ۔ خلیق اور ہمدرد خلائق انسان مشہور ہیں ۱۹۳۱ء میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے وکلاء کے ساتھ کھڑی (میرپور) میں خدمات انجام دیں جبکہ مسلمانوں نے ہندوؤں کے مکانات جلا دیئے تھے ۔ اور لوٹ مار کی تھی ۔ مسلمانوں پر سینکڑوں مقدمات ہندوؤں نے دائر کر دیئے تھے ۔ آخر کار سب ملزمان بری کرائے گئے ۔

۱۹۴۷ء کے فسادات اور انقلاب میں بعض لوگوں نے ہندوؤں کی لوٹ مار شروع کی تھی ۔ حکومت آزاد کشمیر نے آپ کو علاقہ کھڑی میں ہندوؤں کے مال و جائیداد کا نگران مقرر کر دیا آپ کے ساتھ کچھ عملہ بھی تھا ۔ اغوا شدہ چار سو ہندو لڑکیاں کیمپ کی صورت میں حکومت نے آپ کے مکان میں رکھوائیں ۔ اور آپکو اُن کی نگرانی سپرد کی ۔ آپ نے محنت جانفشانی اور دیانتداری سے جان کو خطرات میں ڈال کر نوجوان ہندو لڑکیوں کی عصمت ۔ عزت اور جان و مال کی حفاظت کی اور اپنی اولاد کی طرح اُن کی پرورش کی ۔ بعض لوگ دن کو، رات کو ان ہندو لڑکیوں کو اغوا کرنے کے لئے آتے اور آپ ان کا دفاع کرتے رہتے تھے ۔ حکومت آزاد کشمیر اور حکومت پاکستان کے حکام کو علاقہ میں صرف آپ پر اعتماد تھا ۔ ہندو لڑکیوں کا کیمپ نومبر ۱۹۴۷ء سے لے کر ۲۱ جنوری ۱۹۴۹ء تک آپ کی خاص نگرانی میں رہا ۔ اس کے بعد یہ لڑکیاں

لہ بڑا لڑکا بشارت احمد ڈسپنسر ہے اور چھوٹا لڑکا محمود احمد

فرنٹیئر سروس امریکہ والوں کے سپرد کی گئیں۔ جنہوں نے انہیں ہندوستان کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد حکومت کی ہدایات کے ماتحت آپ نے مزید ۱۴۰ ہندو لڑکیاں اور کچھ ہندو مرد برآمد کر کے جمع کئے اور اُدھر ہندوستان کے مقبوضہ کشمیر جموں میں ۳۸۴ مسلم لڑکیاں اغوا شدہ برآمد کرائی گئیں جن کا تبادلہ بذریعہ ملٹری ڈاکٹر دینگر (انگریز افسر) کی نگرانی میں ۲۱ رجنوری ۱۹۴۹ء کو سرحدی مقام سوچیت گڑھ میں عمل میں آیا۔ اور مسلم لڑکیاں پاکستان کے حوالے کر دی گئیں۔ حکومت آزاد کشمیر نے آپ کی بہترین خدمات کے صلہ میں آپ کو "خادم دین" کا خطاب دیا۔ بھارت پاکستان اور آزاد کشمیر کی تینوں حکومتوں نے آپ کی خدمات پر آپ کو خوشنودی کے سرٹیفکیٹ دئیے اور آپ کا شکریہ ادا کیا۔ اور آپ کی خدمات کو بہترین الفاظ میں سراہا۔ کشمیر اور بھارتی ہندوؤں کے درجنوں تعریفی و شکریہ کے خطوط آپ کو ملے۔ بھارت و جموں میں ہندوؤں کے بعض جلسوں میں "عبدالعزیز زندہ باد" کے نعرے لگائے جاتے رہے۔ بھارتی وزیراعظم پنڈت نہرو آنجہانی کے شکریہ کی چٹھی بھی آپ کو موصول ہوئی اور اسی طرح حکومت پاکستان۔ آزاد کشمیر اور فرنٹیئر سروس یونائٹڈ (فلاڈلفیا) امریکہ اور فرنٹیئر سروس کونسل لنڈن کی خوشنودی اور اعتراف خدمت کے سرٹیفکیٹ بھی آپ کے پاس موجود ہیں۔ جو خاکسار راقم الحروف نے خود ان کے ہاں جا کر ملاحظہ کئے ہیں۔ دوران ترتیب کتاب ہذا گذشتہ ۱۹۷۱ء کو اغلباً ۷۹/۸۰ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

پنجیڑی اور اسکے ملحقات

پنجیڑی ضلع میرپور کا قصبہ ہے جہاں چب قوم کے راجگان آباد ہیں۔ یہاں کے اوّلین احمدی ماسٹر خلیل الرحمٰن رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ کے حالات صحابہ کے باب میں گذر چکے ہیں۔ آپ کی تبلیغ سے آپ کے والد منیگ عالم بھی احمدی ہوئے۔ ماسٹر صاحبؓ کی والدہ فردوس بی بی صاحبہ موصیہ تھیں اور پنجیڑی کے صدہا بچوں کو قرآن مجید پڑھا کر خدمت کرتی رہیں۔ اس کے بعد راجہ کیپٹن محمد افضل خان حال موضع گیگن ضلع میرپور۔ محمد زمان خان انبوی متصل ڈڈیال ضلع میرپور۔ مولوی محمد ابراہیم خان ٹرین ضلع میرپور بھی احمدی ہو گئے۔ محمد زمان خان انبوی فوجی ملازمت کے دوران احمدیت سے متعارف ہوئے تھے۔ مگر عرصہ تک سوچتے رہے۔ پاکستان بنا تو انکا بیان ہے کہ جماعت احمدیہ کی خدمات خصوصاً جماعت احمدیہ کی "فرقان بٹالین" کی خدمات جو آزادی کشمیر کے لئے انہوں نے کیں اور مکرم چودھری سر محمد ظفر خان صاحب کی خدمات سے بہت متاثر ہوا۔ پھر بھی کاروبار کی وجہ سے بیعت کا موقعہ نہ ملا۔ فوج سے فارغ ہو کر گھر آئے

تو سنہ ۱۹۵۱ء میں سیٹھی فضل الحق کی معرفت بیعت کر لی ۔ بیعت کے بعد رشتہ داروں نے گھر سے نکال دیا ۔ اور آپ کی بیوی بچے چھین لیئے گئے اور ایک دوکان تھی وہ بھی چھین لی ۔ مگر آپ نے کوئی پرواہ نہ کی اور ثابت قدم رہے ۔ کچھ دن جہلم میں گذارے پھر کچھ دن ربوہ میں اخبار الفضل کے ایجنٹ رہے ۔ یہاں سے پاکستان کی فوج میں چلے گئے ۔ دو سال کے بعد گھر آئے اور سنہ ۱۹۵۳ء میں انگلینڈ گئے ۔ جہاں اچھا کاروبار مل گیا ۔ اور اپنے لڑکے ظہور احمد کو بھی وہیں بلا لیا ۔ جس نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر جبکہ آپ لنڈن اور دیگر مغربی ممالک کے سفر پر تشریف لے گئے سنہ ۱۹۶۸ء میں شرف بیعت حاصل کر لیا ۔ آپ اپنے خاندان میں اکیلے احمدی ہیں ۔

مولوی محمد ابراہیم صاحب وزیر آباد میں طالب علمی کے زمانہ میں ہی احمدی ہو گئے تھے ۔ وہیں سکونت اختیار کر لی ۔ پیچھے آپ کے بڑی آبائی جائیداد نقصان ہو گئی مگر آپ نے احمدیت کی خاطر اسے برداشت کر لیا ۔ آپ کے کاروبار میں خدا نے برکت دی اب کارخانہ کے مالک ہیں ۔

برنالہ میں احمدیت

برنالہ (بھمبر) میں پہلے احمدی مولوی محمد دین صاحب کے والد تھے ۔ مولوی محمد دین صاحب سب انسپکٹر پولیس کے عہدہ پر فائز رہے پولیس افسران میں سے مشہور دیانت دار شمار ہوتے تھے اور اپنے فرائض منصبی کو باحسن طریق سرانجام دینے میں خاص شہرت رکھتے تھے ۔ اپنے اور بیگانے سب ان کی عزت کرتے بلکہ ان کے شیدائی تھے ۔ اب تک غیر از جماعت لوگ بھی اُن کی تعریف کرتے اور ان کے اخلاص دیانت اخلاق اور نیک کردار کو سراہتے رہتے ہیں ۔ آپ کو دینی کاموں سے شغف تھا ۔ جس زمانہ میں آپ سب انسپکٹر پولیس کی حیثیت سے تھانہ کوٹلی میں متعین تھے پہلے آپ نے جامع مسجد کوٹلی تعمیر کرائی اور غیر از جماعت لوگوں کی خواہش پر یہ مسجد اہل سنت والجماعت کے حوالے کر دی ۔ تفصیلات گذر چکی ہیں ۔ کوٹلی میں جس حسن و احسان ۔ نیکی اور تقویٰ سے آپ نے ملازمت کے ایام گذارے اُسے اب تک یہاں کے لوگ یاد کرتے ہیں ۔

منشی علی اکبر خان ایک غیر احمدی قدردان نے مولوی صاحب موصوف کی زندگی کے حالات خاکسار کو لکھ بھیجے ۔ جن میں سے اکثر گذر چکے ۔ آخر میں لکھتے ہیں :-

" کوٹلی میں پہلے منگرال خاندان کا غلبہ تھا جو ڈوگرہ راج قائم ہونے پر ختم ہو گیا ۔ بعض غیور دیہاتی لوگوں نے سنہ ۱۹۳۱ء میں راجہ کمال خان کی سرکردگی میں شہر کوٹلی کے ہندوؤں پر

حملہ کیا (کیونکہ وہ ہندو مہاجنوں اور سود خوروں کے مظالم سے عرصہ سے تنگ آئے ہوئے تھے) مگر اپنی نااتفاقی کی وجہ سے ہی وہ اس حملہ میں ناکام رہے۔ ان حالات میں حکومت کشمیر کو دیانت دار افسر کی ضرورت تھی۔ چنانچہ مولوی محمد دین صاحب کو سب انسپکٹر پولیس کے عہدہ پر یہاں لگایا گیا جو بڑے نیک احمدی تھے۔ اس زمانہ میں سب انسپکٹر کے لئے سرکاری کوارٹر آبادی کے کنارہ پر تھا۔ اور اس کے ساتھ شاہی مسجد کے کھنڈر تھے۔ جہاں لوگ کوڑا کرکٹ پھینکتے اور خاکروب جا جا گندگی کے ڈھیر لگا دیا کرتے تھے۔ وہاں درجنوں مسلمان سب انسپکٹر تعینات رہے اور شاہی مسجد کا یہ بُرا حال اور شعائر اسلامی کی یہ توہین دیکھتے رہے مگر کسی کے کان پر جوں بھی نہ رینگی۔ مولوی محمد دین صاحب احمدی سے نہ رہا گیا۔ اُن کی غیرت نے مسجد کی یہ بے حرمتی برداشت نہ کی۔ آتے ہی مسجد کے کھنڈروں سے کوڑا کرکٹ اور گندگی کے سب ڈھیر ہٹا دیئے اور شاہی مسجد کی تعمیر شروع کرائی۔ بڑی محنت اور جانفشانی سے چندے کر کر کے عالی شان مسجد تیار ہو کر مکمل ہو گئی۔ متعصب اور نکتہ چین لوگوں نے سرگوشیاں شروع کر دیں کہ یہ مسجد احمدیوں کی مسجد ہو گی۔ مولوی صاحب کو معلوم ہُوا تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ یہ شاہی جامع مسجد گو ایک احمدی نے تعمیر کر دی ہے مگر اس پر کسی احمدی کا قبضہ نہ ہو گا۔ احمدیوں کے لئے علیحدہ مسجد تعمیر ہو گی۔ لوگ اطمینان رکھیں۔

اِس کے بعد آپ نے احمدیوں کے لئے علیحدہ مسجد تعمیر کروائی۔ دونوں مسجدیں بطور ثبوت موجود ہیں۔ اگر استطاعت ہوتی تو مولوی صاحب مرحوم کے حالات زندگی اور علاقہ بھر کے مسلمانوں سے اُن کے حسنِ سلوک و احسان پر مشتمل ایک ضخیم کتاب لکھ دیتا۔ افسوس! ان کی خدمات اور نیک جذبات کی اہل زمانہ نے بوجہ بے جا مذہبی تعصب کے قدر نہ کی بلکہ ان پر الزام تراشیاں کر کے ان کی ذریں خدمات کو اسلام دشمنی قرار دیا۔

۵۔ زہر سقراط سے ناصح کو پلا دیتے ہیں؛ اور یوسف سے برادری کو دغا دیتے ہیں۔[۱]

جب آپ نے ملازمت سے پنشن پائی تو قوم کی خدمت کے جذبات نے ابھارا اور جموں جا کر ایک اخبار جاری کیا جسکا نام "الانصاف" رکھا۔ جس کے خود ایڈیٹر بنے۔ کچھ عرصہ تک اس اخبار کے ذریعہ قوم و ملک کی خدمات انجام دیں۔ آپ اس اخبار میں تفسیر کبیر از خلیفۃ المسیح الثانیؓ (امام جماعت احمدیہ) کے اقتباسات اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظمیں بھی

[۱] منشی علی اکبر خان پونچھی کا مکتوب بنام خاکسار (مؤلف کتاب ہذا) ۶۳/۸/۱۲۔

شائع کرتے رہے۔ یہ دلچسپ نظمیں غیر احمدیوں کو بھی زبانی یاد ہو گئی تھیں جنہیں وہ اخبار بھیجتے تھے۔ مولوی صاحب موصوف گوجر جاٹ کانفرنس کے جنرل سیکرٹری بھی رہے اور خدمات انجام دیتے رہے۔ باجماعت نماز کے اتنے پابند تھے کہ تھانہ میں جماعت کرایا کرتے تھے۔ غرضیکہ بڑی خوبیوں اور صفات کے مالک تھے۔ آپ ۱۹۴۸ء میں فوت ہو گئے اور اپنے پیچھے ایک بیٹا محمد بشیر چھوڑا تھا جو فوج میں نائب صوبیدار تھے مگر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں کشمیر کی سرحد پر شہید ہو گئے۔

چوہدری فضل علی جو کھوکھر تحصیل بھمبر کے رہنے والے ہیں۔ ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس ہیں۔ سروس میں مشہور دیانتدار نیک اور فرض شناس افسر شمار ہوتے تھے۔ اسوقت ان کا ایک لڑکا چوہدری عبدالرحمن شمیم بی۔ اے سب انسپکٹر پولیس کے عہدہ پر متعین ہے۔

چودھری رحمت خان مرحوم

آپ "بوڑے جال" تحصیل بھمبر کے رہنے والے تھے خلافت ثانیہ کے عہد میں احمدی ہوئے۔ مخلص اور تبلیغ کے شوقین تھے انتہائی خلیق اور ملنسار تھے۔ دوران ترتیب کتاب ہذا فوت ہو گئے۔ آپ کے دو بیٹے محمد اشرف اور محمد لطیف ہیں۔

دھنڈر

اسجگہ چوہدری رحمت خان المعروف "دادا دعنہ" اولین احمدی ہیں۔ ایک عرصہ تک یہاں مصائب ومشکلات کا سامنا رہا۔ رشتوں کی مشکلات کے باوجود انہوں نے اپنے رشتے غیر احمدی رشتہ داروں میں نہیں دیئے بلکہ احمدی خاندانوں کو رشتے دیئے۔ ایک لڑکی چودھری نذیر احمد خان کے ہاں ہے جو مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں انجنیئر رہے ہیں۔ خدمت خلق کی وجہ سے اپنے علاقہ میں معروف شخصیت ہیں۔ اسی ۱۹۷۲ء میں چوہدری فیروز خان مالا سابق سب انسپکٹر پولیس نے بھی بیعت کر لی ہے۔

کلری

کلری میں پیغام حق پہنچا تو قاضی غریب اللہ نے دسمبر ۱۸۹۹ء میں حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ہی بیعت کر لی۔ غریب اللہ اور دوسرے احمدی ان کے بھائی نجیب اللہ مرحوم تھے جو اپنے علاقہ میں مدرس رہے۔ آپ نے منشی مرزا جلال الدین بلانوی مرحوم رضی اللہ عنہ کی پوتی تفضل بیگم سے شادی کی جو تین سو تیرہ اصحاب میں سرفہرست ہیں۔ قاضی مرحوم دیانتدار۔ محنتی۔ حلیم الطبع۔ خوش شکل اور بلند قامت انسان تھے۔ اور امانت داری میں اتنے مشہور تھے کہ لوگ اپنی امانتیں اور عورتیں اپنے زیورات ان کے پاس امانت رکھا کرتے تھے۔ دو بیٹے یادگار چھوڑ گئے ہیں۔ (۱) منظور احمد (۲) ظہور احمد۔ قاضی منظور احمد نے اپنے نانا مرزا محمد اشرفؓ (صحابی)

افسر جائیداد قادیان کے پاس رہ کر قادیان میں تعلیم حاصل کی۔ آپ بھی میرپور کے مدارس میں مدرس رہے ہیں۔ اب ربوہ میں تحریک جدید کے کارکن ہیں۔

راجہ غلام حسن صاحب بھی یہاں کے چب خاندان کے اولین احمدی تھے۔ اس خاندان کے راجے راج کرتے رہے ہیں۔ آپ نے ملازمت کے دوران خلافت ثانیہ کے عہد میں بیعت کر لی تھی۔ برادری کے تمام افراد آپ کے مخالف ہو گئے۔ مگر انہوں نے اُن کی کوئی پرواہ نہ کی۔ انکو یہاں تک کہا جاتا رہا کہ اگر وہ احمدیت کو نہ چھوڑیں گے تو انہیں خاندانی قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا جائیگا۔ نہ کفن دفن میں مدد کی جائے گی نہ جنازہ پڑھا جائیگا۔ مگر انہوں نے اِن باتوں کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور آخری دم تک احمدیت پر ثابت قدم رہے۔

بھمبر میں احمدیت

بھمبر صوبہ جموں کا مشہور قصبہ ہے جو گجرات (پنجاب) سے سیدھے شمال کی طرف ۲۸ میل کے فاصلہ پر اعدی پہاڑ کے دامن میں اُس قدیمی شاہراہ پر آباد ہے جو گجرات سے براستہ نوشہرہ راجوری کو جاتی ہے۔ یہاں اوائل میں مولوی نظام الدین رضی اللہ عنہ اعزازی مبلّغ کی حیثیت سے کافی عرصہ تک مطب کرتے رہے اور کام کے ساتھ تبلیغ بھی کرتے تھے۔ ان کے حالات مبلّغین کے باب میں گزر چکے ہیں۔

غالباً سنہ ۱۹۴۱ء (۴۲) میں حکیم محمد عبداللہ صاحب لمبیڑی متصل نوشہرہ تحصیل بھمبر ضلع میرپور بھی شہر بھمبر میں مطب کرتے رہے۔ جو بھمبر ہی میں وفات پا کر دفن ہوئے۔

سنہ ۱۹۳۱ء (۳۲) میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے آزادیٔ کشمیر کی جو تحریک چلائی اُس کے نتیجہ میں بھمبر اور آس پاس کے علاقوں میں بھی مذہبی و سیاسی بیداری پیدا ہوئی تھی اور احمدی وکلاء کی جدوجہد کے نتیجہ میں یہاں کی تین قدیمی مساجد بھی واگذار ہو گئیں۔ اس وقت بھمبر میں ٹھیکیدار محمد ابراہیم انصاری اور آپ کی اولاد محمد اسمٰعیل۔ محمد شریف۔ عبدالعزیز اور عبدالرشید آباد ہیں۔ ٹھیکیدار موصوف نے سنہ ۱۹۱۴ء میں خلافت ثانیہ کے عہد میں بیعت کی تھی۔ آپ کی تحریک سے آپ کے والد میاں امام دین صاحب نے بھی جو پولیس کی ملازمت سے ریٹائر ہوئے تھے غالباً سنہ ۱۹۲۲ء (۱۹۲۳) میں بیعت کر لی تھی۔ آپ کے بھائی منشی عمر دین صاحب بھی احمدی ہوئے جو سنہ ۱۹۳ء کے لگ بھگ وفات پا کر بھمبر میں دفن ہوئے۔

سنہ ۱۹۴۵ء (۱۹۴۶) میں سردار جگت سنگھ کے احاطہ میں جہاں احمدیوں کا جلسہ ہوا جس میں آس پاس کے احمدی احباب شریک ہوئے۔ مولوی محمد حسین صاحب۔ گیانی واحد حسین صاحب

اور مہاشہ عبید اللہ صاحب نے صداقت اسلام اور پیشوایان مذاہب کے احترام پر تقریریں کیں۔ غیر از جماعت لوگوں نے مخالفت کی اور جلسہ پر خشت باری بھی کی اور مقابلہ میں لاؤڈ سپیکر لگا کر شرمناک اشتعال انگیزی اور احمدیوں کے خلاف بدزبانی کی مگر اس کے باوجود جلسہ کامیاب رہا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے سنجیدہ طبقہ پر اچھا اثر ہوا۔ یہاں منشی فیروز دین احمدی کوٹلی محکمہ پولیس میں حوالدار تھے۔ مخالف مولویوں کا اُن پر مقدمہ چلانے اور ان کے باعزت بری ہونے کا واقعہ کوٹلی میں احمدیت کے ضمن میں گذر چکا ہے۔

شہر میں احمدیہ لائبریری بھی قائم تھی مگر ١٩٤٧ء کی جنگ میں بھمبر پر بھارتی بمباری کے دوران ضائع ہوگئی۔ اس سے قبل ہندوؤں نے بھی آگ لگا کر اسلامی کتب جلا دی تھیں۔ بھمبر کی شمالی محلہ کی مسجد کی تعمیر میں میاں امام دین سابق صدر انجمن اسلامیہ بھمبر (احمدی) کا کافی حصہ تھا۔ مگر غیر از جماعت لوگوں نے احمدیوں کو اس مسجد میں نماز پڑھنے سے روکدیا بعد میں انتخابات کے موقعہ پر صدر انجمن اسلامیہ بھمبر ماسٹر بھگا خاں نے احمدیوں کو تحریر لکھدی کہ وہ اس مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اور اُنہیں کوئی نہیں روک سکتا۔

سماہنی میں احمدیت

سماہنی، تحصیل بھمبر میں ایک وسیع اور خوبصورت وادی ہے جس کی آبادی چھ سات ہزار کے لگ بھگ ہوگی۔ ١٩٢٢ء میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے تحت یہاں کے اسیران آزادی کو بھی مفت قانونی امداد دی گئی۔ زمان علیشاہ خان ولد فضل داد خان عرف بڈھا خان کا مقدمہ لڑ کر اُسے رہائی دلائی تھی۔ یہاں انہوں نے اور بعض اَور آدمیوں نے بیعت کی تھی۔

ایک اور گاؤں بنڈالہ سماہنی سے چار میل جانب مشرق واقع ہے۔ یہاں مولوی محمد یوسف سلیم ایم۔ اے ایک تعلیمیافتہ نوجوان نے بیعت کی اور بعد میں خلافت ثانیہ کے عہد میں اپنی زندگی خدمت دین کے لئے وقف کر دی۔ ان کے حالات مبلغین ریاست کے باب میں گذر چکے ہیں۔ ١٩٤٢ء میں سوکنہ علاقہ سماہنی میں جو سماہنی سے ایک میل کے فاصلہ پر جانب مغرب واقع ہے خان محمد ولد صائیں نے بیعت کی تھی۔

ذکاءاللہ مرحوم علاقہ سماہنی (بھمبر) کے ایک احمدی ہوا کرتے تھے۔ عید کی نماز اپنی بیوی کے ساتھ گھر میں ہی پڑھ لیا کرتے۔ ایک دفعہ جہلم میں مولوی فقیر محمد صاحب درہ شیر خان کے ساتھ دریا کے کنارے کی طرف سیر کو نکلے اور ساتھ ایک غیر احمدی اہلحدیث مولوی

احمد دین سیالکوٹی بھی تھے۔ انہوں نے مرزا صاحب کا یہ الہامی شعر پڑھ کر "کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کشتیاں"۔ اسپر اعتراض کیا۔ اور احمدیوں سے تمسخر بھی کیا کہ کشتیاں تو دریا میں ہوتی ہیں اور کشتیاں خشکی پر ہوتی ہیں۔ یہ کیا جوڑ ہے؟ مرزا صاحب نے کسی وقت دریا پر کشتیاں نہ دیکھ کر یہ الہام بنا لیا ہے۔ مگر کچھ عرصہ بعد جب ۱۹۳۹ء کی جنگ شروع ہوئی اور دریاؤں اور سمندروں میں جہازوں اور بحری کشتیوں کی لڑائیاں ہونے لگیں تو ذکاء اللہ صاحب مرحوم نے "الفاروق" (قادیان) میں اس موضوع پر مضمون شائع کرا کے معترض مذکور کو چیلنج کیا تھا کہ آؤ اور کشتیوں کی کشتیاں دیکھ لو۔

تونین راجانی

تونین راجانی تحصیل بھمبر علاقہ سماہنی کے مغربی جانب سماہنی سے تین چار میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے جس کی آبادی اڑھائی ہزار کے قریب پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں پر ایک پرائمری سکول بھی ہے۔ یہاں سب سے پہلے فرمان علی خان ولد عدالت خان قوم چب راجپوت برطانوی عہد میں جرمنی میں احمدی ہوئے۔ جہاں کہ آپ ۱۹۳۹ء کی جنگ میں جنگی قیدی ہو چکے تھے۔ جرمن میں جنگی قیدیوں میں خوشی محمد نامی احمدی سپاہی بھی تھا جو ضلع جالندھر کا رہنے والا تھا۔ جن کے ساتھ آپ نے چار سال گذارے۔ انہی کے ذریعہ آپ کو احمدیت کا پیغام ملا اور آپ نے ۱۹۴۳ء میں احمدیت قبول کی۔ نومبر ۱۹۴۵ء میں آپ قید سے رہا ہو کر انگلینڈ چلے آئے جہاں تین ماہ تک ریسٹ کیمپ میں رہے۔ انگلینڈ سے لکھنؤ (ہندوستان) آئے۔ جہاں آپ کو ملازمت سے تخفیف میں لایا گیا۔ اُسوقت سے آپ یہاں اکیلے احمدی ہیں۔ اہل دِہ اور آس پاس کے لوگوں کو جب آپ کی احمدیت کا علم ہوا تو لوگوں نے مخالفت اور بائیکاٹ کی۔ پانی رشتہ ناطہ۔ لین دین۔ غمی شادی۔ تمدنی اور برادرانہ تعلقات سب بند کر دیئے گئے۔ بعض لوگوں نے آپ کو قتل کرنے کی بھی سازش کی مگر آپ محفوظ رہے۔ بھمبر تک کے علماء آپ سے بات چیت کرنے کے لئے بلائے گئے۔ مگر ان پڑھ ہونے کے باوجود سب کا جواب دیتے اور استقلال سے مقابلہ کر رہے ہیں۔

بڑوہ (تحصیل بھمبر)

بڑوہ نامی گاؤں سماہنی سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں کی آبادی اس وقت ہزار نفری کے قریب ہوگی۔ یہاں ایک مڈل سکول بھی ہے۔ یہاں کے ابتدائی احمدی مولوی گلا خان قوم راجپوت تھے۔ وہ غالباً ۱۹۳۴ء/۱۹۳۵ء میں احمدی ہوئے تھے۔ اور قادیان جا کر خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ علاقہ میں علم و فضل میں مشہور تھے۔

آخر دم تک احمدی رہے اور مرکز سے تعلق رہا ۔ غالباً ۱۹۶۰ء میں بڑدہ میں ہی فوت ہو کر دفن ہوئے ۔

۱۹۴۲ء میں راجہ حمید اللہ خان صاحب قوم راجپوت (نارمہ) نے پہلے پشاور میں تحریری بیعت کی اور پھر ۱۹۵۱ء میں جلسہ سالانہ ربوہ پر جا کر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ۔ آپ کا بیان ہے کہ زمانہ کے تقاضاؤں کے مطابق جو تازگی اور کشش مجھے احمدیہ لٹریچر میں ملی وہ کہیں اور سے دستیاب نہیں ہوئی ۔ آپ حکومت آزاد کشمیر میں سیکرٹری سولجر بورڈ رہے ۱۹۶۲ء میں کمپنی کمانڈر رضاکار افواج کی حیثیت سے چھ سال تک خدمات انجام دیں ۔ خاکسار نے ۱۹۶۸ء میں اس علاقہ کا دورہ کیا تو آپ کا باقی خاندان بھی جنہوں نے تاحال بیعت نہیں کی تھی سلسلہ احمدیہ میں شامل ہو گیا ۔

موضع کنجالاں یہ موضع پنجیڑی سے دو میل دور بھمبر کی سڑک پر واقع ہے ۔ اسمیں پہلے احمدی راجہ عنایت علی خان سکول ماسٹر تھے ، وہ مولوی خلیل الرحمٰن کے ذریعہ احمدی ہوئے تھے ۔ انہوں نے احمدیت میں بہت ترقی کی ۔ سکول کی ملازمت چھوڑ کر کچھ عرصہ محکمہ جنگلات میں بھی ملازم رہے ۔ جرأت کے ساتھ تبلیغ کیا کرتے تھے ۔ علاقہ میں زمین کے جھگڑے میں دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے ۔ اور اپنے پیچھے اغلباً چار بیٹے چھوڑ گئے ۔ سب سے بڑا میجر عبد القیوم خان ہے ۔ ایک لڑکا انگلینڈ میں کاروبار کر رہا ہے ۔ جب خاکسار نے ۱۹۶۷ء / ۱۹۶۸ء میں اس جگہ کا دورہ کیا تو اُن کے بھائی راجہ ولایت خان بھی احمدی ہو گئے تھے ۔ یہاں کے تیسرے احمدی راجہ غلام احمد خان تھے ۔ جو کہ ہانگ کانگ میں مولانا شیخ عبد الواحد صاحب مربی سلسلہ احمدیہ کے ذریعہ احمدی ہوئے ۔ جو بعد میں کافی عرصہ بنگال کی پولیس میں ملازم رہے اب ریٹائر ہو چکے ہیں ۔ تبلیغ کے شوقین ہیں ۔

باب نہم

علاقہ مظفر آباد ۔ گلگت و بلتستان اور ان کے نواحات میں احمدیت

مظفر آباد آزاد جموں و کشمیر حکومت کا دار الخلافہ ہے ۔ اس حکومت کی بنیاد ۲۴ ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو خواجہ غلام نبی گلکار انور نے رکھی تھی جبکہ انہوں نے پہلی دفعہ ڈوگرہ مہاراجہ ہری سنگھ کی معزولی کا اعلان کر دیا تھا اور اخبارات میں سُرخیوں کے ساتھ اس کا چرچہ ہوا تھا ۔ ۱۹۳۱ء کی تحریک کشمیر میں

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے کارکنان نے بھی یہاں سرگرمی سے کام کیا ہے۔ مگر اس سیاسی کام کی تفصیلات بیان کرنا اسجگہ مقصود نہیں۔ اسجگہ صرف اس علاقہ کی مذہبی بیداری کی تاریخ بیان کرنا مقصود ہے احمدیت کے لحاظ سے یہاں کسی خاص مذہبی بیداری کا پتہ نہیں چلتا سوائے اس کے کہ ۱۹۴۷ء سے قبل بعض بیعتیں ہوئی تھیں جیسے سیاں میر علی شاہ (بیعت ۱۹۳۰) غلام نبی (بیعت ۱۹۳۹ء) محمد بہادر (بیعت ۱۹۴۱ء) حبیب اللہ (بیعت ۱۹۴۲) وغیرہم۔ عموماً شہروں میں اس مذہبی بیداری کی اس کمی کی وجہ تعصب، دنیا پرستی یا شہریوں کا غرور ہوا کرتا ہے۔ اسلئے عام شہر والوں کی طرح یہاں کے شہریوں کی توجہ بھی جو مذہب اور مذہبی تحقیقات کی طرف نہیں ہو سکی ہے اس سے شہری زندگی کی بابت اس عام اور قدیم عادت کا پھر تجربہ ہو رہا ہے جو عموماً پہلے زمانوں میں بھی پیغام حق کی قبولیت کے سلسلہ میں مشاہدہ میں آتا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ شہر کے لوگ عموماً غرور دنیوی مصروفیات، جاہ طلبی، کثرت مال اور بعض اور غیر دینی حس پیدا کرنے والی محرکات کی وجہ سے اہل دیہات کی نسبت سے پیغام حق کے قبول کرنے میں سبقت حاصل کرنے سے عموماً محروم رہتے ہیں یا دیر سے اس وقت توجہ کرتے ہیں جبکہ حق اور اہل حق کو سیاسی غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ تب جاہ طلبی کے لالچ میں دنیا پرستوں اور امراء کی توجہ ان دینی جماعتوں اور غرباء کی طرف ہو جاتی ہے جنہیں وہ اب تک دھتکارتے رہے تھے اور پیغام حق قبول کرنے میں سبقت کا شرف حاصل رہا تھا۔ مگر دیہات والے عموماً سیاسی بکھیڑوں اور غرور میں شہر والوں کی نسبت سے کم مبتلا ہوتے ہیں اس لئے پیغام حق کے قبول کرنے میں اُن سے سبقت حاصل کرنے کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں۔ چنانچہ شہر مظفرآباد کی نسبت پریم کوٹ۔ چکار۔ کرناہ۔ گھنڈی بیراں (ٹنگہ وادی نیلم) میں پرانے احمدی موجود اور جماعتیں قائم چلی آ رہی ہیں۔ خاص مظفرآباد میں ۱۹۵۲ء سے جماعت قائم ہے جو راجہ عطاءاللہ خان صاحب ولد راجہ محمد افضل خان یاڑی پورہ کشمیر کے ذریعہ قائم ہوئی جب وہ ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے بعد ہجرت کر کے مظفرآباد آئے۔ جمعہ و جماعت اُن کے مکان پر ہوتی ہے۔ آپ کے علاوہ آپکے بھتیجے راجہ محمد داؤد خان بھی ہجرت کر کے آئے جو اب سالخہ (کرناہ) میں آباد ہیں۔ عبدالمنان صاحب (سیکرٹری ال) مہاجر چارکوٹ نے بھی جو بسلسلہ ملازمت یہاں مقیم ہیں یہاں اپنا مکان بنا لیا ہے۔ غلام احمد میر جو فوج میں خدمات انجام دے رہے ہیں پہلے غیر مبائع تھے اب بیعت کر کے مبائعین میں شامل ہو گئے ہیں۔ ۱۹۶۴-۶۳ء میں خاکسار کے دورہ پر یہاں خواجہ محمد عبداللہ بھی بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ آپ کی قبول احمدیت کا واقعہ یوں ہے کہ مری نگر

مقبوضہ کشمیر میں سخت بیمار ہو کر دُرگجن مشن ہسپتال میں داخل کرائے گئے۔ جہاں عیسائی نرسوں کی خدمت سے متاثر ہو کر عیسائی ہونے لگے۔ رشتہ داروں کو پتہ لگا تو انہوں نے کئی علماء کو بلوا کر ان کو سمجھایا مگر مطمئن نہیں ہو سکے۔ آخر ایک احمدی عالم کو بلایا گیا۔ جس نے انہیں عیسائیت کی کمزوریاں سمجھا کر اسلام کی طرف دوبارہ مائل کر دیا۔ کیونکہ اُن کے بیان کے مطابق انہوں نے ایسے دلائل دیئے جو پہلے کبھی نہیں سُنے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے اسپر عیسائی ہونے کا سابق فیصلہ بدل دیا اور اسلام پر دوبارہ قائم ہو گیا۔ اس احمدی عالم کا احسان میں کبھی نہیں بھول سکتا جس نے مجھے عیسائی ہونے سے بچا لیا"۔ آپ حکومت آزاد کشمیر میں سرکاری ملازم کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

پریس کانفرنس

اکتوبر ۱۹۶۳ء میں خاکسار کے دورہ کے موقعہ پر مظفر آباد میں ایک پریس کانفرنس ہوئی۔ جس میں آزاد کشمیر اور بعض پاکستانی مدیران جرائد شریک ہوئے۔ اس کانفرنس میں تاریخ جدوجہد آزادی کشمیر مدوّن کرنے کے بارے میں تعاون کی اپیل کی گئی۔ اس موقعہ پر فوٹو بھی لیا گیا۔ جو شامل کتاب ہٰذا ہے۔

محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی تقریر اور اُن کی خدمات کا اعتراف

مارچ ۱۹۶۸ء میں چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب (جج عالمی عدالت ہیگ) حکومت آزاد کشمیر کی دعوت پر مظفر آباد آئے اور یہاں "بزم فکر و دانش مظفر آباد" میں مسئلہ کشمیر پر مفصل و مدلل تقریر کی جس کا چرچہ کئی دنوں تک ملکی اخبارات میں ہوتا رہا۔ آپ کی ریاست جموں وکشمیر کی بے لوث خدمات کو بزم کی طرف سے سراہا گیا۔ جو آپ نے تقسیم سے قبل اور تقسیم کے بعد مسئلہ کشمیر کے سلامتی کونسل میں چلے جانے پر بطور وزیر خارجہ پاکستان وکالت کرتے ہوئے انجام دی ہیں۔ آپ کی مدلل تقریر کے بعد صدر حکومت آزاد کشمیر نے بھی آپ کی گرانقدر مخلصانہ خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔ چوہدری صاحب نے جمعہ کی نماز راجہ عطاء اللہ کے مکان پر جہاں جماعت ہؤا کرتی ہے پڑھی اس سے قبل چوہدری صاحب سے حکام اور متعدد ذمہ دار افسروں نے کہا کہ شہر میں آپ کے خلاف عوام میں کافی اشتعال اور شور وغوغا پھیلا ہؤا ہے اور یہ لوگ آپ کو آزاد کشمیر مدعو کرنے کے خلاف اپنی عادت کے مطابق احتجاج کر رہے ہیں اس لئے بہتر ہو گا کہ آپ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے مذکور مکان پر نہ جائیں کیونکہ خطرہ ہے کہ لوگ راستہ میں آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرینگے۔ آپ نے سب کی باتیں سننے کے بعد جرأت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں لوگوں کے ڈر سے جمعہ کی نماز میں نہ جاؤں تو مجھ جیسا ضعیف الایمان آدمی اور کون ہو گا۔ پس ایسا نہیں ہو سکتا میں ضرور نماز جمعہ کے لئے جاؤنگا خواہ

کچھ بھی ہو۔ چنانچہ چوہدری صاحب جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے مقام جمعہ کی طرف گئے اور نماز باجماعت ادا کی۔ کسی کو کچھ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ جمعہ میں چوہدری صاحب نے احباب جماعت سے ملاقات کی۔ جو احباب کے لئے ازدیاد ایمان کا باعث بنی۔

آزاد کشمیر اور پاکستان کے مہمانوں کا شیخ محمد عبداللہ صاحب اور ان کے رفقاء کی خدمت میں روحانی تحفہ کی پیشکش

۱۹۶۴ء میں جب شیخ محمد عبداللہ (شیر کشمیر) مرزا محمد افضل بیگ اور مولانا محمد سعید مسعودی مقبوضہ کشمیر سے آزاد کشمیر آئے اور مظفر آباد میں جلسہ عام سے خطاب کیا تو خاکسار راقم الحروف اور مولوی عبدالغفار صاحب ڈار نے اُن کی خدمت میں انگریزی ترجمۃ القرآن اور اسلامی لٹریچر پیش کیا جو شکریہ کے ساتھ وصول کیا گیا۔ ۱۹۶۴ء کا یہ وہ دن ہے جب پنڈت جواہر لعل نہرو وزیراعظم بھارت فوت ہوئے۔

سانخلہ (کرناہ)

سانخلہ (کرناہ) کے علاقہ میں پہلے احمدی راجہ یار محمد خان تھے جو حصول تعلیم کے دوران کسی طرح قادیان پہنچے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ہی بیعت کر لی تھی۔ جنگ آزادی کشمیر ۱۹۴۷ء میں آپ نے بڑی خدمات انجام دیں۔ اور حکومت نے درجنوں سندات خوشنودی عطا کیں۔ مبلغین سلسلہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ ۱۹۶۱ء میں وفات پاکر یہیں دفن ہوئے۔ آپ کے بعد جو احمدی ہوئے یہ ہیں۔ محمد امیر خان۔ محمد حسین خان۔ راجہ محمد اسماعیل خان۔ راجہ محمد ابراہیم خان۔ راجہ محمد افضل خان۔ شیر علی شاہ۔ مؤخر الذکر تینوں خاندان پہلے شیعہ تھے۔ اصحاب ثلاثہؓ کو بُرا کہتے تھے۔ شیر علی شاہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں اصحاب ثلاثہؓ کے ذکر پر مشتمل کتاب پڑھ رہا تھا کہ میری بہن نے مجھے آکر ایک تھپڑ رسید کیا کہ اصحاب ثلاثہؓ تو کافر ہیں (نعوذ باللہ) کیوں ایسی کتاب پڑھتے ہو۔ مجھے سخت افسوس ہوا کہ تھپڑ کیوں مارا۔ مجھے آرام سے سمجھا دیتی۔ اس پر میں نے ایسی کتابوں کی تلاش شروع کر دی جن سے مجھے اصل حقیقت واضح ہو۔ میں نے کئی کتابیں پڑھیں جن سے اصحاب ثلاثہ کی بڑی شان معلوم ہوئی۔ نیز سینکڑوں جلسے سُنے۔ میرا شوق مطالعہ بڑھا تو میں نے "آیات بینات" نامی ایک کتاب منگوا لی جو نواب مہدی علی خان نے شیعیت چھوڑ کر سُنی ہونے پر لکھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیعہ فرقہ واقعی غلطی پر ہے۔ اس لئے کہ جن لوگوں نے اسلام کی بنیادیں رکھی ہیں اُن میں حضرت علیؓ کے علاوہ اصحاب ثلاثہ بھی تھے بلکہ اُن کی خدمات بہت بڑھ چڑھ کر ہیں۔ اگر انہیں نہ مانا جائے جیسا شیعہ کا عقیدہ ہے تو اس سے خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر حرف آتا ہے کہ انہوں نے

محنت اٹھا کر جو بڑے بڑے صحابہ تیار کئے وہی نعوذ باللہ منافق نکلے۔ اس کے بعد ۱۹۴۹ء میں نواب مبارکہ بیگم صاحبہ سلمہا اللہ کی خدمت میں لاہور آیا اور انکا ملازم ہوا۔ انہوں نے مجھے دلائل دے کر بہت سمجھایا مگر میں کسی طرح مطمئن نہ ہوتا تھا۔ آخر ان کی دعاؤں کے نتیجہ میں میں نے چند ایسی خوابیں دیکھیں جن سے مجھ پر غیب سے صداقت احمدیت کا انکشاف ہوا۔ اور میں مطمئن ہو کر احمدی ہو گیا۔ ان میں سے ایک دو خوابیں بطور نمونہ حلفاً یہاں بیان کرتا ہوں۔ ایک خواب یہ دیکھی کہ بہشتی مقبرہ ربوہ کی طرف بہت سے لوگوں کو ایک بزرگ شخص کے پیچھے دوڑتے ہوئے دیکھا۔ ان کی خواہش تھی کہ ان تک پہنچیں۔ اور ان سے ملاقات کریں۔ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا۔ میں نے میاں منور احمد صاحب چیف میڈیکل آفیسر فضل عمر ہسپتال ربوہ سے جو ان لوگوں میں شامل تھے پوچھا کہ یہ بزرگ شخص کون ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ "یہی تو مسیح موعود علیہ السلام ہیں"۔ اس پر میں نے بھی بہت تمنا کر کے ان کی ملاقات کے لئے ان کے پاس پہنچنے کی کوشش کی۔ جب میں ان کی خدمت میں کسی طرح حاضر ہو گیا تو انہوں نے مجھے فرمایا کہ تم میرے ساتھ قادیان چلو۔ اور کچھ نوٹ نکال کر دیتے ہیں کہ یہ تمہارا کرایہ ہے میں نے عرض کی کہ حضور! میں نواب مبارکہ بیگم صاحبہ سے اجازت لے لوں۔ فرمانے لگے کہ انہیں میاں منور احمد صاحب کہہ دیں گے۔ اسپر میں قادیان جانے پر رضامند ہو گیا۔

اور خواب یہ دیکھی کہ ہر طرف لڑائی ہی لڑائی اور جھگڑا ہی جھگڑا ہے اور لوگ نجات کا راستہ تلاش کر رہے ہیں۔ میں خود بھی نجات اور امن کا راستہ تلاش کر رہا ہوں۔ اس پر ایک سفید ریش بزرگ آدمی آیا۔ اس نے کہا کہ سامنے دو باغ ہیں ان میں سے کسی باغ میں چلے جائیں۔ میں سب سے قریب والے باغ میں چلا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ یہ باغ پھلوں سے لدا ہوا بہت خوبصورت باغ ہے۔ اس کے درمیان میں ایک گول ستون بنا ہوا تھا۔ جس پر موٹے حروف میں ربوہ لکھا ہوا تھا۔ میں بہت خوش ہوا اور سوچا کہ میں تو یہاں بہت عرصہ رہ کے گیا ہوں۔ اب دوبارہ یہیں بھیجا گیا ہوں۔ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ میں احمدیت سے قبل غیر احمدی ہونے کے وقت سے ربوہ میں ہی ملازمت کے سلسلہ میں رہائش رکھتا تھا۔ میں نے اس باغ کے ایک درخت کو جھاڑا تو خوبانیاں نیچے گریں جو میں نے اٹھا کر کھائیں۔ اسپر میری آنکھ کھل گئی۔

خاکسار راقم الحروف نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیٹی حضرت نواب مبارکہ بیگم مدظلہا العالی کی خدمت بابرکت میں درخواست کی کہ شیر علی شاہ مذکور کی قبول احمدیت کا واقعہ لکھ دیں تو نوازش ہوگی۔ انہوں نے ازراہ نوازش باوجود بیماری اور بوجہ بیماری ہاتھوں کے کانپنے کے چند سطور

مکرم خواجہ عیدالعزیز صاحب ذار صفحہ ۳۱

مکرم محمد سلیمان صاحب (مقبوضہ
کشمیر) صفحہ ۲۴۱

مکرم میر غلام احمد صاحب کشفی صفحہ ۷۹

مکرم محمد یوسف صاحب دیوانی
(کشمیر حال اسکردو بلتستان) صفحہ ۲۱۹

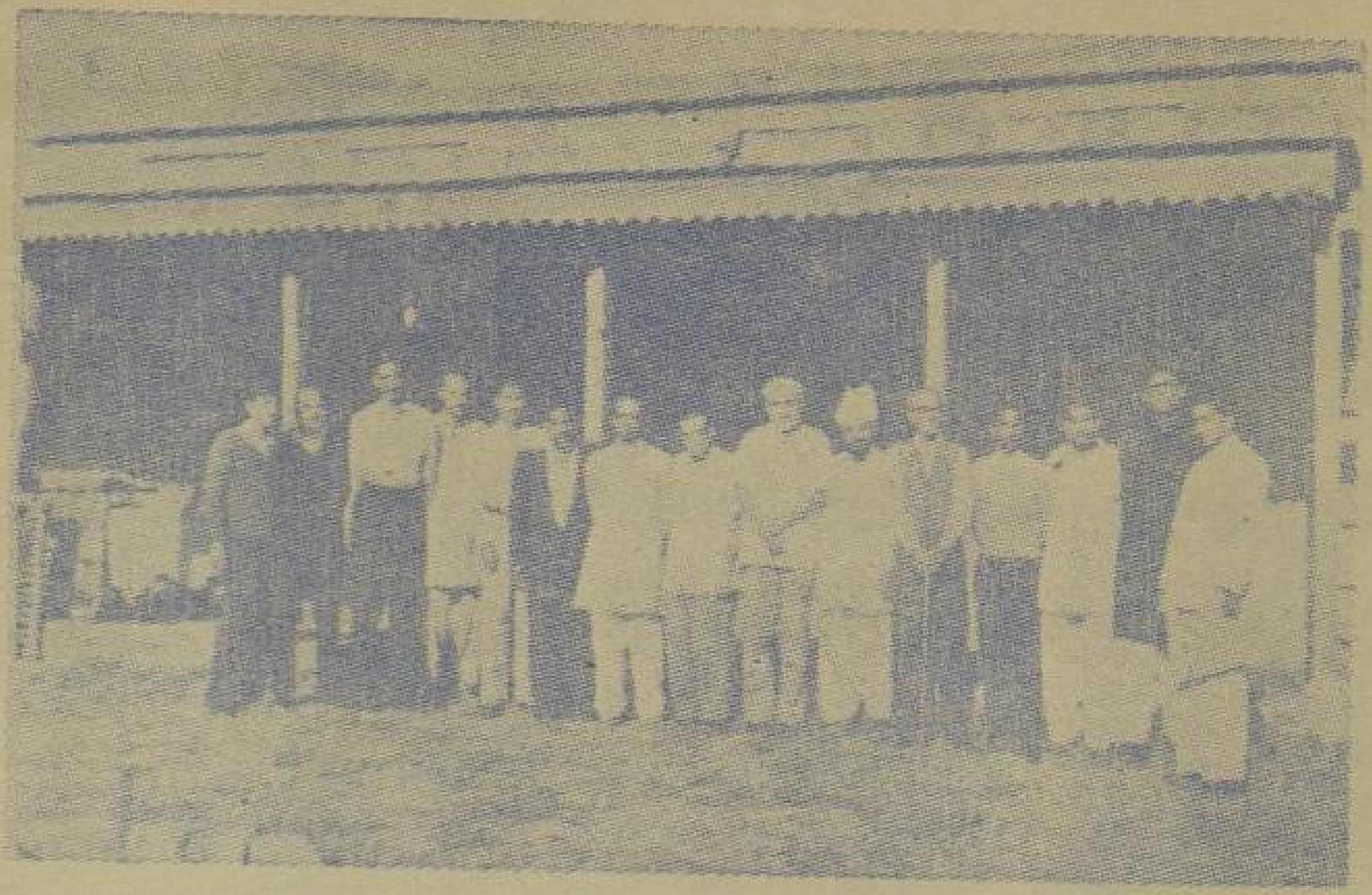

ایڈیٹرز کانفرنس مظفر آباد - مؤلف کتاب ہذا پگڑی پہنے ہوئے اور مکرم عبدالغفار ڈار
درمیان میں کھڑے ہیں صفحہ ۲۰۲

مکرم مولوی عبدالغفار صاحب ڈار ایڈیٹر اصلاح
(سرینگر - کشمیر) صفحہ ۲۹

مکرم خواجہ غلام نبی گلکار صاحب - انور
(بانی صدر حکومت آزاد جموں و کشمیر صفحہ ۲۲۶)

لکھکر مرحمت فرمائیں جنکا درج کرنا اسجگہ مزید افادیت کا باعث ہوگا۔ آپ خاکسار کے نام مکتوب میں تحریر فرماتی ہیں:۔

"برادرم قریشی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ سید شیر علی شاہ میرا ملازم دسمبر ۱۹۵۶ء میں میرے پاس ملازم ہوا۔ اسے نصیر احمد پونچھی احمدی میرے پاس لایا تھا۔ اسے میرے پاس آئے ہوئے چودھواں سال شروع ہوا۔ اس نے دیانت وامانت سے خدمت کی ہے میں نے اس کو کبھی زبردستی احمدی کرنے کی کوشش نہیں کی، تذکرہ باتوں باتوں میں احمدیت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق بیانات اور الہامات اور نشانوں کا تذکرہ کیا اور ایک دو کتب بھی پڑھنے کو دیدیں۔ آخر یہ الفضل بھی پڑھنے لگا۔ پھر اسے دو تین خوابیں واضح آئیں جن کا صاف مطلب اور اشارہ ظاہر تھا کہ اس کو اب احمدیت قبول کرنا اور مسیح موعودؑ پر ایمان لانا چاہیئے۔ پھر بھی بظاہر کچھ عرصہ یہ خاموش رہا۔ آخر کار اس نے فارم بیعت منگوا کر پُر کر کے دیا۔ اور آپ نے بیعت قبول فرمائی۔ الحمدللہ

اسکا خاندان شدید مخالف ہے۔ اکثر اس پر اثر ڈالنا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے میری دعا ہمیشہ رہتی ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو ہمیشہ ثابت قدم رکھے اور اس کے قدم نہ بھٹکیں اور اس کا انجام بخیر ہو۔ آمین

میں بیمار ہوں ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ خدا کرے آپ میرا خط پڑھ سکیں۔ آپ بھی دعا کریں کہ اس کا بھی اور تمام جماعت کا انجام بخیر ہو۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔ والسلام مبارکہ ۸/۲۳ [۱]

پریم کوٹ پریم کوٹ قصبہ چکار سے ۴ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔ یہاں محمد سعید اور محمد یوسف کیانی اولین احمدی ہیں۔ پھر ان کے چار اور بھائیوں نے بھی بیعت کر لی۔ محمد یوسف صاحب کیانی (علاقہ مظفر آباد) اپنے چھوٹے بھائی محمد سعید اور پھر اپنی قبول احمدیت کی داستان یوں بیان کرتے ہیں کہ "میں ریاست کشمیر ضلع مظفر آباد کے ایک کوہستانی علاقہ کا باشندہ ہوں۔ میری دینی تعلیم کی تکمیل مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں ہوئی۔ ہم سات بھائی ہیں جو بفضل خدا سب کے سب کافی دینی تعلیم رکھتے ہیں۔ ہمارا خاندان علماء کا خاندان سمجھا جاتا ہے جس کی وجہ سے علاقہ میں ہمارا خاص احترام کیا جاتا ہے۔ جب احمدیت کی آواز ہمارے علاقہ میں

---

[۱] یہ خط چونکہ حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کی بیٹی نے اپنے مبارک ہاتھوں سے بیماری کے باوجود لکھ کر خاکسار کو بھجوایا ہے اس لئے اسے باعث تبرک سمجھ کر اسجگہ من وعن درج کر دیا گیا ہے تا محفوظ ہو جائے۔ (مؤلف)

اٹھی اور مخالفت کی رو شروع ہوئی تو ہم نے بھی اسلامی خدمت سمجھ کر پورے جوش سے مخالفت شروع کی۔ اس اثر و رسوخ کے باعث جو ہم کو اپنے علاقہ میں حاصل تھا ہمیں پورا یقین تھا کہ احمدی اس علاقہ میں ہرگز اپنی کوششوں کا ثمرہ نہ دیکھ سکیں گے بلکہ جو چند سادہ لوح ان کے دام میں پھنس چکے ہیں وہ جلدی ہی تائب ہو جائیں گے مگر یہ دیکھ کر ہماری مایوسی انتہا کو پہنچ گئی کہ انہوں نے ہمارے چھوٹے بھائی عزیز محمد سعید کو بعمر ہیارہ سال اپنا ہم خیال بنا لیا۔ اور ہماری پوری جد وجہد کے باوجود ہم اپنے عزیز بھائی کو واپس لانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ان مایوس کن حالات میں انسان جو بھی اچھے ہتھیار استعمال کر سکتا ہے ہم نے استعمال کئے خود اور باقی دوستوں نے سمجھانے کی کوشش کی۔ مرزائیت کے عیوب، مرزائیوں کی چالبازیاں قسم قسم کے پیرائیوں اور عجیب عجیب عنوانوں سے بیان کئے مگر اس پر ذرا بھی اثر نہ ہوا اور اپنی تمام بے سروسامانیوں کے باوجود اس کے ایمان میں لغزش نہ آئی بلکہ ہر لمحہ اس کا ایمان احمدیت پر بڑھتا چلا گیا۔ آخر ہم نے انتہائی مایوسی کے عالم میں اسے زدوکوب کیا۔ گھر میں بند رکھ کر اسے ہر طرح سمجھایا، کشمیر کی چمکتی ہوئی سفید برف پر بھی اس کو لٹایا۔ مگر بجائے بے کس و بے بس ہو کر ہماری طرف متوجہ ہونے کے اس نے صحابہ کرامؓ جیسی قربانیوں اور ان جیسے ایمان کا مظاہرہ کیا۔ بالآخر ہم نے تنگ آکر اسے ہمیشہ کے لئے گھربار سے محروم اور آبائی جائیداد سے لاتعلق کر دیا۔ گھر سے نکلنے کے بعد وہ اپنے قریب کے احمدیوں کے پاس چلا گیا۔ جہاں انہوں نے اسے دینی حقیقی عزیز جان کر ہر قسم کی امداد دی اور اپنے خرچ سے اس کو پڑھایا اور اچھی معقول ملازمت بھی دلا دی۔ اُن کی اس ہمدردی سے جہاں وہ اپنے ایمان اور عقیدہ میں اور بھی پختہ ہو گیا وہاں ہم بھی اس سے ہمیشہ ہمیش کے لئے ناامید ہو گئے۔ مگر اس اثنا میں ہم حیران و ششدر تھے کہ احمدیوں نے اسے کیا جادو پڑھایا کہ ہر قسم کی تکلیفوں اور مصیبتوں کے جھیلنے کے باوجود بھی اس کے قدم میں لغزش نہ آئی بلکہ اپنی بوڑھی اور مہربان والدہ تک کو احمدیت کے لئے قربان کر دیا۔ اس کے مقابل پر ہم عالم باعمل کہلاتے اور اسلامی تاریخ سے پوری طرح واقفیت رکھتے ہوئے بھی اپنے اندر اس قدر ایمان نہ پیدا کر سکے جو اسے اپنے آبائی دین پر واپس لانے کے لئے کافی ہوتا۔ غرضیکہ یہ نوجوان اپنی معقول ملازمت سے سبکدوش ہو کر قادیان چلا گیا۔ اور ہمارے مایوس کن سلوک کے باوجود بھی ہم سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھا اور احمدیت کے دلائل اور احمدی لوگوں کی اسلامی قربانی اور اسلامی نمونہ کی مثالیں پیش کرتا رہا۔ میں جو اس کو ایذا دینے میں سب سے پیش پیش تھا

فراغتِ تعلیم کے بعد فوجی زندگی اختیار کر چکا تھا اور باقی بھائیوں کی طرح میں بھی اس کی تبلیغی سرگرمی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ جب ہر خط میں اس نے احمدیت کی سچائی کے دلائل دینے شروع کئے تو آہستہ آہستہ مجھے خیال ہوا کہ کم از کم قادیان جا کر اپنے بچھڑے ہوئے بھائی کو دیکھ تو آؤں مبادا قیامت کے دن والد مرحوم کی روح مجھ سے ناراض ہو کہ تم نے محض مذہبی اختلاف کے باعث میرے سب سے چھوٹے اور کمسن بچے کو ہمیشہ کے لئے کیوں وطن سے نکال دیا تھا؟ چنانچہ میں اس خیال کو لئے ہوئے قادیان جلسہ سالانہ ۱۹۴۵ء پر گیا۔ راستہ میں مجھے قادیان کے متعلق قسما قسم کے وساوس پیدا ہوتے رہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس سفر میں امرتسر ریلوے اسٹیشن پر میں نے دعا کی کہ "اے اللہ! اگر مرزا صاحب سچے ہیں تو میری راہنمائی کر۔ اگر جھوٹے ہیں تو مجھے ان سے دُور رکھ!" اسٹیشن پر وقفہ کے دوران میری آنکھ لگی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ گویا جنرل پریڈ شروع ہے اور اعلان ہو رہا ہے کہ اس فوجی پریڈ کا معائنہ حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے۔ اِتنے میں سامنے سے حضورؐ تشریف لے آئے۔ آپکے داہنے ہاتھ میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کا ہاتھ ہے۔ حضورؐ کا لباس فوجی لباس ہے۔ مَیں پوچھتا ہوں کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرماتے ہیں۔ "یہ میرا خلیفہ ہے۔ یہ میرا خلیفہ ہے۔ یہ میرا خلیفہ ہے۔" مَیں حضورؐ سے اور قریب ہو جاتا ہوں تو آپ کے سینہ پر شیشہ میں فریم کی طرح حضرت مرزا صاحب موصوف کی تصویر چسپاں دیکھتا ہوں اور شیشہ کے اندر سے حضرت نظر آ رہے ہیں۔ اور حضورؐ اور مرزا صاحب کا وجود ایک ہی نظر آتا ہے۔ داہنی طرف دیکھتا ہوں تو دونوں وجود نظر آتے ہیں۔ آپ نے میری حیرانی پر فرمایا "یہ ظلّ اور بروز ہے"۔ اِس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ جب مَیں قادیان پہنچا تو حضرت مرزا صاحب کا فوٹو ویسا ہی پایا جیسا خواب میں دیکھا تھا۔ اِس چیز نے مجھے بہت متأثر کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے بھی مَیں نے ملاقات کی۔ آپ کی شکل دیکھ کر یقین ہو گیا کہ یہ سلسلہ سچا ہے۔ احمدیوں کی قربانیاں اور اشاعت اسلام کی تڑپ دیکھ کر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا زمانہ یاد آیا۔ چنانچہ یکم جنوری ۱۹۴۶ء کو بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں شامل ہو گیا۔ جب میں اپنے وطن علاقہ مظفر آباد میں واپس آیا تو علماء اور لوگوں کی طرف سے میرے ساتھ بھی وہی سلوک ہونے لگا جو میرے چھوٹے بھائی کے ساتھ ہوا تھا۔ بعد میں میرے بھائی حکیم محمد اسحٰق مولوی غلام محی الدین۔ عبد الحق۔ عبد العزیز اور بھتیجا شکور احمد سب احمدی ہو گئے۔ آجکل پریم کوٹ

میں جماعت قائم ہے۔" ۱۹۵۲ء میں جب احمدیوں کے خلاف ملک گیر فسادات رونما ہوئے تو پریم کوٹ کے آس پاس کے علماء نے یہاں کے احمدیوں کے خلاف سخت اشتعال انگیزی کی اور اُن کا خیال تھا کہ احمدیوں کو مٹا کر رکھدیں گے۔ مگر پولیس والوں نے قیام امن کی غرض سے مولویوں اور فساد کے سرغنوں پر شدید گرفت کی اور ناقضین امن کو سزائیں دیتے ہوئے اس طور پر انہیں تنبیہہ کی کہ مجرمین نے احمدیوں کے گھروں میں جا جا کر ان کے مردوں اور عورتوں سے معافیاں مانگی ہیں اور کہا کہ آئندہ کے لئے ہم سے تحریریں لیں کہ مخالفت نہیں کرینگے اور احمدیوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔ چنانچہ احمدیوں نے باوجود اس کے کہ اُن سے سخت تکلیف اور ایذاء پہنچی تھی ترس کھا کر انہیں معاف کر دیا جب احمدیوں نے وسعت قلبی سے کام لیکر انہیں معاف کر دیا تب پولیس والوں سے انکی گلو خلاصی ہوگئی۔

گلگت میں احمدیت

یہاں احمدیت کشمیر کی طرف سے آئی۔ اخبار الحکم کی فہرست کے مطابق ۱۹۰۰ء میں غلام محی الدین نے اور ۱۹۰۱ء میں محمد عبدالاحد خان اور محمد عبداللہ خان نے، ۱۹۰۲ء میں میاں شیر خان نے اور ۱۹۰۳ء میں محمد اکبر ملازم پولیس گلگت نے اور ۱۹۴۲ء میں غازی الدین (موضع گوپس) نے بیعت کی جو شیر غازی کے نام سے بھی موسوم تھے۔ غلام محی الدین ساکن اُونہ گام تحصیل بانڈی پورہ (کشمیر) موضع بونجی میں دوکاندار تھے۔ اُن کے تقوٰی اور عبادت کی وجہ سے لوگ کہتے تھے کہ انہیں دیکھکر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا زمانہ یاد آتا ہے۔ بُونجی سے وہ کشمیر گئے وہاں اونہ گام میں مسجد تعمیر کی اور وہیں وفات پا گئے۔

محمد عبداللہ خاں بھی اُونہ گام سے آکر کشمیری بازار گلگت میں دوکان کرتے رہے۔ وہ واپس کشمیر گئے تو ان کے بیٹے خواجہ غلام محمد یہاں آئے جو خواجہ عبدالغنی اور خواجہ عبدالغفار کے ساتھ گلگت میں کاروبار کرتے رہے جو خواجہ محمد عبداللہ صاحب کے دوسرے بیٹے تھے۔

خان بہادر غلام محمد بھیروی مرحوم جو قادیان میں غلام محمد گلگتی کے نام سے مشہور تھے گلگت پشین۔ گوپس اور لداخ میں اعلےٰ سرکاری عہدوں پر فائز رہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر ۱۸۹۱ء میں بیعت کر چکے تھے۔ راجہ عطا محمد (بانڈی پورہ کشمیر) بھی جن کے حالات صحابہ کے باب میں گذر چکے ہیں گلگت میں تقسیم ہند سے پیشتر "وزیر وزارت" کے سرکاری عہدہ پر متعین رہے ہیں۔ مرزا معظم بیگ بھی ایک عرصہ تک یہاں ملازم رہے۔ اِن حضرات کے اخلاق و پاک سلوک اور تقوٰی کو اب تک لوگ یاد کرتے ہیں۔ پنجاب کے بعض اور ملازمین بھی اکثر گلگت اور گوپس وغیرہ علاقوں میں مختلف عہدوں پر تعینات رہے اور اب بھی ہیں۔

خان بہادر غلام محمد رضؓ جنکا ذکر علیحدہ آگے آرہا ہے کا بیان ہے کہ خان بہادر میر داد محمد اکبر خانصاحب وزیر وزارت گلگت کی کوشش سے ۱۸۹۶-۹۷ء میں گلگت میں ایک جامع مسجد بازار کی مغربی جانب ملازمان واہالیان گلگت اور کشمیری دوکانداروں کے چندہ اور رضا کارانہ مشقت سے تیار ہوئی حسن اتفاق سے انہی دنوں مولوی عبدالرحمن صاحب جو ابھی نوعمر تھے کاغان کے علاقہ سے چلاس کے راستہ گلگت میں وارد ہوئے چونکہ مذہبی علمی قابلیت اچھی تھی اس لئے میر داد محمد اکبر خانصاحب نے جنکے سپرد مسجد کا انتظام تھا مولوی صاحب موصوف کو مسجد کا امام مقرر کر دیا۔ ان ایام میں چونکہ احمدی اور غیر احمدی ملکر نماز پڑھ لیا کرتے تھے اس لئے خاکسار بھی اسی مسجد میں نماز پڑھا کرتا تھا۔ مولوی صاحب کو مجھ سے بہت اُنس پیدا ہوگیا۔ میں محکمہ پولیٹکل ایجنسی میں ملازم تھا وہ کبھی کبھی میرے مکان پر تشریف لایا کرتے۔ میرے پاس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تقریباً سب کتب موجود تھیں اور اخبار الحکم بھی آیا کرتا تھا۔ جب کبھی وہ میرے مکان پر تشریف لاتے میں انکو سلسلہ کی کتب اور اخبار پڑھنے کے لئے دیتا۔ اس طرح وہ بہت سا وقت میرے مکان پر ہی گذارتے۔ تقریباً دو سال گذرنے کے بعد انہوں نے مجھے اطلاع کئے بغیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بیعت کا خط لکھ دیا۔ جب حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی دستخطی بیعت کی منظوری کا کارڈ اُن کے پاس پہنچا تو وہ کارڈ انہوں نے مجھے دکھایا جس پر مجھے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ مولوی صاحب کے بیعت کر لینے کو خفیہ رکھا گیا اور تقریباً دو سال تک کسی کو خبر نہ ہوئی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا کشمیر کے ایک سید پیر محمد یوسف صاحب تقریباً ہر سال کشمیری دوکانداروں سے نذرانہ وصول کرنے کے لئے گلگت آیا کرتے تھے۔ انکو کسی مذہبی کتاب کے کسی حوالہ کے لئے ضرورت جو پڑی تو انہوں نے وہ کتاب مولوی صاحب موصوف سے منگوا بھیجی۔ اتفاق سے وہ بیعت کا کارڈ اسی کتاب میں پڑا تھا۔ پیر صاحب کو مولوی صاحب کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے اور خود امام مقرر ہونے کا بہت اچھا اوزار مل گیا۔ اس نے کشمیری دوکانداروں کو وہ کارڈ دکھا کر خوب مشتعل کر دیا اور انہوں نے بے حد شور مچایا۔ چونکہ سب لوگ مخالف ہو گئے اس لئے مولوی صاحب کو گلگت چھوڑنا پڑا مگر پیر صاحب بھی امام مقرر نہ ہو سکے اور ایک کوہلی والے مولوی صاحب امام مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد گلگت کا ہی ایک شخص دیوبند سے تعلیم پاکر واپس پہنچ گیا اور وہ امام مقرر ہوا۔ مولوی صاحب کشمیر میں بمقام باڑی پورہ میں راجہ عطا محمد خان صاحب احمدی کے پاس چلے آئے۔ راجہ صاحب کچھ عرصہ گلگت میں بطور

وزیر وزارت رہ چکے تھے غالباً راجہ صاحب کی کوشش سے مولوی صاحب کو کشمیر میں زمین بھی مل گئی اور شادی کرکے چک اندورہ میں آباد ہو گئے۔[لے] انکے حالات مبلغین کے باب میں گذر چکے ہیں۔

حضرت خان بہادر غلام محمد گلگتی رضی اللہ عنہ

خان بہادر غلام محمد خانصاحب گلگتی کے آباؤ اجداد بھیرہ کے تھے۔ بچپن میں یتیم ہو گئے۔ سکول میں پڑھائی کے دوران تو رشتہ داروں نے چاہا کہ تھوڑا بہت کام کاج سیکھ لیں مگر انہیں پڑھنے کا شوق تھا۔ دریں اثناء رشتہ داروں کے سلوک سے خوش ہو کر بارہ مولا میں وطنی تعلق کی بناء پر حکیم خلیفہ نورالدین صاحبؓ کے پاس پہنچے جو بھیرہ کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے اس کا شوق دیکھتے ہوئے انہیں جموں کے ایک سکول میں داخل کرا دیا۔ ہوسٹل کے اخراجات خود ایک عرصہ تک ادا کرتے رہے حضرت حکیم صاحبؓ کشمیر سے واپس تشریف لائے تو انہیں مفتی محمد صادق صاحبؓ کے سپرد کر دیا جو جموں میں مدرس تھے۔ پھر جب مفتی صاحب بھی واپس آگئے اور خانصاحب میٹرک میں تھے۔ تو اخراجات نہ ہونے پر ہوسٹل والوں نے جواب دے دیا۔ انہوں نے جنگلوں اور جھونپڑیوں میں شدید تنگی سے گذارہ کیا۔ یہ زمانہ ان کے لئے مصائب کا زمانہ تھا۔ ان حالات میں میٹرک کر لیا نوکری کی درخواست دے رکھی تھی۔ ریاستی حکومت نے خزانچی کی حیثیت سے گلگت میں تعینات کیا۔ تنخواہ غالباً دس یا پندرہ روپے ماہوار تھی۔ اپنی پہلی تنخواہ میں سے کچھ رقم حضرت حکیم صاحبؓ کی معرفت اپنی والدہ کو روانہ کی۔ حضرت حکیم صاحبؓ نے جواباً بڑا تسلی والا اور دعاؤں سے بھرا ہوا خط لکھا۔ آخری جملے یہ تھے کہ" جب میں تمہاری رقم لے کر پہنچا تو تمہاری والدہ کا جنازہ گھر کے دروازوں سے نکل رہا تھا۔"

۲۸ دسمبر ۱۸۹۱ء میں آپ نے حضرت مفتی صاحبؓ اور حضرت حکیم صاحب کی تبلیغ کے نتیجہ میں بیعت کر لی۔ شادی کے بعد اپنی اہلیہ محترمہ خدیجہ بیگم کے ہمراہ قادیان گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ خدیجہ بیگم کا کہنا ہے کہ میں حضور علیہ السلام کا چہرہ دیکھ کر ہی آمادہ ہو گئی تھی کہ بیعت ضرور کرنی ہے۔ اس کے بعد رشتہ داروں کی طرف سے شدید مخالفت ہوئی لیکن مستقل مزاجی سے قائم رہیں۔ اور انہیں تبلیغ بھی کرتی رہیں۔

خان صاحبؓ گلگت میں پوری تندہی سے ملازمت کے فرائض بجا لاتے رہے۔ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ کچھ رقم خزانے کی کم ہو گئی۔ بڑے پریشان ہوئے اور دعا کی۔ باہر نکلے تو اتنی ہی رقم گری ہوئی ملی۔ حساب برابر کر دیا۔ گلگت میں ترقی کرتے کرتے پولیٹکل اسسٹنٹ کے عہدے پر

لے الفضل یکم اکتوبر ۱۹۴۴ء

پہنچے۔ اس سے اوپر کے تمام عہدے انگریزوں کے پاس ہوتے تھے۔ اس دوران میں انہیں "خان صاحب" اور "خان بہادر" کے خطابات ملے۔

گلگت میں نماز باجماعت کا انتظام گلگت میں جماعت احمدیہ کی نماز باجماعت خانصاحبؓ کے گھر پر ہوتی تھی۔ اس وقت کشمیر میں جو کل دس پندرہ احمدی تھے اُن میں غفارجوؓ۔ غنی جوؓ دو بھائی (تاجر) اور محمد جو درزی تھے۔ یہ وہاں آکر نماز پڑھا کرتے۔ ڈیوٹی کے بعد ملنے کے جو لوگ ملاقات کرنے آتے خانصاحب انہیں بھی تبلیغ کرتے۔ دسمبر کے مہینے میں سالانہ کھیلیں ہوتیں اور دربار لگا کرتا۔ اس موقع پر میر ہنزہ، میر نگر، یسین۔ گپس اور دیگر ریاستوں کے راجے آتے۔ اُن کے ٹھہرانے کا انتظام خان صاحب کے سپرد ہوتا جو وہ بہت احسن طور پر کرتے تھے۔ اور خود بھی پولو بہت اچھا کھیلتے تھے۔ گلگت کے قیام کے دوران یاسین کا راجہ یعنی مہتر یاسین گدی چھوڑ کر چترال چلا گیا اور مارا گیا۔ برطانوی حکومت نے وہاں کا انتظام سنبھالنے کیلئے خان صاحب کو یاسین کا حکمران بنا کر وہاں بھیج دیا۔ آپ عرصہ دو سال یاسین کے راجہ رہے اور یہاں شان و شوکت اور نہایت تمکنت سے حکومت کی۔ ایک سابق راجہ عبدالرحمٰن کو جسے انگریزوں نے قید کر کے کشمیر بھجوا دیا تھا قابلِ رحم سمجھ کر اس کی سفارش کی چنانچہ دو سال بعد اسے بحال کر کے خود گلگت آ گئے۔ اس لحاظ سے پہلے احمدی راجہ غالباً خانصاحبؓ تھے

گلگت اور یاسین میں آپ نے جو راج کیا اس میں حسب سابق دربار لگتا۔ پہلے ہی کی طرح فیصلے کئے جاتے۔ شکایتیں سُنی جاتیں۔ سفر ہوتے۔ ایک قلعہ میں رہائش تھی۔

"خان صاحب" اور "خان بہادر" کے خطابات جنوری ۱۹۱۸ء میں آپ کو گورنر جنرل آف انڈیا کی طرف سے آپ کی خاص خدمات کے صلے میں بوساطت ریذیڈنٹ کشمیر "خان صاحب" کا اور جنوری ۱۹۲۰ء میں "خان بہادر" کا خطاب ملا۔ اسناد آپ کے خاندان کے پاس موجود ہیں۔

خانصاحبؓ کو اللہ تعالیٰ نے آٹھ بیٹیاں اور تین بیٹے دیئے۔ بچیوں کی تربیت بھی لڑکوں کی طرح کی۔ انہیں گھڑ سواری۔ بندوق زنی اور شکار میں ماہر کیا۔ دربار میں لڑکوں کو بھی باقاعدہ جگہ دی۔ جب کوئی فیصلہ سناتے تو بچوں کو بھی ساتھ رکھتے۔ یاسین کے لوگ آپ سے بہت خوش تھے اور آپ کو اپنا مائی باپ کہتے۔ آپ کے واپس آنے پر بہت دلگیر ہوئے۔ پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔ راستہ روک کر کہنے لگے کہ ہم آپ کو نہیں جانے دیں گے۔ اب ہمارا پرسانِ حال کون ہوگا۔ خانصاحب بھی آنکھوں سے آنسو پونچھتے جاتے اور انکے سروں پر ہاتھ رکھتے جاتے۔

یاسین سے واپسی پر آپ زیادہ عرصہ گلگت میں نہیں ٹھہرے۔ پولیٹیکل اسسٹنٹ سے اوپر کے عہدے انگریزوں کے پاس تھے اور جو منشی آپ کے ماتحت تھا اسکا آپ کو خیال تھا کہ وہ بھی ترقی کرے۔ اسلئے آپ نے اپنا تبادلہ لداخ میں بحیثیت سیٹلمنٹ کمشنر وجرس آفیسر کرالیا۔ لداخ کا راستہ انتہائی دشوار گذار تھا۔ وہاں کی زیادہ تر آبادی بدھ تھی۔ آپ بدھ مذہب کے رہنماؤں یعنی لاموں کو اپنے ترجمان کے ذریعہ تبلیغ کیا کرتے۔ علاقے کے دو بڑے غیر از جماعت تاجر محمد صدیق و محمد شریف صاحب بھی زیر تبلیغ رہے ڈاک دو تین ماہ میں پہنچتی۔ اس کے باوجود جماعتی اخبارات رسائل اور کتب باقاعدگی سے منگواتے۔ آپکی تبلیغ کے جواب میں بودھ بھی اپنے تہواروں پر انہیں بلاتے اور خانصاحب اپنے تمام بچوں لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ جاتے۔ (اُن کے تہواروں میں زیادہ تر بدن پر رنگ لگاکر اور رنگ برنگ کے کپڑے پہن کر رقص کرنا شامل ہوتا ہے۔) یہ اپنے بچوں کی تربیت کا خاموش ذریعہ تھا۔ اسطرح بچوں میں اسلامی عبادات کی سنجیدگی اور وقار و عظمت کا احساس ہوتا ہے۔

ہمالہ کے اس حصے میں حضرت ابن مریم علیہ السلام کی آمد کے کئی نشان ملتے ہیں۔ خانصاحب موصوف ایک دفعہ اپنے بچوں کو خاص طور پر وہ رستہ دکھانے لے گئے جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کشمیر میں داخل ہوئے۔ استفسار پر بتایا کہ یہ قیاس یہاں کے بزرگوں اور پرانی کتابوں کی بنیاد پر انہوں نے اخذ کیا ہے۔ ینگ شنگ جو کہ لداخ اور لاسہ کی سرحد ہے وہاں پر ایک بہت بڑا پتھر تھا جس پر عبرانی زبان کے کچھ الفاظ لکھے تھے۔ خانصاحب نے وہاں کے نوٹ لے کر حضرت مفتی صاحبؓ کو بھیجے تھے جو قبر مسیح کی تحقیقات پر مشتمل کتاب مرتب کر رہے تھے لداخ میں چشمے کے کنارے ایک درخت ہے مشہور ہے کہ ایک اوتار نے پتھر پہ بیٹھ کر اسجگہ منہ دھویا اور مسواک کر کے مسواک کو یہیں دبا دیا جو اُگ آئی۔ مقامی لوگ اس اوتار کا نام "مریاں ٹھگو" یعنی مریاں کا بیٹا بتاتے ہیں اور اس درخت کو متبرک سمجھکر اسکا احترام کرتے ہیں۔ ہمیس (بدھ مذہب کی خانقاہ کے) لامہ نے ایک بہت ہی پرانی کتاب جو عبرانی زبان میں تھی خانصاحب کو دی تھی۔ کہا جاتا تھا کہ کوئی اوتار یہاں سے گذرے تھے یہ اُن کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کتاب سے کشمیر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد سے متعلق اہم معلومات ملنے کے امکانات تھے مگر افسوس ہے کہ کسی نے یہ کتاب دیکھنے کے بہانے لے لی اور پھر واپس نہیں کی۔

خانصاحب کے خاندان کے علاوہ لداخ میں احمدی کوئی نہیں تھا۔ ایک مرتبہ کسی انگریز افسر

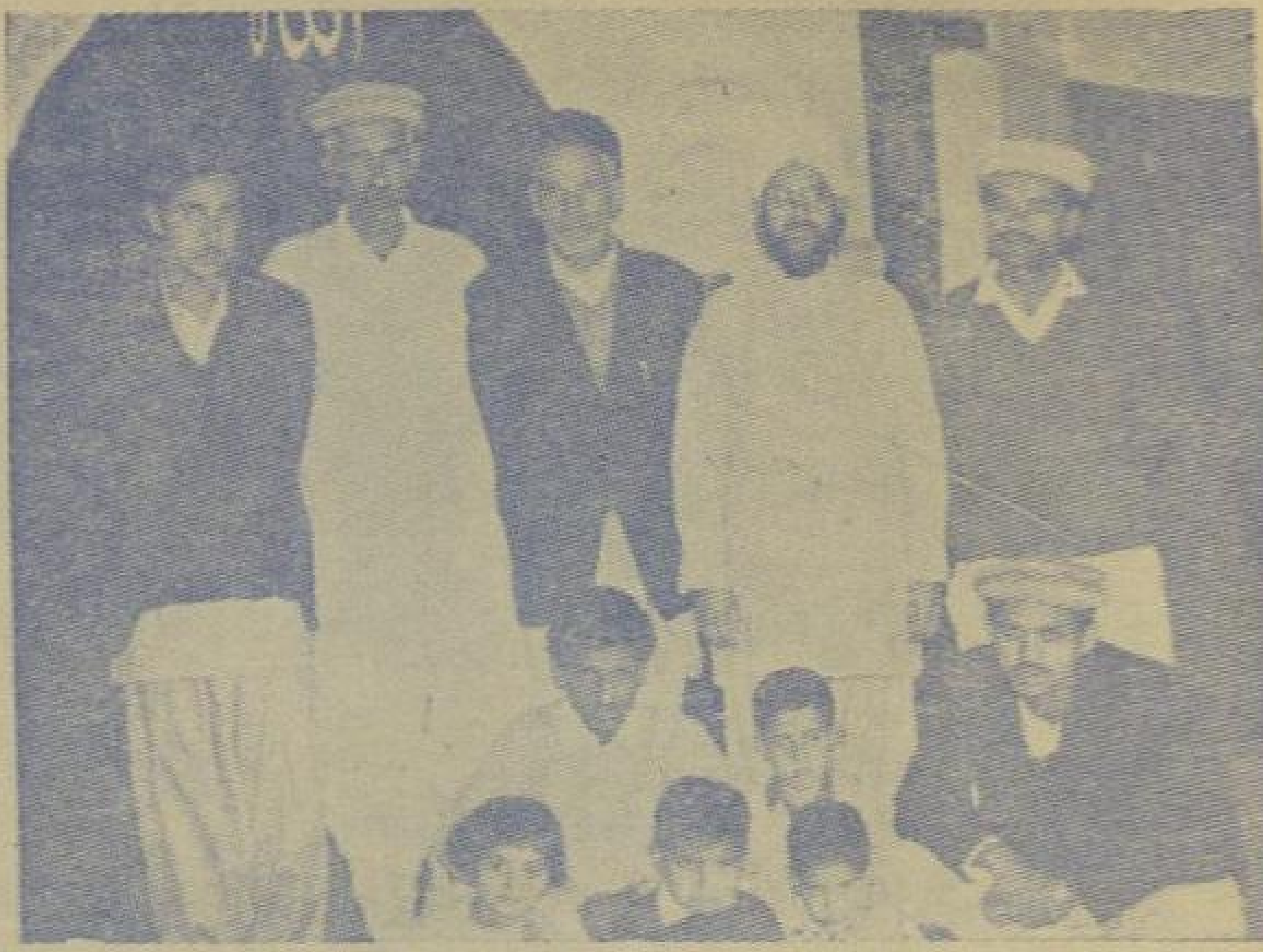

جماعت احمدیہ گلگت کے چند احباب
دائیں سے بائیں کھڑے - (۱) مقبول احمد (۲) مکرم ملک فیاض احمد صاحب (۳) مکرم فقیر محمد صاحب (۴) خاکسار مؤلف کتاب ھذا پگڑی پہنے ہوئے (۵) مکرم چودہری رشیدالدین صاحب (۶) بیٹھے ہوئے نوید احمد (۷) اظہر احمد وغیرہ بچگان۔

مکرم محمد سمیع اللہ صاحب حال گلگت

مسجد احمدیہ گلگت (مشرقی حصہ)

مسجد احمدیہ گلگت بڑا گیٹ (اب سڑک)

صفحہ ۲۱۴

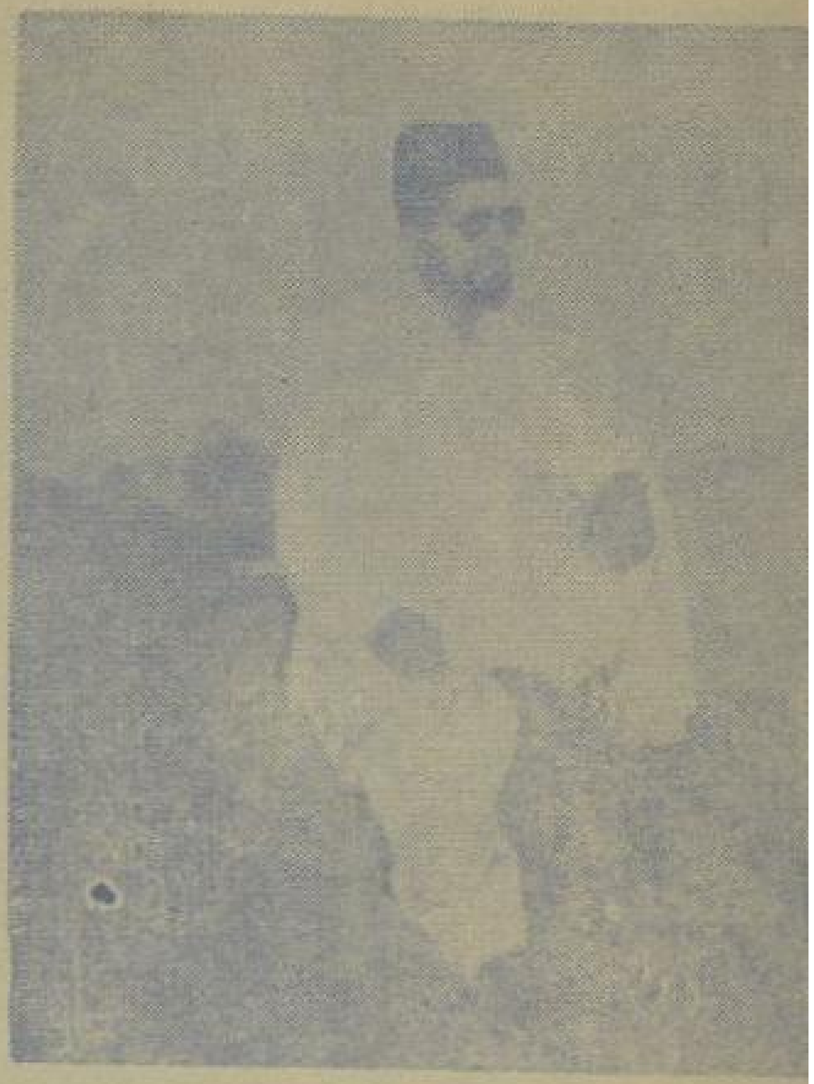

مکرم برکات احمد صاحب صفحہ ۲۱۶

مکرم مبارک احمد صاحب صفحہ ۲۱۶

مکرم خواجہ غلام محمد صاحب صفحہ ۲۰۸ و ۲۳۵

مکرم ڈاکٹر عبدالغنی ملک آسنور حال کراچی

کے ساتھ ایک احمدی منشی بھی آئے۔ خانصاحبؓ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ اور نماز جمعہ باقاعدہ ادا کی۔ سیرت النبیؐ کے سالانہ جلسے ہوئے جن میں ہر مذہب کے لوگ شریک ہوتے۔ ایسے ہی ایک جلسے میں ایک ہندو تحصیلدار امرناتھ صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک نظم بھی سُنائی دینی لحاظ سے بھی اللہ تعالےٰ نے آپ کو بہت عزت عطا فرمائی اور دنیوی لحاظ سے بھی وجاہت دی۔ سنایا کرتے تھے کہ میں قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس گیا۔ وہاں چند دن ٹھہر کر حضورؑ سے اجازت چاہی۔ لیکن حضور نے اور ٹھیرنے کیلئے فرمایا۔ چند دن ٹھہر کر پھر اجازت مانگی تو حضور نے فرمایا کہ ابھی اور ٹھہریں۔ خانصاحب کہتے کہ اس قیام کے دوران میں کثرت سے ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃً وفی الاٰخرۃ حسنۃً وقنا عذاب النار پڑھا کرتا تھا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ میری دعا پوری ہو گئی اور زبان پر جاری ہوا "اقبلت"۔ اس کے بعد آپ نے تیسری مرتبہ حضورؑ سے جانے کی اجازت چاہی تو حضور نے فرمایا کہ ہاں اب اجازت ہے۔ اللہ تعالےٰ نے میری یہ دعا ہر رنگ میں پوری فرمائی۔

آپ نہایت بارعب اور صاحب عزم و وقار شخصیت تھے اور مشکلات کا مقابلہ کرتے تھے آپ کے قریبی دوستوں میں حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ اور مولوی عبید اللہ صاحبؓ سنوری تھے۔ جلسہ کے موقع پر ایک دفعہ قادیان آئے اور جلسہ گاہ میں گیلری پر عاجزی سے بیٹھے۔ حالانکہ دنیاوی لحاظ سے ایک ایسے عہدے پر فائز تھے کہ جن کو اپنے علاقہ کے بڑے بڑے راجے اور امراء آگے بڑھ بڑھ کر اپنے رومال پیش کرتے کہ وہ ہاتھ صاف کریں۔ اس میں وہ خوشی محسوس کرتے۔

پنشن کے بعد آپ نے قادیان میں گلگت ہاؤس۔ لداخ ہاؤس اور یاسین ہاؤس تین مکان بنوائے۔ جب ملازمت سے آئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے لئے اور تحفوں کے علاوہ ایک گھوڑا بھی لائے۔ یہاں حضور کو پہلے ہی خواب میں دکھایا گیا کہ تمہارے لئے کوئی شخص گھوڑا لا رہا ہے جس پر حضرت میاں بشیر احمد صاحب بہتر سواری کر سکیں گے۔

بہت علم دوست تھے۔ ہر شہر میں جہاں آپ رہے ذاتی خرچ پر بنوائی ہوئی بڑی بڑی لائبریریاں چھوڑیں۔ کشمیر سے گلگت اور لداخ تک جتنے پڑاؤ آتے، ڈاک بنگلوں میں احمدیت سے متعلق کتب اور رسائل رکھواتے جاتے۔ آخر بھیرہ میں ۱۹۵۶ء میں وفات پا گئے۔ چونکہ موصی تھے اس لئے آپ کی نعش ربوہ لائی گئی۔ اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن ہوئے۔ آپ کی اہلیہ خدیجہ بیگمؓ بھی ۱۹۷۱ء میں فوت ہو گئیں۔ آپ بھی بہت نیک اور حلیم المزاج تھیں۔ نشانہ بہت اچھا تھا

تقسیم ہند کے موقع پر اپنی بیٹیوں کے ساتھ احمدی عورتوں کو بندوق چلانے کی تربیت دیتی رہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے عورتوں کے اجتماع میں اپنی ایک تقریر کے دوران ان کی بہادری کی تعریف کی جو انہوں نے قادیان کے قریب دیوار کے سکھ لٹیروں کے مار بھگانے کے سلسلہ میں دکھائی تھی۔ اسکا ذکر تاریخ لجنہ میں آچکا ہے۔[1]

مسجد احمدیہ گلگت

گلگت میں پہلے موجودہ جامعہ حنفیہ گلگت کے شمال میں ایک قطعۂ زمین تجویز کر کے خریدنے کی کوششیں شروع کر دی گئی تھیں مگر بعض متعصب لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے سودا نہ ہو سکا۔ پھر بواسطہ خواجہ احد جو ساکن نوتل جو گلگت سے ۱۸ میل کے فاصلہ پر ہے موجودہ مسجد وملحقات کا رقبہ جو سات کنال پر مشتمل تھا تین حصوں میں برابر خریدا گیا۔ ایک حصہ مسجد کا۔ ایک حصہ خواجہ عبدالغنی کا اور ایک حصہ خواجہ احد جو کا ۱۹۴۶ء میں مسجد کی تعمیر شروع کر دی گئی۔ اخراجات کے لئے خدا نے غیبی سامان کر دیئے کئی احمدیوں نے رقوم دیں اور مسجد کی تکمیل میں حصہ لیا۔ خواجہ غلام محمد احمدی (جو خواجہ عبدالغنی وعبدالغفار تاجران گلگت کے بھتیجے اور خواجہ ثناء اللہ کے بڑے بھائی تھے) خواجہ ثناء اللہ ڈاکٹر بشیر احمد وٹرنری اسسٹنٹ گلگت جو لدھیانہ کے پرانے بزرگ احمدی تھے نے مسجد کی تعمیر وتکمیل میں خاص حصہ لیا۔ صدر انجمن احمدیہ مرکزیہ ربوہ نے بھی امداد کی۔ چنانچہ مسجد کے ساتھ چھ دکانیں اور تین فیملی کوارٹر بھی تعمیر ہو گئے۔

۱۹۷۱ء میں خاکسار راقم الحروف کی زیر نگرانی عقب مسجد سفید زمین پر ایک اور کمرہ مسجد کی آمد سے تعمیر کرایا گیا ہے۔ اور ملازمین جو وقتاً فوقتاً یہاں بسلسلہ سرکاری ملازمت رہے مسجد اور ملحقہ کوارٹرز وغیرہ کی نگرانی کرتے رہے جنہیں مکرم مقبول شاہ۔ مکرم فقیر محمد صاحب ہزارہ سٹور کیپر ہسپتال گلگت، مکرم ملک بشارت احمد صاحب مدرس ہائی سکول گلگت مکرم سمیع اللہ خانصاحب، مکرم فیاض احمد صاحب وغیرہ کئی احباب شامل ہیں۔

احمدیہ مشن کا قیام

۱۹۶۹ء میں مرکز کی طرف سے خاکسار راقم الحروف کو پہلا مبلغ ومربی بنا کر گلگت بھیجا گیا اور پہلا مشن قائم ہوا۔ لائبریری کا

---

[1] یہ حالات خاکسار راقم الحروف کی درخواست پر اخوند ریاض احمد نے خانصاحب کی چار صاحبزادیوں محترمہ اہلیہ کیپٹن ہادی علی خان۔ محترمہ اہلیہ صاحبہ اخوند محمد اکبر خانؓ صاحب۔ محترمہ اہلیہ صاحبہ شیخ فضل کریم صاحب اور محترمہ اہلیہ صاحبہ شیخ عبدالقیوم سے مل کر مرتب کر کے بھیجے ہیں۔

قیام بھی عمل میں آیا۔ مقامی علماء نے زبردست مخالفت شروع کی۔ پنجاب سے منافرت آمیز اور اشتعال انگیز لٹریچر منگوا کر گلگت میں تقسیم کیا گیا۔ پنجاب کے علماء کو بلا کر احمدیت کے خلاف تقریریں کرائی گئیں بعض مولوی صاحبان نے جماعت میں مسلسل مخالفانہ تقاریر کا سلسلہ ایک جامع مسجد میں شروع کر دیا۔ خاکسار راقم الحروف کو قتل کی بھی دھمکیاں دی گئیں۔

۲۴ ستمبر ۱۹۷۱ء کو کھوہر علاقہ چیلاس (گلگت ایجنسی) میں ایک احمدی مدرس غلام حسن کو بعض مقامی لوگوں نے جو آپ کے مقروض تھے روپیہ کی لالچ میں رات کو بے دردی سے شہید کر دیا اور آپ کے مال و متاع کو لوٹ لیا[۵]۔ اس واقعہ کے ذریعہ بھی علاقہ میں خوف و ہراس پھیلانے کی کوشش کی گئی۔ مسجد سے ملحق مقامی لائبریری کے صحن میں رکھا ہوا ایک بلیک بورڈ جس پر عوام کی آگاہی کے لیے "ظہور مہدیؑ کی خوشخبری لکھی گئی تھی دن کو چوری سے اٹھا کر ضائع کر دیا گیا۔ ان مخالفتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام لوگوں اور نوجوانوں نے احمدیہ لٹریچر پڑھنا شروع کیا اور ان کی بہت سی غلط فہمیاں دور ہو گئیں اور بعض بیعتیں بھی ہوئیں۔ مسجد سے ملحقہ دو کانات میں سے اب سڑک ایک دوکان میں دارالمطالعہ کھولا گیا ہے

ظہور مہدیٔ آخر زمان ۱۹۷۱ء میں خاکسار راقم الحروف نے "ظہور مہدیٔ آخر زمان" کے عنوان سے ایک کتابچہ لکھا جو ربوہ سے چھپوا کر گلگت سے شائع کیا گیا۔ اس کی تقسیم سے یہاں کے شیعہ اثنا عشریوں اور اسماعیلی فرقہ کے لوگوں کی غلط فہمیاں دور ہوئیں جو اس علاقہ میں کثرت سے آباد ہیں۔

بعض اور ٹریکٹ دسمبر ۱۹۷۱ء میں پاک بھارت جنگ شروع ہوتے ہی راقم الحروف کی طرف سے پاک و بھارت کشمکش سے متعلق دو پیشگوئیاں بھی ہنزہ پرنٹنگ پریس گلگت سے بصورت دستی اشتہار شائع کر کے تقسیم کی گئیں۔ جن میں پیشگوئی تھی کہ پاکستان پر مشکل حالات آئیں گے مگر جلد بہتر حالات پیدا ہو جائیں گے۔ ایک ٹریکٹ "کشمیر میں حضرت عیسیٰ کی وفات" کے نام سے بھی شائع کیا گیا۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو لداخ میں بھی آئے تھے۔ پھر کشمیر میں جا کر وفات پا گئے تھے۔ ایک اور ٹریکٹ "شمالی علاقوں میں زلزلے اور توبہ و استغفار کی ضرورت" کے نام سے بھی شائع کیا گیا جبکہ کئی ماہ سے

---

۵ مرحوم کے ایک بھائی مولوی محمد عبداللہ صاحب تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ کشمیر سے ہجرت کر کے اس علاقہ میں آئے تھے۔ آپ موضع سیہر (علاقہ کھوہر چیلاس) پرائمری سکول کے ملحق قبرستان میں دفن کر دیئے گئے۔

علاقہ داریل دیاسین میں کثرت سے زلزلے آتے تھے اور داریل میں ہزاروں روپے کے مالی نقصان کے علاوہ جانی نقصان بھی ہوا۔ اس کا مضمون نام سے ظاہر ہے۔

ایک اور ٹریکٹ "امام زمانہ کو شناخت کرنے کی ضرورت" کے نام سے شائع کیا گیا۔ ۱۹۶۳ء کے آغاز میں "آزاد کشمیر اور گلگت و بلتستان میں اسلام" کے نام سے بھی ایک کتابچہ (با تصویر) شائع کیا گیا جس میں تجارہاریاسلام کے ضمن میں احمدیت کا تعارف بھی کرایا گیا ہے

داریل میں احمدیت

داریل گلگت سے ڈیڑھ سو میل کے فاصلہ پر اس کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اس علاقہ میں سو فیصد حنفی عقیدہ کے لوگ آباد ہیں یہاں سب سے پہلے ۱۹۵۲ء میں مبارک احمد ولد عبدالرزاق ساکن آسنور (مقبوضہ کشمیر) بسلسلہ ملازمت آئے۔ کچھ عرصہ بعد مبارک احمد اور ان کے بھائی برکات احمد صاحب نے ملکر یہاں تجارتی کاروبار شروع کیا جواب تک جاری ہے۔ ان کے اخلاق کا یہاں کے لوگوں پر بہت اثر پڑا اور وہ لوگ رفتہ رفتہ احمدیت سے آگاہ ہونے لگے۔ متعصب لوگوں نے ان کی شدید مخالفت کی جس کی وجہ سے انہیں مالی نقصانات سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ علاقہ تعلیمی پسماندگی میں مبتلا ہے اس لئے متعصب طبقہ کی اشتعال آمیز کارروائیوں کی وجہ سے انہیں اکثر جان و مال دونو کا خطرہ لگا رہا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کے اخلاق اور احمدیت کی صداقت کی وجہ سے محفوظ رہے اور ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنہوں نے ان کا ساتھ دیا۔ چنانچہ بعض غیر از جماعت افراد کو انکے متعلق بعض مبشر خوابیں بھی آئیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقہ میں احمدیت کا نور ضرور پھیلے گا اور ترقی کرتا چلا جائیگا۔

گوپس (گلگت) کے ایک شخص نثیر غازی (الحکم میں غازی الدین چھپا ہے) جو کہ چینی ترکستان، کشمیر اور پھر متقسم ہندوستان میں سیاحت کرتے رہے ۱۹۴۰ء میں احمدی ہوئے تھے۔ پلجر بازار گلگت میں ان کی دوکان بھی رہی۔ تبلیغ کا شوق رکھتے تھے حال ہی میں سین میں فوت ہو کر وہیں دفن ہوئے۔ ان کی اولاد سین اور گلگت میں موجود ہے۔

اسکردو

اسکردو میں محمد یوسف دیوانی ولد پیر مہر شاہ دیوانی اور محمد نور دین دانی ولد ماسٹر غلام احمد ساکنان ترکہ بورہ تھانہ بانڈی پورہ (کشمیر) دو احمدی خاندان ہیں

۱؎ عبدالرزاق محمد حسنؓ کے اور محمد حسینؓ صحابی مولوی محمد ابراہیم صاحبؓ صحابی مرحوم کے بیٹے تھے جن کا ذکر پہلے صحابہؓ کے باب میں گذر چکا ہے۔

جو ۱۹۴۷ء سے پہلے کشمیر سے بسلسلہ کاروبار اسکردو میں چلے آئے اور یہاں اب تک مقیم ہیں۔ انہوں نے اپنے مکان بھی یہاں تعمیر کرلئے ہیں۔ اسکردو علاقہ خپلو موضع دم سُم میں مولوی غلام محمد صاحب بھی جو پہلے نوربخشی فرقہ سے پھر حنفی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے کچھ عرصہ سے احمدیت قبول کرکے جماعت احمدیہ میں شامل ہوئے ہیں اپنے علاقہ میں اچھے زمیندار اور صاحب علم شمار ہوتے ہیں اور درس بھی پڑھاتے رہے ہیں علیحدہ طور پر قابل ذکر ہیں۔

دم سُم میں احمدیت

موضع دم سُم علاقہ خپلو میں ایک گاؤں ہے جو خپلو سے ۲۶ میل دور ہے علاقہ خپلو کی تحصیل اسکردو ہے۔ موضع دم سُم میں ایک سو بیس ۱۲۰ گھر اور آبادی پانچسو اسی ۵۸۰ ہے۔ اس موضع میں سب سے پہلے ۱۹۶۷ء ۱۹۶۸ء میں مولوی غلام محمد صاحب نے بیعت کی۔ انکی قبول احمدیت کے واقعات یوں ہیں کہ ایک دفعہ قرآن مجید کی آیت وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الآیۃ) کی تلاوت کررہے تھے۔ آپ نے سوچا کہ اس آیت کی رُو سے ہر زمانہ میں مسلمانوں میں تبلیغ اسلام کرنے والی جماعت موجود ہونی چاہیئے۔ قرون اولیٰ میں یہ جماعت حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کی جماعت تھی۔ پھر تابعین کی پھر تبع تابعین کی علی ہذا القیاس۔ مگر اب اس زمانہ میں تبلیغ اسلام کرنے والی جماعت کونسی ہے۔ اور کہاں ہے۔ اس اثنا میں مَیں نے خپلو کے دوکاندار سے سودا منگوا بھیجا جو الفضل اخبار کے ایک ٹکڑے میں تھا۔ جس میں جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی کا ذکر تھا۔ مَیں نے سوچا کہ ایسی ہی جماعت کی ضرورت ہے۔ اس کا پتہ لگانا چاہیئے۔ چنانچہ آپ خپلو پہنچے۔ اور دریافت کیا کہ یہ الفضل کے پرچے کہاں سے لائے گئے۔ انہوں نے اسکردو کا جو موضع دم سُم سے ۱۸۰ میل کے فاصلہ پر ہے کا سفر کیا۔ اور اسکردو میں محمد یوسف دیوانی سے جو کہ جماعت احمدیہ اسکردو کے صدر ہیں ملاقات کی اور بیعت کی خواہش ظاہر کی۔ مگر جماعت کے دوستوں نے اچھی طرح سوچنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ جلدی نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ ایمان کا معاملہ ہے خوب سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیئے۔ کیونکہ احمدی ہونے پر لوگوں کی مخالفت، گالی گلوچ۔ رشتہ داروں اور برادری کی طرح طرح کی مصائب و مشکلات کا سامنا ہوگا۔ مَیں نے بھی سوچا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ آپ کا بیان ہے کہ مَیں نے ان ایام میں دعائیں کیں کہ اے اللہ! مجھے دکھلا کہ آیا واقعی احمدی سلسلہ سچا سلسلہ ہے۔ اور مرزا غلام احمد قادیانی اپنے دعوٰی میں سچے ہیں؟ انہیں دعاؤں کے دوران ایکدفعہ خواب میں دیکھا

کہ ایک بہت نورانی بزرگ تشریف لائے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ آپ کون ہیں؟ فرمایا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو زندہ کرنے کے لئے آیا ہوں۔ مجھے خوشی ہوئی۔ میں نے پوچھا میرے لئے کیا ہدایت ہے؟ فرمایا۔ آپ میرے تیسرے خلیفہ کو نہیں جانتے؟ میں نے کہا۔ نہیں۔ فرمایا۔ وہ میرے خلیفہ ہیں آپ انکی بیعت کریں۔ جب میں بیدار ہوا تو سلسلہ احمدیہ کی طرف میرا مزید رجحان بڑھ گیا اور میں نے ۱۹۶۶/۱۹۶۷ء میں بیعت کرلی۔ اس کے بعد مجھے شوق تھا کہ میں کسی طرح ربوہ پہنچوں۔ اور تیسرے خلیفہ سے جاکر ملاقات کروں۔ اگرچہ دُور دراز، دشوار گذار علاقہ ہونے کی وجہ سے ربوہ جانے کے لئے کوئی سامان نہ بنتے تھے۔ مگر ۱۹۷۲ء میں مجھے جلسہ سالانہ مرکزیہ ربوہ پر آنے کا موقعہ مل گیا۔ جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ سے میں نے ملاقات کی۔ محترم محمد اسد اللہ قریشی (مربی سلسلہ احمدیہ) مؤلف کتاب ہذا نے مجھے بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام کا فوٹو دکھلایا۔ میں نے پہچان لیا کہ جن بزرگ کو میں نے اپنے علاقہ میں ۱۹۶۶/۱۹۶۷ء میں خواب میں دیکھا تھا جنہوں نے مجھے تیسرے خلیفہ کی بیعت کرنے کی ہدایت کی تھی وہ یہی روحانی بزرگ تھے۔ مجھے خاص خوشی حاصل ہوئی اور یقین کامل ہوا کہ سلسلہ احمدیہ سچا ہے۔ میرا ایمان بہت بڑھ گیا اور دراصل اسی وقت سے میں نے حقیقی ایمان حاصل کیا اور خدا کا شکر کیا کہ میں نے اپنی زندگی میں ربوہ مقدس اور جلسہ سالانہ کو دیکھ لیا۔ جس سے میری دیرینہ تمنائیں پوری ہوگئیں۔

آپ کا بیان ہے کہ میرے ساتھ میری بیوی مسماۃ بی جان صاحبہ نے بھی بیعت کی تھی وہ بہت نیک تھی اور الفضل اخبار پڑھتی رہتی تھی۔ اس پر اتنا اثر تھا کہ اس نے اپنے بیٹے ثنا واللہ کے بارے میں خواہش ظاہر کی کہ چونکہ مجھے زندگی میں دینی خدمت کرنے کا موقعہ نہیں ملا اس لئے اگر آپ راضی ہوں تو اُسے خدمت دین کے لئے وقف کردیا جائے اور اُسے جماعت کے سپرد کر دیا جائے۔ میں نے بھی اپنی بیوی کی نیک خواہش سے اتفاق کرلیا اور اُسے خدمت دین کے لئے وقف کرکے جماعت کے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔ اس خواہش کے اظہار کے دو ماہ بعد میری بیوی مسماۃ بی جان صاحبہ ۲۱ رمضان المبارک جمعہ کے دن سلتورو موضع منڈیک میں اپنے گھر فوت ہوگئی اور وہیں مقامی مسجد کے نزدیک دفن ہوئی۔

کشمیر کی راہ سے کاشغر (ترکستان) میں احمدیت

کاشغر و ترکستان کشمیر کے ہمسائے ہیں۔ اسلام کے قرون اولیٰ میں اسلام ترکستان کشمیر میں نفوذ کر آیا تھا۔ اب مسیح و مہدی علیہ السلام کے آخری زمانہ میں حقیقی اسلام یعنی احمدیت

پیغام نے کشمیر کی راہ سے کاشغر و ترکستان میں نفوذ حاصل کر لیا ہے ۔ یہ عجیب تاریخی اتفاق ہے۔ اِس لئے بوجوہ ہم نے مناسب سمجھا کہ اسجگہ کشمیر و گلگت کے مذکورہ تعلق کی مناسبت سے قادیان سے کشمیر اور کشمیر و گلگت سے کاشغر و ترکستان میں احمدیت کا پیغام پہنچنے اور وہاں سے احمدیت کی خاطر ایک معزز و مقتدر خاندان کی قادیان کی طرف براہ کشمیر ہجرت کرنے کا واقعہ درج کریں جو حق کی خاطر مصائب و مشکلات برداشت کرنے کا نمونہ بھی ہے اور ایمان افروز واقعہ بھی[٥]

واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۳۸ء میں محمد رفیق صاحب (مجاہد تحریک جدید) کو براستہ کشمیر ترکستان کی طرف مبلغ بنا کر بھیجا گیا (آپ جہاوریاں متصل بھیرہ کے رہنے والے تھے) جس نے وہاں احمدیت کا بیج بویا اور سب سے پہلے کاشغر کے ایک نوجوان حاجی جنود اللہ صاحب احمدی ہو گئے جو کاشغر کے ایک ایسے مقتدر خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کا شمار وہاں کے چوٹی کے معزز اور سربر آوردہ خاندانوں میں ہوتا تھا ۔ مگر کمیونزم کے اثر اور غلبہ کی وجہ سے جہاں دوسرے مسلمان تباہ حال ہوئے وہاں اس خاندان کی شان و شوکت بھی مٹ گئی ۔

حاجی جنود اللہ صاحب اپنے وطن سے چل کر چینی ترکستان اور کشمیر کے برفانی اور دشوار گذار کوہستانی علاقے طے کرتے ہوئے ستمبر ۱۹۳۸ء میں قادیان پہنچے اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل کر لیا ۔ آپ کی روانگی اپنے وطن سے ایسے موسم میں ہوئی جب برف پگھلنی شروع ہو چکی تھی ۔ آپ پیدل چلتے ہوئے کئی بار گھٹنے تک برفانی تودوں میں دھنس گئے ۔ آپ نے اس لمبے سفر کے اخراجات ۔ راہداری اور پاسپورٹ کے ملنے میں بہت سی تکالیف برداشت کیں مگر امام مہدی علیہ السلام کو قبول کرنے کے شوق میں سب کچھ برداشت کر لیا ۔ حاجی صاحب کے ساتھ اُن کی معمر و ضعیف والدہ اور ہمشیرہ بھی قادیان کے سفر میں شریک ہونا چاہتی تھیں لیکن پاسپورٹ کے نہ ملنے کی وجہ سے رُک گئیں ۔ قادیان پہنچکر دعاؤں کی برکت سے انکو بھی پاسپورٹ مل گیا اور

---

٥ عجیب اتفاق ہے کہ ایک خواب کے ذریعہ مجھے غیب سے اس طرف توجہ گئی ۔ میں نے اسجگہ پہنچکر ۶ رجنوری ۷۲ء کو ربوہ میں خواب میں دیکھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ مجھے فرماتے ہیں کہ آپ کو کاشغر میں مبلغ بنا کر بھیج دیں؟ میں نے جواب دیا جیسے حضور کی منشاء ہے میں تیار ہوں ۔ میں نے یہ سمجھ کر کہ شاید مجھے اس جگہ کاشغر میں احمدیت پہنچنے کے واقعہ کے درج کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے یہ واقعہ شامل کتاب ہذا کر رہا ہوں ۔ خواب سے پہلے مجھے اس کا خیال تک نہ تھا ۔ واللہ اعلم بالصواب (مؤلف)

وہ بھی ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو ایک دوسرے قافلہ کے ہمراہ قادیان کے لئے روانہ ہوگئیں اور حاجی صاحب کو بذریعہ تار اپنی روانگی کی اطلاع دے دی۔ حاجی صاحب انکی مدد کے لئے قادیان سے براہ کشمیر و گلگت کی طرف روانہ ہو گئے۔ قادیان سے گلگت تک آپ چودہ پندرہ روز کا سفر صرف آٹھ نو روز میں طے کر کے پہنچے۔ جہاں آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کی والدہ و ہمشیرہ صاحبہ[1] کرایہ کشوں کی سستی کے باعث ترکستان سے آنے والے پہلے قافلہ سے رہ گئی ہیں۔ چنانچہ آپ گلگت سے ترکستان کی طرف روانہ ہوئے۔ تیسری منزل پر پہنچے تو آپ کو وہ قافلہ ملا جس میں آپکی والدہ اور ہمشیرہ سفر کر رہی تھیں۔ یہ ۲۴ نومبر ۱۹۳۸ء کی تاریخ اور عید الفطر کا مبارک دن تھا۔

جب آپ واپس گلگت پہنچے تاکہ براستہ کشمیر انہیں لیکر قادیان روانہ ہوں تو معلوم ہوا کہ کشمیر کی طرف جانے کا راستہ برف باری کی وجہ سے بند ہو چکا ہے۔ ان حالات میں آپ نے دس روز گلگت میں قیام کیا۔ اس کے بعد آپ اپنی والدہ اور ہمشیرہ کو لے کر گیارہ دن میں چترال پہنچے۔ یہ سفر بھی گھوڑوں پر طے کیا گیا۔ چترال میں پانچ چھ روز ٹھہرنے کے بعد بذریعہ لاری مالاکنڈ اور درگئی کی طرف چل پڑے اور جب اشرت نام ایک پڑاؤ پر پہنچے تو پشاور کی طرف سے آنے والے ایک سرکاری افسر سے معلوم ہوا کہ برفباری کی وجہ سے دیر اور درگئی کا راستہ سخت خطرناک بلکہ ناقابل عبور ہے۔ نیز اس افسر نے کہا کہ میں ایک مو قلی کے ساتھ بڑی مشکل سے پہنچا ہوں۔ آپ کے قافلے میں تو چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں راستہ میں پچیس پچیس ۲۵ فٹ برف پڑی ہے اور پیدل چلنے کے سوا چارہ نہیں اس لئے آپ واپس دروش چلیں وہاں سے آپ کے جانے کے لئے جلال آباد والے راستہ سے جانیکا انتظام کیا جائے گا۔ آخر پچیس ۲۵ میل واپس آکر دروش نامی پڑاؤ پر پہنچے لیکن پندرہ روز انتظار کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ کسی دوسرے راستہ سے جانیکا امکان نہیں ہے۔ آخر اس پہلے راستہ سے دوبارہ چل کھڑے ہوئے۔ اور پہلے اسرآت اور پھر چھ میل کا سفر پیدل برف پر طے کر کے شام زیارت نامی پڑاؤ پر پہنچے۔ اگلے دن سفر نہایت مشکل تھا کیونکہ چھ سات میل کی چڑھائی تھی اور برف نے راستہ کو مزید دشوار گذار بنا دیا تھا۔ لیکن چلنے کے سوا چارہ بھی نہ تھا۔ آخر علی الصبح تین قلیوں اور حاجی صاحب کی مدد سے انتہائی مشکلات و خطرات میں ساری رات سفر کر کے آپکی والدہ و ہمشیرہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچیں۔ حاجی صاحب کا بیان ہے کہ اس سے زیادہ سخت دن ہم پر کم ہی آیا ہوگا۔ پہاڑی کی چوٹی پر آگ جلا کر کچھ گرمی حاصل کی۔ پھر اترائی شروع کر دی

[1] آپکی والدہ اور ہمشیرہ کا نام علی الترتیب سیدہ حلیمہ بانو اور فرخ خانم صاحبہ تھا۔

لائبریری گلگت - بعض احباب اندر مطالعہ
میں مصروف ہیں

غلام محمد صاحب موضع دم سم
(خپلو - بلتستان) صفحہ ۲۱۷

لائبریری گلگت کا اندرونی حصہ
الماریون میں کتب اور مؤلف کتاب ھذا میز پر
لکھنے میں مصروف نظر آتے ہیں

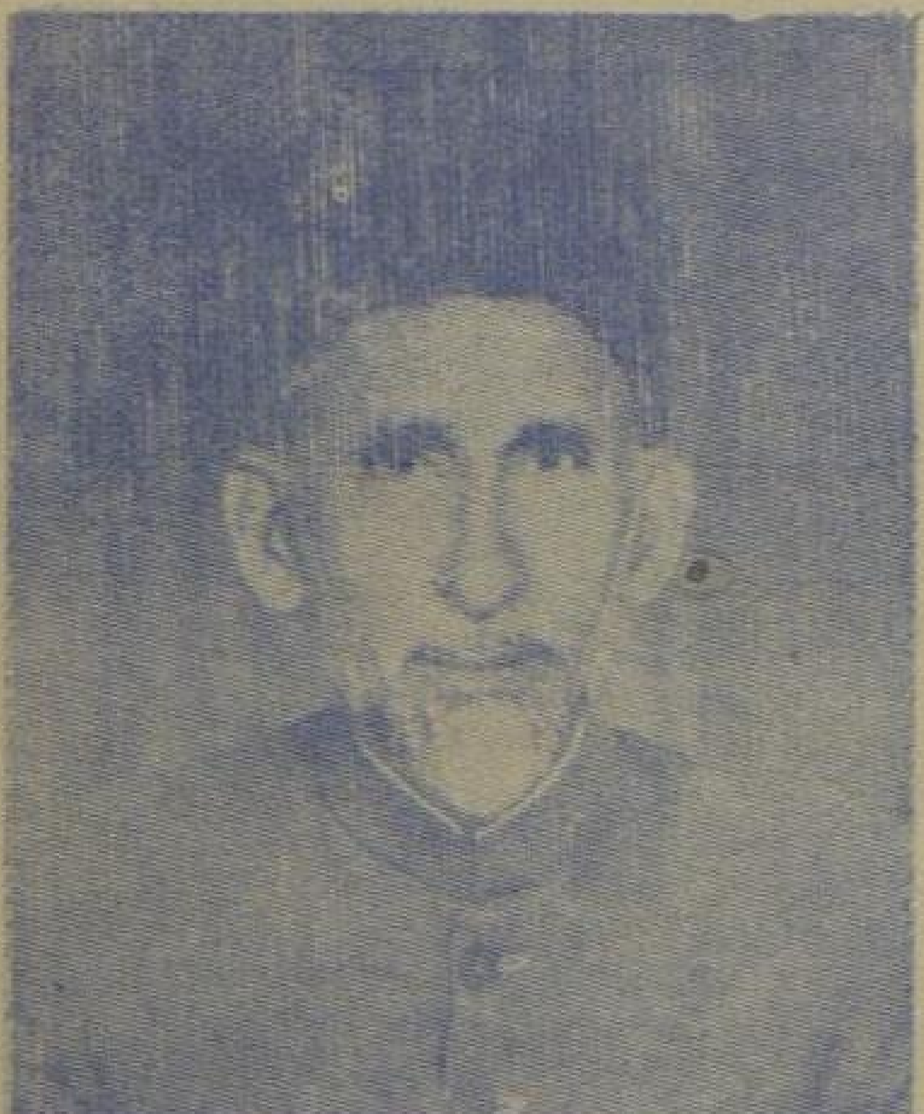

مکرم ماسٹر محمد ابراھیم صاحب جموں
صفحہ ۲۲۲

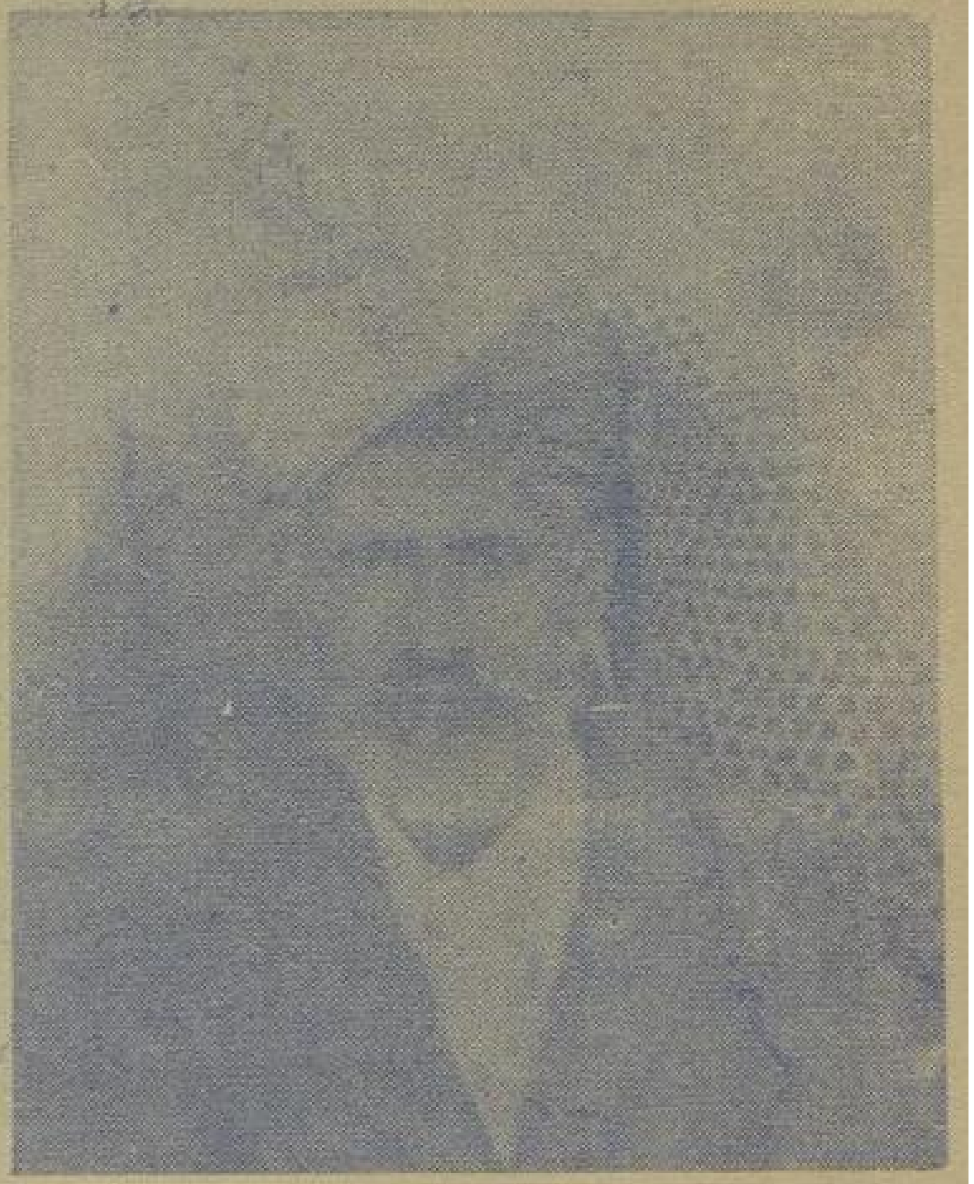

مکرم میاں عبدالرحیم صاحب صفحہ ۲۶۵

مکرم ملک عبدالعزیز صاحب (حال لنڈن)
صفحہ ۲۶۶

محمد امین شبیر صاحب صفحہ ۲۶۶

مکرم خواجہ غلام نبی صاحب بلانوی
سابق ایڈیٹر روزنامہ الفضل صفحہ ۲۶۳

اترائی چڑھائی سے بھی زیادہ دشوار گذار اور خطرناک تھی۔ گوجرہ پڑاؤ پہنچکر حاجی صاحب کی والدہ کو سفر کی تکلیف کی وجہ سے سردی بخار اور دردیں شروع ہو گئیں۔ اسی حالت میں گھوڑے کی سواری میسر آنے پر سفر کر کے ڈیرہ میں پہنچے وہاں سے درگئی اور درگئی سے ریل پر سوار ہو کر ۱۳ جنوری کو امرتسر اور امرتسر سے قادیان دارالامان پہنچ گئے۔

اس کے بعد ۲۷ ستمبر ۱۹۳۹ء کو حاجی صاحب کے بڑے بھائی حکیم سید آل احمد صاحب اور حکیم صاحب کے بیٹے امان اللہ خان بھی انہیں دشوار گذار راستوں سے گذر کر قادیان پہنچے اور بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ پھر یہ خاندان قادیان میں ہی رہائش پذیر ہو گیا۔ مگر امان اللہ خان جلدی واپس چلے گئے۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں آل احمد صاحب کو دوسرے احمدیوں کے ساتھ ہی پاکستان میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ حاجی جنود اللہ صاحب نے سرگودہا میں رہائش اختیار کر لی۔ اور حکیم سید آل احمد صاحب مسجد احمدیہ نور راولپنڈی (واقعہ مری روڈ) کے ایک کمرہ میں مقیم ہو گئے۔ جہاں ۱۷ دسمبر ۱۹۵۸ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ اور موصی نہ ہونے کے باوجود آپ کے تقوٰی کی وجہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی اجازت سے بہشتی مقبرہ میں مدفون ہوئے۔[۵] حاجی جنود اللہ صاحب سرگودہا میں کامیاب طبابت کے بعد اگست ۱۹۶۸ء میں وفات پا گئے۔ وہ موصی تھے اور مقبرہ بہشتی میں دفن ہوئے۔

حاجی صاحب کی والدہ صاحبہ ان دونوں بیٹوں سے پہلے وفات پا گئیں جو وہ بھی موصیہ تھیں اسلئے مقبرہ بہشتی میں دفن ہوئیں۔ حاجی جنود اللہ مرحوم کی اولاد یہ ہے:-

(۱) سید محمود جنود اللہ جنہوں نے لاہور ڈینٹل کالج سے باقاعدہ امتحان پاس کر کے ڈگری حاصل کی ہے اور اپنے والد کی جگہ سرگودہا میں کام کر رہے ہیں۔ (۲) سید جنود احمد ضیاء یہ اپنے بھائی کے ساتھ کام کر رہا ہے (۳) سید ضیغم اللہ طیب۔ (۴) سید محبوب احمد (۵) سید اویس احمد (۶) سید شعیب احمد (۷) سید طاہر احمد۔ علاوہ چار لڑکیاں ہیں۔ حاجی صاحب مرحوم کی ہمشیرہ سیدہ فرخ خانم حیات ہیں۔ اُن کا نکاح سید بشیر احمد صاحب سے ۱۹۴۰ء میں ہوا تھا جو دواخانہ خدمتِ خلق ربوہ میں طبّی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ کی اولاد یہ ہے:۔ سید نعیم احمد شاہ۔ سید تنویر احمد سید شبیر احمد۔ سید ظہیر احمد۔ سید تبشیر احمد۔ علاوہ دو بچیاں ہیں۔ ایک مبلغ عادل محمو عبد اللہ شیوطی سے بیاہی ہوئی ہے، دوسری سیدہ مہر آپا کے بھائی سید نسیم احمد کے ساتھ بیاہی ہوئی ہے۔

---

[۵] تاریخ احمدیت جلد ہشتم ص۵۶۵ تا ۵۶۸ - [۶] ۱۹۴۳ء میں آپ کی شادی عبد الرحیم مالیر کوٹلوی کی دختر

باب دہم

خطِ متارکہ جنگ کے پار سرینگر، جموں اور ان کے نواح میں احمدیت

آزاد کشمیر میں علاقائی احمدیت کے ذکر کے بعد اب ہم متارکہ جنگ کے اُس پار والے کشمیر کی علاقہ وار احمدیت کا ذکر کریں گے اس میں بھی رعایت اختصار کے علاوہ سبب کے حالات اکا بیان کرنا مشکل ہے خاص خاص حالات ہی بیان ہو سکیں گے۔ ہم کسی اور جگہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ پاک و بھارت میں تنازعہ کشمیر کی وجہ سے سیاسی حالات ۱۹۴۷ء سے ہی ناساعد چلے آرہے ہیں۔ جن کی وجہ سے ادھر والوں کے لئے اُدھر جانا اور اُدھر والوں کے لئے اِدھر آنا بہت مشکل ہے اگرچہ احمدی جماعتیں خطِ متارکہ جنگ کے پار والے علاقہ میں آزاد کشمیر کے علاقہ سے بہت زیادہ ہیں یہاں تک کہ بعض گاؤں میں سو فیصدی احمدی ہیں مگر اُن کے تاریخی و مذہبی حالات معلوم کرنے کے لئے مبیّنہ مشکلات کی وجہ سے اُن سے خط و کتابت بھی نہیں ہو سکتی تاہم ہم نے کوشش کر کے متحدہ ہندوستان کے زمانہ میں شائع شدہ کتب و اخبارات۔ تارکین وطن کی روایات اور دیگر متعدد ممکن ذرائع سے بعض ایمان افروز حالات معلوم کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ اس لئے ناساعد حالات کے باوجود ہمیں جو بھی حالات میسّر آسکے ہیں ہم غنیمت سمجھ کر انہیں یہاں درج کرتے ہیں اور جموں سے شروع کرتے ہیں۔

جموں میں احمدیت صوبہ کشمیر کی نسبت سے صوبہ جموں پنجاب کے قریب ہے اس لئے جموں کے علاقہ میں احمدیت کا پیغام پہلے پہنچا اور حضرت مولانا حکیم نور الدین خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ جن کا ذکر پہلے گذر گیا کے ذریعہ اُن کے ہم نام خلیفہ نور الدین صاحب جمونی نے بیعت کر لی۔ پھر محمد دین صاحب۔ مستری فیض احمد صاحب۔ مستری عمرا خان۔ مستری شہاب الدین۔ منشی نواب خان، مفتی فضل احمد، سید شاہ محمد صاحبان وغیرہم نے بیعت کر لی۔ صحابہ کے باب میں پہلے ان کا ذکر گذر گیا۔ جموں میں اِس وقت دو احمدیہ مساجد ہیں۔ پہلی بازار پیر مٹھا میں اور دوسری کوچہ جرنیل سمندر خان میں۔ اوّل الذکر مسجد کا افتتاح مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ہُوا تھا۔ مؤخر الذکر مسجد خلافت ثانیہ کے عہد میں تعمیر ہوئی۔

جموں کے میاں محمد ابراہیم صاحب کو چالیس سال تک مرکزِ احمدیت قادیان اور ربوہ کے تعلیم الاسلام ہائی سکول

میں ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے تعلیمی خدمات انجام دینے کا موقعہ ملا اور اب وہ امریکہ کے لئے مبلغ نامزد کر دیئے گئے ہیں۔ انہوں نے خاکسار کی خواہش پر جو حالات لکھ بھیجے ہیں اُنکے اپنے الفاظ میں مندرج ذیل ہیں:-

خاکسار ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۸ء تک مسلسل جموں میں رہا۔ ۱۹۲۳ء میں سری رنبیر ہائی سکول جموں سے میٹرک پاس کیا اور ۱۹۲۸ء میں پرنس آف ویلز کالج جموں سے بی۔ اے کیا۔ میری تعلیم و تربیت حضرت مستری فیض احمد صاحب رضؓ جو میرے حقیقی ماموں تھے لیکن والد صاحب مرحوم کی فوتگی کی وجہ سے بمنزلہ باپ کے تھے کے دیندار گھرانہ میں ہوئی۔ حضرت ماموں صاحب رضؓ مرحوم نہایت مخلص اور فدائی سلسلہ احمدیہ تھے اور صحیح معنوں میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے والے تھے۔ مجھے سلسلہ احمدیہ سے جو اُنس اور لگاؤ ہوا اور جس کے نتیجہ میں اللہ تعالےٰ نے مجھے چالیس سال تک مرکز احمدیت میں تعلیم الاسلام ہائی سکول کی خدمت کا موقعہ دیا وہ حضرت ماموں صاحب رضؓ کی ہی قربانی اور تربیت کا ثمرہ ہے۔ جماعت احمدیہ جموں کے افراد مخلص اور بے نفس تھے، تبلیغ کا قابل رشک جذبہ اور ملکہ تھا۔ مَیں خود بھی اپنے گھر اور جماعت کے رنگ میں رنگین تھا (بفضلہ تعالیٰ) میٹرک کے ایام میں ہی مَیں نے سکول میں "ہستی باری تعالیٰ" پر متعدد لیکچر دیئے، یہ لیکچر بالعموم شیخ محمد ابراہیم صاحب مرحوم (غیر احمدی لیکن غیر متعصب بزرگ استاد) کی صدارت میں ہوئے اور خاصے مقبول ہوئے۔ اور اس کی وجہ سے احمدیت، اساتذہ اور طلباء سے متعارف ہوئی۔ کالج کے ایام میں مَیں نے ایک دفعہ مولوی محمد ابراہیم (مشہور اہلحدیث عالم) کے لیکچر کا مسجد احمدیہ میں جواب دیا جو انہوں نے جموں کی مسجد اہلحدیث میں احمدیت کے خلاف دیا تھا۔ اسی طرح انہی ایام میں ایک دفعہ مجھے مولوی عصمت اللہ صاحب مبلغ غیر مبائعین کے لیکچرز کا جواب دینے کی توفیق ملی جو انہوں نے نبوت اور خلافت کے مسائل پر فریق لاہور کی نمائندگی کرتے ہوئے جموں میں دیئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے باوجود نوعمری اور کم علمی کے مجھے اپنی جماعت کے عقائد کی برتری ثابت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔"

بنور یہ مقام ضلع ریاسی (جموں) میں ہے جہاں مولوی نور احمد بکر وال نے ۱۹۳۵ء میں بیعت کی۔ لوگوں نے اُن کی شدید مخالفت کی اور انہیں جان سے مار دینے کی دھمکیاں دی جاتی رہیں۔ اُن کے تین لڑکے تھے۔ ولی محمد۔ غلام احمد۔ لطیف احمد ایک نوکر بھی تھا جسکا نام باقیہ تھا۔ مخالف وحشیوں نے ایک دفعہ موقعہ پاکر ایک پہاڑی پر گھیراؤ کر کے انہیں نہتا کر دیا اور اُن کی ایک سَو نو بکریاں تھیں وہ بھی چرا لی گئیں۔

اکھنور اکھنور جموں سے تقریباً بیس میل دُور دریائے چناب پر واقع ہے۔ اکھنور میں سید

عبدالشکور صاحب پہلے احمدی ہوئے جو آجکل سیالکوٹ میں مقیم ہیں وہ اپنے اخلاص اور مہمان نوازی میں بے مثال تھے۔ احمدیوں سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ آپ کے بھائی بنام سید عبدالغفور اور سید ثناءاللہ صاحب نہایت دیندار اور بے لوث خدمت کرنے والے تھے۔ اس خاندان کا تعلق سپیڈنگ کمپنی کی ٹھیکیداری سے تھا۔ کاروبار ختم ہونے پر جب یہ لوگ اکھنور سے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قائم مقام جو اُن کی کوششوں سے احمدی ہوئے تھے محمد دین صاحب (کرنل محمد شفیع صاحب کے والد) جو آجکل ربوہ میں مقیم ہیں۔ فضل کریم صاحب اور ایسے ہی دوسرے احباب کو سلسلہ کی خدمت سونپ دی۔ اب اکھنور کے احباب میں اور اضافہ ہوچکا ہے۔ اُن میں سے بعض احباب سے ۱۹۷۰ء کے سالانہ جلسہ قادیان کے موقعہ پر خاکسار راقم الحروف نے ملاقات کی بعض بیویوں سمیت قادیان آئے ہوئے تھے

سری نگر سری نگر کشمیر کا دارالخلافہ اور بارونق مرکزی شہر ہے۔ قدیم تاریخ رکھتا ہے کبھی دفعہ تباہ ہوا پھر بنایا گیا۔ یہاں عیسائی، بہائی، ہندو، سکھ اور مسلمان سب فرقوں کے لوگ بستے ہیں۔ جب یہاں احمدیت آئی تو احمدیوں کو ان سب اہل مذاہب اور فرقوں سے واسطہ پڑا۔ بعض مذہبی و سیاسی سرگرمیوں کا ذکر پچھلے ابواب میں گذر چکا ہے اُن کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔ ۱۹۳۱ء سے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے وکلاء اور کارکنوں نے یہاں بہت بے مثال کام کیا۔ اور بہت سے لوگ جماعت احمدیہ کی پُرخلوص ہمدردیوں اور کام سے متاثر ہوئے۔ بہت سی غلط فہمیاں دُور ہوگئیں مگر یہ واقعہ ہے کہ صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی ہدایات کے مطابق ان کارکنوں نے محض انسانی ہمدردی کو پیش نظر رکھ کر کام کیا اور احمدیت کی تبلیغ کو سیاسی سرگرمیوں سے جُدا رکھا اور جیسا کہ شیخ محمد عبداللہ کے اُن دنوں کے بیانات شائع شدہ اخبار زمیندار" اور "انقلاب" لاہور وغیرہ سے عیاں ہے کہ احمدیوں نے ریاست کے غیر احمدیوں کے مذہب میں بالکل دخل نہیں دیا بلکہ انہوں نے اہل ریاست کی خواہشات اور اصرار کے مطابق ریاستی باشندوں کی سیاسی قانونی اور انسانی خدمت کی جس کے ہم اہالیان ریاست قیامت تک انکے شکرگذار رہیں گے وغیرہ وغیرہ[1]۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ احمدیوں کی کارکردگی اور بے لوث خدمات نے مظلوم اہل کشمیر کو متاثر کیا۔ مگر اسے احمدیت کی مذہبی تبلیغ سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا۔ کیونکہ صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی تاکیدی ہدایات کے مطابق احمدیوں کے لئے اُن ایام میں ایسا کرنا شدید ممنوع تھا بلکہ عام انسانی ہمدردی کے علاوہ مذہبی تبلیغ کرنا خدا اور رسول اور خود صدر محترم کی ناراضگی کا باعث ٹھہرایا گیا تھا۔ جو لوگ

[1] دیکھو اخبار زمیندار" و "انقلاب" لاہور ۱۹۳۲ء۔

عام طور پر یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ احمدیوں نے ۱۹۳۱ء میں مذہبی تبلیغ کی وہ سراسر مذہبی تعصب، بدظنی اور دیگر مخصوص اغراض کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ تاریخی واقعات سے اسکا کوئی تعلق نہیں۔ ان سیاسی سرگرمیوں کی تفصیلات کا موقعہ نہیں ہے کیونکہ ہم مذہبی سرگرمیوں کی تاریخ لکھ رہے ہیں۔ سیرت النبیؐ کانفرنسوں، باہمی رواداری اور صداقتِ اسلام کے موضوعات پر وقتاً فوقتاً جلسوں، مذاہب کانفرنسوں، لائبریری کے قیام اور مسجد احمدیہ سرینگر کے لئے اراضی کی جدوجہد وغیرہ کی تفصیلات بھی گذر چکی ہیں۔

ابتدائی بیعتوں سے سرینگر میں ۱۹۰۲ء کی فہرست مبائعین شائع شدہ "الفضل" وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ غلام حسین صاحبؓ سابق مدرس سٹیٹ برانچ سکول نے بیعت کی تھی۔ بعد کے احمدیوں میں سے مولوی نور الدین صاحبؓ بھی تھے جو فارسی اور عربی میں اشعار کہتے تھے۔ اور انہوں نے پارہ الٓمّٓ کا ترجمہ کشمیری زبان میں کیا۔ نیز فن وراثت کی کتاب سراجی کا بھی کشمیری زبان میں ترجمہ کیا۔ ان کا کشمیری زبان میں ایک شعر یہ ہے ؎

خداوندا رہ چھوکھ ہادی ہدایت کر عطا سارن ۔/ عطا توفیق عرفان تس ہندی یُس درجہان آمد

ترجمہ:۔ یعنی اے اللہ تو ہی ہادی ہے سب کو ہدایت عطا فرما۔ خصوصاً اُس شخص کے عرفان کی توفیق عطا فرما جو دنیا میں تیری طرف سے مبعوث ہو چکا ہے (یعنی امام مہدی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام) اغلباً انہوں نے ۱۹۳۳ء میں بیعت کی تھی۔

ڈاکٹر محمد طفیل خانؓ (بیعت ۱۹۰۱ء) بھی سری نگر آئے اور مقیم رہے جو بٹالہ کے رہنے والے تھے۔ اُن کے بیٹے ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب (حال مقیم باغ پونچھ) سری نگر میں میونسپل انجینئر رہے جنہوں نے مختصر نویسی میں عالمی ریکارڈ قائم کر کے انگلینڈ میں طلائی تمغہ حاصل کیا تھا ان کا ذکر باغ میں احمدیت کے تحت گذر چکا ہے۔

پھر محمد امین صاحب نے ۱۹۲۰ء میں بیعت کی۔ ان کے بعد صمد خان (بیعت ۱۹۲۳ء) سید محمد حسن شاہ مستری غلام احمد اور نواب دین (ہر سہ کی بیعت ۱۹۲۷ء) محمد عمر (بیعت ۱۹۳۰ء) غلام محی الدین احد ریشی عبد السلام، سردار فتح محمد خان، پیر احمد اللہ۔ عبد الصمد۔ غلام قادر۔ نور الدین۔ محمد میر۔ محمد عبد اللہ جبار خان شمس الدین۔ غلام محمد۔ محمد سلطان۔ محمود کلو سبحان۔ محی الدین۔ غلام رسول۔ غلام احمد عبد الغنی۔ محمد شریف اور محمد شفیع (سب کی بیعت ۱۹۳۳ء) مخدوم پیر احمد شاہ (بیعت ۱۹۳۴ء) عبد العزیز (۱۹۳۵ء) عبد الرحمٰن غلام رسول (بیعت ۱۹۳۵) وغیرہم نے بیعت کر لی۔

محبوب الٰہی صاحب ہندو تھے انہوں نے احمدیت کا مطالعہ کیا - انہیں اسلام کی وہ تشریح جو جماعت احمدیہ پیش کرتی ہے پسند آئی - نیک فطرت تھے - اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی - چنانچہ وہ بھی ۱۹۳۵ء میں بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں شامل ہو گئے - آجکل راولپنڈی میں ہیں - خواجہ غلام نبی صاحب گلکار اور اُن کی بیگم صاحبہ کی یادداشت سے بعض اور نام بھی قابل ذکر ہیں - خواجہ غلام نبی گلکار انور (نائب آفیسر صوبہ کشمیر) خواجہ حفیظ اللہ فوٹو گرافر - خواجہ عبدالغنی پلوامی - خواجہ غلام نبی زرگر آف بہرکدل - خواجہ محمد اسمٰعیل فریر - مبارک احمد ولد محمد اسمٰعیل - خواجہ غلام محمد ڈرائیور نواب بازار خواجہ حبیب اللہ میر محکمہ اکونٹنسی - خواجہ محمد صدیق گلکار مرحوم برادر خواجہ غلام نبی گلکار - خواجہ غلام احمد گلکار (آجکل راولپنڈی کشمیری بازار میں دوکان کرتے ہیں) خواجہ محمود احمد ولد صابر - خواجہ محمد مقبول صاحب عرق کش نواب بازار - خواجہ غلام محمد دباغ (دباغ محلہ سرینگر) خواجہ عبدالغفار چاپری ھنڈہ ہاؤس بوٹ ایسوسی ایشن سرینگر - خواجہ محمد اقبال چاپری بی - اے - حاجی محمد خلیل گلکار (انہوں نے احمدیت قبول کرنے کے بعد فریضہ حج ادا کیا) خواجہ محمد مقبول اوور سیر - خواجہ صدر دین (سکرٹری جماعت احمدیہ) محمد ایوب صابر ولد مولوی محمد عبداللہ وکیل - غلام نبی رفیقی - عبدالرحمٰن جامی (کاتب) جو مسجد احمدیہ لاہور میں بھی خدمات کرتے رہے اور وفات پاکر ربوہ کے قبرستان میں دفن ہوئے - بعض احمدی خواتین کے نام یہ ہیں - زیب النساء صاحبہ بیگم خواجہ غلام نبی گلکار - جانہ بی بی - حمیدہ صاحبہ - ہاجرہ صاحبہ شہار بی بی - امۃ القیوم - سارہ بی بی - بیگم ڈاکٹر بشیر محمود وانی - بیگم صاحبہ ڈاکٹر بشیر احمد صاحب حال ربوہ دونوں موخرالذکر مستورات لجنہ اماء اللہ سرینگر کا جماعتی کام کرتی رہی ہیں -

ان کے علاوہ ناسنور اور دیگر علاقوں کے احمدی خاندان بھی ملازمت، جماعتی یا سرکاری کاموں پر متعین رہے ہیں - اور پنجاب اور آزاد کشمیر کے علاقوں کے احمدی ملازمین، کارکن، تاجر اور مبلغین وغیرہم سری نگر میں قیام رکھتے رہے اور جماعت احمدیہ سری نگر کے ممبران کی حیثیت سے کام کرتے رہے -

مولوی محمد عبداللہ صاحب مرحوم جن کا ذکر گذر چکا کے خیالات میں آخر عمر قرار نہیں رہ سکا تھا اس لئے پہلے غیر مبائعین (جماعت لاہور) میں چلے گئے - پھر اُن سے نکل کر بہائی ہو گئے - مگر جماعت احمدیہ پر اثر ڈالنے میں کامیاب نہیں ہو سکے - مذہبی گفتگو کرنے کی دعوت کے سلسلہ میں محترم مولانا ابوالعطاء صاحب اور ان کی جو خط و کتابت ہوتی رہی ہے اس کا ذکر پہلے گذر چکا - محترم مولانا قاضی محمد نذیر صاحب حال ناظر اشاعت لٹریچر و تصنیف جب تقسیم ہند سے پہلے سری نگر گئے تو اُن سے بھی اُن کی گفتگو ہوئی مولوی محمد عبداللہ صاحب کا کہنا تھا کہ پردہ کی اب کیا ضرورت ہے ؟ قاضی صاحب موصوف نے کہا -

کہ آج سے تیرہ سو سال قبل جب پردہ کے احکام نازل ہوئے تھے، پردہ کے موجبات کیا تھے۔ کیا آجکل بھی وہ موجود ہیں یا نہیں۔ مولوی عبداللہ صاحب نے جواباً کہا کہ ہاں! وہ موجبات تو آجکل موجود ہیں۔ قاضی صاحب نے کہا جب پردہ کے موجبات موجود ہیں بلکہ پہلے سے بھی بڑھ کر موجود ہیں تو پردہ کی ضرورت کس طرح رفع ہو سکتی ہے۔ اس پر مولوی محمد عبداللہ صاحب لاجواب ہو گئے تھے۔ پھر قاضی صاحب نے محمد علی باب کی کتاب البیان کی بابت سوال کیا کہ کوئی الہامی کتاب زمین پر نافذ ہونے سے قبل کس طرح منسوخ ہو سکتی ہے جیسا بہاءاللہ نے کیا۔ مولوی عبداللہ صاحب اس کا بھی کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔

سرینگر کی جماعت کی تربیت کی خاص ضرورت تھی اس لئے مرکز سے اس بارہ میں کوششیں ہوتی رہیں۔ ڈاکٹر کیپٹن بشیر احمد صاحب (ایم۔ سی) حال گولبازار ربوہ بھی تقسیم سے قبل ۱۹۴۶ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق سری نگر میں بھیجے گئے تھے جبکہ ڈاکٹر صاحب نے بعد ملازمت اپنے آپ کو دینی خدمات کے لئے وقف کر دیا تھا۔ آپ نے شہید گنج چوک سرینگر میں کلینک کھول کر کام شروع کیا۔ کلینک کے کام سے فارغ ہو کر آپ جماعتی تربیت میں زیادہ وقت صرف کرتے تھے۔ سری نگر میں جماعت کے احباب بکھرے ہوئے تھے اور مسجد میں نماز باجماعت نہیں ہوتی تھی۔ اس سلسلہ میں احباب کے گھروں میں جا جا کر کوشش کرتے تھے کہ دوست مسجد میں نماز باجماعت ادا کیا کریں۔ پھر ہفتہ وار اجلاسوں میں تربیتی مضامین سنائے جایا کرتے تھے۔ لجنہ اماء اللہ کے اجلاس بھی مسجد میں ہونے لگے۔ آپ کی بیوی مبارکہ قمر صاحبہ لجنہ کی صدر تھیں اور امۃ المہدی صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر بشیر محمود صاحب سیکرٹری لجنہ مقرر ہوئی تھیں۔ مستورات کے اجلاسوں سے احمدی مستورات میں بھی بیداری پیدا ہوئی۔ جماعتی تنظیم کے استحکام کی یہ کوششیں ابھی جاری تھیں کہ وادیٔ کشمیر میں فسادات اور انتشار کے آثار شروع ہو گئے۔ ۱۴؍ اگست ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کا اعلان ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا بیان ہے کہ میرے لئے چونکہ ان حالات میں پاکستان کا حامی ہونے کی وجہ سے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے تھے امام جماعت کی ہدایات کے مطابق میں نے اپنا اہل و عیال سرینگر سے سیالکوٹ منتقل کیا۔ انہی دنوں ایک بزرگ نے اپنی خواب بیان کی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ حویلیاں (ہزارہ) کے پاس ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر اپنے ہاتھوں کو ہلا ہلا کر احباب کشمیر کو پکار رہے ہیں کہ اس طرف آجاؤ۔ اسطرف آجاؤ۔ اس اثناء میں مجھے شام کو مہربان افسروں نے ہدایت کی کہ وہ جلد یہاں سے نکل جائیں۔ امام جماعت کی ہدایت بھی مجھے مظفر آباد پہنچنے کی مل چکی تھی۔ چنانچہ کلینک کا سامان چھوڑ کر

مظفر آباد کی طرف روانہ ہوا - برف باری کے دوران راستہ میں رات معراج محمد خان صاحب کے ہاں گذاری - وہاں سے مظفر آباد اور مظفر آباد سے لاہور پہنچا - جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حالات کی رپورٹ دی -

ہفت روزہ "اصلاح" سرینگر بھی جو ۱۹۳۴ء / ۱۹۳۵ء سے صحافتی خدمات انجام دے رہا تھا ۱۹۴۷ء میں بند ہو گیا - اس کے ایڈیٹر عبدالغفار صاحب ڈار بھی پاکستان آنے پر مجبور ہو گئے - خواجہ غلام نبی صاحب گلکار انور کا بیان ہے کہ میں لاہور میں تعلیم کے دوران قادیان چلا گیا - جہاں میں نے رات کو خواب میں حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد رضی اللہ عنہ کو آئینہ میں دیکھا اور اس پر لکھا دیکھا کہ "یہ نور ہے" جس سے میں بہت متاثر ہوا - پھر سرینگر میں پادریوں سے جو بحثیں ہوتی تھیں ان میں احمدیوں کی بحثیں کامیاب رہتی تھیں - عیسائیوں کے پاس احمدیوں کے سوالات خصوصاً وفات عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی معقول جواب نہ ہوتا تھا - جب مجھے صداقت احمدیت کا یقین ہو گیا تو میں نے ۱۹۳۲ء میں بیعت کر لی - آپ احمدیہ بلڈنگس لاہور سے وابستہ تھے مگر یہاں کی فضاء راس نہ آئی اور قادیان سے متاثر ہو کر اسی سے وابستہ ہو گئے - راولپنڈی میں دینی خدمات کے لئے زندگی وقف ہے - آپ آزاد کشمیر کے بانی صدر ہیں - ۴؍ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں آپ نے آزاد جموں و کشمیر کی حکومت کی بنیاد رکھی جس کی دوسری تشکیل ۲۴؍ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ہوئی - آپ بریگیڈیئر گھنسارا سنگھ (پاکستان کے قیدی) کے تبادلہ میں پاکستان آئے اور آجکل راولپنڈی میں مقیم ہیں - راولپنڈی سے "معمار کشمیر" نام سے ایک ہفتہ وار اخبار بھی نکالتے ہیں - خاکسار نے ان کے حالات زندگی کتاب کی صورت میں لکھے ہیں جس کا نام "معمار آزادی کشمیر خواجہ غلام نبی گلکار" ہے

یاڑی پورہ یہاں کے اوّلین احمدی راجہ عطا محمد خان اور راجہ حیدر خان - مدد خان رضی اللہ عنہم تھے جن کے حالات صحابہؓ کے باب میں پہلے گذر چکے ہیں - ان کے بعد سینکڑوں گھرانے احمدی ہوتے رہے جن میں راجہ محمد اکبر خان - راجہ محمد افضل خان (متوفی ۱۹۸۵ بکرمی) راجہ محمد ایوب خان (متوفی ۱۹۵۸ء) راجہ ملکی امان اللہ خان (متوفی ۱۹۴۷ء / ۱۹۳۸ء) راجہ محمد یعقوب خان (۱۹۵۷ء اغلباً) راجہ محمد حسین خان - راجہ زبردست خان - راجہ غلام محمد خان - راجہ محمد یعقوب خان - راجہ دلی محمد خان (متوفی ۱۹۴۷ء) - ان کی اولاد در اولاد پھیلی ہوئی ہے - پورا گاؤں احمدی ہے - ان میں سے بعض شخصیتوں کا ذکر منشی محمد دین فوق مرحوم نے اپنی کتاب "تاریخ اقوام کشمیر" جلد ۲ میں بھی کیا ہے -

وچھن پور اسلام آباد کا موضع ہے یہاں سے عبدالعزیز صاحب مولوی نظام الدینؓ کے ذریعہ احمدی ہوئے - اپنے خاندان میں واحد احمدی تھے اور کشمیر کے سب سے پہلے موصی ہیں

جو بہشتی مقبرہ قادیان میں دفن ہوئے۔ اُن کے ذریعہ موضع بھوہڑ میں بھی جماعت قائم ہوئی۔

ناسنور

ناسنور میں ۱۸۹۴ء میں خواجہ عمر ڈار رضی اللہ عنہ احمدی ہوئے۔ آپ کے حالات صحابہ کے باب میں گذر چکے ہیں۔ قادیان سے بیعت کرکے واپس آئے تو گاؤں میں مخالفت شروع ہوگئی۔ مخالفت کے دوران اللہ تعالیٰ نے بعض سعید الفطرت لوگوں کو احمدیت کی طرف راہنمائی کی۔ چنانچہ آپ کے بعد مولوی محمد ابراہیم صاحب ناسنور۔ مولوی غلام احمد لون۔ ناسنور۔ انور ملک صاحب ناسنور۔ مولوی محمد عبداللہ صاحب وکیل (شوپیاں)۔ محمد میر گاگرن۔ میر حبیب اللہ گاگرن اور غلام رسول مانلو نے بیعت کی۔

محمد میر گاگرنؓ۔ جمال الدین گاگرنؓ اور میر حبیب اللہ گاگرن رضی اللہ عنہم نے قادیان جاکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دستی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ باقی احباب نے بذریعہ خط بیعت کی۔

مولوی محمد حسین شاہ ناسنور (اہلحدیث) واعظ تھے وہ خود تو احمدی نہیں ہوئے مگر اُن کی اولاد مولوی قطب الدین اور محمد یٰسین احمدی تھے۔ مولوی محمد حسین شاہ کی بیوی خادم بی بھی احمدی ہوگئی۔ مولوی محمد حسن شاہ بھی جو مولوی محمد حسین شاہ کے چھوٹے بھائی تھے خود تو احمدی نہیں ہوئے مگر اُن کے ایک ہی لڑکے سید عبدالمنان صاحب تھے جو احمدی ہوگئے۔ اور اتنے راسخ العقیدہ تھے کہ اپنے غیر احمدی باپ کی وفات پر ان کا جنازہ نہیں پڑھا۔ سید عبدالمنان صاحب کے بیٹے سید عبدالحی شاہ صاحب واقف زندگی ہیں جن کے حالات مبلّغین کے باب میں گذر چکے ہیں۔

ان مبائعین کے بعد محمد شعبان ریشی صاحب ایک رؤیا کی بناء پر سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ پھر فقیر محمد گوجر اور رفتہ رفتہ سارا قصبہ احمدی ہوگیا۔ اب ناسنور مشہور احمدی قصبہ شمار ہوتا ہے۔ ناسنور کا نام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے آسنور رکھا تھا۔ اب دونوں ناموں سے موسوم ہے۔ آسنور کے نام سے بھی اور ناسنور کے نام سے بھی۔ منشی محمد دین فوقؔ نے بھی "تاریخ اقوام کشمیر" جلد دوم میں ناسنور کے احمدی خاندانوں کا ذکر کیا ہے۔

ہالن میں احمدیت

موضع ہالن ناسنور کے قریب گاؤں ہے۔ یہاں کے اولین احمدی محمد جو صاحب تھے۔ انہیں ناسنور میں آتے جاتے احمدیوں سے پیغام حق پہنچا جس سے متاثر ہوئے اور قادیان جاکر بیعت کرلی۔ اُن کے بعد غلام محمد میر جبکہ وہ انقلاب میں پاکستان میں آکر کراچی میں مقیم تھے احمدی ہوگئے۔ اُن کے احمدیت قبول کرنے کا واقعہ یوں ہے کہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب ریل گاڑی میں سفر کررہے تھے کہ جہیر میں گاڑی پٹڑی سے اُتر گئی۔

اور اس شدید سے حادثہ میں ہزاروں مسافروں کی جانیں تلف ہوگئیں مگر چودھری ظفر اللہ خان صاحب کا ڈبہ معجزانہ طریق سے بچ گیا۔ جب کراچی میں انہوں نے چودھری صاحب کی ایک تقریر کے دوران یہ واقعہ سُنا تو اس سے وہ دل میں سمجھ گئے کہ احمدی سچے ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ اسی فکر میں مَیں نے اُسی رات خواب میں دیکھا کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانیؓ) ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں اور بہت سے لوگ اور بھی ہیں۔ اتنے میں حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ سب کو چھوڑ کر مرزا بشیر الدین محمود احمد کی طرف گئے۔ جس پر لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو مرزا بشیر الدین محمود احمد کے پاس تشریف لے گئے۔ مَیں بھی اُن کے پاس گیا اُس وقت فرطِ محبت سے مَیں نے رونا شروع کیا۔ یہاں تک کہ خوب رویا۔ جب بیدار ہُوا تو بیداری میں آنکھوں میں آنسو آرہے تھے۔ اس خواب سے میں بہت متاثر ہُوا۔ مَیں نے سمجھ لیا کہ خدا نے مجھے دکھایا ہے کہ احمدیت سچی ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عام مسلمانوں کی بجائے احمدی مسلمانوں کے ساتھ محبت رکھتے ہیں اور انہیں کو اپنے دین اسلام کے اصل ہمدرد اور سچے پیرو سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد مَیں نے کراچی ہی میں بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں شمولیت اختیار کی۔

ہموسان علاقہ بدھل ہموسان ریاست کشمیر کے ضلع ریاسی کا ایک دُور دراز گاؤں ہے۔ اور آمد و رفت پا پیادہ یا زیادہ سے زیادہ گھوڑ سواری کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالٰے نے یہاں بھی احمدیت پھیلانے کے سامان غیب سے کئے۔ یہاں عبدالقادر نامی ایک شخص جذام (کوڑھ) کے دائمی مریض تھے۔ جو علاج معالجہ کے لئے ہندوستان چلے گئے۔ پھرتے پھراتے کسی شخص کی تحریک سے وہ قادیان پہنچے۔ یہاں انکا علاج ہُوا۔ وہ احمدیہ عقائد سے متاثر ہوئے۔ خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بیعت کر کے واپس اپنے گاؤں ہموسان پہنچے۔ گاؤں والوں نے سُنا تو مخالفت کی مگر انہوں نے صبر سے وقت گذارا۔

کشمیر کے ایک اور گاؤں کورل نامی سے محمد صدیق ٹھاکر وغیرہ بھی ہموسان میں جدّی مملوکہ زمین کی نگرانی کے لئے آیا کرتے تھے اور احمدیت کی تبلیغ کرتے رہے جس سے عبدالاحد اور محمد عارف متاثر ہوئے۔ محمد عارف انہی دنوں حصول تعلیم کے لئے ناسنور چلے گئے وہاں احمدیہ جماعت کے زیر اثر انہوں نے بھی بیعت کر لی۔

اس دوران قادیان کے ایک مبلغ محمد شاہ صاحب بلوچستانی تبلیغ کے شوق میں پھرتے پھراتے ہموسان پہنچے۔ لوگوں نے اُن کی مخالفت کی مگر عبدالاحد نے انہیں اپنے ہاں ٹھہرایا۔ اور اُن کی

خاطر و مدارات کی۔ انہی دنوں ایک پیر صاحب اپنے مریدوں کے ہاں آس پاس کے علاقہ میں آئے گاؤں کے بعض سرکردہ لوگوں نے اُن سے جاکر احمدیت پھیلنے کا ذکر کیا اور احمدی مبلغ سے مباحثہ کرکے گاؤں سے باہر نکال دینے کا منصوبہ بنایا تاکہ باقی گاؤں گمراہ ہونے سے بچ رہے۔

محمد شاہ صاحب نے پیر صاحب سے قرآن مجید کی رُو سے بحث کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ جب پیر صاحب سے لوگوں نے بات چیت کی تو انہوں نے کہا۔ قرآن کی رُو سے مباحثہ نہیں بلکہ حدیث کی رُو سے بحث ہونی چاہیئے۔ اس پر غلام رسول صاحب کو جو مباحثہ میں پیش پیش تھا غصّہ آیا کہ قرآن کی رُو سے بحث کرنے سے جو حدیث سے مقدم ہے پیر صاحب کیوں روگردانی کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے گاؤں واپس آئے اور انہوں نے بھی بیعت کر لی۔ اب عبدالاحد کو بھی جرأت پیدا ہوگئی اور انہوں نے بھی بیعت کر لی۔ غلام رسول کھانڈے نے اپنے رشتہ داروں کو بھی تحریک و تبلیغ کی۔ چنانچہ سلطان احمد صاحب جو ایک صاحب کشف مرحوم بزرگ کے بیٹے تھے اور امام مہدی کے کدعہ بستی مشرق سے ظاہر ہونے کی پیشگوئی کر چکے تھے بھی احمدی ہوگئے پھر محمد عمر ٹھاکر نے بھی بیعت کر لی۔ اسی طرح گاؤں کے معززین نے بیعت کا شرف حاصل کیا اور مخالفین کی مخالفت جاری رہی مگر احمدیت بڑھتی رہی۔

کچھ عرصہ بعد سیالکوٹ میں ایک اور پیر صاحب حیات بخش سے فریقین کا مباحثہ طے پایا اور قادیان سے مولوی غلام رسول صاحب راجیکی بحث کے مقام پر حاضر ہوگئے مگر پیر صاحب تشریف نہ لائے اس پر نسیم بٹ۔ عبدالسبحان۔ عبدالخالق تینوں نے بیعت کر لی۔

اب چونکہ کافی کنبے احمدی ہوگئے تھے اس لئے اُن کی تربیت کی ضرورت کے پیش نظر قادیان سے مولوی غلام احمد شاہ صاحب ساکن مورجن (کشمیر) یہاں تربیت کے لئے مقرر کئے گئے۔ مخالفت کے زور کے ایام میں ایک اور مناظرہ کی نوبت آئی۔ قادر بخش اور محمد اسماعیل کے ساتھ غلام احمد شاہ صاحب کا مناظرہ ایک مکان کی چھت پر ہُوا۔ مخالفین کو یقین تھا کہ اب کی دفعہ وہ کامیاب ہونگے۔ ان کو اپنی کثرت اور ان عالموں کی بحث پر کافی گھمنڈ تھا۔ صبح سے عصر تک بحث جاری رہی مگر کوئی فیصلہ نہ ہُوا۔ آخر کار فریق مخالف کے مولوی قادر بخش نے دعا کرائی کہ جھوٹے فریق پر خدا کی آفت آئے۔ اس دُعا میں دونوں فریق شریک تھے۔ دُعا ختم ہوئی۔ اور احمدی احباب گھروں کو واپس آنے لگے تو کیا ہُوا کہ مکان کے جس حصے میں غیر احمدی برسر مباحثہ تھے مکان کا وہ حصہ گر کر زمین پر آلگا اور جس حصہ پر احمدی تھے وہ بچ گیا۔ لوگ بھی چھت

گرنے کے ساتھ زمین پر گرے مگر مرنے سے بچ گئے۔ اس غیبی نشان پر سب لوگ اپنی اپنی جگہ حیران و پریشان تھے اور سمجھتے تھے کہ دعا کا اثر ظاہر ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفین نے احمدیت کی مخالفت ترک کردی اور سمجھ لیا کہ احمدیوں کے ساتھ کوئی غیبی طاقت کارفرما ہے۔ اس کے بعد احمدی امن و امان سے رہنے لگے اور جن تکالیف کا سامنا تھا ان سے محفوظ ہوگئے۔ اب ہندوستان کی جماعت سینکڑوں افراد پر مشتمل ہے۔ ۱۹۴۷ء میں بعض ہجرت کرکے پاکستان چلے آئے۔ جو ضلع گوجرانوالہ گرمولہ درکاں میں آباد ہیں۔ اور بعض دوسرے مقامات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

بیج بیاڑہ

بیج بیاڑہ (وچ بردر) میں ۱۹۰۶ء میں سید سیف اللہ شاہ رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔ آپ کے حالات صحابہ کے باب میں گذر چکے ہیں۔

۱۹۰۱ء کے "الحکم" میں ۱۹۰۱ء کے مبائعین میں غلام احمد صاحب بیج بیاڑہ ڈاکخانہ ذوقی پور اور محمد رمضان صاحب نمبردار ہارو متصل کیموہ تحصیل ہری پور ڈاکخانہ بیج بیاڑہ علاقہ کشمیر کا نام بھی درج ہے۔ ۱۹۲۱ء کے مبائعین میں غلام رسول۔ حبیب اللہ۔ محمد یوسف شاہ و غلام محمد شاہ بھی ہیں۔

شورت اور کنہ پورہ

شورت اور کنہ پورہ میں سب سے پہلے احمدی قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ تھے شورت کے رہنے والے تھے اور کنہ پورہ کی مسجد کے امام الصلوۃ اور خطیب تھے۔ ایک خواب کے ذریعہ آپ کو براہین احمدیہ مطالعہ کرنے کی تحریک ہوئی اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ہی بذریعہ خط بیعت کرلی جس کی وجہ سے آپ کو لوگوں نے مسجد کی امامت سے فارغ کردیا۔ پھر آپ کو گھر سے بھی نکال دیا۔ شدید مخالفت کی۔ آپ نے حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں حالات لکھ کر دعا کی درخواست کی۔ حضور نے صبر و استقلال کی تلقین فرماتے ہوئے لکھا کہ لوگ اس کثرت سے احمدی ہونگے کہ آپ اُن سے ملاقات کرتے ہوئے تھک جائینگے چنانچہ مولوی صاحب کی زندگی میں ہی اللہ تعالیٰ کے فضل سے کنہ پورہ سارا اور شورت کا ½ حصہ احمدیت میں داخل ہوگیا۔ اور آج نہایت پُراخلاص اور پُرجوش احمدی یہاں موجود ہیں۔

مرحوم کا ایک فارسی دیوان غیر مطبوعہ راجہ عبدالرحمٰن (پاڑی پورہ) کے پاس موجود ہے۔ مسیح و مہدی علیہ السلام کی مدح میں آپ کے دو شعر بطور نمونہ یہ ہیں ؎

ہادیا! دورِ تو عجیب بینم ۔۔۔ ہمچو دورِ شہِ عرب بینم

ہر کہ انکارِ تو کند از جہل

جائے اُو با ابولہب بینم

رشی نگر

یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ ہی میں احمدیت کا نور پہنچ چکا تھا۔ یہاں کئی صحابی بھی گذر چکے ہیں۔ جن میں ولی محمد گنائی رضی اللہ عنہ تھے جو قادیان میں کچھ عرصہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔ عبدالعزیز صاحب پدر عبدالقدوس گنائی رضی اللہ عنہ۔ محمد علیل صاحب رضی اللہ عنہ اور عبدالعزیز صاحب رضی اللہ عنہ گنائی کو بھی قادیان جا کر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے دستی بیعت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

مواضع ہیچہ مرگ اور ہفرڈہ

مولوی عبداللطیف صاحب قریشی ساکن ہفرڈہ جماعت احمدیہ ہیچہ مرگ کے بانی اور گاؤں میں اکیلے احمدی تھے آپ کو قبول احمدیت کی تحریک و ترغیب خلافت اولیٰ کے وقت میں ہو چکی تھی۔ لیکن بیعت کی توفیق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے عہد میں آپ کے دست مبارک پر میسر آئی۔ بیعت کے بعد آپ کے ہاں چار لڑکیاں ہوئیں۔ اور آپ کی مخالفت اور بائیکاٹ اور تکالیف انتہاء کو پہنچیں آپ نے اولاد نرینہ کے لئے دعائیں کیں اور نیت کی کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد نرینہ دی تو قادیان میں تعلیم دلاؤں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تین فرزند عطا کئے۔ جنہیں تعلیم کے لیے ۱۹۲۹ء میں قادیان لے گئے۔ بلکہ اپنی بڑی لڑکی کی شادی بھی قادیان میں خلافت جوبلی ۱۹۳۹ء کے موقع پر عبداللطیف صاحب حال لاہور (برادر مولوی محمد تقی صاحب محلہ دارالرحمت قادیان) کے ساتھ کر کے قادیان سے دینی رابطہ کے علاوہ دنیاوی تعلق بھی قائم کر لیا۔ آپ کم گو۔ قانع۔ غنی النفس اور متوکل علی اللہ تھے۔ نماز تہجد میں ناغہ نہ کرتے۔ نماز چاشت بھی پابندی سے ادا کرتے تھے۔ آپ نے اور آپکی بیوی دونوں نے زاہدانہ زندگی بسر کی۔ اپنی وفات سے ایک ماہ قبل اپنے بیٹے عبدالحمید محمود کو آخری نصیحت یہ کی کہ "پیر پرستی اور قبر پرستی کے خلاف جہاد کرتے رہنا۔" اور دو کتب بھی مطالعہ کے لئے دیں۔ ۱۵ر جنوری ۱۹۶۶ء مطابق ۱۲ر ماہ رمضان رحلت فرما گئے۔ وفات سے قبل ایک غیر احمدی نے نماز جنازہ کی تجویز کے متعلق پوچھا تو بڑی غیرت سے فرمایا کہ اگرچہ میں علاقہ میں اکیلا احمدی ہوں مگر اللہ تعالیٰ کیا آخری وقت میں میری عمر بھر کی رفاقت چھوڑ دیگا۔ چنانچہ خود اپنی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا صدقہ و خیرات وغیرہ کا بھی خود انتظام کیا اور قرضہ سے بھی اطمینان کر لیا کہ کسی کا کوئی قرضہ نہیں ہے تب وفات پائی۔ آپ کے پسماندگان میں تین لڑکے عبدالحمید ناصر عبدالحمید محمود کشمیر فارسٹ ڈیپارٹمنٹ اسلام آباد کشمیر اور عبدالکریم ہیں۔ علاوہ پانچ لڑکیاں پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں ہیں[1]

[1] ہفت روزہ "بدر" قادیان ۷ر اپریل ۱۹۶۶ء ص ۶۔

علاقہ بانڈی پورہ

بانڈی پورہ جھیل ولر کے کنارے آباد ہے۔ یہاں کی آبادی اسی ہزار نفوس کے لگ بھگ ہے۔ اور علاقہ ساٹھ دیہات پر مشتمل ہے۔ اِس علاقہ میں احمدیت کیسے آئی؟ خواجہ ثناء اللہ صاحب بانڈی پورہ کا بیان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کے ابتداء میں باہر سے مولوی غلام رسول صاحب بہ حیثیت نیٹو اسسٹنٹ (جسے آج کل پرسنل اسسٹنٹ کہا جاتا ہے) گلگت تشریف لائے۔ آپ مخلص احمدی تھے اور تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ اپنے فارغ اوقات میں تبلیغ بھی کرنے لگے۔ ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد موصوف ٹٹو پر گلگت سے بانڈی پورہ پہنچے اور وہاں پیر بہاؤ الدین کی مسجد میں اُترے۔ اِس سے قبل اس مسجد میں مولوی عبد الصمد صاحب ساکن چیرہ کوٹ (لولاب) درس و تدریس کا کام کرتے تھے۔ مولوی صاحب عالم اور حکیم بھی تھے۔ آپ کے شاگردوں میں ملک غلام احمد صاحب اُونہ گام اور خواجہ محمد میر۔ محمد جُو دانی۔ صوفی سلطان میر صاحب (داچھی گام) خواجہ محمد جُو صاحب بانڈی پورہ اور خواجہ عبد الغنی صاحب وغیرہ شامل تھے۔ چنانچہ مولوی غلام رسول صاحب نے عشاء کی نماز کے بعد پیر بہاؤ الدین صاحب جو اس مسجد کے پیش امام تھے کو تبلیغ کی۔ مسیح موعود علیہ السلام کے دعوٰی کی تائید میں معقول دلائل سے متاثر ہو کر صبح کی انتظار میں رہے۔ مولوی عبد الصمد کے آنے پر آپ نے کہا کہ نو وارد مہمان نہایت معقولیت سے مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کے دعوٰی کو پیش کرتا ہے۔ آپ بھی اِس دعوٰی اور دلائل کو سُنیں اور اس پر غور کر لیں۔ مولوی غلام رسول صاحب نے آپ کے تمام شاگردوں کے سامنے دوبارہ حضرت مرزا صاحب کے دعوٰی پر روشنی ڈالی۔ پیر صاحب مع شاگردوں کے احمدیت سے کافی متاثر ہو گئے۔ اور بعد میں احمدی ہو گئے۔

پیر غلام محی الدین دیوانی جو مولانا محمد اسماعیل غزنوی سفیر ابن سعود (والی عرب) کے خسر بھی تھے پیر قطب الدین مرحوم۔ محمد بٹ۔ کبیر بٹ۔ صوفی عبد الخالق بٹ (داچھی گام) اور میر سلطان وغیرہ اصحاب ابتدائی احمدیوں میں سے صاحب کشف و رؤیا اور متقی بزرگ تھے۔ سلطان میر کے حالات پہلے گذر چکے ہیں۔ پیر غلام محی الدین کا ایک لڑکا آغا اسمٰعیل حال کراچی ہیں۔ اور پیر قطب الدین کا ایک لڑکا محمد اسحٰق ہے۔ مولوی عبد الصمد کی بیعت اخبار الحکم قادیان کے مطابق نومبر ۱۸۹۹ء اور ملک غلام احمد ساکن اُونہ گام کی بیعت ۲۴ دسمبر ۱۸۹۹ء کی ہے۔ مولوی عبد الصمد صاحب بلند پایہ فارسی شاعر بھی تھے۔ آپ کا قلمی دیوان تُرکہ پورہ جو بانڈی پورہ سے تین میل پرے ہے میں محفوظ ہے

عہ داچھی گام بانڈی پورہ سے آدھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ عہ بیان خواجہ ثناء اللہ بانڈی پورہ تاجر گلگت حال راولپنڈی۔

آپ کا ایک شعر ہے ؎ الا مہدی چرا نانی بکشمیر ٭ بہ بینی مقبرہ عیسٰے بجائے

آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عاشقوں میں سے تھے۔ آپ کی اولاد یہ ہے حکیم ولی الدین ماسٹر غلام محمد۔ غلام رسول۔ حبیب اللہ۔ عبد العزیز۔ ماسٹر غلام محمد کا ایک لڑکا نور الدین حال مقیم اسکردو (بلتستان) ہے۔ علاوہ ایک لڑکی تھی جس میں سے محمد یوسف شاہ حال اسکردو میں۔

سلطان میر اور پیر قطب الدین جماعت احمدیہ کے ممتاز بزرگوں میں سے تھے۔ اُن کی پرہیزگاری کو دیکھ کر مشہور مخالف پیر مصطفٰے شاہ صاحب نازکی ماوڈر کہا کرتے تھے کہ گو یہ دونوں کافر ہیں مگر ان کی عفت و پرہیزگاری دیکھ کر صحابہ یاد آجاتے ہیں اور ایسا گمان ہوتا ہے کہ صحابہ میں سے ہیں۔ جس طرح ہر جگہ کے ابتدائی احمدیوں کو مخالفین کی طرف سے تکالیف کا سامنا ہوا ان ابتدائی بزرگوں کو بھی شدید تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ عبد الکبیر بٹ ساکن طرقہ پورہ نے احمدیت قبول کی تو آپکے والدین نے آپ پر سختیاں کیں۔ بہت بیدردی سے اُن کو گھر سے نکال دیا گیا ایک روایت ہے کہ آپ کو ننگا کر کے نکالا گیا۔ آپ اُونہ گام میں پیر قطب الدین صاحب کے پاس آکر رہے کچھ دنوں کے بعد والدین کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور پھر انہیں گھر لے گئے۔ اس کے بعد خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ والدین بھی احمدی ہو گئے۔ پھر اُن کی بیوی کو احمدیت کی بناء پر سسرال والوں نے روک دیا جس پر عدالت میں مقدمہ چلا۔ مولوی محمد عبد اللہ وکیل نے بلا معاوضہ اس مقدمہ کی پیروی کی۔ عرصہ دراز تک مقدمہ چلتا رہا۔ اور غیر احمدی علماء سر توڑ کوششیں کرتے رہے کہ احمدیوں کے حق میں فیصلہ نہ ہو۔ مگر خدا تعالیٰ نے اُن کی پیش نہ جانے دی اور مقدمہ کا فیصلہ احمدیوں کے حق میں ہو گیا۔ یہ تاریخی مقدمہ بہاولپور کی ریاست میں بھی منگوایا گیا تھا جبکہ وہاں بھی احمدیوں اور غیر احمدیوں کے مابین اسی قسم کا مقدمہ چل رہا تھا۔ عبد الکبیر کی اس بیوی سے عبد اللہ نامی ایک لڑکا واقف زندگی ہے۔

خواجہ عبد الغنی بٹ وڈہ پورہ قبول احمدیت سے قبل چوروں کے سرگروہ تھے ملک غلام احمد مرحوم کی کوششوں سے چوری سے توبہ کر کے احمدیت قبول کرلی۔ اور اس علاقہ کے معزز لوگوں میں شمار ہونے لگے۔ سید محمد شاہ بلوچی اور حکیم مولوی نظام الدین احمدی بچوں کی تربیت کے لئے علاقہ میں رہے بعد میں خواجہ عبد الغنی والی۔ عبد الغفار اور محمد عبد اللہ جو تین بھائی تھے مولوی عبد الصمد کی کوششوں سے احمدی ہوئے۔ عبد الغنی اور عبد الغفار گلگت میں دوکان بھی رکھتے تھے جو گلگت ایجنسی میں واحد احمدی دوکان مشہور تھی۔ خواجہ محمد عبد اللہ بڑے بہت عابد اور سلسلہ کے لئے بڑے غیرت مند تھے۔ آپکے دو بیٹے خواجہ غلام محمد اور خواجہ ثناء اللہ ہیں جنہوں نے مسجد احمدیہ گلگت کی تعمیر میں بھی حصہ لیا۔

۱۹۶۲ء میں غیر احمدیوں کی طرف سے بانڈی پورہ میں ایک مناظرہ کے بعد احمدیوں سے سخت بائیکاٹ ہوا۔ تمام پیشہ وروں نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ دوکانداروں نے نقدی قیمت پر سودا دینے کے باوجود سودا دینے سے ہی انکار کر دیا۔ حالات کی اطلاع حکومت کو دے دی گئی۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر بارہ مولا مولوی حشمت اللہ خان لکھنوی (مؤرخ) موقعہ پر پہنچے اور مخالفین کو تنبیہہ کر کے بائیکاٹ ختم کرا دی۔ لوگوں کو اپنے مولویوں کے غلط فتویٰ پر کہ احمدیوں سے شرعاً معاملہ کرنا حرام ہے سخت افسوس ہوا اور انہوں نے احمدیوں کا کام کرنا شروع کر دیا۔

ہاری پاری گام کشمیر کے کئی مقامات ہیں جن میں اگر کہا جاسکے کہ خدا کے فرشتوں نے احمدیت کا بیج بو دیا تو بجا ہوگا۔ انہی مقامات میں سے ہاری پاری گام بھی ہے جہاں ظاہری حالات تو ساز گار نہ تھے مگر خدا کے فرشتوں نے احمدیت کا بیج بو دیا۔ حاجی ولی محمد صاحب راتھر کا بیان ہے کہ اُن کے دادا جان مرحوم نے خواب دیکھا کہ آسمان پر دو سورج طلوع ہوئے ہیں۔ دریافت کرنے پر کسی نے بتایا کہ ایک سورج رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرا سورج امام مہدی علیہ السلام ہیں جن کا ظہور ہو چکا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کہاں مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوا ہے؟ تو فرشتہ نے بتلایا کہ امام مہدی کا نام مرزا غلام احمد ہے قادیان ضلع گورداسپور اور تحصیل بٹالہ پنجاب میں وہ رہتے ہیں۔ رات گذار کر صبح جب وہ اُٹھے تو اسی پتہ پر انہوں نے بیعت کا خط لکھ دیا جس کا جواب انہیں چند دن بعد ملا کہ آپ کی بیعت قبول کر لی گئی ہے۔ اس کے بعد علاقہ میں مخالفت اور شدید بائیکاٹ ہوا۔ ایک سال کے بعد آپ کی وفات پر بائیکاٹ بھی ختم ہو گیا۔ آپ کی وفات پر بظاہر احمدیت کا کوئی سلسلہ باقی نہیں رہا کیونکہ حاجی ولی محمد صاحب آپ کے پوتے ابھی بچہ ہی تھے۔ مگر بچپن ہی میں انہوں نے الفضل اخبار منگوانا شروع کیا۔ بعدہٗ مبلغین سلسلہ بھی یہاں پہنچ گئے اور چار اور آدمیوں نے بھی بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں شمولیت اختیار کر لی۔ اس طرح اللہ تعالےٰ نے گویا غیب سے ہاری پاری گام اور اس کے مضافات میں احمدیت کی ترقی و توسیع کے سامان کر دیئے۔

موضع ماندوجن ماندوجن میں بھی خواب کے ذریعہ احمدیت کی بنیاد پڑی چنانچہ مولوی سید غلام احمد صاحب متوطن ماندوجن تحصیل کولہ گام (کشمیر) کا بیان ہے کہ میں بیعت سے پہلے ابتداء میں فرقہ حنفیہ کے ساتھ تعلق رکھتا تھا۔ تعلیم صرف اردو پرائمری تک تھی۔ تین فرقوں کی تبلیغ کو سنتا رہا اور پڑھتا رہا۔ دیوبندی۔ اہلحدیث اور احمدی۔ احمدیہ لٹریچر کے پڑھنے سے

لہ موصوف نے "تاریخ جموں ولداخ و گلگت بلتستان" نام سے ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے اور برطانوی عہد میں تقسیم ہند سے قبل طویل عرصہ تک ان علاقوں میں سرکاری عہدوں پر رہے ہیں۔

محمد اسداللہ قریشی (مصنف کتاب ھذا) صفحہ ۱۳۳

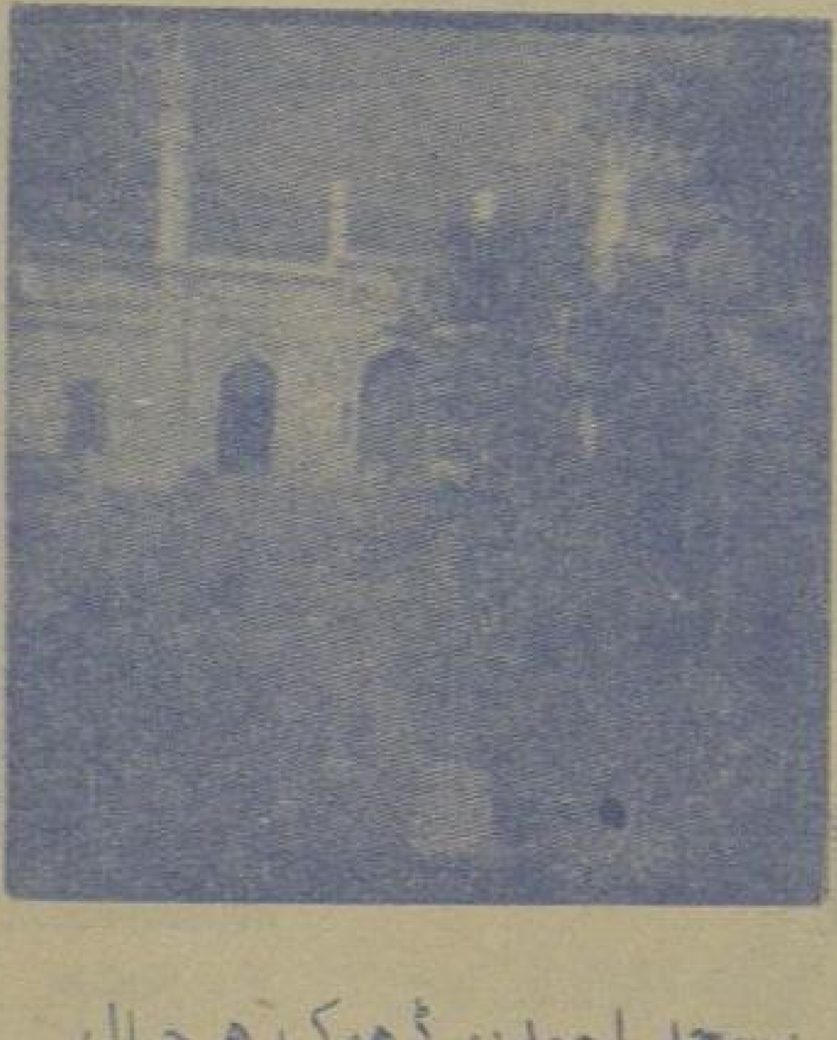

مسجد احمدیہ ڈھوک ہرچیال

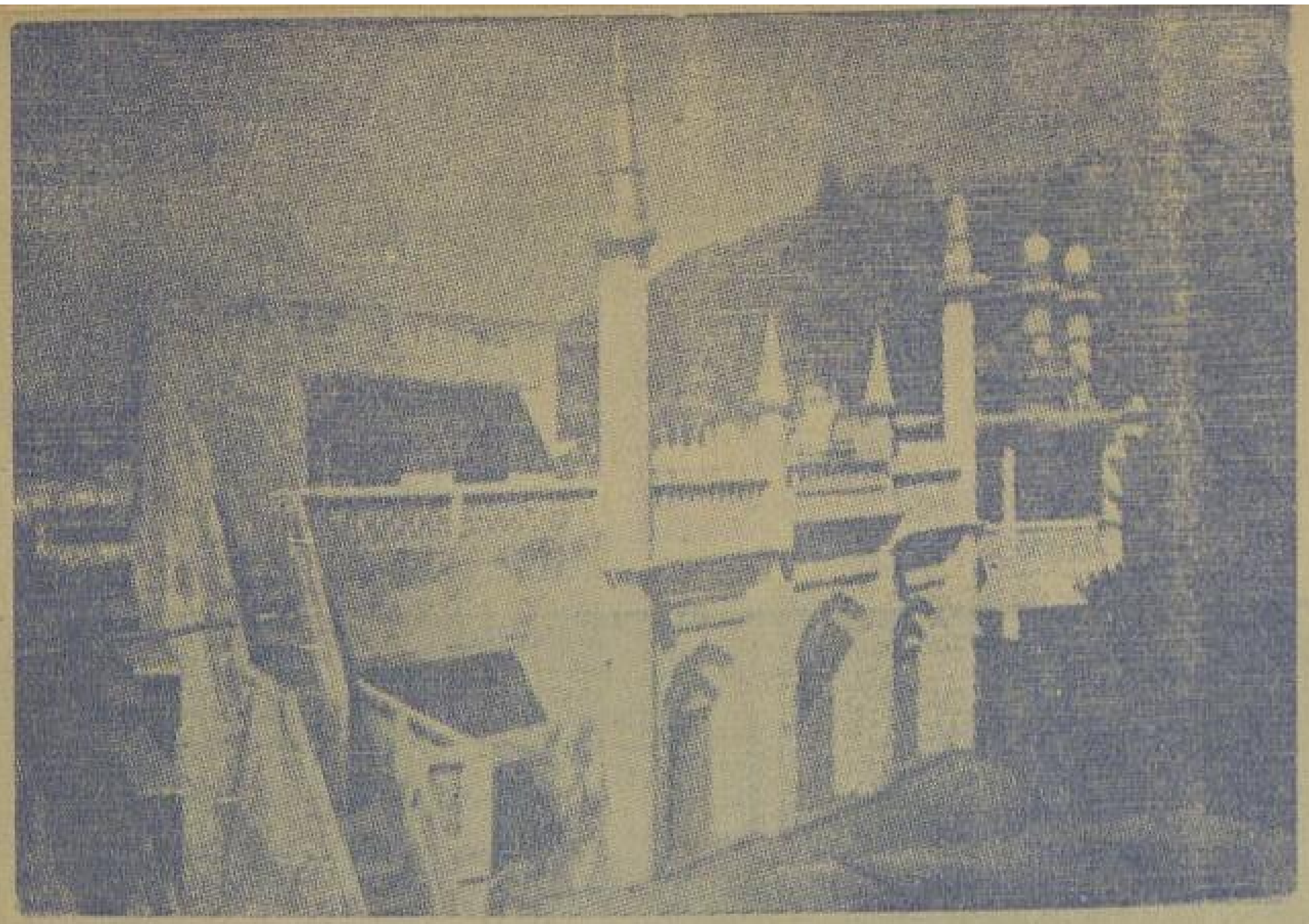

مسجد احمدیہ کوٹلی میر پور آزاد کشمیر

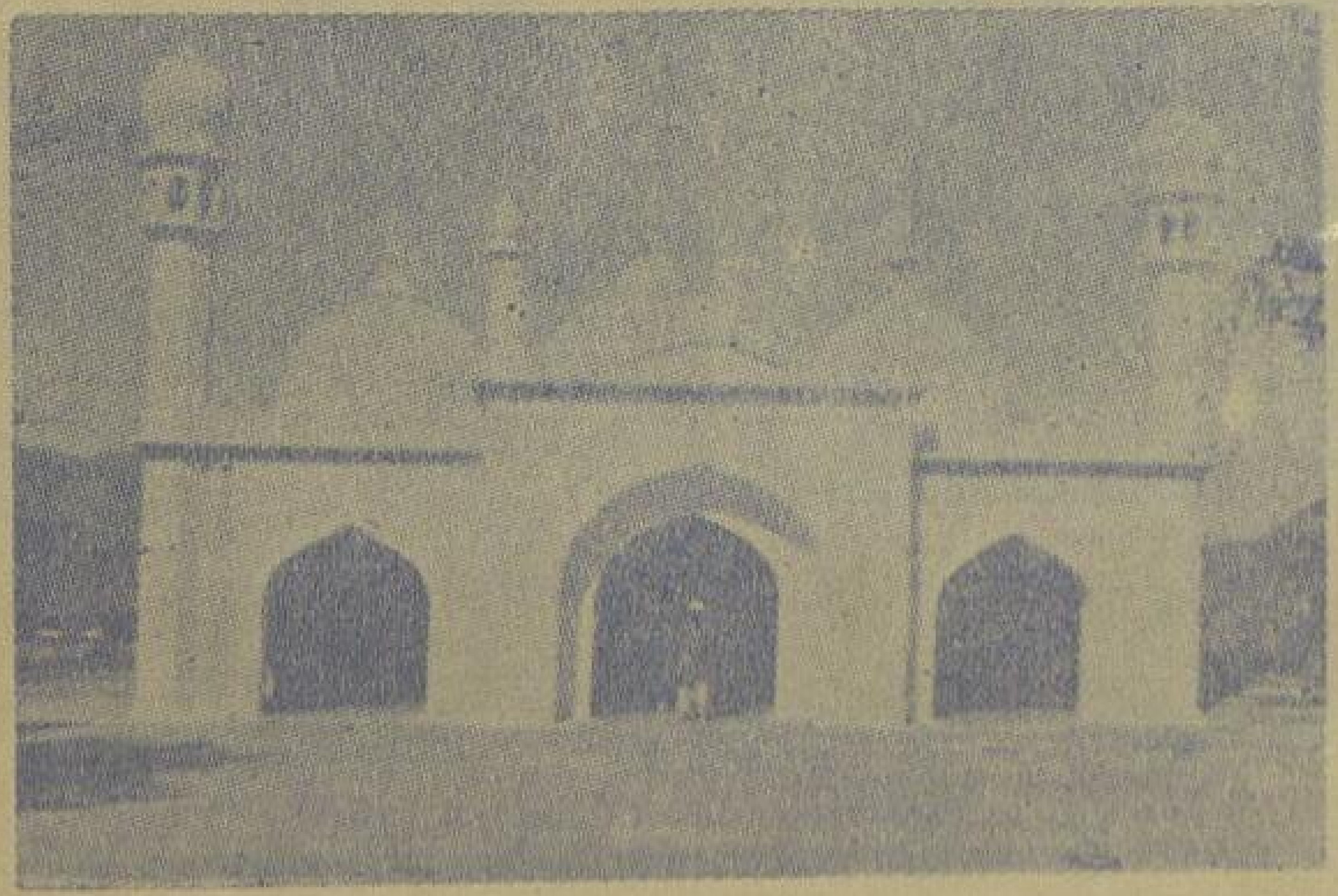

جامع مسجد اہل سنت والجماعت کوٹلی جسے مولوی محمد دین
سابق انسپکٹر پولیس (احمدی) نے ڈوگرہ عہد میں تعمیر
کرایا صفحہ ۱۳۲

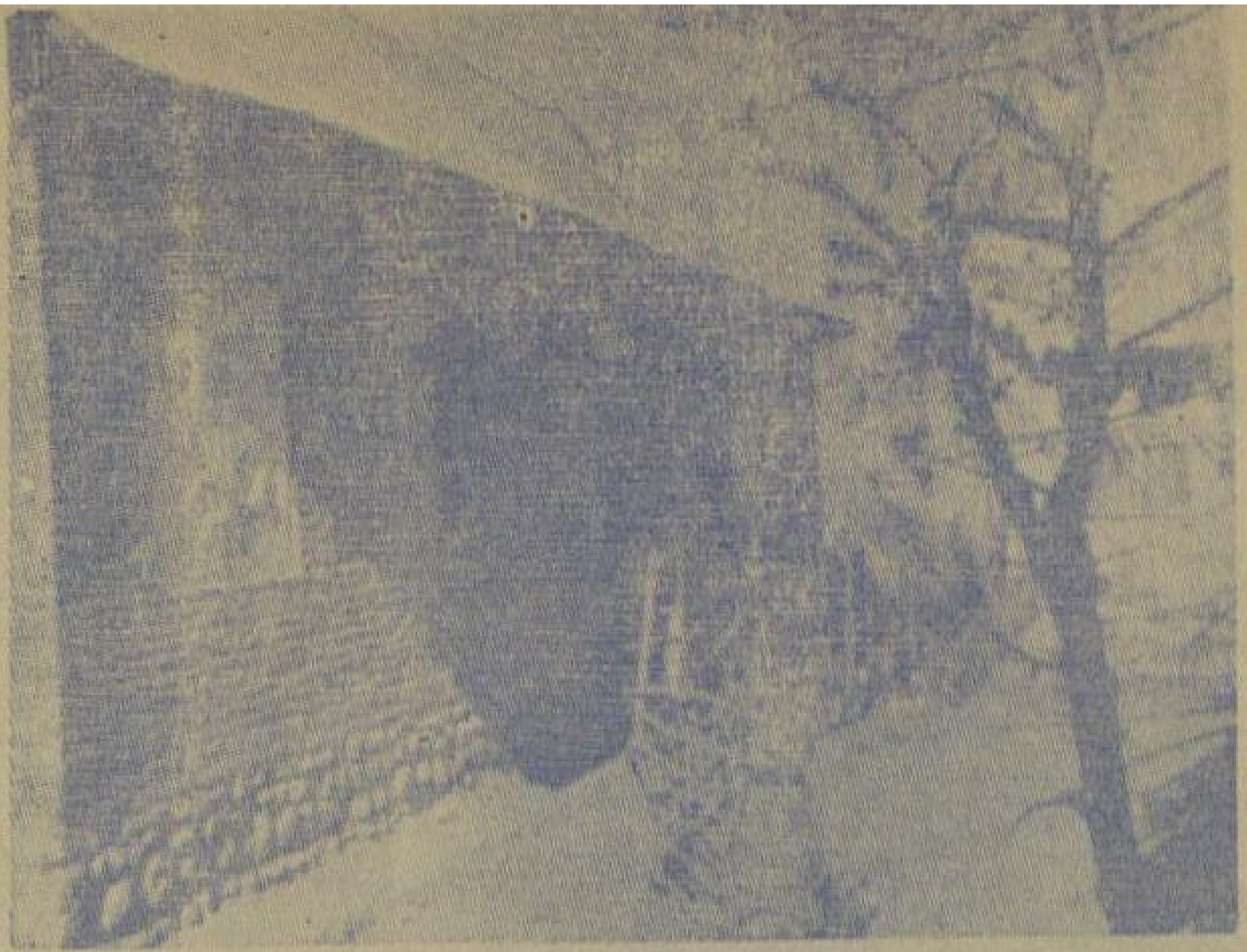

مسجد احمدیہ باڑی پورہ کشمیر کا ایک حصہ

مکرم ڈاکٹر جنوداللہ صاحب کاشغر صفحہ ۲۱۸

تسکین اور مشرکانہ عقائد سے نجات نہ ہوئی۔ پھر مخالف اخبارات اور رسائل پڑھے جس سے متذبذب ہو گیا۔ روزوں کا مہینہ آیا اور اپنی ہدایت کے بارے میں دعائیں شروع کر دیں۔ میرے والد صاحب اعتکاف میں بیٹھے اور دوسروں سے بھی مَیں نے دعاؤں کی تحریک کی کہ میرے بارے میں دُعائیں کریں۔ چنانچہ مَیں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ ایک برتن ہے جس میں دو کانے کی نلکیاں ہیں ایک نامعلوم شخص مجھے آ کر کہتا ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے؟ مَیں نے کہا کیا بات! اُس نے وہ دونوں کانے چیر ڈالے ایک اندر سے میل دار سیاہ نکلا۔ کہنے لگا "یہ وہ لوگ ہیں جو غیر احمدی ہیں"۔ دوسرا کانا اندر سے صاف ستھرا نکلا تو کہا کہ "یہ احمدی ہیں"۔ یہ مثال سُن کر مجھے کافی سرور حاصل ہُوا۔ اور مَیں نے سمجھ لیا کہ احمدیت برحق ہے چنانچہ ۱۹۳۵ء میں مَیں نے بیعت کر لی۔ میرے والد صاحب جو کہ غیر احمدی تھے کو بھی صداقت احمدیت کی خوابیں آتی رہیں جنہیں لوگوں کو بھی سُناتے تھے مگر وہ اس کی غلط تاویلات کرتے تھے اور ہمیں سُن کر سرور حاصل ہوتا تھا۔ اور ازدیاد ایمان کا باعث بنتا تھا۔ اِس واقعہ سے ظاہر ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ دعاؤں کے نتیجہ میں غیب سے خود متلاشیان حق کی راہنمائی کرتا ہے۔ آپ کے مزید حالات مبلغین کے باب میں گذر چکے ہیں۔

کانٹھ پورہ

جناب غلام رسول صاحب ساکن کانٹھ پورہ متصل یاڑی پورہ کشمیر نے اپنی قبول احمدیت کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ میری چھوٹی عمر میں میرے نانا صاحب، یہ تذکرہ کیا کرتے تھے کہ مَیں نے بہت علماء سے سُنا ہے کہ چودھویں صدی کے سر پر امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ انہیں اولیاء اللہ سے بہت محبت تھی۔ اور میں بھی چھوٹی عمر ہی سے اولیاء اللہ کی مجالس میں جایا کرتا۔ مَیں حنفی المذہب اور سید خاندان کے ایک پیر صاحب سے بیعت تھا۔ اور ورد و وظائف کرتا رہتا تھا۔ زمینداری کے علاوہ دوکانداری بھی کرتا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں رمضان المبارک میں مجھ پر رؤیا کا سلسلہ کھل گیا۔ ایک دن دیکھتا ہوں کہ ایک بیگانہ علاقہ میں ایک شہر بڑا گنجان آباد ہے۔ اس شہر کے مشرق و مغرب، جنوب و شمال ہر طرف مجھے سیر کرائی گئی میرے دریافت کرنے پر کہا گیا کہ یہی حضرت مسیح موعود و مہدی معہود کا شہر ہے اور اس شہر کا نام کدعہ* ہے۔ جو قادیان کے نام سے مشہور ہے۔ شہر کے اندر جا کر مسجد اقصیٰ و مسجد مبارک دکھلائی گئیں۔ پھر دیکھا کہ مسجد مبارک کے اندر ایک چارپائی پر ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے۔

---

* یاد رہے کہ حدیث شریف میں بھی امام مہدی کی بستی کا نام کدعہ آیا ہے اور بعض صوفیاء نے اس کی تشریح میں لکھا ہے کہ کدعہ قادیان کا معرب ہے۔ (تفصیل خاکسار کی کتاب "امام مہدی کا ظہور" میں دیکھیئے) "مؤلف"

مَیں نے السلام علیکم عرض کیا تو اس بزرگ نے اُٹھ کر مصافحہ کیا اور مجھے سینے سے لگایا۔ مسجد مبارک میں قدم رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ لوگوں سے پُر تھی۔ حضرت صاحب نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ یہ از قوم بنی اسرائیل ہے۔ کشمیر میں اس کا وطن ہے۔ پھر باری باری کل مجلس نے خاکسار سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔ مَیں نے حضرت صاحب کے چہرے پر سر تا پا نظر جمائی۔ مَیں نے پہلے سُنا تھا کہ مہدی علیہ السلام کا شبیہہ کس قسم کا ہے۔ میرے دل پر پتھر پر نقش کی طرح یہ شبیہہ جم گئی۔ مَیں نے پوچھا۔ حضور آپ کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ بڑے پیر و بزرگ مہدی علیہ السلام نظر آتے ہیں۔ جس خدا نے آپ کو یہ مرتبہ دیا ہے اس کا واسطہ ہے مجھے ضرور بتلا دیں۔ آپ نے فرمایا۔ مَیں مسیح موعود ہوں اور مہدی معہود ہوں۔ مَیں خدا کی طرف سے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں۔ مجھے نبی کا خطاب دیا گیا ہے۔ میں ہر مذہب کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ مَیں جَرِیُ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ[1] ہوں تاکہ تمام اکنافِ عالم کے مذاہب کو اسلام میں داخل کروں۔ مَیں حکم و عدل ہوں۔ میرا نام غلام احمد ہے۔ میں صحیح طور سے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔ اسی کے چشمہ سے سیراب ہوا ہوں۔ مَیں محمد ہوں۔ مگر در لباس احمد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا دوسرا ظہور ہوں۔ مبارک ہے وہ جو مجھے شناخت کرے۔ مَیں نے عرض کیا کہ کوئی اپنی تصنیف کردہ کتاب دی جائے تاکہ مَیں بھی معرفت کے خزائن سے مالا مال ہو جاؤں۔ حضور نے چند کتابوں کا نام لیا۔ مجھے صرف "براہین احمدیہ" کا نام یاد رہا۔ سحر کا وقت تھا۔ مَیں خواب سے بیدار ہو کر حیران ہو گیا کہ مَیں نے یہ کیا خواب دیکھی ہے؟ سوچتے سوچتے یاد آیا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ شاید کہ یہی صاحب ہونگے جس کا چرچا مدت سے ہو رہا ہے جس پر مُلّاں لوگ کُفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔ اے میرے مولیٰ! معاف کر اور رحم فرما۔ اگر یہ صاحب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو میری راہنمائی فرما تاکہ مَیں اس کے غلاموں میں شمار ہو جاؤں۔ صبح کے وقت چک ایمرچھ نامی گاؤں سے جہاں کی کل آبادی جماعت احمدیہ کی ہے ایک صاحب مسمی عبد اللہ خان صاحب احمدی سودا لینے کے لئے میری دکان پر آیا۔ سودا دینے کے بعد مَیں نے اُن سے پوچھا۔ آپ لوگوں کا کیا مذہب ہے۔ اس نے کہا۔ ہم مسلمان ہیں کلمہ پڑھتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ روزہ رکھتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ حج کرتے ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں۔ مَیں نے کہا۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کے گاؤں والے

---

[1] انبیاء کے حلوں میں خدا کا پہلوان" یہ آپ کا ایک الہامی لقب ہے جو احمدیہ لٹریچر میں شائع شدہ موجود ہے۔

باشندوں کا پیر و مرشد کون ہے۔ کس سے آپ لوگوں کی بیعت ہے؟ یہ خاموش ہوگیا۔ جب میں نے مجبور کیا تو خان صاحب نے دبی زبان سے کہا۔ ہم احمدی ہیں۔ میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی کہ آپ دبی زبان سے کیوں بولتے ہیں چست و چالاک ہوکر بولو۔ اس نے کہا۔ اگر تم ناراض ہوگئے کہ یہ کیوں میری دوکان پر آتا ہے پھر میں نہیں آؤنگا۔ میں نے اس سے پوچھا کیوں کیا وجہ ہے کہ تم لوگوں پر علماء نے فتوئ کفر لگایا ہے۔ اُس نے کہا۔ ہاں: اس کے علاوہ لوگ ہم کو سخت تکلیف دیتے ہیں۔ ہم کو ڈر ہے کہ کوئی شخص سُن کر ہم پر حملہ نہ کر دے۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ کے گاؤں میں کسی کے پاس "براہین احمدیہ" نام سے کوئی کتاب ہے۔ اُس نے کہا ہاں: میں نے کہا مجھے لاکر دکھلاؤ۔ اُس نے مجھے "براہین احمدیہ" لاکر دے دی۔ میں اردو سے ناواقف تھا۔ پڑھنا شروع کیا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا جس سے مجھے فکر و غم ہوا۔ اور دُعا کی کہ اے اللہ! مجھ کو سمجھ نہیں آتا۔ مجھے علم عطا کر کہ میں یہ کتاب پڑھوں۔ اور سوچوں کہ کیا حقیقت ہے۔ ماہ صیام کی برکت سے میری دعا اللہ تعالےٰ نے پھر قبول کی۔ تیسرے روز میں نے دوسری خواب دیکھی جس میں دوبارہ وہی نقشہ دیکھا۔ میں حضرت صاحب کے پاس مسجد مبارک میں پہنچا۔ حضور سے السلام علیکم کہہ کر مصافحہ کیا۔ حضور نے فرمایا۔ براہین احمدیہ مل گئی۔ میں نے کہا۔ حضور ہاں: مگر پڑھنے اور سمجھنے کی اٹکل نہیں آتی۔ حضور کے زور سے خاکسار کو اپنے سینے سے لگایا اور میرے مُنہ پر تین بوسے دے دیئے۔ پھر براہین احمدیہ میرے سامنے لاکر رکھ دی۔ جب میں نے پڑھنا شروع کیا۔ خود بخود سمجھ میں آنے لگی۔ جمعہ کا دن تھا حضور نے خطبہ فرمایا۔ مسجد اقصیٰ کے اندر نماز پڑھی۔ اسی اثناء میں ایک بڑی سلطنت کے بڑے لوگ عربی لباس میں ملبوس ہوکر جم غفیر کی صورت میں مسجد اقصیٰ میں رونق افروز ہوگئے۔ ابھی نماز کا وقت نہیں تھا مگر قریب نماز ظہر تھی۔ جب دریافت کیا گیا کہ یہ کون صاحب ہیں۔ معلوم ہوا یہ سردار سلطنتِ عرب حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم معہ خلفاء وصحابہ کبار رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ پھر نہایت آداب سے باہمی السلام علیکم ہوا۔ اذان شروع ہوگئی۔ حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا۔ قرآن شریف سناؤ۔ حضور نے سورۂ آل عمران کی تلاوت فرمائی۔ پھر مختلف اطراف کے لوگوں نے نماز جمعہ مسجد اقصیٰ میں پڑھنی شروع کی۔ کثرت سے جگہ تنگ ہوگئی خلقت زیادہ تھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو مسجد اقصیٰ کا صحن اتنا وسیع ہوا کہ لوگوں نے آرام سے نماز ادا کی۔ پھر سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا اور نماز پڑھائی۔

حضور نے خطبہ کے اندر فرمایا۔ جس نے احمد سے پیوند کیا اُس نے مجھ سے پیوند کیا۔ پھر میں خواب سے بیدار ہو گیا صبح براہین احمدیہ پڑھنی شروع کی۔ میرے والد صاحب اور میرے ماموں صاحب بھی سُننے کیلئے بیٹھ گئے۔ الغرض براہین احمدیہ ختم کر کے اور کتابیں دیکھیں۔ خدا کے فضل سے میرے والد صاحب اور ماموں صاحب متفق ہو گئے۔ چالیس دن تک حضرت صاحب کی کتابیں دیکھتا رہا اور انکو سمجھاتا رہا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فضل کر دیا اور میرا خاندان اور میرے ماموں صاحب اکٹھے بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔

علاقہ بارہ مولا

بارہ مولا کشمیر کا مشہور ضلع ہے۔ روایت ہے کہ اس شہر کا نام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ۱۲ حواریوں کے نام پر بارہ مولا رکھا گیا تھا[۱]۔ کشمیری زبان میں اسے "درہ مُل" کہتے ہیں۔

فہرست مبائعین جو اخبار "الفضل" میں وقتاً فوقتاً چھپتی رہی ہے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۳۰ء میں غلام صادق۔ حافظ غلام یٰسین نے اور ۱۹۳۳ء میں حکیم غلام محمد۔ حکیم غلام رسول۔ حکیم عبدالعزیز۔ حکیم حبیب اللہ نے اور ۱۹۳۶ء میں صمد جو وانی۔ غلام محمد لون سلطان محمد۔ شاہ دولا راج ولی۔ ستار محمد۔ کالو۔ میر محمد۔ راجہ شیر علی خان اور نظام الدین نے۔ ۱۹۳۷ء میں نورالدین۔ ناصرالدین عائشہ بی بی۔ عالم دین نے۔ ۱۹۳۸ء میں شیر محمد نے۔ ۱۹۳۹ء میں فضل دین۔ جمال میر۔ پیر مختار نے۔ ۱۹۴۰ء میں میاں سعداللہ (شاہ دولہ) غلام یٰسین نے اور ۱۹۴۲ء میں سید اکبر شاہ نے بیعت کی۔

ساٹھ گنڈ پائین

ساٹھ گنڈ پائین تحصیل ہندواڑہ ضلع بارہ مولا میں لنگیٹ کے متصل ایک گاؤں ہے۔ جہاں پیروں کا ایک ہی خاندان ہے جس میں سے خاکسار راقم الحروف کو سب سے پہلے پنجاب میں آکر احمدیت قبول کرنے کی توفیق ملی جبکہ خاکسار حصول تعلیم کی غرض سے ۱۹۴۷ء سے قبل ۱۹۴۲ء ۱۹۴۳ء میں پنجاب چلا آیا۔ چنانچہ راولپنڈی میں ۱۹۵۹ء میں خلافت ثانیہ کے عہد میں بیعت کرلی۔ مزید حالات مبلغین کے باب میں گذر چکے ہیں۔ خط متارکہ جنگ اور سیاسی حالات کی نامساعدت کے باوجود خاکسار نے اپنے رشتہ داروں کو خطوط اور لٹریچر کے ذریعہ پیغام حق پہنچایا۔ ربوہ (پاکستان) سے الفرقان اور قادیان (بھارت) سے اخبار بدر بھی رشتہ داروں کے نام جاری کروا دیئے گئے ہیں۔ جو خط متارکہ جنگ کے اُس پار متنازعہ بھارتی علاقہ میں رہتے ہیں۔

---

[۱] روزنامہ بلٹز بمبئی (بھارت)

ہندواڑہ

یہاں کے عبدالغفار صاحب بچپن ہی سے نظر عبادت اور مخلوق کی خدمت کا شوق رکھتے تھے بلکہ مذہبی تحقیقات کا بھی شوق رکھتے تھے اسی تحقیق کے نتیجہ میں آپ پر صداقت احمدیت کا انکشاف ہوا اور احمدی ہو گئے۔ لوگوں نے ان کی سخت مخالفت کی اور گھر والوں نے گھر سے نکال دیا۔ مگر ثابت قدم رہے۔ آخر آپ حصولِ تعلیم کی غرض سے قادیان چلے گئے۔ جہاں قضائے الٰہی سے مورخہ ۲۶ر جنوری ۱۹۴۲ء میں فوت ہو گئے۔

منیگاہ

منیگاہ علاقہ کپوارہ ضلع بارہ مولا کشمیر کا ایک مقام ہے یہاں کے مولوی حبیب الرحمٰن احمدی ہوئے تو ان کے بھائی محمد سلیمان قریشی نے بھی ۱۹۶۰ء میں بیعت کی۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے رؤیا کے ذریعہ احمدیت کی صداقت اس طرح معلوم کی کہ میرے بھائی نے مجھ سے ایک دفعہ جبکہ گاؤں میں شدید مخالفت تھی احمدیت کے بارے میں فیصلہ کرنے پر اصرار کیا۔ میں پریشان تھا کہ کیا فیصلہ کروں۔ اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ دو سپاہی مجھے پکڑ کر مغرب کی طرف لے جا رہے ہیں۔ جنوب کی طرف مجھے سفید خیمے نظر آئے۔ میں نے ان سپاہیوں سے پوچھا کہ یہ خیمے کس کے ہیں۔ انہوں نے کہا "مرزا غلام احمد کے"۔ پھر مجھے ایک خیمہ کی طرف لے گئے جہاں زمین پر سفید عمامہ۔ کالا کوٹ اور سفید شلوار والے ایک نورانی چہرہ والے بزرگ بیٹھے ہوئے تھے انکی داڑھی سیاہ تھی۔ کہنے لگے۔ مرزا غلام احمد قادیانی فوت ہو گئے ہیں۔ یہ ان کے فرزند ہیں۔ انہیں جانتے ہو! میں نے کہا جانتا ہوں۔ حضور نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور فرمایا ان کو چھوڑ دو سپاہیوں نے فوراً مجھے چھوڑ دیا اور چلے گئے۔ بائیں طرف ایک خادم کھڑے تھے انکو فرمایا جاؤ اس کو روٹی کھلا دو۔ جب وہ مجھے لے چلا تو میں نے اس سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی کہ میں نے روٹی تو کھائی ہے۔ میں صرف حضرت صاحب سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر میری آنکھ کھل گئی۔ اس رؤیا نے میرے دل کے سارے بندھن کھول دیئے اور جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۶۰ء پر میں نے بالآخر بیعت کر لی۔ قادیان سے ہی اپنے گھر والوں کو مبارکبادی کا خط لکھ دیا کہ میں نے بیعت کر لی ہے۔ جب گھر آیا تو گاؤں میں میرے بھائی کے ساتھ جو مخالفت تھی وہ میرے احمدی ہونے کی وجہ سے اور زیادہ شدید ہو گئی چنانچہ مجھے اپنے گاؤں سے نکال دیا گیا۔ میں نے دوسرے گاؤں میں کرایہ پر مکان لیا۔ پھر مجھے اور بھی کئی مبشر خوابیں آئیں جن سے میرا ایمان مضبوط ہوتا گیا۔

اننت ناگ

یہاں راجو صاحب۔ کبیر دانی۔ غلام محمد شاہ۔ عبدالرحیم۔ عبدالصمد لون۔ غلام محمد معہ اہلیہ۔ محمد رمضان ڈار۔ عبدالخالق۔ عبدالغنی گنائی۔ ولی محمد۔ عبدالغنی ولد عبدالصمد

محمد یوسف ۔ مولوی محمد رمضان صاحب وغیرہم نے تقسیم سے قبل بیعت کی تھی ۔

اُدھم پور

یہاں تقسیم سے قبل غلام نبی طبیب ۔ بخش بی بی صاحبہ اور غلام محی الدین نے بیعت کی ۔ ریاسی میں نور الدین ۔ برکت ۔ سردار خان ۔ عبد السبحان ۔ محمد عارف ۔ بیگم بی بی صاحبہ نے بیعتیں کیں ۔ بھمبر میں امام دین صاحب نے ۔ کُلگام میں غلام محمد صاحب وغیرہ نے بیعتیں کیں ۔

ریاست کی غیر طبعی تقسیم کا اثر

خطِ متارکۂ جنگ کے اُس پار ان جماعتوں کی علاقہ وار فہرست کا اجمالی ذکر تھا جن کے حالات ہمیں میسر آسکے ہیں ۔ ان جماعتوں کے علاوہ اور بھی بہت سے علاقوں میں احمدی جماعتیں موجود ہیں ۔ مناسب ہوگا کہ ساری جماعتوں کی یکجائی فہرست درج کر دیں تاکہ احمدیہ جماعتوں کی وسعت کا ایک اجمالی خاکہ قارئین کرام کے ذہنوں میں آسکے ۔ فہرست درج کرنے سے قبل ریاست جموں و کشمیر کی جغرافیائی تقسیم بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے ۔

ریاست جغرافیائی لحاظ سے چار بڑے حصوں میں منقسم چلی آرہی ہے ۔

(۱) صوبہ کشمیر (۲) صوبہ جموں (۳) صوبہ پونچھ (۴) سرحدی اضلاع ۔

یہ تقسیم بھی ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے نتیجہ میں دو بڑے غیر طبعی حصوں میں بٹ کر رہ گئی ہے جن کے درمیان اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ۱۹۴۸ء میں جنگ روک کر خطِ متارکۂ جنگ کھینچ دیا ہے ۔ ایک حصہ آزاد کشمیر اور دوسرا حصہ خطِ متارکۂ جنگ کے پار بھارتی مقبوضہ کشمیر کہلاتا ہے ۔ ۱۹۴۷ء کے انقلاب اور پھر ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں پاک و بھارت کی تین جنگوں کے موقعہ پر دوسرے مسلمانوں کے ساتھ احمدیہ جماعتوں کو بھی مقبوضہ بھارتی علاقوں سے آزاد کشمیر کی طرف منتقل ہونا پڑا جن کا ذکر موقعہ بہ موقعہ گذر چکا ہے ۔ کہیں ان کے اصل آبائی مقام کے تعلق سے اور کہیں اس نئے مقام کے تعلق سے جہاں ترک وطن کے بعد آزاد کشمیر یا پاکستان میں وہ آکر آباد ہو گئے ۔

ریاست کی احمدیہ جماعتیں

۱ ۔ صوبہ کشمیر :۔ بارہمولہ ۔ بانڈی پورہ ۔ سوپور ۔ ہچہ مرگ ۔ اُڑدون ۔ ہانجی پورہ ۔ ہندواڑہ ۔ ہفرڈہ ۔ پنزگام ۔ منیگا ۔ ترک پورہ ۔ مینشوار ۔ دُنہ گام ۔

حلقہ اسلام آباد :۔ اسلام آباد ۔ ویری ناگ ۔ اندورہ ۔ پھوہڑ ۔ پوٹی ۔ پہلگام ۔ بیج بیاڑہ ۔ آردون ۔ زینہ پورہ ۔ یاڑی پورہ ۔ نونہ مئی ۔ چک ایمرچ ۔ بولُس ۔ مانگام ۔ کنہ پورہ ۔ شُرت ۔ ادگام ۔ کونگام ۔ موتہ جن ۔ ریشی نگر ۔ ہانجی پورہ ۔ ڈلو ۔ ناصنور ۔ کوریل ۔ ریہ دٹن ۔ ہالن ۔ منزگام ۔ کھری بٹہ پورہ ۔ گاگرن ۔ شوپیاں ۔ بڑونہ ہانو ۔ تُرد گام ۔

حلقہ سری نگر :- سری نگر - پانپور - ترال - باری پانی گام - زرگن - داچھی گام - ڈنہ گام -

۲ - صوبہ جموں :- شہر جموں - لویے ڈال - جب -

ضلع اُدھم پور :- اکھنور - بھدرواہ - کشتواڑ -

ضلع ریاسی :- راجوری - ہڑانہ - چارکوٹ - رہتال - ہموساں ساج - سوریاں
کالابن - ڈرانہ - دھوڑیاں -

ضلع میرپور :- میرپور شہر - میرا بھڑکا - کوٹلی - رام باڑی - بھابھڑا - چرناڑی -
گوئی - بھمبر - پنجیڑی - دلیا جھاں - نگیال - ڈیتال - بڑوہ بڈالہ
(علاقہ سماہنی) توتین راجانی - برنالہ - کنڈور -

۳ - صوبہ پونچھ :- پونچھ شہر - شیندرہ - سلواہ - سرن - جوڑیاں - پٹھاناں تیر -
سونا گلی - ناڑ - ٹائیں منکوٹ - مرڈٹ - باغ - کنوئیاں -
گرسائی - درہ شیر خاں - ترناڑ خیل -

حلقہ مظفر آباد :- پریم کوٹ - چکار - گھنڈی پیراں - سانخلہ (علاقہ کرناہ) چناری -

۴ - سرحدی اضلاع :- گلگت شہر - اسکردو -

ہچہ مرگ میں پچھتر فیصدی احمدی آبادی ہے - ہھرڈہ میں ۵۰ فیصدی - یاڑی پورہ میں ۸۰ فیصدی ناسنور میں سو فیصدی - کوریل میں ۹۵ فیصدی - دیہ وٹن میں ۸۰ فیصدی - ریشی نگر میں ۸۰ فیصدی موترجن میں ۳۰ فیصدی - شرت میں ۶۰ فیصدی - کنہ پور میں ۸۰ فیصدی - چک ایمرچ میں ۹۰ فیصدی نونہ سمئی میں ۵۰ فیصدی - زدرہ مانلو میں ۲۵ فیصدی - ہاری پاری گام میں ۵۰ فیصدی - بونس میں ۲۵ فیصدی آبادی ہے - باقی مقامات پر کہیں دو خاندان ہیں کہیں تین کہیں چار کم و بیش علی ہذا القیاس -

احمدیوں کی نفر شماری

اسجگہ یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ ۱۹۳۱ء کی تحریک آزادی کشمیر کے ایام میں جب احمدی وکلاء کشمیریوں کی قانونی امداد کے لئے کشمیر میں آنے لگے تو مہاراجہ کشمیر کی خواہش پر ریاستی وزیر اعظم ہری کشن کول نے ریاستی احمدیوں کی نفر شماری کرائی - بعد میں سرکاری ذرائع سے جو رپورٹ شائع ہوئی اس کے مطابق ریاستی احمدیوں کی تعداد اسی ہزار (۸۰۰۰۰) تھی - اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ریاست جموں و کشمیر ہندوستان و پاکستان کی تمام ریاستوں میں سے وہ ریاست ہے جس میں احمدیوں کی آبادی سب سے زیادہ ہے -

باب یازدہم

پونچھ۔ راجوری ۔ ریاسی اور انکے ملحقات میں احمدیت

پونچھ۔ راجوری اور ریاسی کشمیر سے ملحقہ اضلاع ہیں۔ پونچھ میں حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب شاہی طبیب ریاست جموں و کشمیر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ پیغام حق پہنچا۔ آپ مہاراجہ کشمیر کے حکم سے یہاں کے راجہ بلدیو سنگھ کے علاج کے لئے آئے۔ راجہ صاحب پونچھ کے کامیاب علاج پر آپ کو بہت سا روپیہ انعام ملا اور مہاراجہ کشمیر نے بھی علیحدہ انعام دیا۔ حضرت مولانا حکیم صاحبؓ موصوف نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ کوئی خدمت ارشاد فرمادیں حکم ہوا کہ عیسائی پادریوں نے اسلام پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کا جواب لکھیں۔ آپ نے اس ارشاد کی تعمیل میں "فصل الخطاب" نامی کتاب لکھی جس سے عیسائیوں کے مباحثات میں بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ کیونکہ اس میں پادریوں کے اعتراضات کے مدلّل و مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔

تحریری ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ پونچھ میں پیغام حق کے اولین قبول کرنے والے درج ذیل اصحاب تھے مولوی رستم علی خان۔ ڈاکٹر نواب علی خان۔ منشی نواب علی خان۔ راج ولی خان۔ میاں محمد حسین شاہولی خان کرم علی خان۔ عبدالکریم۔ میاں خوشی محمد خان۔ میاں احمد دین خان۔ میاں عباس علی خان سنہاس لبنوار دوست محمد خان، دانشمند خان وغیرہم۔

میاں محمد حسین کی بیعت ۱۹۰۷ء کی ہے۔ منشی رستم علی خان پرہیزگار انسان تھے آپ کی باکرامت موت کا ذکر "تاریخ اقوام پونچھ" میں منشی محمد دین فوق مرحوم (مؤرخ) نے بھی کیا ہے۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو کنوئیاں کی بلند برفانی پہاڑی کی چوٹی پر دفن کیا گیا۔

ڈاکٹر حاجی نواب علی خان چوغطہ نے اپنی آپ بیتی "نواب بیتی" کے نام سے لکھی ہے جس میں اپنے رؤیا و کشوف اور قبول احمدیت کا ذکر کیا ہے۔ کثیرالاولاد تھے۔ منشی محمد دین فوق (مؤرخ) مرحوم نے "تاریخ اقوام پونچھ" میں مذکورہ اصحاب میں سے اکثر کا ذکر کیا ہے اور منشی نواب علی خان یوسف زئی اور ڈاکٹر حاجی نواب علی خان چوغطہ کے حالات کے ساتھ ان دونوں کے فوٹو بھی شامل کتاب کر دیے ہیں۔[۱]

۱؎ تاریخ اقوام پونچھ صفحہ ۲۶۷ تا ۲۷۳ و ۱۶۸ تا ۱۶۹۔

ڈاکٹر نواب علی خان سابق بالخیرات، ہمدردِ خلائق اور صاحب کشف بزرگ تھے۔ کتب احمدیہ کے مطالعہ کے دوران آپ نے کئی خوابیں دیکھیں جن سے آپ پر صداقت احمدیت کھل گئی اور یقین بڑھ گیا۔ ایک رؤیا یہ تھی کہ آپ نے قطب شمالی سے قطب جنوبی تک روشن آسمان پر "المہدی" لکھا دیکھا۔ انہی دنوں میں آسمان پر ذو السنین ستارہ بھی نمودار ہوا تھا جو احادیث میں ظہور امام مہدی علیہ السلام کی علامات میں سے ہے جس کی ایک دُم مشرق کی طرف تھی دوسری مغرب کی طرف۔ خود بھی بڑا روشن تھا۔ اُس کی دُمیں بھی روشن تھیں۔ دوسری رؤیا یہ تھی کہ آپ نے ایک مقام دیکھا جہاں دریا بہتا ہے جو بڑا گہرا ہے جس پر سیاہ رنگ کی کاہی پھیلی ہوئی ہے۔ دریا کے کناروں پر گڑھے ہیں اور ان گڑھوں میں سانپ ہیں۔ بچھو ہیں۔ مینڈک ہیں۔ بڑا ڈراؤنا نظارہ ہے۔ کچھ لوگ اس کے پُل پر وضو کر رہے ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ میں وہاں سے ہٹ گیا۔ اور کسی اَور طرف چلا گیا وہاں میں نے ایک اَور دریا بہتے دیکھا جس کا پانی نہایت صاف ہے۔ اس کے کناروں پر کثرت سے پھلدار باغات ہیں۔ سبزہ زار ہے اور لوگ کثرت سے وضو کر رہے ہیں اور نماز کی تیاری میں مشغول ہیں۔ میں نے بھی وہاں وضو کیا اور نماز ادا کی۔ یہ دو دریاؤں کے نظارے احمدیت اور غیر احمدیت کے نقشے تھے۔

تیسری رؤیا یہ تھی کہ ایک صاف اور وسیع میدان ہے۔ وہاں کچھ گھر بھی ہیں۔ ایک شخص زور شور سے اعلان کر رہا ہے کہ آج حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کی دعوت ہے۔ میں بغرض شمولیت اس دعوت پر حاضر ہوا۔ اُس پکارنے والے نے پھر کہا۔ آج حضرت عیسیٰؑ کی دعوت ہے۔ میں اُس سے ہٹ کر مشرق کی طرف گیا جہاں ایک اونچا چبوترا اور اس پر مکان بنا ہوا تھا اور لوگ وہاں جمع ہو رہے تھے۔ اس مکان میں ایک میز بچھی ہوئی تھی جس پر ایک پاکیزہ صورت انسان تشریف فرما تھے۔ اس کے سامنے کھانے پڑے ہوئے تھے۔ پکارنے والے نے پھر آواز دی آج محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت ہے۔ میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ دیکھا تو حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام میز کے سامنے تشریف رکھتے ہیں اور کھانے اُن کے سامنے دھرے ہوئے ہیں۔ مجھے بھی حکم ملا کہ تم بھی کھانے میں شریک ہو جاؤ۔

آپ نے اِن خوابوں پر پوری طرح غور کیا اور یقین کر لیا کہ احمدیت سچی ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ۱۹۱۴ء میں بیعت کی۔ پہلے آپ قادیان میں حضرت مرزا صاحبؑ کی زیارت کر چکے تھے۔ آپ نے مسجد احمدیہ بکٹ گنج مردان کی تعمیر کے قریباً کل اخراجات ادا کئے اور لاہور میں اپنی بیوی صاحبہ کی یاد میں سنگ مرمر کی لوح لگوا دی تاکہ نمازی اس کے حق میں ہمیشہ دعا کرتے رہیں۔ آپ نے

اپنی اراضی واقعہ پونچھ میں دس کنال اراضی برائے مسجد جماعت احمدیہ پونچھ کو دی تھی۔ ۱۷ مئی ۱۹۴۹ء مطابق ۱۸ رجب ۱۳۶۸ ہجری بکٹ گنج مردان میں وفات پا گئے۔ جہاں ۱۹۳۱ء سے سرکاری ملازم تھے۔ ملازمت کے بعد پنشن پر یہیں مقیم تھے وفات پر یہیں دفن ہوئے۔

عبدالرحمن صاحب خاکر کا بیان ہے کہ میرے والد مولوی نعمت اللہ گوہر صاحب بی۔اے ۱۹۱۹ء میں اسلامیہ سکول پونچھ کے ہیڈ ماسٹر ہو کر گئے۔ آپ کے مباحثات عربی ٹیچر مولوی غلام حیدر صاحب سے بھی ہوا کرتے تھے۔ پونچھ کے ایک احمدی منشی احمد دین صاحب برق بازار میں اپنی دوکان پر الفضل کے علاوہ پوسٹر لکھ کر لگا دیا کرتے تھے جن کو لوگ پڑھ کر احمدیت کے عقائد سے آگاہ ہوتے رہتے تھے۔ انہی دنوں پونچھ کے مدار المہام چودھری محمد دین تھے۔ انہوں نے ۱۹۲۸ء میں بیعت کی۔

جناب نواب علی خان صاحب یوسف زئی سابق پنشنر پولیس سارجنٹ پونچھ (کشمیر) اپنی قبولِ احمدیت کا واقعہ یوں لکھتے ہیں کہ "گو میں نے بیعت کر لی تھی لیکن پوری تسلی نہیں ہوئی تھی بلکہ میری حالت ایک عرصہ سے کشمکش میں تھی۔ غیر احمدی اور احمدیوں کے الگ الگ خیالات اور پھر غیر مبائعین کے مسئلہ نبوت پر اعتراض کی وجہ سے سخت حیران و پریشان تھا کہ کیا کیا جائے۔ علم بھی اتنا نہیں تھا جس سے معلوم کیا جائے کہ حضرت مرزا صاحب حق پر ہیں یا نہیں۔ پھر یہ بھی خیال تھا کہ اگر حق پر ہوئے اور میں نے نہ مانا تو مارا جاؤں گا۔ اور اگر حق پر نہ ہوئے تو انہیں مان کر خدا کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہوں۔ الٰہی میں کروں تو کیا کروں۔ آخر ایک دن تاریخ وغیرہ تو یاد نہیں اتفاقیہ جمعہ کی رات درود شریف پڑھ کر دعا مانگی کہ اے خداوند کریم! میں علم نہیں رکھتا۔ مجھے سمجھا دے کہ مرزا صاحب حق پر ہیں یا نہیں۔ قریباً تین بجے رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب جو سفید پوشاک پہنے ہوئے اور بھاری پگڑی باندھے ہوئے تھے۔ عرشِ معلّٰی یا رفرف نے چھاتی سے لگایا ہوا ہے۔ شاید تین دفعہ غیب سے آواز آئی "یہ میرا ہے یہ میرا ہے" اس پر میں بیدار ہو گیا اور شکریہ ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مرزا صاحب کا حق پر ہونا کھلے طور پر سمجھا دیا۔ اس روز سے میرا ایمان پختہ ہو گیا۔

بابو عبدالکریم شہید کا خواب اور بیعت نواب علی خان یوسف زئی موصوف جن کی قبولِ احمدیت کا ذکر اوپر گذر گیا کے بیٹے بابو عبدالکریم شہید کا بیان ہے کہ میرے تایا رستم علی خان ایک خدا رسیدہ انسان تھے۔ انہیں قرآن مجید کے درس و تدریس کا بڑا شوق تھا اسی میں اپنی عمر بسر کی۔ ایک دفعہ میری والدہ نے تایا صاحب سے دریافت کیا کہ بھائی صاحب! یہ تو بتلائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر موجود ہیں۔ آپ کو قرآن شریف سے کیا معلوم ہوتا ہے؟ اس پر انہوں نے فرمایا۔

قرآن شریف سے عیسیٰ علیہ السلام زندہ ثابت نہیں ہوتے۔ یہ پہلی آواز تھی جو میرے کان میں پڑی۔ سلسلہ احمدیہ کا ان دنوں خوب چرچا تھا۔ میرے والد صاحب منشی نواب علی خان ان دنوں گو سلسلہ احمدیہ کے مدّاح تھے مگر علانیہ بیعت نہیں کی تھی۔ آخر انہوں نے بعض دوستوں کے سمجھانے سے بیعت تو کر لی مگر پورا اطمینان قلب حاصل نہیں تھا۔ بعد میں ایک خواب کی بناء پر پورا اطمینان حاصل ہو گیا (یہ خواب اوپر درج ہو چکا ہے) اور خدا تعالیٰ کے فضل سے پھر ایک پُرجوش احمدی بن گئے اور آجتک ہیں۔ مجھے بھی انہوں نے تبلیغ جاری رکھی مگر میں ہمیشہ ان سے اس بارے میں جھگڑتا تھا۔ حتّیٰ کہ ایک دن وہ تنگ آ کر مکان چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن میں بدستور احمدیت کا مخالف رہا۔ مگر اس جماعت کے اتحاد اور اتفاق کو دیکھ کر متأثر ضرور تھا۔ ایک دن شام کو بحالت بخار لیٹا ہوا ہائے ہائے کر رہا تھا کہ میری آنکھ لگ گئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص جھنجھوڑ کر مجھے کہتا ہے "کیا تو غیر احمدی ہی مر جائیگا" خواب میں میں سخت ڈرا۔ استغفر اللہ۔ استغفر اللہ پڑھنا شروع کیا۔ پھر اسی وقت میں نے بیعت کا خط لکھدیا۔ اور سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب جو انجمن اسلامیہ پونچھ کی دعوت پر قادیان سے آئے ہوئے تھے ان کے حوالے کیا۔ یہ دن ۸ رجون ۱۹۳۳ء کا تھا۔ اس کے بعد کمترین نے اپنے آپ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے کافی تبدیلی محسوس کی جسکا اغیار کو بھی احساس ہے۔

مصر سے وفاتِ مسیح کا فتویٰ آپ کا ایک استفتاء اور مفتی مصر کا جواب قابلِ ذکر ہے۔ جو وفاتِ عیسیٰؑ کے بارے میں ہے۔ ۱۹۳۹ء میں حکومت برطانیہ کی طرف سے آپ مشرقِ وسطیٰ کی فوجوں کی قیادت عامہ میں شامل تھے۔ آپ نے جامعہ ازہر مصر کی بڑی مجلس کے پاس یہ استفسار بھیجا تھا کہ کیا قرآن کریم اور سنّت نبویہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت شدہ ثابت ہوتے ہیں یا زندہ نیز اس مسلمان کے متعلق کیا فتویٰ ہے جو حیاتِ مسیح کا منکر ہے۔ اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ دنیا میں آنا درست ہو تو جو شخص اُسوقت اُسپر ایمان لائیگا اُس کا کیا حکم ہے؟

یہ استفسار جواب کے لئے جماعت کبار العلماء کے رُکن فضیلت الاستاذ علّامہ محمود شلتوت کے سپرد کیا گیا۔ جنہوں نے سورۂ آل عمران۔ سورۃ النساء اور سورۃ مائدہ وغیرہ کی حضرت عیسیٰؑ سے متعلقہ آیات پر مفصّل و مدلّل بحث کی اور کافی و شافی جواب لکھا۔ آخر بحث میں مفتی مصر علّامہ محمود شلتوت نے اپنی بحث کا جو خلاصہ دیا ہے ہم انہی کے الفاظ میں اُسے اسجگہ درج کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"والخلاصة من هذا البحث (۱) انه ليس في القرآن الكريم ولا في السنة المطهرة مستندة يصلح لتكوين عقيدة يطمئن اليها القلب بان عيسى رفع بجسده الى السماء و انه حي الى الآن فيها وانه سينزل منها آخر الزمان الى الارض۔

(۲) ان كل ماتفيده الآيات الواردة في هذا الشان هو وعد الله عيسى بانه متوفيه اجله ورافعه اليه وعاصمه من الذين كفروا وان هذا الوعد قد تحقق فلم يقتله اعداءه ولم يصلبوه ولكن وفاه اجله ورفعه اليه۔

(۳) ان من انكر ان عيسى قد رفع بجسده الى السماء وانه فيها حي الى الآن وانه سينزل منها آخر الزمان فانه لا يكون بذالك منكرا لما ثبت بدليل قطعي فلا يخرج عن اسلامه وايمانه ولا ينبغي ان يحكم عليه بالردة بل هو مسلم مومن اذا مات فهو من المؤمنين يصلى عليه كما يصلى على المؤمنين ويدفن مقابر المؤمنين ولا شية في ايمانه عند الله والله بعباده خبير بصير۔

اما السوال الاخير في الاستفتاء وهو (ما حكم من لا يؤمن به اذا فرض انه عاد مرة اخرى الى الدنيا) فلا محل له بعد الذي قررناه ولا يتجه السوال عنه۔ والله اعلم۔

ترجمہ :۔ مندرجہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں کوئی ایسی سند موجود نہیں ہے جو تسلی بخش طریق پر اس عقیدہ کی بنیاد بن سکے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے جسم سمیت آسمان پر اٹھائے گئے اور وہ اب تک وہاں زندہ ہیں اور وہیں سے کسی وقت زمین پر نازل ہونگے

۲۔ اس بارے میں آیات قرآنیہ صرف یہ ثابت کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ انکی مدت عمر (طبعی) کو پورا کرے گا اور پھر اس کا اپنی طرف رفع کرے گا اور اُسے کافروں سے بچائے گا اور یہ کہ یہ وعدہ پورا ہو چکا۔ دشمن حضرت عیسیٰؑ کو نہ قتل کر سکے نہ صلیب پر اُسے مار سکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انکی مدت زندگی کو پورا کر کے انکو وفات دیدی اور اُن کا رفع کیا۔

۳۔ یقیناً جو شخص حضرت عیسیٰؑ کے جسم سمیت آسمان پر جانے اور آج تک وہاں بیٹھے رہنے اور آخری زمانہ میں آسمان سے اترنے کا منکر ہے وہ کسی ایسی بات کا منکر نہیں جو کسی قطعی دلیل سے ثابت ہو

پس ایسا شخص اپنے اسلام اور ایمان سے ہرگز خارج نہیں ہوتا اور اُسے مرتد قرار دینا ہرگز مناسب نہیں بلکہ وہ پکا مومن و مسلم ہے جب وہ فوت ہوگا تو مومن ہوگا۔ اس کی نماز جنازہ اسی طرح پڑھی جائیگی جس طرح مومنوں کی پڑھی جاتی ہے۔ اور اُسے مومنوں کے قبرستان میں دفن کیا جائیگا اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس شخص کے ایمان میں کوئی داغ نہیں ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو جاننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

باقی رہا استفتاء میں مندرج آخری سوال کہ اگر عیسیٰؑ کا دوبارہ آنا فرض کریں تو اُن کے منکر کا کیا حکم ہوگا۔ تو ہمارے مندرجہ بالا بیان کے مطابق اس سوال کا کوئی موقعہ ہی نہیں۔ اور یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم (دستخط محمود شلتوت)

یہ فتویٰ علمائے مصر اور ملکی اخبارات میں زیر بحث رہا اور بعض علماء نے شور اٹھایا اور مفتی جامعہ ازہر سے مطالبہ کیا کہ وہ اس فتویٰ کو واپس لیں مگر علامہ محمود شلتوت (مفتی موصوف) نے قرآن و حدیث کو چھوڑ کر ان کی باتوں کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور ان کا مقابلہ کیا۔ اور اَلرِّسَالَۃُ الرِّوَایَۃُ کی پانچ اشاعتوں میں مخالفین کے تمام اعتراضات کے مدلل اور مُسکت جوابات دیئے جن سے وفاتِ مسیحؑ کے تمام پہلو واضح ہوگئے اور مخالفین کا محاذ ٹوٹ گیا۔

ایک عرصہ بعد علامہ محمود شلتوت مفتی مصر نے اپنے اس مکمل فتویٰ اور اس پر اعتراضات کے جوابات کا ملخص اپنی کتاب "الفتاویٰ" میں بھی چھاپ دیا جو قاہرہ کے مشہور ادارہ الادارۃ العامۃ للثقافۃ الاسلامیۃ نے جمادی الآخر ۱۳۷۹ھ (دسمبر ۱۹۵۹ء) میں شائع کی جبکہ علامہ محمود شلتوت جامعہ ازہر کے ریکٹر کے عہدہ پر فائز ہو چکے تھے۔ اس طرح اس فتویٰ کو مصری حکومت کے مفتی اعظم کے سرکاری فتویٰ کی حیثیت حاصل ہوگئی[۱]۔

مجلۃ الازہر فروری ۱۹۶۰ء میں بھی یہ فتویٰ انگریزی زبان میں چھپ چکا ہے جس کا اردو ترجمہ مہتمم نشر و اشاعت صدر انجمن احمدیہ ربوہ پاکستان نے "رفع عیسیٰ علیہ السلام" کے نام سے بصورت ٹریکٹ شائع کر دیا ہے۔ اور تاریخ احمدیت جلد نہم از صفحہ ۲۹۷ تا ۳۱۳ میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

عبدالکریم خان موصوف خلیق۔ ہمدرد۔ سابق بالخیرات اور ہر دلعزیز انسان تھے۔ رفاہ عامہ کے کاموں میں رات دن منہمک رہتے تھے۔

مسجد احمدیہ پونچھ | مسلمانان پونچھ جماعت احمدیہ کی مسجد بنانے کے شدید مخالف تھے۔ وہ یہ

---

[۱] الفتاویٰ نامی یہ کتاب شیخ نور احمد منیر سابق مبلغ بلاد عربیہ حال مقیم ربوہ کے پاس موجود ہے۔ (مؤلف)

نہیں چاہتے تھے کہ جماعت احمدیہ کی مسجد یہاں تعمیر ہو - اس لئے زمین ملنے پر بڑی دشواریاں پیش آرہی تھیں - شہید مرحوم نے یہ واقعات پونچھ کے راجہ جگت دیو سنگھ کے گوش گذار کئے - راجہ صاحب نے اعلان کیا تھا کہ میں اپنی ملکیتی زمین میں سے مسجد احمدیہ کے لئے زمین دونگا - جب یہ بات غیر احمدی مسلمانان پونچھ نے سُنی تو وہ وفد کی صورت میں راجہ صاحب کے پاس گئے اور درخواست کی کہ احمدی مسلمان نہیں ہیں انہیں مسجد کے لئے زمین نہ دی جائے - راجہ صاحب نے کہا - میرے نزدیک سچے مسلمان تو یہی احمدی ہیں - جیسے میں نے ہندوؤں اور سکھوں کو اُن کے معابد کے لئے رقمیں دے کر امداد کی ہے ایسے ہی میں جماعت احمدیہ کو بھی عبادت گاہ تعمیر کرنے کے لئے مدد دونگا - مخالفین مایوس ہو کر خاموش ہو گئے - مگر اُنہی دنوں راجہ جگت دیو سنگھ اور راجہ کشمیر ہری سنگھ کے درمیان ریاست پونچھ کے متعلق کچھ تنازعہ پیدا ہو گیا جس کی بناء پر راجہ پونچھ کو پونچھ سے نکل کر لاہور میں منتقل ہونا پڑا - جہاں وہ "پونچھ ہاؤس" میں مقیم ہوئے - ان حالات میں احمدیہ مسجد پونچھ کی تعمیر کے لئے راجہ مرحوم کا وعدہ پورا نہ ہو سکا - تب خود بابو عبدالکریم نے اپنی ملکیتی زمین کا ایک حصہ تعمیر مسجد کے لئے وقف کر دیا جس پر مسجد احمدیہ تعمیر ہوئی جو آجتک موجود ہے -

سانحہ شہادت

بعض باخبر ذرائع کے مطابق آپ کی شہادت یوں ہوئی - کہ ۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران ڈاکٹر بشیر محمود نے جن کا ذکر آرہا ہے تیتری نوٹ (پونچھ) سے ایک ہندو لڑکے کے ہاتھ آپ کے نام ایک چٹھی لکھی کہ ہم عنقریب آپ سے آکر ملاقات کرینگے - یہ چٹھی تلاشی کے بعد اُن سکھوں کے ہاتھ آگئی جو چکار اور مظفر آباد کے آبائی گھروں سے نکالے گئے تھے اور پونچھ میں آکر جمع ہو گئے تھے - یہ سکھ مسلمانوں کے خلاف شدید اشتعال میں تھے - اور غصہ و نفرت سے پیش آتے ہوئے اُن سے معمولی باتوں پر انتقام لینے کیلئے بیتاب تھے - انہوں نے اس خط کی وجہ سے بابو عبدالکریم مرحوم کو مجاہدین کا سرغنہ سمجھ لیا جو پونچھ کو عنقریب ختم کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں - انہوں نے "ہاتھی تھان" کے مقام سے بستی کی جانب حملہ کی نیت سے کوچ کیا جہاں مسجد احمدیہ زیر تکمیل تھی - صرف اس کا رنگ و روغن اور چھت ڈالنے کا کام باقی تھا جس کے لئے جموں سے سات آٹھ احمدی مستری و کاریگر بھی مسجد کے کام میں مصروف تھے - وہ مسجد کے پاس پہنچکر حملہ کی تاک میں تھے - سردار دوست محمد خان (ہٹھا نا تیرحال کوٹلی) کا بیان ہے کہ نماز عصر کی جماعت کھڑی ہو گئی - مرحوم کے پیچھے احمدی مستریوں نے اقتداء کی اُسی حالت میں سکھوں نے

حملہ کر کے آپ کو اور آپ کے پیچھے سب مقتدیوں کو شہید کر دیا[1]۔ پھر مستریوں کے بال بچوں کو بھی نہیں چھوڑا عبدالکریم شہید کے گھر میں داخل ہو کر انکی پہلی بیوی اور والدہ صاحبہ کو بھی شہید کر دیا۔ دوسری بیوی معہ بچی گھر سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے اپنے ایک ہمسایہ پنڈت کے گھر میں پناہ لی جس نے امن قائم ہونے تک انہیں اپنی پناہ میں رکھا۔ پھر قیدیوں کے تبادلہ کے سلسلہ میں براستہ جموں حکومت کی نگرانی میں انہیں پاکستان بھیج دیا۔ شہداء کی لاشیں حکومت نے جیل کے قیدیوں کے ذریعہ ٹھکانے لگوائیں اور انہیں جیل کے متصل قبرستان میں دفن کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

غازیٔ کشمیر ڈاکٹر بشیر محمود (شہید)

آپ ۱۰ اگست ۱۹۱۱ء پونچھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ڈاکٹر خواجہ محمود رمضان نہایت ہی متقی۔ پرہیز گار اور سنجیدہ شخصیت تھے۔ اُن میں خدمت خلق کا نمایاں جذبہ موجود تھا۔ وباء کے ایام میں آرام کرنا گناہ خیال کرتے تھے اور دن رات مریضوں کی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے ۱۹۱۸ء میں جنگی بخار کی وباء پونچھ میں شدت سے پھوٹ پڑی تو مریضوں کی خدمت کرتے ہوئے خود بخار میں مبتلا ہوئے۔ اور وفات پائی۔ ڈاکٹر صاحب سُرخ و سفید رنگت کے مضبوط جسم چھ فٹ نو انچ قد والے پہلوان اور بہت دلیر اور باہمت انسان تھے۔ ڈاکٹر بشیر محمود کی عمر اُس وقت سات سال تھی۔ آپ کی والدہ محترمہ حمیدہ بیگم نے بہت ہمت سے کام لیا اور وطن سے باہر جا کر نارمل پاس کیا اور گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سیالکوٹ میں ملازمت اختیار کی۔ اپنے سب بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ ڈاکٹر بشیر محمود بچپن ہی سے ہر دلعزیز تھے۔ مزاج میں شگفتگی ہونے کی وجہ سے محفلوں کی رونق بنے۔ آپ نے لاہور سے ڈاکٹری پاس کی اور گورنمنٹ کی ملازمت اختیار کر لی۔

۱۹۱۸ء میں پونچھ میں کوئی مسلمان ڈاکٹر نہ تھا۔ آپ نے ملازمت چھوڑ کر وطنی مسلمانوں کی خدمت کے پیش نظر پونچھ میں پریکٹس شروع کر دی۔ محنت قابلیت مریضوں سے ہمدردی خدمت خلق۔ شوخی طبع اور ملنساری کے سبب پونچھ کے حکام اور خواص و عام سب ہی کا دل موہ لیا۔ آپ مریضوں کو دیکھنے جاتے تو ایسی میٹھی میٹھی باتیں کرتے کہ مریض اپنی تکلیف کو بھول جاتا۔ ایک ہمدرد انسان اور ڈاکٹر کی حیثیت سے آپ کے جوہر زیادہ کھلے۔ اور آپ نے قابل قدر ترقی کی۔ مسلسل محنت اور پونچھ کی آب و ہوا نے آپ کی صحت پر اثر ڈالا۔ چنانچہ آپ نے گرمیوں میں سرینگر میں پریکٹس کرنے کا فیصلہ کیا۔ پونچھ کی ڈسپنسری میں ایک ہندو کمپاؤنڈر تلک راج کو رکھ کر سرینگر چلے گئے۔ جہاں پہلے ہی آپ کی نیک

[1] ان مستریوں میں سے ایک کا نام معلوم ہوا ہے جو مستری عبدالرشید ولد محمد ابراہیم (اکھنور ضلع جموں) تھے۔ (مؤلف)

شہرت تھی۔ وہاں امیراکدل کے کارونیشن ہوٹل میں "مسلم میڈیکل ہال" کے نام سے وسیع پیمانہ پر پریکٹس شروع کر دی۔ پونچھ میں آپ کی پریکٹس بڑی مقبول تھی۔ آپ کے مطب میں روزانہ کثرت سے مریض آیا کرتے تھے اور سب آپ کے اخلاق کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ پونچھ خاص اور مضافات میں ہزاروں انسان چند ہی سال میں آپ سے شفایاب ہوکر آپ کے مدّاح بن گئے۔ راجہ پونچھ سے لیکر غریب پونچھی آپ کے زیر علاج رہنا پسند کرتا تھا۔ مطب میں انسانوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ موجود رہتے تھے۔ آپ کام کرنے سے ہرگز نہ گھبراتے تھے۔ کئی کئی راتیں بیداری میں گذارنے کے باوجود تھکن کا نام بھی نہ لیتے۔ ان کے مقابلہ میں ہندو ڈاکٹروں کی پریکٹس ماند پڑ گئی تو انہوں نے ضد سے زہر دلوانے کی کوشش کی مگر آپکی جان بچ گئی۔ ۱۹۴۷ء میں تحریک آزادی کشمیر کے محرکین میں شامل تھے۔ حالات کا پہلے سے علم تھا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں سرینگر چھوڑ کر مظفر آباد پہنچے (یہاں ۴ر اکتوبر کو خواجہ گلکار صاحب نے حکومت آزاد کشمیر کی بنیاد رکھی) تو آپ کو آزاد کشمیر کا ڈائریکٹر آف ہیلتھ سروس بنایا گیا۔ اس کے بعد آپ ادویات کا سٹاک لینے سری نگر گئے۔ جہاں بم سازی کیس میں آپ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے اور تمام سٹور اور املاک ضبط ہو گئیں۔ پھر آپ وہاں سے نکل کر تراڑ کھل پہنچے۔ جہاں سردار محمد ابراہیم کی صدارت میں ۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء میں نئے سرے سے تشکیل شدہ حکومت میں آپ کو چیف ڈائریکٹر آف ہیلتھ سروس مقرر کیا گیا۔ آپ محاذ جنگ میں اگلی صفوں میں موجود رہتے۔ گولیوں کی بارش توپوں کا خوف، ہوائی جہازوں کے حملے، فاقے، بے سروسامانی ادویات کی کمی۔ غرضیکہ کوئی مشکل بھی آپکے حوصلہ کو پست نہ کر سکی۔ آپ اس عہدہ کی تنخواہ نہ لیتے اور کہتے کہ مزہ تو خدمت میں ہے۔ عہدہ کو سنبھالتے ہی آپ نے تراڑ کھل کو مرکز بنا کر تمام آزاد کشمیر کے محاذوں میں ہسپتالوں، ڈسپنسریوں اور متحرک میڈیکل کیمپوں کا سلسلہ قائم کر دیا۔ مجاہدین کو سامان رسد کی ضرورت تھی۔ آپ سامان رسد لدوا کر کئی بار محاذوں تک پہنچانے کے لئے میل ہا میل پیدل سفر کر کے جاتے۔ ہمیشہ محاذ جنگ کی اگلی صفوں میں بے خوف و خطر جا کودتے۔ خدمتِ خلق میں روحانی سرور محسوس کرتے تھے۔ عوام میں جہاد کی تڑپ پیدا کرنے کے لئے تقریر و تحریر دونوں سے کام لیتے۔ ان ایام میں آزاد کشمیر ریڈیو سے آپ کی تقاریر نشر ہوتی تھیں۔ جو غازیوں کی ہمت بڑھاتی تھیں۔ خان لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان محاذ جنگ کا معائنہ کرنے کے لئے آئے تو آپ نے محاذوں پر آپ کی راہنمائی کی۔ مجاہدین آزادی کو محاذوں پر ادویات پہنچانے کی غرض سے آپ کا پروگرام بذریعہ طیارہ گلگت ایجنسی کی طرف دورہ کرنے کا تھا اور اس سے پہلے محاذ پر جانے کا ارادہ تھا۔ اس لئے ادویات اور دیگر سامان کے معائنہ کے لئے ادویات کے گودام

میں گئے۔ جہاں سپرٹ بیرل کو موم پگھلا کر ٹھیک کرنے لگے۔ اس اثناء میں اچانک آگ لگ گئی اور ڈرم پھٹ کر اُن کے اوپر گرا۔ اس سے ان کا سارا جسم بُری طرح جل گیا۔ آپ اکیلے ایسی حالت میں آگ بجھاتے رہے۔ باہر نکلے تو حالت ناگفتہ بہ تھی۔ کار میں ملٹری ہسپتال پہنچایا گیا۔ جہاں تین دن کے بعد ۹ رجون ۱۹۴۸ء کو ۳۶ سال کی عمر میں جاں بحق ہو گئے۔ آپ کے آخری الفاظ یہ تھے کہ ادویات کے گودام کی ایک انسانی جان سے زیادہ قیمت تھی۔ اگر گودام جل جاتا تو تحریک آزادی کشمیر کو بہت ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ جاتا۔ حکومت آزاد کشمیر کے اس وقت کے صدر سردار محمد ابراہیم خاں نے اس موقعہ پر آنسو بہاتے ہوئے کہا۔ میرا ایک بازو ٹوٹ گیا ہے۔ حکومت آزاد کشمیر نے ان قربانیوں کے پیش نظر آپ کو "غازی کشمیر" کا اعزازی خطاب دیا۔ جب آپ محاذ کشمیر پر خدمات انجام دے رہے تھے اس وقت قادیان کی حفاظت کی بھی ضرورت تھی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے حفاظتِ مرکز کے لئے رضا کاروں کا مطالبہ فرمایا تھا۔ شہید مرحوم نے لکھا کہ اگر ضرورت ہو تو مجھے حفاظت مرکز کا موقعہ دیا جائے۔ حضور نے جواباً تحریر فرمایا کہ محاذ کشمیر کا کام بھی حفاظتِ مرکز قادیان ہی کا کام ہے۔ چنانچہ حضور کی ہدایت کے مطابق آپ محاذِ کشمیر پر ہی بدستور کام کرتے رہے۔ مرحوم کا ایک لڑکا نصیر محمود دانی آپ کی یادگار ہے۔

منشی دانشمند خان

منشی دانشمند خان صاحب پونچھ میں جماعتی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ جو تحریک جدید کے پانچہزاری مجاہدین دفتر اول میں شامل تھے۔ اصل نام سید محمد تھا مگر آپ کی دانشمندی کی شہرت یہاں تک تھی کہ راجہ پونچھ تک بھی پہنچی۔ راجہ صاحب پونچھ نے آپ سے مل کر کہا کہ واقعی دانشمند انسان ہے۔ اس دن سے آپ دانشمند خان مشہور ہو گئے۔ اور سید محمد اصلی نام متروک ہو گیا۔ آپ نے کشمیر میں تحریک آزادی کشمیر میں بھی بڑا کام کیا۔ آپ پونچھ کے سرکردہ راہنماؤں میں شامل تھے۔ ۱۹۳۱ء میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ سے رابطہ رکھ کر آپ نے اہالیان پونچھ کو بہت فائدے پہنچائے۔ قانونی امداد کی ضرورت پڑی تو چوہدری عزیز احمد باجوہ وکیل سیالکوٹ کو صدر کشمیر کمیٹی نے پونچھ بھجوایا اور وہ اسیران پونچھ کی رہائی کے لئے نو ماہ تک خدمات انجام دیتے رہے۔ دانشمند خان ۱۶ راپریل ۱۹۵۳ء کو کوٹلی میں وفات پا گئے اور مسجد احمدیہ کے ملحقہ صحن میں دفن ہوئے۔ حبیب احمد شیخ دیو پونچھ نے ایک خود نوشت مضمون میں لکھا ہے کہ مَیں جولائی ۱۹۲۳ء میں مشرف باحمدیت ہوا۔ بھائی غلام حسین صاحب جلد ساز پونچھ کے ساتھ قادیان گیا۔ ہمارے ساتھ مستر گاماں صاحب

قصاب بھی تھا۔ وہ احمدیت سے متاثر ہوا اور جلد بیعت کر لی۔ ایک اور دوست مسٹر رفیع الدین صاحب نے بھی حالات کا مطالعہ کر کے بیعت کی مگر میں نے بیعت نہیں کی اور واپس پونچھ چلا آیا۔ پونچھ میں میں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک کھلا میدان ہے جس میں دو فریقوں کا جلسہ ہے۔ ایک ٹکڑے میں سبز باغ اور درخت ہیں اور کھلی جگہ جلسہ ہے۔ دوسرے حصے میں چھوٹی جگہ اور بنجر جیسی زمین ہے اور کوئی رونق نہیں۔ میں بھی جلسہ گاہ میں گیا۔ دائیں طرف سبز باغ رونق افروز ہیں اور بائیں طرف بالکل بے رونق ہے۔ لیکن بنجر زمین کی طرف آدمی بہت زیادہ ہیں۔ اور شور مچا رہے ہیں۔ اس زمین کی طرف سے ایک دو آدمی میری طرف آئے وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ ہم سری راجہ صاحب پونچھ کے پاس جا رہے ہیں کہ چھوٹی تعداد والی جماعت کو اعلیٰ اور کشادہ جگہ دے دی گئی ہے لیکن بڑی جماعت والوں کو تنگ اور نہایت بنجر اور گندی جگہ جلسہ کے لئے دی ہے۔ میں نے ان کو بلا کر کہا کہ ابھی تمہارے دیکھتے دیکھتے تمہاری جماعت کے لوگوں میں سے سولہ سترہ سو آدمی احمدیت میں داخل ہونگے تو ان کی جماعت بھاری ہو جائیگی۔ اور اکثریت کا تمہارا دعویٰ باطل ہو جائیگا۔ اس لئے وہاں کیوں وقت ضائع کرنے جاتے ہو؟ اس کے بعد میں بیدار ہو گیا۔ اور اس خواب کو دیکھ کر میں نے جولائی ۱۹۳۳ء میں خلافت ثانیہ میں بیعت کی۔

چارکوٹ

چارکوٹ نامی گاؤں تحصیل راجوری سابق ضلع ریاسی حال پونچھ میں اوّلین احمدی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی بھی تھے مندرج ذیل اصحاب تھے۔

قاضی محمد اکبرؓ۔ میاں غلام قادرؓ۔ دیوان علیؓ۔ مولوی صفدر علیؓ۔ میاں عبدالواحدؓ۔

ان کے قبول احمدیت کے حالات صحابہ کے باب میں گذر چکے ہیں۔ ان کو حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمی سے احمدیت کا پیغام پہنچا تھا۔ جہاں وہ کسی کام سے گئے تھے۔

ان کے علاوہ میاں منگا۔ عطا محمد اور میاں سخی محمد صاحب بھی اغلباً خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیعت کر کے احمدیت میں داخل ہوئے تھے۔ انہی میں میاں علم دین صاحب، دیوان علی بھٹی۔ بابا شیر ولی۔ سائیں بہادر۔ امان علی۔ کرم علی۔ میاں قاسم بھی شامل تھے۔ ان کے ذریعہ چارکوٹ اور اس کے آس پاس کے علاقہ میں احمدیت پھیلی۔ اور ان اصحاب نے وہ بھاری مشکلات و مصائب برداشت کئے جن کا ذکر کئی جگہ گذر چکا ہے جس سے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

چارکوٹ احمدیت کے لحاظ سے اس علاقہ میں اہمیت رکھتا ہے۔ صوبہ جموں میں سب سے بڑی جماعت یہاں ہی تھی۔ اس علاقہ میں سب سے پہلے اسی میں احمدیت آئی اور اسی سے آگے پھیلی۔ اسی میں مرکز کے مبلغین کے ہیڈ کوارٹر رہے۔ اس زمانہ میں چارکوٹ کے قرب و جوار میں کوئی پرائمری سکول تک

نہ تھا اور علاقہ کے لوگوں کے لئے یہ بات پریشان کن تھی مگر ابتدائی احمدیوں نے جو غریب بھی تھے ہمت کرکے یہاں مکتب کھولا جس کا سنگ بنیاد مولوی قمرالدین قادیانی نے رکھا۔

ماسٹر بشیر احمد صاحب اس مکتب میں اولین پڑھانے والے ماسٹر بشیر احمد ولد عطاء اللہ حال گرمولہ درکاں ضلع گوجرانوالہ عمر ۶۴ سال تھے۔ جنہوں نے تحصیلداری کی ملازمت پر اس مدرسہ میں باوجود قلیل تنخواہ کے ترجیح دی۔ اور انتہائی مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے صبر و تحمل سے سولہ سال تک قرب وجوار کے بچوں کو پڑھایا اس مدرسہ میں مولوی نظام الدین صاحب حالی مبلغ سیرالیون (افریقہ) مولوی خورشید احمد حال مربی سلسلہ مظفر آباد آزاد کشمیر۔ مولوی نذیر احمد۔ مولوی بشیر احمد صاحب قمر (مربی سلسلہ)۔ مولوی غلام احمد صاحب نسیم (مبلغ) پڑھتے رہے۔ غیر از جماعت بچے بھی بکثرت اس سکول میں پڑھتے رہے۔ اس سکول کی مڈل تک منظوری ہوچکی تھی کہ ۱۹۴۷ء کا انقلاب آگیا اور احمدیوں کو بھی ترک وطن کرکے پاکستان آنا پڑا۔ چارکوٹ میں ۱۹۴۷ء کے بعد جو احمدی اپنی جگہ پر ہی قیام پذیر رہے انہوں نے وہاں کی ابتدائی چھوٹی سی مسجد کو تین دفعہ وسیع کیا۔ کیونکہ جماعت تیزی سے ترقی کر رہی تھی۔ اس لئے وہ حسب ضرورت اُسے وسیع کرکے تعمیر کرتے چلے گئے۔ اور آج بھی وہاں جماعت موجود ہے اور روز افزوں ترقی پر ہے۔ جو احمدی احباب ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ترک وطن کرکے موضع میرا بھُرڑ کا متصل میرپور منگلا ڈیم کے کنارے آکر آباد ہوئے اُن کی تعداد اس وقت اندازاً دو اڑھائی سو افراد کے قریب ہے۔ انہوں نے یہاں حکومت آزاد کشمیر کی آبادکاری سکیم کے تحت علیحدہ علیحدہ کنبوں کے کوارٹر برائے رہائش تعمیر کرلئے ہیں۔ ان رہائشی کوارٹروں کی تعداد اس وقت اُنسٹھ ہے۔ انہوں نے باوجود بے سروسامانی کے اپنے خرچ پر مسجد احمدیہ بھی یہاں تعمیر کر ڈالی ہے۔ پنجگانہ نماز کے لئے مستورات کیلئے باپردہ انتظام ہے۔ اطفال الاحمدیہ۔ ناصرات اور خدام کے لئے تعلیم القرآن کلاس جاری ہے۔ محمد یعقوب ولد الف دین اور حاجی دل محمد صاحب صبح و شام بچوں کو درس و تدریس کا کام انجام دے رہے ہیں۔ جماعت کے صدر مولوی عبدالحق صاحب ہیں جو حلیم الطبع، شریف النفس اور احباب کی دینی ہمدردی رکھنے والے انسان ہیں۔ مسجد احمدیہ کے سامنے مشرقی جانب دو احمدی قبریں ہیں جن میں سے ایک بابا دیدار بخش مرحوم کی ہے جو سابق نائب پریذیڈنٹ چارکوٹ ہُوا کرتے تھے۔ دوسری قبر جنت بی بی بیوہ شہاب الدین کی ہے جو کہ موصیہ تھیں ان کا کتبہ بہشتی مقبرہ ربوہ میں نصب ہے۔ اوّل الذکر کی تاریخ وفات ۱۷؍اگست ۱۹۶۸ء اور ثانی الذکر کی ۲۵؍اکتوبر ۱۹۶۸ء ہے۔ اس وقت بھی چارکوٹ میں مکتبہ احمدیہ جاری ہے۔ دوسرے سکولوں پر نتیجہ کے لحاظ سے اسے فوقیت حاصل ہے کیونکہ اس کا نتیجہ سب سے اوّل نمبر پر نکلتا ہے۔

تقسیم ملک یعنی ۱۹۴۷ء کی جنگ آزادی کشمیر کے دوران بھی چار کوٹ کے احمدیوں کو ہجرت کر کے آزاد کشمیر اور پاکستان آنا پڑا - اور بگووال ضلع راولپنڈی - بھون ضلع جہلم - گرمولہ ورکاں ضلع گوجرانوالہ خاص گوجرانوالہ شہر کیمپ گوجرانوالہ ، ضلع تھرپارکر سندھ - پکھووال ضلع گجرات - وزیر آباد ضلع گجرات اور آزاد کشمیر (دلیاجٹاں) و دیگر علاقوں میں آباد ہیں -

۱۹۶۵ء کی جنگ بھارت و پاکستان کے موقعہ پر چار کوٹ ، کے جن احمدیوں کو بھی ہجرت کر کے آزاد کشمیر اور پاکستان میں آنا پڑا وہ اس وقت پاکستان کی آبادکاری سکیم کے تحت میرا بھڑ کا کے علاوہ خلیل آباد کالونی[1] تحصیل کوٹلی - خاص کوٹلی - گرمولہ ورکاں ضلع گوجرانوالہ اور چکوال وغیرہ میں آباد ہیں

دیوان علی صاحب بھٹی کے بیٹوں میں سے مولوی نذیر احمد صاحب مولوی فاضل ہیں جو جنوری ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے - ابتدائی تعلیم چار کوٹ میں حاصل کر کے ۱۹۴۳ء میں مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخل ہوئے تقسیم ملک ۱۹۴۷ء کے بعد جب جامعہ احمدیہ موضع احمد نگر میں منتقل ہوا تو مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا - فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۹۵۲ء سے مرکز ربوہ کی طرف سے دفتر جماعت احمدیہ لاہور میں سلسلہ کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں -

کالابن کوٹلی

کالابن کوٹلی نامی ایک گاؤں تحصیل راجوری ضلع ریاسی حال ضلع پونچھ میں ہے جسکی نصف آبادی احمدیوں کی ہے جن کی تعداد ایکسو چھتیس ۱۳۶ ہے یہاں دو احمدیہ مسجدیں بھی ہیں - کالابن کوٹلی کے اولین احمدی بہادر علی ولد غلام محمد بھٹی تھے - جو قاضی محمد اکبر کے ذریعہ احمدی ہوئے - ان کے علاوہ مہر بخش ولد حمید اللہ - محمد عبداللہ ولد حمید اللہ - شاہ محمد و فیروز دین پسران رحمت اللہ - میاں قربان علی ولد محبت علی - عطاء محمد ولد گلا - فقیر محمد ولد حبیب علی - اکبر علی - جلال الدین ابتدائی احمدی تھے - سنہ ۱۹۳۰ء میں حاجی دل محمد ولد حشمت علی سنگوٹ نے بھی بیعت کرلی - آپ نے احمدیت قبول کرنے کے بعد سنہ ۱۹۶۳ء میں حج بیت اللہ کرنے کی سعادت بھی حاصل کی - آپکا ایک لڑکا خادم حسین واقف زندگی ہے اور وقف جدید کے تحت معلم ہے -

ٹائیں منکوٹ

اول یہاں مولوی محبوب عالم کے شاگرد آپ کے احمدی ہونے کے بعد احمدی ہوئے جن کے نام یہ تھے - مولوی حسن محمد مرحوم - میاں گاما مرحوم - نور محمد - صاحب دین - مولوی عالم دین - امام بخش مرحوم - مولوی عالم دین کے ایک لڑکے مولوی محمد حسین صاحب واقف زندگی اور معلم وقف جدید ہیں - میاں گاماں عالم اور احمدیت کے شیدائی اور نڈر انسان تھے

[1] اس کا سابق نام اگھار ہے - اسلئے اسے "اگھار کالونی" بھی کہتے ہیں - جو کوٹلی سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے -

دیگر احمدی یہ ہیں:- مصری خان اِن کے ایک لڑکے گلزار احمد واقفِ زندگی اور معلّم وقفِ جدید ہیں۔ مذکورہ دونوں واقفین کے حالات گذر چکے ہیں۔ شرف دین۔ سائیں مست جن کی اولاد میں مولوی امیر الدین دھال متصل کوٹلی (آزاد کشمیر) ہیں جنہیں مقامی جماعت ٹائیں کی خدمات کا بھی موقعہ ملا ہے۔ غلام محمد فضل دین۔ میاں بہادر علی۔ اکرم دین۔ میر زمان۔ میاں فتح محمد۔ میاں محکم دین۔ میاں علم دین صلاح محمد۔ فتح محمد۔ مولوی حسن محمد کے بیٹے مولوی عبد الرحمٰن (دھال کوٹلی) کو جماعتی خدمات کا بھی موقعہ ملا ہے۔ فضل دین کے بیٹے محمد اسماعیل موصی تھے جماعتی خدمت بھی کی اور مقبرہ بہشتی ربوہ میں دفن ہونے کی سعادت بھی پائی۔ فتح محمد کے بیٹے مختار احمد صاحب کو مقامی جماعت کی خدمت کا موقعہ بھی ملا ہے۔ اُن کے دو بیٹے محمد حسین مختار اور کرامت حسین مختار موصی ہیں۔ جنہیں کراچی کی جماعت میں بھی خدمات کا موقعہ ملا ہے۔ نیکیوں میں بڑھنے والے اور دینی خدمات کا جذبہ رکھتے ہیں۔

موضع بڈھالوں

بڈھالوں (تحصیل راجوری) میں میاں عطاء اللہ صاحبؓ۔ میاں غلام قادرؓ میاں عبد الواحدؓ اور قاضی محمد اکبرؓ کے ذریعہ احمدیت آئی۔ ان ہی کے ذریعہ چارکوٹ۔ رہتال اور کوٹلی کالابن کی احمدیہ جماعتیں بھی قائم ہوئیں۔ ان کے حالات صحابہ کے باب میں گذر چکے ہیں۔

موریاں

موریاں ایک اور مقام تحصیل راجوری میں ہے۔ یہاں سب سے پہلے میاں فضل احمد قوم جنجوعہ راجپوت علاقہ گگوتی ضلع ریاسی احمدی ہوئے۔ آپ نے کوٹلی کالابن اور چارکوٹ میں احمدی اور غیر احمدی علماء کے مناظرے سُنے۔ آپ کا بیان ہے کہ مَیں غیر احمدی علماء کے شور وغوغا سے بددل اور احمدیوں کے قرآنی دلائل سے متأثر ہوا۔ پھر قادیان جاکر کئی ماہ قیام کیا بالآخر مطمئن ہوکر ۱۹۳۹ء میں جوبلی کے سال بیعت کرکے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوا۔

آپ کے دو بیٹے محمد یعقوب اور عبد اللطیف ہیں۔ اوّل الذکر نے پہلے تحریک جدید میں پھر مجاہد فورس پاکستان میں کام کیا۔ اب پھر تحریک جدید کی سروس میں واپس آگئے ہیں۔ میاں فضل احمد کے بعد نیک محمد خان عرف کالا احمدی ہوئے۔ ان کے پانچ بیٹے ہیں۔ عبد العزیز[1]۔ عبد الرحمٰن[1]۔ خدا بخش[1] مقبول حسین[1]۔ سید محمد۔ علاوہ دو لڑکیاں۔ عبد الرحمٰن صدر انجمن احمدیہ کا کارکن ہے۔ پھر خوشی محمد احمدی ہوا پھر فیروز دین پھر محمد حسین۔ مولوی فقیر محمد۔ فیروز دین کے تین بیٹے محمد عالم۔ محمد شفیع۔ محمد عبد اللہ اور تین بیٹیاں ہیں۔ محمد عبد اللہ صدر انجمن احمدیہ کی لائبریری میں کارکن رہے پھر مجاہد فورس پاکستان میں رہے اب پھر صدر انجمن کی سروس میں واپس آگئے ہیں۔ محمد شفیع نے احمدیہ فرقان بٹالین ۱۹۴۷ء-۱۹۴۸ء میں

[1] جامعہ احمدیہ میں زیر تعلیم ہیں

بھی دو سال تک کام کیا۔ اب دفتر خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں کام کر رہا ہے۔

مولوی فقیر محمد صاحب جس کا بیٹا عبد السلام قائد خدام الاحمدیہ ہے۔ آپ جب احمدی ہوئے تو کسی نے رشتہ نہیں دیا۔ برادری والے اس پر طعن کرتے رہے کہ تو اگر احمدی نہ بنتا تو تجھے ہم رشتہ دے دیتے۔ اس پر مولوی فقیر محمد صاحب نے خدا کی طرف توجہ کر کے دعا کی۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ غیب سے رشتہ کے سامان ہو گئے۔ کہیں سے ایک عورت ان کے گھر آئی اور کہنے لگی کہ میں اب اسی گھر میں رہونگی۔ کسی اور گھر نہیں جاؤں گی۔ اور فقیر محمد صاحب سے شادی کرونگی۔ فقیر محمد صاحب نے اس عورت کے کوائف معلوم کرائے تو معلوم ہوا کہ مطلقہ ہے اور اس کے بیانات کی تصدیق اور اس کے والیوں کی رضامندی حاصل کر کے اس سے شادی کی۔ اب تک یہی عورت ان کے گھر میں ہے۔ ان کی وہ برادری جو رشتہ نہ دینے کے لیئے احمدی بننے کے طعن و تشنیع کر رہے تھے اُن کے غیب سے رشتے کے سامان دیکھ کر خاموش بھی ہوئے اور ہمیشہ کے لیئے نادم بھی۔ یہ سب خاندان ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں ترک وطن کر کے آزاد کشمیر چلے آئے۔ اور آج کل موضع دولیاہ جٹاں علاقہ راجدھانی تحصیل کوٹلی ضلع میرپور میں آباد ہیں۔ یہاں اپنی مسجد احمدیہ بھی بنائی ہے جو پہلے کچی تھی اب پختہ تعمیر کر لی ہے۔

لوہار کہ اور دھوڑیاں

لوہار کہ میں میاں سنگا صاحب اور دھوڑیاں تحصیل مہنڈر ضلع پونچھ کے گاؤں میں صلاح محمد میر نے پہلے بیعت کی۔ دونوں کے حالات آغاز کتاب میں پہلے گذر چکے ہیں۔

کنوئیاں (تحصیل حویلی)

کنوئیاں (پونچھ) میں پیام حق کے اوّلین لبیک کہنے والے علی بہادر قریشی عباس علی خان (بیعت ۱۹۳۴ء) علی بہادر حال مہاجر دار بٹری (چکار ضلع مظفر آباد) آزاد کشمیر۔ سید محمد سعیار حسین خان ولد حشمت خان۔ محمد فیروز دین ولد حشمت خان۔ عبد الحمید خان۔ محمد اکرم خان ولد حشمت خان۔ خان بہادر ولد حشمت خان، یعقوب خان و فقیر اللہ خان پسران نالو خان۔ کالا خان۔ کرم الٰہی ولد پیراں دتہ۔ محمد دین ولد مہر دین ہیں۔

علی بہادر (مہاجر) پہلے غیر مبائعین میں تھے۔ ۱۹۳۴ء میں بیعت خلافت کی۔ اولاد نذیر احمد۔ غلام احمد اور عزیز احمد ہیں۔ باندی عباس پور تحصیل حویلی میں اکرم خان۔ سردار عباس علی خان کنوئیاں کے نمبردار اور بڑے اثر و رسوخ والے تھے۔ علی بہادر صاحب جب احمدی ہوئے تو عباس علی خان نے بہت سے مولویوں کو بلا کر مولوی محمد حسین مبلغ سے مباحثے کروائے مگر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہمارے مولوی صاحبان کے پاس معقول و مدلل جوابات نہیں ہیں۔ آخر میں انہوں نے سردار محمد شیر خان ایم۔ اے

کو بلایا اور عربی میں گفتگو ٹھہری۔ مگر سردار محمد شیر خان نے بد زبانی کی۔ عباس علی خان کو معلوم ہوا کہ عربی زبان میں ہمارے مناظر نے مرزا صاحب کے خلاف بد زبانی کی ہے۔ اُس نے گفتگو بند کرا کر بعض سوالات خود مولوی محمد حسین سے پوچھے جن سے وہ مطمئن ہو کر احمدی ہو گئے۔ آپ کی اولاد محمد حسین خان محمد عباس خان۔ محمد غیاث خان۔ محمد الیاس خان ہے۔ محمد حسین خان بھی کنوئیاں میں ۱۹۴۷ء تک نمبردار تھے انقلاب کے وقت ۱۹۴۸ء میں پاکستان آئے۔ آجکل موضع کسراں ضلع کیمبل پور میں آباد ہیں جہاں اور بھی بہت سے ریاستی تارکین وطن آباد ہیں۔ آپ کی اولاد یہ ہے۔ تجمل حسین خان۔ (۲) تصدیق حسین خان (۳) طاہر حسین خان۔ (۴) طفیل حسین خان۔

باندی عباس پور تحصیل حویلی میں اکرم خان صاحب نے اس قصبہ کی بنیاد رکھی اور یہاں کے مشہور آدمی ہیں۔ پونس کے سردار غلام حسین خان نمبردار تھے۔ مگر کسی قسم کے نقصان کی پرواہ کئے بغیر احمدیت قبول کرلی حسین خان اور عباس علی خان فوت ہو چکے ہیں۔ سوائے محمد اکرم خان کے سب خاندان ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان آئے اور آجکل کسراں ادھوال ضلع کیمبل پور اور راولپنڈی میں آباد ہیں کسراں میں مسجد احمدیہ بھی تعمیر ہو چکی ہے۔ جہاں "خلافت سے وابستگی" پر خاکسار راقم الحروف کی ایک تقریر بھی ریکارڈ کی گئی تھی۔

ہنگناڑ میں فضل حسین و محبوب پسران الٰہی بخش اور زبردار خان نے پیغام حق قبول کیا۔

باغ | باغ ضلع پونچھ میں ڈاکٹر اعجاز الحق خان صاحب کے ذریعہ جماعت قائم ہوئی۔ آپ ڈاکٹر محمد طفیل خان عرف بار خان (صحابی) کے بیٹے ہیں۔ اعجاز الحق صاحب سری نگر میں میونسپل انجنیئر تھے۔ اس کے بعد سری نگر سے باغ میں آکر آباد ہوئے۔ باغ میں پہلے دوسرے مقامات کی طرح احمدیت کو بہت خطرناک سمجھا جاتا تھا اور شدید مخالفت کی جاتی تھی مگر صحیح معلومات حاصل ہونے کے بعد اب مخالفت کم ہو گئی ہے اور سختی کی جگہ نرمی نے لی ہے۔ اور احمدیوں کا اثر و رسوخ بھی بڑھ رہا ہے۔ ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب ایم۔ اے۔ ایس سی سی ای۔ ڈی ٹی او۔ ایل (اورنیٹ) ایف۔ ای ایس۔ سی۔ ٹی۔ ایس۔ ڈی (انگلینڈ) ایم۔ ای۔ ایس۔ ڈی۔ ایم (پیرس) گولڈ میڈلسٹ ہیں۔ انٹرنیشنل شارٹ ہینڈ (مختصر نویسی) کے بین الاقوامی مقابلہ کے امتحان میں تمام دنیا میں اوّل رہے اور اس اعزاز میں سلون ڈپلومائی یونیورسٹی نے آپ کو طلائی تمغہ دیا تھا۔ آپ کثیر الاولاد ہیں۔ آپ کے بڑے بیٹے سردار ضیغم سلیم باغ میں میڈیکل پریکٹس کے ذریعہ لوگوں کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ حال ہی میں مخالفین نے آپ کا ہزاروں روپیہ کا مالی نقصان بھی کیا مگر آپ صبر و استقلال سے انکا مقابلہ کر رہے ہیں۔

خواجہ محمد دین صاحب ٹاڈ جو شہر میں دوکان کرتے ہیں پہلے غیر مبائعین سے وابستہ تھے۔ ۱۹۴۶ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی۔ امام الدین صاحب بھی پہلے غیر مبائعین سے وابستہ تھے۔ ۱۹۴۱ء ۱۹۴۲ء میں انہوں نے بھی بیعت کرلی۔ اب فوت ہو چکے ہیں۔

محلہ کھکھانا بن محلہ کھکھانا بن تحصیل حویلی ضلع پونچھ کے اولین احمدی محمد لطیف صاحب ولد محمد دین صاحب قوم منہاس ہیں۔ آپ اس وقت ناظر تحصیل کوٹلی ہیں آپ اپنی قبول احمدیت کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں۔ خاکسار ۲۳ر مارچ ۱۹۶۱ء کو راولپنڈی میں بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوا۔ خاکسار سے راولپنڈی میں شیخ عبدالحمید اور محترم کرم الٰہی نے احمدیت کے بارہ میں بات چیت شروع کر دی۔ خاکسار نے سخت مخالفت کی اور ایک دن بحث کے دوران گستاخی سے پیش آیا۔ اسی رات خواب میں دیکھتا ہوں کہ خاکسار کے منہ میں کوئی گندی چیز ہے اور زار وقطار رو رہا ہوں۔ اسی حالت میں آنکھ کھل گئی۔ رونے کا اثر سارے وجود پر تھا اسی وقت سے احمدیت کی مخالفت ترک کر دی اور استغفار کرنے لگا۔ حتیٰ کہ آج تک مجھے جب یاد آتا ہے تو استغفار کرتا ہوں۔

ہنڈی کھٹانہ (ہلاں) یہاں کے اولین احمدی امان اللہ خان ولد محمد یعقوب خان آفریدی ہیں۔ آپ نے ۱۹۶۸ء میں احمدیت قبول کی۔ آپ کا بیان ہے کہ میں نے احمدیہ لٹریچر کا مطالعہ کیا جس سے مجھے احمدیت کی صداقت کا یقین ہو گیا۔ ربوہ میں جا کر معلوم ہوا کہ احمدیوں کے متعلق لوگوں کے سب پروپیگنڈے غلط ہیں۔ چنانچہ میں نے ربوہ میں ہی بیعت کرلی"۔ اس وقت فوج میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

پٹھانہ تیر یہاں کے اولین احمدی میاں سانولا تھے۔ اُن کے حالات صحابہ کے باب میں گذر چکے ہیں۔ یہاں کے ایک اور احمدی سردار دوست محمد خان چغتائی (حال کوٹلی آزاد کشمیر) ہیں جو مولوی عبدالحلیم اور مولوی عبدالحی صاحب سلواہ پونچھ، نیز دوران تلاش روزگار لاہور میں حکیم میاں محمد موسیٰ کے ذریعہ احمدیت سے متعارف ہوئے۔ چنانچہ ۱۹۱۴ء میں خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ انکی قبول احمدیت کے حالات کوٹلی کی جماعت کے تحت جہاں وہ اب آباد ہیں گذر چکے۔

ٹرانہ تحصیل مینڈر اس موضع میں سید باقر علی شاہ مرحوم (بیعت ۱۹۲۰ء) اولین احمدی تھے۔ آپ چونکہ پیر خاندان سے تھے اور کافی مرید رکھتے تھے۔ برادری اور دیگر لوگوں نے آپ کی سخت مخالفت کی۔ آپ دوکانداری بھی کرتے تھے مخالفت کے ایام میں

ان لوگوں نے شرارت کر کے آپ کو مالی نقصان بھی پہنچایا۔ جن کے ذمے آپ کے ہزاروں روپے قرض تھے جو احمدیت کی مخالفت اور تعصب کی وجہ سے لوگوں نے دبا لیئے لیکن ان حالات کے باوجود آپ احمدیت پر ثابت قدم رہے۔ آپ عمر رسیدہ ہو کر فوت ہوئے۔ آپ کے دو لڑکے اصغر علی شاہ اور جلال دین شاہ ہیں تقسیم سے قبل برٹش حکومت میں جماعت احمدیہ کی ایک ٹیریٹوریل (رضاکارانہ) فوج تھی جس میں اصغر علی شاہ صاحب نے کچھ عرصہ تک خدمات انجام دی ہیں۔

تراڑ کھل

تراڑ کھل میں بابا کالا خان احمدی مہاجر ہیں جو کنوئیاں ضلع پونچھ سے ترک وطن کر کے یہاں آئے اور مقامی پوسٹ آفس میں کام کرتے ہیں۔ عبد القیوم صاحب آپ کے داماد ہیں جو پولیس میں کانسٹیبل ہیں۔ اور اس وقت پھلجھڑی میں جو تراڑ کھل سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے سکونت رکھتے ہیں۔ تراڑ کھل سے چار میل کے فاصلہ پر لیاریاں شریف ایک مقام ہے۔ وہاں بھی ایک احمدی عبد الغنی نام سے ہیں جو کلعان مڈل سکول میں مدرس ہیں اور چار کوٹ (راجوری) کے مہاجر ہیں۔ تراڑ کھل سے آٹھ میل پیدل کے فاصلہ پر جنڈالی نام ایک گاؤں ہے وہاں محمد امیر خان اکیلے احمدی ہیں۔ دوتھان نامی مقام جو کھائی گلہ سے چار میل کے فاصلہ پر ہے احمدیوں کے دو گھر آباد ہیں۔ موضع سدروں (تحصیل حویلی) میں غلام محمد صاحب۔ بارل ضلع پونچھ میں محمد فاروق صاحب مدرس دونوں ان علاقوں کے اکیلے احمدی ہیں۔ مؤخر الذکر خلافت ثانیہ کے عہد میں احمدی ہوئے ہیں۔ لوگوں کی مخالفت کے باوجود ثابت قدم ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی ربوہ میں زیر تعلیم ہیں۔

میجر نور حسین صاحب

میجر نور حسین موضع بھتیاہ ڈاکخانہ آزاد پتن ضلع پونچھ کے رہنے والے اور قبیلہ سدھن[1] سے تعلق رکھتے ہیں والد کا نام لیفٹنٹ جعفر علی تھا۔ آپ اس علاقہ میں اپنے قبیلہ میں واحد دلیر احمدی ہیں جو ہر وقت احمدیت کی وجہ سے جان کے خطرات میں گھرے رہتے ہیں مگر پرواہ نہیں کرتے۔ آپ اپنی قبول احمدیت کا واقعہ یوں لکھتے ہیں کہ

"قریباً ۱۹۴۲ء میں میرے دل میں شدید شوق پیدا ہوا کہ مَیں مذہب کی جستجو کروں۔ اس سے قبل میں نے راڈویل (Rod well) کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہوا قرآن مجید پڑھا تھا تو اسلام کے متعلق بہت سے شکوک و شبہات دل میں پیدا ہو گئے تھے۔ مَیں نے مختلف مذاہب کی طرف تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کی تاکہ میرے شکوک و شبہات دور ہوں مگر کہیں سے تسلی نہ پائی۔ مَیں اہل سنت والجماعت وغیرہ فرقوں کے مولویوں سے جوابی دلائل مانگتا مگر وہ مجھے کہہ دیتے تھے کہ تم اس قسم کی آیات بنا لاؤ جیسے قرآن مجید کی ہیں۔ مَیں عربی جانتا نہیں تھا اور نہ یہ جواب میرے اطمینان کا

[1] قبیلہ سدھن کے نسب نامے بنی اسرائیل سے ملتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو بنی اسرائیل ثابت کرتے ہیں۔ دیکھو کتاب "تاریخ آزادی کشمیر" از محمد عالم خان (سدھن)

باعث بنا تھا۔ آخر مجھے لاہوری جماعت سے تعلق پیدا ہوا اور تقریباً بیس دن ان کے ہاں ٹھہرا مگر وہ بھی پرانی دلیلیں پیش کرتے تھے جو مجھے تسلی نہیں دیتی تھیں۔ انہوں نے کبھی حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئیوں اور معجزات دکھائے جانے کا ذکر تک نہیں کیا۔ آخر میں قادیان چلا گیا اور وہاں حضرت مرزا صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اُن کی پیشگوئیاں پوری ہونے اور معجزات دکھائے جانے سے آگاہی حاصل کی۔ پھر میں نے حضرت مرزا صاحب کے خلاف غیر احمدیوں کے اعتراضات بھی پڑھے تھے مگر مخالفوں کے اعتراضات میں سچائی نہ پائی اور اس کے مقابلہ میں حضرت مرزا صاحب کے دلائل اور اسلام کی جدید تشریحات سے میرے سارے شکوک و شبہات دُور ہو گئے۔ اور میں مطمئن ہو گیا کہ واقعی قرآن اور اسلام سچے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۴۳ء میں میں نے بحضور خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔

آپ کو مطالعہ اور تبلیغ کا شوق ہے۔ اُن کی تبلیغ کا اثر یہ ہوا کہ اُن کے بھائیوں نے اپنے بچوں اور بچیوں کو باوجود غیر از جماعت ہونے کے حصولِ تعلیم کے لئے تعلیم الاسلام کالج ربوہ اور نصرت گرلز کالج ربوہ میں داخل کرایا جو وہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ سردار محمد ابراہیم خان صاحب سابق صدر آزاد کشمیر گورنمنٹ نے ایک ملاقات میں میجر نور حسین صاحب کے اخلاق اور انکی اعلیٰ فوجی قابلیت کا ذکر کیا کہ سُدھنوں میں میجر صاحب اولین تعلیم یافتہ اور قابل فوجی افسر ہیں۔ سردار سید حسن خان صاحب آزاد کشمیر کے مشہور دیانت دار ڈپٹی کمشنر اُن کے بھائی ہیں۔

تھورہ (اوڑی) تھورہ (تحصیل اوڑی) میں دلاور خان ملک کا نام ملتا ہے۔ جو اخبار "الحکم" کے مطابق ۱۹۰۱ء میں بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے تھے۔ نیک۔ صالح۔ تہجد گذار اور مہمان نواز تھے۔ ۱۸ ہاڑ ۱۹۹۱ بکرمی (۱۹۳۵ء) اکیلے گھر میں سو رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے ڈاکہ ڈالا۔ اور آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کے گھر میں جو مال و اسباب تھا وہ سب ڈاکو لے کر فرار ہو گئے۔ علاقہ میں اولین احمدی اور صالح آدمی مشہور تھے۔ آپ کی تاریخ وفات ۱۹۹۱ بکرمی مطابق ۱۹۳۵ عیسوی ہے۔

اِن تمام واقعات سے جو ہم اس مقام تک درج کر آئے ہیں صاف ظاہر ہے کہ اسلام کا پیامِ حق کس طرح اپنی صداقت اور ذاتی خوبیوں کی بناء پر نامساعد حالات کے باوجود پھیلتا اور قبولیتِ عامہ حاصل کرتا چلا جاتا ہے حالانکہ طاقت اور زور منکرین کا ہوتا ہے۔ حق قبول کرنے والے انتہائی کمزور اور بے بس ہوتے ہیں مگر تمام مخالف حالات کے باوجود حق ہی کا بول بالا ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح آج سے تیرہ سو سال قبل اسلام اپنی صداقت اور ذاتی خوبیوں کی بناء پر مخالف ماحول اور حالات میں غالب آیا تھا نہ کسی زور اور تلوار سے جیسا کہ عیسائی اسلام کے خلاف اعتراض کرتے ہیں۔ ھ

ھ۔ اس زمانہ میں احمدیت کے قبولِ عام نے عیسائیوں کے سارے اعتراضات رد کر دیئے ہیں کیونکہ خود عیسائی ممالک میں باوجود اسکے ھھ کہ تمام زور، طاقت، غلبہ اور طاقت عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے اور حکومت بھی انہی کی ہے [illegible] ترقی ہو رہی ہے اور لوگ [illegible]

باب دوازدہم
متفرقات

مضمون کی مناسبت سے آخر کتاب میں بعض اور ریاستی تارکین وطن قابل ذکر ہیں جو دو قسموں پر منقسم ہیں۔ بعض تارکین وطن تو وہ ہیں جو ۱۹۴۷ء سے قبل مشترکہ ہندوستان میں کشمیر سے بعض انقلابات کی وجہ سے نکلنے پر مجبور ہوئے اور بعض وہ ہیں جو ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں پاکستان آنے پر مجبور ہوئے۔ مؤخر الذکر تارکین وطن میں بہت سے احمدی خاندان بھی تھے جنہیں حکومت پاکستان نے ابتداء میں مختلف کیمپوں میں عارضی طور پر رکھا تاکہ حالات معمول آنے پر واپس وطن جاسکیں جن میں کیمپ مانسہرہ۔ کیمپ واہ ضلع کیمبل پور۔ کیمپ کالا۔ کیمپ گوجرانوالہ۔ چک جمال وغیرہ تھے۔ جب مسئلہ کشمیر نے طول پکڑا تو حکومت پاکستان نے ان پناہ گزینوں کو اضلاع کیمبل پور، راولپنڈی۔ سیالکوٹ، جہلم۔ فتح جنگ۔ گوجرانوالہ۔ پنڈی گھیپ، تلہ گنگ۔ پنڈ دادنخان؟ گوجرانوالہ۔ پنڈی بھٹیاں۔ کسران وغیرہ مقامات پر عارضی طور پر آباد کیا۔ یہ پناہ گزین ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۵ء تک کیمپوں میں رہے۔ کیمپوں میں احمدیوں نے جگہ جگہ نماز باجماعت کے لئے اپنے احاطوں میں چبوترے بنائے ہوئے تھے اور ان سے مسجد کا کام لیتے تھے۔ کشمیر سے آتے ہی انہوں نے عہدیدار منتخب کر کے مرکز سے تعلق قائم کر لیا۔ وہ قوت لایموت اور تنگدستی کے باوجود چندے ادا کرتے تھے۔ سید اعجاز احمد شاہ انسپکٹر بیت المال ربوہ نے اپنے ایک مکتوب میں خاکسار کو لکھا کہ خاکسار سلسلہ احمدیہ کا چوبیس سالہ کارکن ہے اور تمام کشمیری احمدی جماعتوں کے دورے کئے ہیں اور ان کے حالات دیکھے ہیں۔ میں نے نماز باجماعت اور بالالتزام چندوں کی ادائیگی جیسی کشمیر کی ان جماعتوں میں دیکھی وہ بے مثال اور قابل تعریف تھی۔ حکومت سے انہیں معمولی آٹا تیل۔ صابن ملتا تھا مگر وہ اپنا پیٹ کاٹ کر بچت کر کے چندہ عام ادا کرتے تھے۔[1]

ان جماعتوں کا عمومی ذکر گذر چکا۔ ان تارکین وطن احباب کی بھی کثیر تعداد ہے جو انقلاب ۱۹۴۷ء سے قبل مشترکہ ہندوستان میں ترک وطن کر کے مختلف علاقوں میں آکر بسے جنہوں نے پیام حق پہنچنے پر احمدیت قبول کر لی۔ ان میں سے بعض اصحاب مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر گذر گیا۔ علاوہ جن کے حالات دوران ترتیب کتاب ہذا ہمیں مل سکے ہیں۔ تاریخ محفوظ کرنے کی غرض سے درج ذیل ہیں۔

خواجہ غلام نبی صاحب سابق ایڈیٹر الفضل	خواجہ غلام نبی ولد خواجہ ضیاء الدین اپنی خود نوشت حالات کے مطابق کشمیر میں ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے اس وقت آپ کے آباؤ اجداد راجپوت نسل کے

[1] مکتوب سید اعجاز احمد مورخہ ۲-۱-۱۹۶۹

نومسلم تھے گوت ڈار تھی۔ جو قحط اور انقلاب کے دوران کشمیر سے نقل مکانی کر کے پنجاب کے علاقہ گجرات موضع بُلانی میں آ بسے جو ریاستی حدود سے متصل ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ بڑی مشکل سے مَیں نے مڈل پاس کیا۔ آگے تعلیم جاری رکھنے کی بالکل ہمت نہ تھی۔ گاؤں میں مرزا محمد افضل (خوش نصیب) لکھے پڑھے آدمی تھے جن کی طبابت کی دوکان تھی۔ انکے بڑے بھائی مرزا محمد اشرف صاحب (صحابی) قادیان میں کسی کام پر مقرر تھے انکے ساتھ قادیان جانے کے لئے تیار ہُوا تا کہ مزید تعلیم جاری رکھ سکوں۔ اور گھرانہ میں سخت مخالفت تھی۔ مشہور یہ تھا کہ قادیان والے لوگوں پر ایسا جادو کرتے ہیں کہ پھر آدمی وہیں کا ہو رہتا ہے گھر کا نہیں رہتا بہر حال میں قادیان چلا گیا۔ وہاں مختلف تجویزیں ہوئیں بالآخر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی شفقت سے سکول میں تعلیم پانے لگا۔ یہ سنہ ۱۹۱۱ء کا واقعہ ہے۔ مَیں جب گرمیوں کی چھٹیوں میں واپس گھر آیا تو گھر والے بہت خوش ہوئے اور اُن کی یہ غلط فہمی دُور ہو گئی کہ قادیان والے ایسا جادو کرتے ہیں کہ انسان رشتہ داروں اور گھر کا نہیں رہتا۔ اور عجیب و غریب طریقوں سے احمدی بنا لیتے ہیں۔

چھٹیاں ختم ہونے پر مَیں پھر قادیان چلا گیا۔ جہاں رفتہ رفتہ میں اس کے دینی اور علمی ماحول سے متاثر ہوتا گیا (اس کی انہوں نے تفصیلات بھی بیان کی ہیں) مختصر یہ کہ مَیں نے مانوس ہو کر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔ پھر کچھ عرصہ ریویو آف ریلیجنز اردو میں کام کرنے کا موقعہ ملا۔ پھر زود نویسی میں جگہ مل گئی۔ جہاں مَیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے درس قرآن کے نوٹ مرتب کر کے الفضل کو دیتا اور وہ انہیں شائع کرتا تھا۔ پھر مَیں آپکے خطبات جمعہ لکھتا جو شائع ہو جاتے۔ آخر خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق میں الفضل کا ایڈیٹر مقرر ہُوا اور انقلاب سنہ ۱۹۴۷ء تک کام کرتا رہا۔

اس کے بعد آپ کھاریاں میں آ کر مقیم ہوئے اور وہیں مارچ سنہ ۱۹۵۵ء میں وفات پائی۔ واقعہ یہ ہے کہ تجربہ سے باوجود کم علمی کے آپ نے زود نویسی میں بڑی مہارت حاصل کر لی۔ آپ کی وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے آپ کی ہشیاری اور ذہانت اور پیغام صلح والوں کے جوابات دینے میں انکی بہت تعریف کی اور یہ بھی فرمایا کہ آپ بڑے اچھے زود نویس تھے اور ان کے لکھے ہوئے لیکچروں اور خطبات میں مجھے بہت کم اصلاح کرنی پڑتی تھی پھر وہ اخبار الفضل کے ایڈیٹر ہوئے اور ایسے اچھے ثابت ہوئے کہ درحقیقت پیغامیوں سے زیادہ تر ٹکر انہوں نے ہی لی ہے۔ میرے خطبات انہی کی وجہ سے محفوظ ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ ان کا جماعت پر یہ ایک بہت بڑا احسان ہے اور ان کیلئے جتنی دعائیں کرے اسکے وہ مستحق ہیں۔[1]

[1] الفضل ۱۵ رمئی سنہ ۱۹۵۶ء۔ یہ حالات ہمیں کیپٹن ملک خادم حسین صاحب[عہ] کی بیاض سے ملے ہیں جو خواجہ غلام نبی صاحب موصوف کے خود نوشت حالات ہیں اور جو انکے لڑکے خواجہ منیر احمد حال فرانکفرٹ مغربی جرمنی کی وساطت سے ہمیں بغرض اشاعت ملے ہیں (مؤلف)

[عہ] کیپٹن ملک خادم حسین صاحب محلہ دار الرحمت غربی ربوہ میں سکونت پذیر ہیں۔ (مؤلف)

ان کی اولاد یہ ہے: مجید احمد، حمید احمد، شبیہ احمد، منیر احمد، نسیم احمد۔ علاوہ چھ لڑکیاں ہیں۔

گیانی عباد اللہ صاحب مینیجر الفضل

گیانی عباد اللہ صاحب وانی (پیدائش سنہ ۱۹۱۲ء) کے آباء و اجداد ناسنور (کشمیر) کے رہنے والے تھے۔ قریباً سنہ ۱۸۵۵ء میں پنجاب آکر امرتسر میں آباد ہوئے۔ گیانی صاحب سنہ ۱۹۳۰ء میں امرتسر میں بیعت کرکے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں گورمکھی کا امتحان یونیورسٹی سے پاس کیا۔ اس لئے آپ گیانی کہلاتے ہیں۔ سنہ ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں امرتسر سے نقل مکانی کرکے گوجرانوالہ (پاکستان) میں آکر آباد ہوئے۔ سنہ ۱۹۵۴ء سے ادارہ روزنامہ الفضل کے مینیجر ہیں۔ سنہ ۱۹۶۵ء ماہ ستمبر سے جماعت کی طرف سے اُن کی خدمات ریڈیو پاکستان میں منتقل کی گئیں اور آپ نے سکھوں کے لئے "پنجابی دربار" پروگرام کے انچارج کی حیثیت سے کام کیا۔ یہ پروگرام سکھوں کے ہاں بہت مقبول ہے۔ جب مشرقی پنجاب (بھارت) سے سکھ زائرین پاکستان میں اپنے مقدس مقامات کی زیارت کے لئے آتے ہیں تو آپ اُن کی راہنمائی کرتے ہیں۔ آپ کو سکھ لٹریچر پر عبور حاصل ہے اور گورمکھی زبان میں آپ کی کئی تصانیف ہیں۔ آپ نے اردو زبان میں بھی سکھ مذہب اور گورو نانک ؒ کے متعلق تحقیقاتی کتابیں لکھی ہیں جو حکومت پاکستان کے اشاعتی اداروں اور بعض لاہور کے دوسرے پبلشروں نے شائع کی ہیں۔ اُن میں سے ایک کتاب سنہ ۱۹۴۲ء میں "سکھ عہد اسلامی میں" کے نام سے ہے جسے کتاب منزل لاہور نے شائع کیا ہے۔ اسی طرح دوسری کتاب "سکھ مسلم تاریخ حقیقت کے آئینہ میں"۔ تیسری کتاب "گورو گرنتھ صاحب اور اسلام" کے ناموں سے دونوں ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے سنہ ۱۹۵۹ء ۱۹۶۰ء میں شائع کی ہیں۔ چوتھی کتاب "گورو نانک اور تعلیم وحدانیت"۔ پانچویں کتاب "گورو نانک جی کا فلسفہ توحید" مطبوعہ سنہ ۱۹۶۹ء۔ چھٹی "گورو گرنتھ صاحب" شائع کردہ مجلس اردو بورڈ لاہور۔ ساتویں "سکھ گورو صاحبان اور مسلمان"۔ آٹھویں "گورو نانک جی کا گورو"۔ نویں "پاکستان کے گوردوارے"۔ دسویں "ہمارا نانک" سنہ ۱۹۷۲ء میں شائع کی ہے جس میں گورو نانک جی کا مسلمان ہونا سکھ کتب کے حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے۔ اِن کتابوں اور سکھوں کی خدمات کی وجہ سے آپ سکھ حلقوں میں خاصے متعارف اور قدر و عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔

میاں عبدالرحیم صاحب

میاں صاحب کے آباؤ اجداد علاقہ ہزارہ کشمیر سے خورم گوجر متصل ٹیکسلا آبسے تھے۔ آپ یہاں تیسری پشت میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد میاں غلام محمد صاحب مرحوم مسجد کے امام تھے۔ انہیں یہاں کے پرانے احمدیوں سے احمدیت کا پیغام پہنچا۔ اوّل مخالف تھے اور لوگ احمدیوں کو بیوقوف کہتے تھے۔ میاں صاحب ایک دفعہ قرآن شریف کی

سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات پڑھ رہے تھے جب آپ نے مومنین کے بارے میں یہ آیت پڑھی کہ کافر مومنوں کو بیوقوف کہتے ہیں اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ خبردار! وہ خود ہی بے وقوف ہیں۔ تو انہوں نے اس مقام پر سوچنا شروع کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم ہی بیوقوف ہوں اور احمدی جن کو لوگ بے وقوف کہتے ہیں خدا کے نزدیک عقلمند ہوں۔ چنانچہ وہ ۱۹۱۴ء میں قادیان گئے۔ اور وہاں جلسہ سالانہ میں شریک ہوئے۔ اور وہیں بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ واپسی پر آپ کی بیوی اور والدہ نے بھی احمدیت میں داخل ہونے کی خواہش کی آپ نے انہیں اچھی طرح سوچنے کا مشورہ دیا۔ پھر انہوں نے بھی خط لکھ کر بیعت کر لی۔ آپ اپنی لڑکی کا رشتہ احمدیوں میں کرنا چاہتے تھے اس لئے گاؤں چھوڑ کر راولپنڈی میں سکونت اختیار کر لی۔ جہاں سے فضل حق صاحب کی معرفت ان کے بھائی احمد حسین قادیانی کے ساتھ ان کی شادی ہو گئی۔ چونکہ خودم گجرجہ کا ماحول غیر دینی تھا اس لئے ۱۹۳۲ء میں میاں صاحب اپنی زمین رہن دے کر قادیان چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اور ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں پھر قادیان سے واپس پاکستان چلے آئے اور راولپنڈی میں سکونت اختیار کر لی۔ تبلیغ کے بہت شوقین تھے گھر میں بچوں کو کو بھی تبلیغی و تربیتی باتیں سکھاتے رہتے۔ ان کے ذریعہ تقریباً پندرہ خاندان اور بھی احمدیت میں داخل ہوئے بہت نیک اور صالح آدمی تھے۔ آپ نے اپنے واحد بیٹے محمد امین شبیر کو ۱۹۴۵ء میں احمدیہ فرقان فورس میں کشمیر کے محاذ پر بھجوا دیا بعض لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ کا اکیلا بیٹا ہے۔ وہاں محاذ پر مچھروں کے کاٹنے سے ملیریا بخار ہو جاتا ہے۔ آپ نے کہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی اکیلا بیٹا تھا۔ کچھ بھی ہو میں اپنے اکیلے بیٹے کو حضرت صاحب کی ہدایت کے مطابق محاذ پر ضرور بھجواؤں گا۔ چنانچہ محمد امین ۲۶/۶/۴۸ سے ۵/۲/۴۹ تک احمدیہ فرقان بٹالین کے تحت بریٹ محاذ (بھمبر) پر خدمات انجام دیتا رہا۔ آپ شوکت کمپنی میں تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایک دفعہ بریٹ مورچوں کا معائنہ کیا تو انعامی جھنڈا شوکت کمپنی کو ملا۔

میاں صاحب ان ایام میں قادیان میں رہے۔ صدر انجمن کے کارکن بھی رہے۔ اور یہاں آپ کو اپنی اولاد کی تربیت کا اچھا موقعہ میسر آیا۔ میاں صاحب شریعت اور سنت کے اتنے پابند تھے کہ اپنی لڑکیاں صرف ایسے دیندار آدمیوں کو دیں جنہوں نے سنت نبوی کے مطابق داڑھیاں رکھی ہوئی تھیں۔ چنانچہ پہلی لڑکی کا رشتہ احمد حسین صاحب کو دوسری لڑکی کا ملک عبد العزیز مولوی فاضل کو دیا۔ یہ دونوں میاں غلام حسین رہتاس مرحوم کے فرزند تھے۔ جو ۳۱۳ اصحاب مسیح موعودؑ میں سے ہیں۔ جنکا ذکر تذکرہ (صفحہ ۸۱۲ و صفحہ ۸۱۳ ایڈیشن دوم) میں بھی موجود ہے۔ احمد حسین صاحب افریقہ میں وکیل رہے اور وہیں فوت ہو گئے۔ اور دوسرے ملک عبد العزیز صاحب آجکل لنڈن میں مقیم ہیں۔ تیسری لڑکی کا رشتہ خاکسار راقم الحروف مؤلف کتاب ہذا کے ساتھ ۱۹۶۲ء میں ہوا۔ ؎

؎ موصوفہ موصیہ ہے اور انہیں لجنہ ایبٹ آباد (ہزارہ) لجنہ کیمبل پور۔ لجنہ کوٹلی آزاد کشمیر میں جماعتی کام کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ ؎

؎ اور اب لجنہ اماء اللہ گلگت کی صدر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہی ہیں۔

میاں صاحب مرحوم آخری ایام میں اپنے بیٹے محمد امین کشمیر ڈسپنسر ریلوے ہسپتال بنوں کے پاس مقیم تھے۔ جہاں ۱۷ر اگست ۱۹۶۳ء کو وفات پائی اور بنوں کے قبرستان میں ہی دفن ہوئے۔

محمد صدیق میر موضع شیر پور علاقہ اسلام آباد کشمیر سے سکھوں کے زمانہ میں پنجاب آئے اور امرتسر میں شال کی صنعت کا کام شروع کیا۔ ان کے پڑدادا جنہوں نے نقل مکانی کی کا نام عبدالرحیم میر تھا۔ دادا عبداللہ میر نے قالین کی نقاشی میں خوب دسترس حاصل کی اور گوئے سبقت حاصل کر گئے۔ آپکے والد عبدالعزیز میر نے ایک انگریزی فرم میں ملازمت کی جہاں انہیں منشی حبیب الرحمن صاحب رئیس حاجی پورہ سے احمدیت کا پیغام ملا مگر اُن سے پہلے ان کے لڑکے محمد صدیق میر کو بیعت کی توفیق مل گئی جوان دنوں ۱۹۲۰ء میں مدرسہ میں پڑھا کرتے تھے کیونکہ آپ منشی صاحب سے سلسلہ احمدیہ کا لٹریچر لیکر پڑھا کرتے تھے۔ مَیں نے امرتسر میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ کا لیکچر بھی سُنا۔ تقریر کے دوران مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری "حوالہ، حوالہ" کر رہے تھے۔ امرتسر سے واپسی پر جب میں جالندھر سٹیشن پر پہنچا تو سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی وہاں کھڑے تھے۔ مَیں نے اُن سے پوچھا کہ وہ حوالہ کونسا تھا جو آپ مانگ رہے تھے۔ کہا "حوالہ" خاک تھا۔ ایسے ہی شور مچانا تھا۔ اِس سے بھی آپ سمجھ گئے کہ احمدیوں کے خلاف علماء کے شور مچانے کی حقیقت کیا ہے۔ آپ آجکل لاہور میں مقیم ہیں۔

قریشی محمد حنیف صاحب قمر کے حالات کا تتمہ

قریشی محمد حنیف سائیکل سیاح کے حالات پہلے گذر چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے چند رؤیا لکھ کر بھیجے ہیں جو پورے ہو کر اُن کے ازدیاد ایمان کا باعث ہوئے جو پہلے درج نہ ہو سکے۔ اب یہاں تتمہ کی صورت میں درج ذیل ہیں:۔

۱۔ جموں میں روزگار کی فکر میں تھے کہ ۱۹۲۲ء میں غیبی آواز آئی۔ "کَاتِبًا"۔ بزرگوں نے اِس کی تعبیر بتائی کہ کتابت سے گذارہ کریں گے۔ یہ رؤیا اِس طرح پوری ہوئی کہ آجتک کتابت ہی سے گذارہ ہوتا رہا۔ کتابت کا کام کبھی الفضل میں کیا اور پچاس سال کے تبلیغی سفروں میں مساجد سکولوں وغیرہ عمارتوں پر سینکڑوں کتبے نیز دینی و تبلیغی چارٹ لکھے اور ملک میں تقسیم کئے اور کئی شجرے بھی لکھے اور تا حال یہ سلسلہ جاری ہے۔

۲۔ ان کا بیان ہے کہ مغربی بنگال میں ۱۹۳۶ء میں شہر شیوڑی سے دو میل پر یہ واقعہ پیش آیا کہ مَیں امام مہدی کی منادی کر رہا تھا۔ تبلیغی سائیکل میرے ساتھ تھا۔ ایک مولوی صاحب نے مجھے کہا کہ اِس علاقہ میں یہ پیشگوئی مشہور ہے اور ہماری بعض کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ اِس

علاقہ میں امام مہدی کی منادی امام حنیف کرینگے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑوں سے نکلیں گے۔ میں نے جواب دیا کہ محمد حنیف میرا ہی نام ہے اور کشمیر کے پہاڑوں میں میرا گھر ہے۔ جہاں سے نکلکر بنگال میں امام مہدی کی منادی کر رہا ہوں اور یہ سائیکل میرا عجیب گھوڑا ہے جو دنیا کے گھوڑوں سے نرالا ہے۔ جس پر ایک من سے زیادہ بوجھ ہے اور ہزاروں میل سفر کئے ہیں اور حضرت علیؓ کی ہی اولاد سے بھی ہوں۔ اب آپ کو ماننے میں کیا عذر ہے؟ یہ سنکر وہ خاموش ہو گئے۔ اور کچھ رسالے مجھ سے پڑھنے کے لئے لے گئے۔

۳۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں سے ایک الہام "حنیف مسیح" بھی ہے۔ (دیکھو تذکرہ مجموعہ الہامات صـ۷۳۲ـ ایڈیشن دوم اور ۸ر اکتوبر ۱۹۰۷ء کی ڈائری مطبوعہ اخبار بدر صـ۴ـ) اس زمانہ میں بظاہر آپ اس الہام کے مصداق ہیں کیونکہ جیسا کہ لفظ مسیح سے اشارہ ہے انہوں نے پاکستان و ہندوستان کے علاقوں میں ہزاروں میلوں کے پیدل و سائیکل پر سفر کر کے مسیح موعودؑ کا پیغام جگہ جگہ پہنچایا ہے جیسے مسیح ناصریؑ نے بہت تبلیغی سفر کئے تھے (ان سفروں کا ذکر پیچھے گذر گیا)۔

۴۔ آپ کا بیان ہے کہ ۱۹۵۴ء میں لائلپور کے قیام کے زمانہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے رؤیا میں مجھے قلم دوات عطا فرمائی۔ یہ خواب بھی اس کام کی طرف اشارہ کر رہا ہے جس کا ذکر اوپر گذر گیا ہے۔

۵۔ میرپور آزاد کشمیر میں ہمارے بعض غیر احمدی رشتہ داروں نے حملہ کر کے مجھے زخمی کر دیا۔ اور مَیں نے اپنی دعاؤں میں کثرت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر پڑھنا شروع کیا ؎

"میرے زخموں پر لگا مرہم کہ مَیں رنجور ہوں ؛ میری فریاد کو سُن میں ہو گیا زار و نزار"

اسپر ۳ر جون ۱۹۶۷ء کی رات رؤیا میں دیکھا کہ ایک بزرگ ہستی نے مجھے اپنے معانقہ میں لے لیا مجھے بڑی خوشی ہوئی مَیں نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ (مَیں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ) انہوں نے مجھے جواب دیا۔ میرا نام ہے محمد۔ شفیع۔ اشرف۔ یہ سُنکر خوشی سے خاکسار کے آنسو نکل آئے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے لگا۔

۶۔ قریشی صاحب کا بیان ہے کہ میرے استاد اور عمہ زاد بھائی محترمی ماسٹر خلیل الرحمن صاحبؓ صحابی ساکن پنجیڑی نے ہمارے گاؤں موضع کنڈور جا کر میرے سامنے (جبکہ میری عمر ۹ سال کی تھی) اپنا ایک رؤیا میرے والد میاں کمال الدین صاحب کو جو اُن کے حقیقی ماموں تھے سُنایا کہ مَیں نے دیکھا ہے کہ آپ کے اس مکان کی شمالی جانب والی دیوار کی کھڑکی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ایک چمکدار لباس پہن کر بیٹھے ہیں۔ پھر میرے والد صاحب نے اُن ہی سے اس کی تعبیر پوچھی تو بھائی صاحب موصوف نے فرمایا کہ اس رؤیا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اولاد سے ضرور کوئی احمدی ہوگا۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شاگرد بن کر احمدیت کی تبلیغ کرے گا۔

چنانچہ یہ تعبیر اس طرح پوری ہوگئی کہ ہم دو حقیقی بھائی (محمد حنیف سیاح اور فضل حق درویش) اُنہی کی تبلیغ سے احمدی ہو گئے۔ اور پھر جب یہ عاجز ۱۹۶۵ء میں حج بدل کر کے خانہ کعبہ سے واپس ربوہ آیا اور اپنے پیدائشی گاؤں کنڈور میں گیا تو مکہ شریف سے خریدا ہوا چمکیلا لباس بھی پہن کر اُسی کھڑکی میں بیٹھا اور ۵۶ سال کے بعد یہ خواب ظاہری طور پر بھی پورا ہو گیا۔

صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کا دورہ آزاد کشمیر

صاحبزادہ صاحب موصوف کے دورہ کا اجمالی ذکر گذر چکا مگر بعض مزید باتیں قابل ذکر ہیں۔ آپ نے ۱۹۶۴ء میں نائب صدر خدام الاحمدیہ کی حیثیت سے میرپور۔ کوٹلی۔ رام باڑی۔ بھابھڑا اور گوئی کی مجالس کا تربیتی دورہ کیا۔ میرپور میں قاضی محمد برکت اللہ حال امریکہ جو کالج کے پرنسپل ہونے کے علاوہ قائد خدام الاحمدیہ بھی تھے بعض معززین شہر کو بھی دعوت دی۔ جنہیں صاحبزادہ صاحب موصوف نے خطاب کیا۔ رام باڑی میں آپ نے مسجد احمدیہ رام باڑی کا سنگ بنیاد رکھا۔ مولوی امام الدین صاحب صدر جماعت احمدیہ بھابڑا کا بیان ہے کہ مَیں نے انہی دنوں میں رؤیا میں دیکھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض اسجگہ آکر تقریر کر رہے ہیں جس جگہ مسجد احمدیہ رام باڑی کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ یہ خواب آپ کے فرزند صاحبزادہ صاحب موصوف کے مسجد احمدیہ کا سنگِ بنیاد رکھنے اور تقریر کرنے سے پوری ہو گئی۔

یہاں سے آپ نے بھابڑا جا کر وقفِ جدید کے تحت چلنے والے مدرسہ کا معائنہ کیا اور پھر پیدل پہاڑی راستہ سے گوئی پہنچے اور وہاں کی مجالس خدام الاحمدیہ اور احباب جماعت کو تربیتی ہدایات سے نوازا جہاں سے آپ واپس چلے آئے۔ یہ دورہ مجالس اور احباب کے لئے ازدیاد ایمان کا باعث بنا۔

ریاست میں مساجد ہائے احمدیہ:۔

مسجد احمدیہ آسنور پختہ دو منزلہ مع وسیع صحن
مسجد احمدیہ کوریل پختہ یک منزلہ۔ ایک خام مسجد بھی ہے
مسجد احمدیہ ریشی نگر پختہ دو منزلہ
مسجد احمدیہ شورت پختہ دو منزلہ ایک خام مسجد بھی ہے
مسجد احمدیہ کنڈ پورہ پختہ زیر تعمیر ایک خام مسجد بھی ہے

مسجد احمدیہ یاڑی پورہ پختہ یک منزلہ مع وسیع صحن
مسجد احمدیہ چک ایمرچ خام مسجد
مسجد احمدیہ ہاری پاری گام پختہ دو منزلہ
مسجد احمدیہ سری نگر چار کنال زمین کے وسیع رقبہ میں۔ جس میں خام کوارٹر بھی ہیں۔

مسجد احمدیہ ڈنہ گام	خام اینٹ کی مسجد ہے
" " ہچہ مرگ	خالص لکڑی کی عمارت ہے۔
" " پچھوہٹر	خام اینٹ کی مسجد ہے۔
" " ماندجن	ایک مسجد
" " اندورہ	ایک مسجد
" " کوٹلی	ایک پختہ مسجد معہ کوارٹر پختہ وحجرہ برائے مہمانان
مسجد احمدیہ میرا بھڑ کا	ایک پختہ مسجد
" " رام باڑی	خام مسجد معہ خام کوارٹر
" " بھابڑا	ایک پختہ مسجد معہ حجرہ
مسجد احمدیہ چرناڑی	پتھروں کی مسجد معہ حجرہ
" " گوئی	پتھروں کی مسجد
" " درہ شیر خان	ایک مسجد خطِ متارکہ جنگ کے پار اور ایک مسجد آر (دو مساجد)
مسجد احمدیہ شلیا جٹاں	ایک خام مسجد۔ پختہ مسجد زیر تعمیر
" " نگیال	ایک پختہ مسجد معہ حجرہ
" " دتیال	ایک پختہ مسجد
" " گلگت	ایک پختہ مسجد مع تین عدد کوارٹرز پختہ وہ معہ چھ عدد دوکانات پختہ
" " ہموسان	ایک مسجد

جماعت احمدیہ کے مدارس

جماعت احمدیہ نے عوامی فلاح وبہبود کے پیش نظر بعض ایسے مقامات پر جہاں وہ مدارس کھول سکتی تھی مدارس کھول کر بھی تعلیمی خدمات انجام دیں۔ ریاست جموں وکشمیر میں درج ذیل مقامات پر مدارس جاری ہیں۔ (۱) سونا گلی (۲) ٹاہیں منکوٹ علاقہ پونچھ (۳) بھابڑا تحصیل کوٹلی ضلع میرپور آزاد کشمیر۔

اول الذکر دو مقامات پر ۷۷ طلبار تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور بھابڑا میں مدرسہ کی عمارت بھی بنائی گئی تھی۔ ۱۹۱۸ء سے بعض مصالح کے تحت اب بھابڑا اور رام باڑی کے درمیان نئی عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ جہاں علاقہ کے طلبار تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

موصیان درویشان پانچہزاری مجاہدین

سرسری معلومات کے مطابق اسوقت ریاستی جماعتوں میں مجموعی طور پر ۷۳ موصی اور ۸ درویش پائے جاتے ہیں اور پانچہزاری مجاہدین کی کتاب شائع کردہ تحریک جدید میں ۱۴ مجاہدین کے نام درج ہیں۔ آزاد کشمیر میں لجنات کی تعداد آٹھ نو کے قریب ہے۔

معاونین کتاب کے لئے درخواست دعا

آخر میں ہم معاونین خاص وعام کتاب ہذا کے اسماء یہاں درج کرتے ہیں اور ان کیلئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن میں سے ہر ایک کے اخلاص کے مطابق انہیں جزائے خیر دے اور جس نے مرحوم اقارب کی جانب سے اعانت کی ہے انہیں بھی اس کا ثواب پہنچا دے اور سب کے مال واولاد میں برکت دے۔ نیز اس کتاب کو

سب کے لئے موجبِ خیر و برکت بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔ (جن ناموں کے ساتھ خ کی علامت ہے، وہ خاص معاونین ہیں) یادداشت کے مطابق نام درج ہیں۔ اگر کسی معاون کا نام سہو و خطاء کی وجہ سے رہ گیا ہو وہ بھی ہماری دعا میں شامل ہے۔ قارئین کرام سے بھی درخواست ہے کہ ان سب کے لئے دعائے خیر کریں:۔

مکرم عبداللطیف صاحب گوئی خ
مکرم احمد الدین صاحب " خ
مکرم صوبیدار غلام دین صاحب " خ
مکرم سخی محمد صاحب " خ
مکرم اللہ دتا ولد لعل دین صاحب " خ
مکرم مکھن خان صاحب "
مکرمہ نور بیگم صاحبہ اہلیہ مختار احمد صاحب " خ
مکرم عبدالغنی صاحب گوئی
مکرم سید محمد صاحب خلیل آباد کالونی کوٹلی
مکرم میر حسین محمود صاحب حال کراچی
مکرم چوہدری محمد شریف صاحب گوئی "
مکرم کرم دین کھوکھر صاحب کوٹلی خ
مکرم قاضی محمد برکت اللہ صاحب حال امریکہ خ
مکرم میجر نور حسین صاحب سدھن چکار آزاد کشمیر خ
مکرم سواری خان صاحب چرناڑی
محترمہ سکینہ النور صاحبہ بیگم محمد اسد اللہ صاحب قریشی مرحوم منجانب والد صاحب مرحوم خ
مکرم محمد حسین خان صاحب کسرالی ضلع کیمبل پور
مکرم عبدالمومن صاحب گولبازار ربوہ خ
مکرم مولوی قمر الدین صاحب ربوہ
مکرم مولوی گلزار احمد صاحب معلم وقف جدید
مکرم محمد دین ولد احمد دین صاحب شیخوپورہ
مکرم محمد یعقوب صاحب ربوہ خ
مکرم عبدالغفار صاحب ڈار خ

مکرم بقاء اللہ صاحب عرف بھگا گوئی خ
مکرم جمال الدین صاحب " خ
مکرم چوہدری غلام شفیع صاحب " خ
مکرم قاضی عبدالعزیز صاحب " خ
مکرم فیروز الدین صاحب " خ
مکرم فتح محمد صاحب عرف فتا "
مکرم محمد حسین صاحب مختار " خ
مکرم امیر الدین صاحب خلیل آباد کالونی کوٹلی
محترمہ صدیقہ بیگم صاحبہ اہلیہ سید محمد صاحب "
مکرم محمد صدیق صاحب گوئی حال کراچی
مکرم ڈاکٹر محمد بشیر صاحب کوٹلی خ
مکرم ظہور احمد صاحب کوٹلی خ
مکرم محمد اسلم صاحب پشاور خ
مکرم مولوی عبدالقادر صاحب حال کوٹلی
مکرم قاضی محمد بشیر صاحب گمی "
مکرم عبدالسلام صاحب منجانب والد صاحب مرحوم
مکرم عبدالمنان صاحب طاہر مظفرآباد خ
مکرم خواجہ محمد شریف صاحب ربوہ
مکرم عبدالمجید صاحب مربی سلسلہ خ
مکرم مولوی عبدالغفور صاحب خ
مکرم مولوی کرم دین صاحب معلم وقف جدید
مکرم اجمل احمد خان صاحب سیالکوٹ خ
مکرم محمد منظور احمد ایڈووکیٹ کوٹلی خ
مکرم عبدالرشید صاحب ارشد مربی سلسلہ خ

مکرم عبدالحفیظ صاحب گوئی خ
مکرم مولوی امام الدین صاحب " خ
مکرم سلیمان صاحب " خ
مکرم چوہدری محمد عبداللہ صاحب " خ
مکرم شیر محمد ولد جمال دین صاحب " خ
مکرم مختار احمد صاحب "
مکرم کرامت حسین صاحب مختار " خ
مکرم محمد لطیف صاحب تاج خلیل آباد کالونی کوٹلی خ
مکرم عبدالحمید مبشر " حال کراچی
مکرم محمد سلیم صاحب اختر گوئی حال کراچی خ
مکرم سردار دوست محمد خان صاحب کوٹلی خ
مکرمہ کریم النساء صاحبہ اہلیہ حاجی امیر عالم مرحوم کوٹلی
مکرم فیروز دین صاحب بلوی چکار آزاد کشمیر خ
مکرم سید محمد صاحب چرناڑی
مکرم ضیغم سلیم صاحب باغ خ
مکرم محمد زمان خان صاحب حال انگلستان
مکرم منظور احمد مجوسان حال راولپنڈی خ
مکرم محمد شریف صاحب رام باڑی خ
مکرم عبدالوہاب صاحب مربی سلسلہ
مکرم مولوی محمد حسین صاحب معلم وقف جدید
مکرم مولوی اللہ دتہ صاحب "
مکرم غلام احمد صاحب نسیم ربوہ خ
مکرم محمد شریف چغتائی حال بھمبر خ
مکرم ولی الدین کوٹلی۔

جہلم کے چند اصحاب کا ذکر:۔ یہاں تک کتابت ہو چکی تھی کہ مکرم مولوی عبدالکریم صاحب

امیر جماعت احمدیہ جہلم نے وہاں کے چند اصحاب کا ذکر لکھ بھیجا۔ اُن میں سے قابل ذکر حالات درج ذیل ہیں:۔

۱۔ حضرت میاں علی محمد لون رضؓ (بیعت ۱۸۹۱ء) تین سو تیرہ ۳۱۳ اصحاب مسیح موعودؑ میں سے تھے۔ ۱۹۱۰ء میں وفات پائی۔ عبدالکریم صاحب موصوف اُن کے بیٹے ہیں۔

۲۔ حضرت عطا محمد لون رضؓ (بیعت ۱۸۹۱ء) انکے بیٹے عبدالرحیم لون ہیں، جنہوں نے اپنے بیٹے مسعود احمد صاحب جہلمی کو خدمت دین کے لئے وقف کر دیا ہے اور وہ تحریک جدید کے تحت بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کے جہاد میں مصروف ہیں۔

۳۔ حضرت میاں قادر مرحوم رضؓ نے بھی ۱۸۹۱ء میں بیعت کی اور ۱۹۲۵ میں وفات پائی۔ انکے بیٹے میاں عنایت اللہ صاحب ہیں۔

۴۔ حضرت ڈاکٹر امام الدین رضؓ نے بھی ۱۸۹۱ء میں بیعت کی انکے بیٹے نور الٰہی مرحوم اور ان کے بیٹے مشتاق احمد صاحب ہیں۔

۵۔ حضرت میاں رحیم بخش رضؓ نے بھی ۱۸۹۱ء میں بیعت کی انکے بیٹے میاں محمد دین مرحوم اور انکے بیٹے منظور احمد ڈار ہیں۔

۶۔ حضرت میاں نظام الدین رضؓ ٹھیکیدار محمد حسن رضؓ (بیعت ۱۸۹۱ء) ٹھیکدار نور حسن رضؓ (بیعت ۱۹۰۳ء) حضرت میاں محمد عیسیٰ رضؓ کوٹانہ (بیعت ۱۹۰۳ء وفات ۱۹۵۵ء) ان کے بیٹے میاں محمد دین اور انکے بیٹے ٹھیکدار عبدالقیوم صاحب ہیں۔ ۱۹۰۳ء وہی سال ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام مقدمہ کرم دین بھیں کے سلسلہ میں جہلم تشریف لائے تھے۔

میاں محمد بخش (بیعت ۱۹۲۰ء) ان کے بیٹے عبدالکریم بٹ موصی ہیں مع والدہ حج کرنے کی توفیق بھی پائی ہے ان کے علاوہ یہ نام درج ہیں:۔ میجر محمود احمد کے والد عبدالکریم خان مرحوم۔ عبدالحکیم صاحب کے والد میاں سلطان محمد مرحوم۔ بابو عطا محمد صاحب والد صوفی محمد ابراہیم صاحب سابق ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ مگر انکی تاریخ بیعت درج نہیں۔ یہ سب خاندان ۱۸۲۱ء–۱۸۵۰ء کے درمیان کشمیر سے نکل کر جہلم میں آکر بس گئے تھے۔ ان میں سے جن خاندانوں کی بیعت ۱۸۹۱ء درج ہے انہوں نے حضرت مولوی برہان الدین جہلمی رضی اللہ عنہ (بیعت ۱۸۹۱ء) کے ساتھ ہی بیعت کر لی۔ کیونکہ سب ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے تھے۔ مولوی صاحب موصوف تین سو تیرہ اصحاب میں سے ۸۴ نمبر پر تھے اور اس مسجد کے متولی بھی تھے جو آجکل مسجد احمدیہ کہلاتی ہے۔ خدا تعالےٰ کے تصرفات عجیب رنگ رکھتے ہیں ۱۸۷۱ء–۱۸۷۰ء کے درمیان شیخ الٰہی بخش صاحب ایک حنفی العقیدہ بزرگ نے حج کعبہ کا فریضہ ادا کیا۔ انہوں نے اس دوران خواب میں دیکھا کہ موجودہ مسجد احمدیہ کے مقام پر انہوں نے مسجد تعمیر کی ہے اور اس کا متولی حضرت مولوی برہان الدین جہلمی رضؓ کو مقرر کیا ہے۔ جب واپس آئے تو انہوں نے اس مقام پر مسجد تعمیر کی اور مولوی صاحب موصوف کو اس کا متولی مقرر کر دیا۔ حنفیوں نے اس پر اعتراض کیا۔ انہوں نے کہا۔ مَیں تو اپنی خواب پورا کر رہا ہوں۔ جب مولوی صاحب احمدی ہوئے تو یہی مسجد احمدیہ بن گئی۔ بعد میں اُسے اور زیادہ وسعت کے ساتھ بہتر شکل میں تعمیر کر لیا گیا ہے اور اسی میں جمعہ و جماعت وغیرہ ادا ہوتے ہیں۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔ تمت بالخیر

(ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

نقشہ ریاست جموں و کشمیر
جماعت ہائے احمدیہ

o جہاں جماعت احمدیہ قائم ہے۔

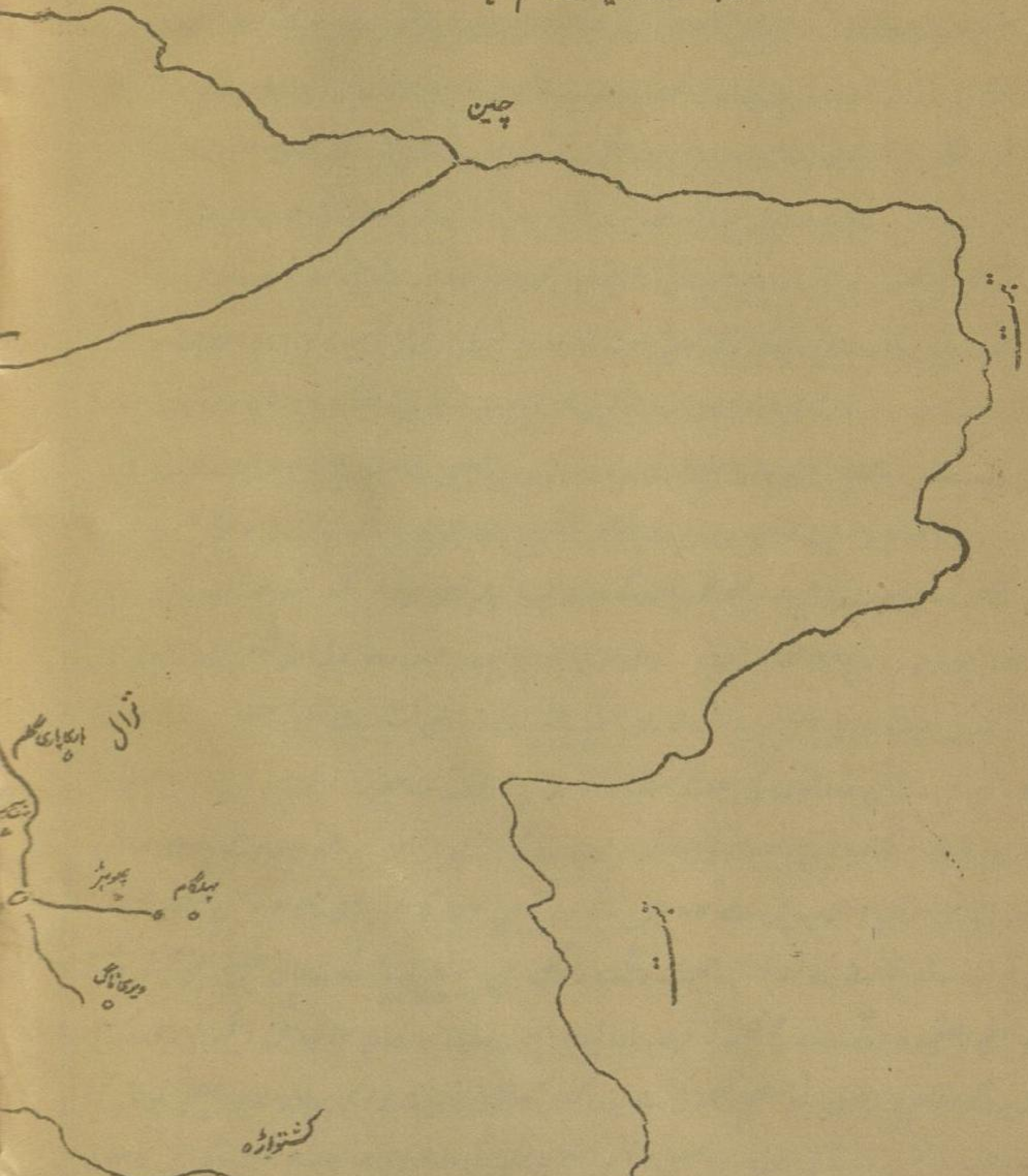

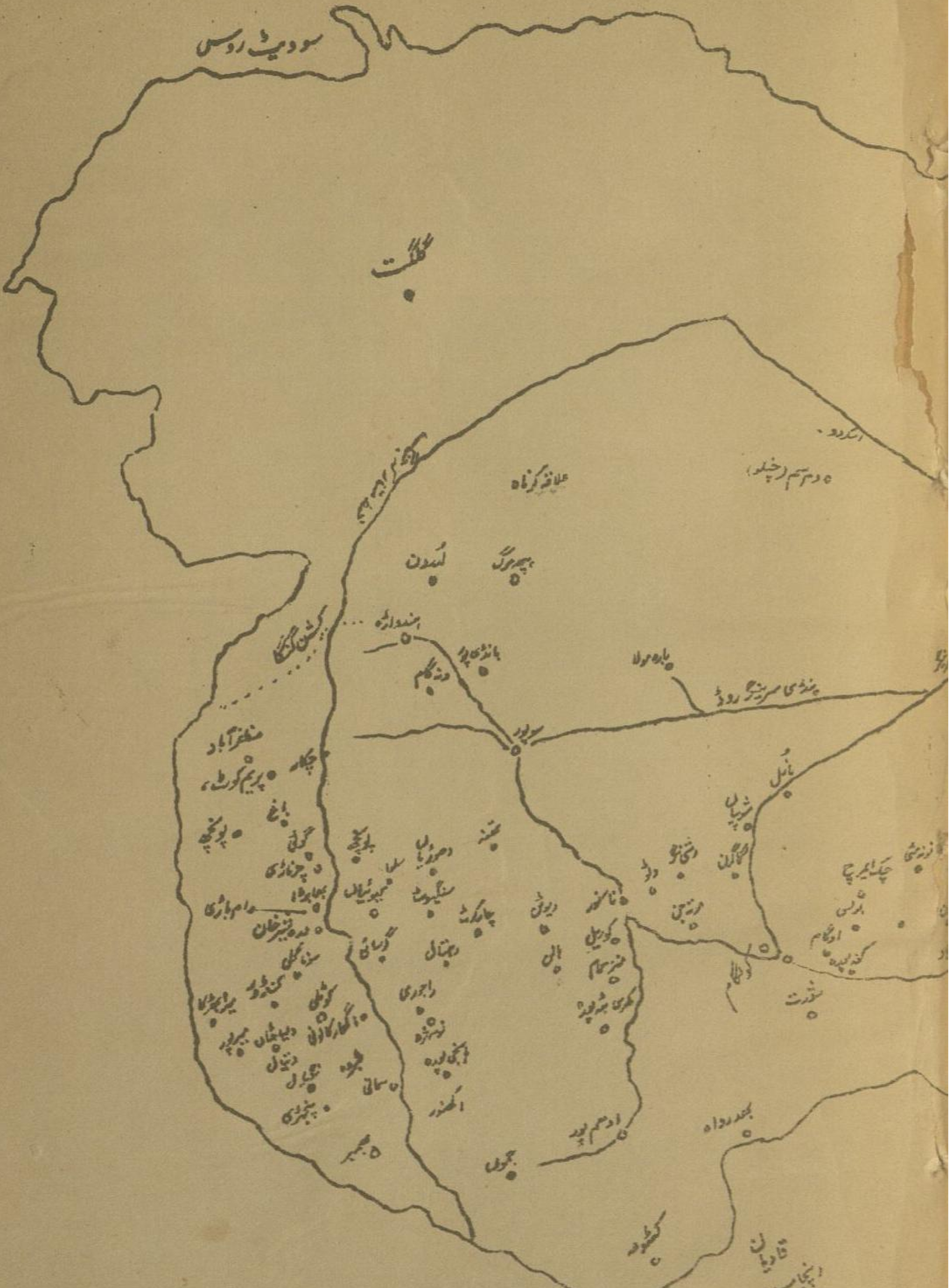

سوویٹ روس
گلگت
سکردو
علاقہ کرناہ
ہندوارہ
بانڈی پور
بارہ مولا
پنڈی سرینگر روڈ
سوپور
کشن گنگا
مظفر آباد
پریم کوٹ
باغ
پونچھ
کوٹلی
میرپور
بھمبر
راجوری
نوشہرہ
اکھنور
جموں
ادھم پور
بھدرواہ
کٹھوعہ
قادیان (پنجاب)

مصنف کی دیگر کتابیں :-

(۱) عیسائیوں اور مسلمانوں کی کشمکش کی تاریخ (فضل عمر فاؤنڈیشن سے انعام یافتہ) — طباعت عکسی، قیمت دو روپے پچاس پیسے

(۲) امام مہدی کا ظہور (تیسرا ایڈیشن زیر طبع)

(۳) بدر سوم کے خلاف جہاد پچاس پیسے

ملنے کا پتہ - نظارت اشاعت لٹریچر و تصنیف
صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ

(۴) مسیح دجال اور یاجوج و ماجوج کا ظہور
(فضل عمر فاؤنڈیشن سے انعام یافتہ) زیر طبع

(۵) مسیح کشمیر میں — قیمت سفید کاغذ دو روپے پچاس پیسے
- اخباری - ایک روپیہ پچاس پیسے

ملنے کا پتہ - حکیم عبداللطیف شاھد افضل برادرز
گول بازار ربوہ

طبع اول ایک ہزار تاریخ طباعت مارچ ۱۹۷۳ء
کتابت محمد اسمعیل قریشی (خوشنویس ربوہ)
کاغذ سفید - سائز $\frac{20 \times 26}{8}$ صفحات قریباً تین سو علاوہ ۲۸ صفحات برائے تصاویر
قیمت - آٹھ روپے

ملنے کا پتہ - الشرکتہ الاسلامیہ لمیٹڈ گول بازار ربوہ